جشن آزادی مبارک
گھر کے ہر فرد کے لئے
ماہنامہ
پاکیزہ
کراچی
اگست 2020ء
بانی
معراج رسول
قیمت 100 روپے
معروف افسانہ نگار غزالہ
سیما رضا، عفت گل اعزاز و مدیحہ شاہد کی خوبصورت تحریریں
Pakistanipoint

عید مبارک

اداریہ

مجھے کچھ کہنا ہے — مدیرہ 07

عورت کہانی

عورت غلطی — فرحین اظفر 87

سلسلے وار ناول

میرا سارا رنگ اتار دو — افشاں آفریدی 10
میں عشق ہوں — نایاب جیلانی 102

افسانے

شجر سایہ دار — سیما رضا ردا 39
مٹ گئے فاصلے — عفت گل اعزاز 45
دعاؤں کا ثمر — فوزیہ سرور 82
عقیدہ سنگ — حنا ابرار 127
عذاب لمحے — بما علی 133
بان — سلمیٰ غزل 191

مکمل ناول

پریوں کا دیس — مدیحہ شاہد 196

ناولٹ

ایک سجدہ — عائشہ خان 144
دہلیز دل — فرحت انصاری 171

خصوصی مضامین

شمع ہدایت — اختر شجاعت 232
وہ آئے بزم میں — نزہت [illegible] 240
اظہار تعزیت — ناہید فاطمہ حسن 246
سروے — شائستہ زریں 249

منی ناول

میں انمول — سعدیہ رئیس 56

پبلشر و پروپرائٹر: ذیشان رسول • مقام اشاعت: گراؤنڈ فلور C-63 فیز II ایکس ٹینشن، ڈیفنس، مین کورنگی روڈ کراچی 75500
پرنٹر: جمیل حسن • مطبوعہ: ابن حسن پرنٹنگ پریس ہاکی اسٹیڈیم کراچی

PakistaniPoint
www.pakistanipoint.com

Pakistanipoint.com

مستقل عنوانات

دین کی باتیں	ادارہ 08	خوش ذائقہ	شگفتہ یاسمین 278
گوشۂ ظرافت	ادارہ 261	بزم پاکیزہ	پاکیزہ بہنیں 280
بہنوں کی محفل	مدیرہ 263	روحانی مشورے	ادارہ 282
پاکیزہ ڈائری	آمنہ حماد 272	حسن نکھارئیے	مہ جبیں 284
میں اکثر گنگناتی ہوں	صغریٰ زیدی 276	ہومیو کلینک	286

Office: 63-C, Phase-II (Ext), D.H.A. Commercial Area, main Korangi Road Karachi.
Postal Address: Box No. 662, G.P.O. , Karachi-74200
Phone: (021)35895313 ,35802552, E-mail address: jdpgroup@hotmail.com

انتباہ

ادارہ جاسوسی ڈائجسٹ پبلی کیشنز کی جانب سے تنبیہہ کی جاتی ہے کہ جو ویب سائٹس ہمارے ادارے کا نام لے کر "آفیشل پیج" کی اصطلاح استعمال کر رہی ہیں ان سائٹس سے ادارے کا کوئی تعلق نہیں، اسے فوری ترک کیا جائے تاکہ ہمارے معزز قارئین کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہوں۔ ایسی تمام ویب سائٹس اور سوشل میڈیا گروپس کو مرتب کرنے والے منتظمین جو اپنے سطحی مفادات کی خاطر ادارے سے شائع ہونے والے ماہناموں کے مضامین، افسانے اور کہانیاں بلا اختیار اور غیر قانونی طور پر اَپ لوڈ کر کے ادارے کو سنگین مالی نقصان پہنچانے کے ساتھ ادارے کی ساکھ متاثر کر رہے ہیں، انہیں خبردار کیا جاتا ہے کہ اس قبیح فعل کو فوری ترک کر دیں، بصورت دیگر ادارہ، سائبر کرائمز کے قانون

PREVENTION OF ELECTRONIC CRIMES ACT 2016

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

اور

COPYRIGHT ORDINANCE 1962/2000

کے تحت کسی بھی قسم کی کارروائی کا حق رکھتا ہے۔ ایف آئی اے اور دیگر متعلقہ اداروں میں بھی ان افراد/ اداروں کے خلاف شکایات درج کرائی جائیں گی۔

جاسوسی ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ

ماہنامہ پاکیزہ، ماہنامہ سرگزشت

جاسوسی ڈائجسٹ پبلی کیشنز

63-C فیز III ایکسٹینشن ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی مین کورنگی روڈ، کراچی

فون: 35804200-35804300

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مجھے کچھ کہنا ہے بیٹیو!

قارئین کرام..... السلام علیکم!

اگست 2020ء کا شمارہ لیے حاضر ہیں۔ تمام اُمتِ مسلمہ کو عید الاضحیٰ کی باسعادت ساعتیں مبارک ہوں۔ ماہ ذی الحج اہلِ اسلام کے لیے بہت اہمیت و منزلت کا حامل ہے کہ اس ماہ ارکانِ اسلام کے پانچویں اہم ترین رکن یعنی حج کی ادائیگی کی جاتی ہے اور سنتِ ابراہیمیؑ پر عمل کیا جاتا ہے۔ فریضۂ حج جہاں ہم مسلمانوں کے لیے اتحاد و یگانگت و مساوات اور ایثار و قربانی کا پیغام دیتا ہے وہیں اسلام کی عظمت و شان شوکت تمام ادیان پر بھی آشکار ہوتی ہے..... جب رنگ نسل زبان، فرقے کی تفریق کو بالائے طاق رکھ کر خدائے واحد کے حضور سجدہ ریز ہو کر اپنے رب کی شانِ عظمت و جلالت بیان کی جاتی ہے۔ اس سال اگرچہ شاید دنیا بھر سے محدود تعداد میں عازمین حج عزم سفر ہوں مگر سب مسلمانوں کے ہاتھ تو بدستور دعاؤں کے لیے اٹھے ہوئے ہیں کہ کب وہ دن آئے کہ کعبۃ اللہ اور روضہ رسولؐ کی زیارت نصیب ہو۔ پروردگار عالم ہم سب کو یہ باسعادت سفر نصیب ہو، الٰہی آمین.....!

تمام اہل وطن کو جشنِ آزادی مبارک ہو۔ دعا ہے کہ ہمارا پیارا ملک روز بروز ترقی و خوشحالی کی راہ پر گامزن ہو۔ شکر الحمد للہ کہ اب عالمی سطح پر بھی اور ملکی سطح پر بھی کورونا وائرس کے باعث طاری ہونے والی خوف کی فضا میں بتدریج کمی آ رہی ہے جو کہ ہر شعبۂ زندگی کے لیے خوش آئند ہے۔ ان شاء اللہ جلد ہی سکون امن اور خوشحالی کی گھڑیاں نصیب ہوں..... آزادی کی راہ میں قربانیاں دینے والوں کی کوششوں اور جدوجہد کو ہمیں ہر دم یاد رکھنا ہے اور اس آزادی کو برقرار رکھنے کے لیے پُرعزم، باہمت اور متحد رہنا ہے..... اللہ تعالیٰ وطن اور اس کے باسیوں پر اپنی رحمت و بخشش برسائے رکھے۔ الٰہی آمین!

مدیرہ

نزہت اصغر

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

اے وہ لوگو جو ایمان لا چکے ہو تم خدا سے ڈرتے رہو۔ اور سچّوں کے ساتھ ہو جاؤ۔ (۱۱۹) مدینہ کے رہنے والوں کا، اور ان کے اردگرد جو بدو رہتے ہیں ان کا یہ کام نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے رسول کے پیچھے رہ جائیں۔ اور نہ یہ کہ وہ اپنی جانوں کو اس کی جان سے عزیز رکھیں۔ یہ اس لیے کہ انہیں خدا کی راہ میں نہ تو پیاس کی تکلیف پہنچتی ہے اور نہ کوئی تکان، اور نہ کوئی بھوک۔ اور نہ وہ کسی ایسی جگہ پر چلتے ہیں جس سے کافروں کو غصہ دلائیں۔ اور نہ کسی دشمن سے کچھ لے لیتے ہیں مگر یہ کہ اس کے بدلہ میں ان کے لیے نیک عمل لکھ لیا جاتا ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ (۱۲۰) اور نہ وہ کوئی چھوٹا خرچہ اور نہ بڑا خرچہ کرتے ہیں، اور نہ وہ کوئی وادی طے کرتے ہیں، مگر وہ بھی ان کے لیے لکھ لیا جاتا ہے۔ تاکہ جو، جو عمل وہ کیا کرتے تھے اللہ تعالیٰ ان کو بہترین بدلہ دے۔ (۱۲۱) اور مومنوں کے لیے یہ مناسب نہیں کہ وہ سب کے سب (گھروں سے) نکل پڑیں۔ پس ان کے لیے ہر بڑے گروہ میں سے ایک، ایک چھوٹا سا جتھا اس غرض سے کیوں نہیں نکلتا کہ وہ دین کا علم حاصل کریں۔ اور جب وہ اپنی قوم میں لوٹ کر آئیں تو ان کو ڈرائیں، تاکہ وہ (برائی سے) بچیں۔ (۱۲۲) اے وہ لوگو! جو ایمان لا چکے ہو، کافروں میں سے جو تمہارے قریب ہیں ان سے لڑو اور چاہیے کہ وہ تم میں سختی پائیں۔ اور جان لو کہ یقیناً اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔ (۱۲۳) اور جب کوئی سورت نازل کی جاتی ہے تو ان میں کوئی کہہ دیتا ہے کہ تم میں سے وہ کون ہے جس کے ایمان میں اس سورت نے زیادتی کی ہے پس وہ لوگ جو ایمان لا چکے، ان کے ایمان کو تو بڑھا دیا ہے اور وہ خوش ہو جاتے ہیں۔ (۱۲۴) اور وہ لوگ جن کے دلوں میں مرض ہے۔ پس اس (سورت کے نازل ہونے) نے ان کی نجاست پر اور نجاست بڑھا دی۔ اور وہ مر گئے اس حال میں کہ وہ کافر تھے۔ (۱۲۵) کیا وہ دیکھتے نہیں ہیں کہ یقیناً وہ ہر سال میں ایک بار یا دو بار آزمائے جاتے ہیں۔ پھر بھی وہ توبہ نہیں کرتے۔ اور نہ ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ (۱۲۶) اور جب کوئی سورت نازل کی جاتی ہے تو وہ ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہیں۔ (اور کہتے ہیں) کیا تمہیں کوئی دیکھ رہا ہے پھر وہ لوٹ جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو پھرا رہنے دیا کیونکہ وہ ایسے لوگ ہیں جو سمجھ سے کام نہیں لیتے۔ (۱۲۷) یقیناً تمہی میں سے ایک رسول تمہارے پاس آیا ہے تمہارا تکلیف اٹھانا اس پر شاق گزرتا ہے، تمہاری بھلائی کا بڑا ہی خواہش مند ہے مومنوں پر تو نہایت ہی شفیق بڑا ہی مہربان ہے۔ (۱۲۸) پس اگر وہ پھر جائیں تو تم کہہ دو کہ مجھے تو اللہ تعالیٰ کافی ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ میں نے تو اسی پر بھروسا کیا ہوا ہے۔ اور وہ بہت بڑے عرش کا پروردگار ہے۔ (۱۲۹)

(سورۂ توبہ ۹، پارہ ۱۱۔ آیات ۱۱۹ تا ۱۲۹)

Waqar Azeem
kisanipoint.com

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسمائے گرامی

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ سَیِّدِ التَّوَّابِیْنَ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

سید کونین، خاتم الانبیا، سرور کائنات، رحمۃ العالمین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صفاتی اسمائے مبارکہ میں سے ایک نام سیدنا نبی التوبۃ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ہے۔ جس کے معنی ومفہوم: متوجہ ہونے والا نبی۔ توبہ۔ (رجوع) کرنے والا نبی کے ہیں۔

1۔ القرآن: اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب تمہارے پاس مومن عورتیں اس بات پر بیعت کرنے کو آئیں کہ خدا کے ساتھ نہ تو شریک کریں گی نہ چوری کریں گی نہ بدکاری کریں گی نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی نہ اپنے ہاتھ پاؤں میں کوئی بہتان باندھ لائیں گی نہ نیک کاموں میں تیری نافرمانی کریں گی تو ان سے بیعت لے لو اور ان کے لیے خدا سے بخشش مانگو۔ بے شک خدا بخشنے والا مہربان ہے۔ (سورۂ ممتحنہ، آیت ۱۲)

2۔ الحدیث: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ہم مجلس نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وقفہ، وقفہ سے یہ فرماتے۔ ''اے میرے رب! مجھے بخش دے اور میری توبہ قبول فرما بے شک تو توبہ قبول کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پڑھتے رہتے اور ہم شمار کرتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توبہ استغفار مجموعی طور پر سو بار تک جا پہنچتی تھی۔

۲۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ''خدا کی قسم! میں اللہ سے بخشش چاہتا ہوں اور دن میں ستّر سے زیادہ مرتبہ توبہ کرتا ہوں۔''

3۔ الوائے: محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسی توبہ اور ندامت کے خلاف نہ تھے جو خلوص دل اور مناسب وقت پر مانگی جائے۔ اکثر و بیشتر وہ اپنے ہاتھ میں زیتون کی شاخ پکڑ کر گڑگڑا کر خدا سے معافی اور رحم کے طلبگار ہوتے۔ ایسی خصوصیات جو صرف اس کی ذات پاک سے منسوب ہیں رحم..... جو درحقیقت کوئی اجارہ دارانہ صفت نہ تھی۔ اس نے رحم کو اپنی ذات پر لازم کرلیا ہے۔ اس حقیقت کے مطابق تھی کہ رحم کی درخواست صرف اس کی عدالت میں کی جاسکتی ہے۔ یہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پُرخلوص دل کا واضح اور صاف ثبوت ہے اور یہ ان کے اس جوش وجذبے کا واضح اور ٹھوس ثبوت بھی ہے کہ وہ اندر سے ایک پیغمبر اور مصلح تھے۔ (لیونارڈ)

4۔ الفضائل: جو کوئی ۹۰۱ مرتبہ روزانہ اس اسم پاک سیدنا نبی التوبہ کا ورد کرنے کو اپنا معمول بنالے تو وہ مخلوق میں کسی کا محتاج نہ رہے گا۔ اللہ تعالیٰ اس پر خصوصی فضل وکرم نازل فرمائے گا۔ ان شاء اللہ۔!

(قیصرہ حیات کی کتاب انوار اسما النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اقتباس)

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

زندگی کبھی، کبھی انسان کو ایسے کربناک حادثے سے دوچار کر دیتی ہے کہ اس کا اپنی ذات اور ارد گرد کے لوگوں پر سے اعتماد متزلزل ہو جاتا ہے۔ اس حادثے کی وجہ بعض اوقات اس کی اپنی توقعات بھی ہوتی ہیں جو وہ کسی بے نام تعلق سے وابستہ کر لیتا ہے۔ وہ جذبے جو رشتوں کے توسط سے دل میں بسیرا کریں ان کی پزیرائی تو مذہب اور معاشرہ دونوں کرتے ہیں، ان کی حق تلفی پر جواب طلبی بھی کی جا سکتی ہے مگر وہ دلی تعلق جنہیں رشتوں کی سند نہ حاصل ہو، انہیں کسی عدالت سے بھی سزا نہیں سنائی جا سکتی، سوائے ضمیر کی عدالت کے۔ جبکہ وہ رشتے جنہیں تعلق کا نام بھی دے دیا جائے کبھی کبھی وہ اپنے جائز حق سے بھی محروم کر دیے جاتے ہیں۔ اور ان کی جوابدہی کرنے والا کوئی نہیں ہوتا۔ یہ دنیا دارالعمل ہے جہاں انسان کے دو ہی امتحان ہیں، ایک شکر کا دوسرے صبر کا... مگر جب حضرتِ انسان حسد یا ہوس کی خاطر تقدیر سے لڑنے کی ٹھان لے تو پھر اس کے اپنے فیصلے ہی اس کی آزمائش بن جاتے ہیں۔

حادثوں میں گزری ہے راس بس تباہی ہے — زندگی کی چاہت میں زندگی گنوائی ہے

خواب اب نہیں میرے، نیند تک پرائی ہے — عارضی محبت تھی مستقل نبھائی ہے

امیدوں، جذبوں، فیصلوں اور احساسِ جرم پر مبنی کچھ ایسے کرداروں کی کہانی جو دل سے دیکھتے، دل سے سنتے اور دل سے ہی سوچتے ہیں

میرا سارا رنگ اتار دو

سلسلے وار ناول

افشاں آفریدی

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

Nasar Aze
pakistanipoint

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

شیرازی ولا میں مقیم مظفر اور سائرہ کی بیٹی ردا کی منگنی اس کی مرضی سے آصف کے ساتھ ہوتی ہے جس میں یو ایس اے سے تین سال بعد واپس آ کر مظفر صاحب کا یتیم بھتیجا عکرمہ بھی شریک ہوتا ہے۔ عکرمہ آئی کیپ میں لیکچررشپ اور icmap میں ایوننگ کلاسز لینے لگتا ہے۔ دُرِ مکنون، سائرہ چچی کی بھانجی تھی جس کی ذمے داری مظفر احمد نے اس کے ماں باپ کے انتقال کے بعد اٹھائی تھی۔ عکرمہ دادی سے کہتا ہے کہ چچا جان کو درمکنون کی تعلیم شروع کرا دینی چاہیے۔ مظفر، عکرمہ سے دُرِ مکنون کو پڑھانے کا کہتے ہیں۔ ایک رات درمکنون کی طبیعت خراب ہونے پر دادی اسے سکون آور دوا دیتی ہیں اور اس کے ساتھ ہونے والے حادثے کا بتاتی ہیں۔ عکرمہ، زوہا، ردا اور درمکنون کو شاپنگ پر لے کر جاتا ہے تو زوہا بتاتی ہے کہ زارا (مظفر صاحب کی دوسرے نمبر کی بیٹی) کے ساتھ اس کی نند خولہ آ رہی ہے اور شاید وہ دادی کو پسند ہے۔ دُرِ مکنون سوچتی ہے کہ کیا واقعی وہ اپنے آنسوؤں سے اپنے محسنوں کی خوشی کو دھندلا رہی ہے۔ اسٹڈی میں دُرِ مکنون کو دیکھ کر آنسو بہاتے مظفر شیرازی، عکرمہ کے ذہن میں ہلچل مچائے ہوئے تھے۔ مظفر صاحب نے اپنی نئی ول بنوائی تھی وہ لے کر عکرمہ نکلتا ہے تو زاویار کا شیری کے ساتھ رویہ دیکھ کر سوچتا ہے کہ کوئی عورتوں کے ساتھ اس طرح بھی برتاؤ کرتا ہے۔ خولہ، عکرمہ کا لیپ ٹاپ لینے جاتی ہے تو دُرِ مکنون کو اس کی باتوں سے اپنے بدصورت رویے کا احساس ہوتا ہے۔ خولہ، دُرِ مکنون سے عکرمہ کے بارے میں پوچھتی ہے تو وہ کہتی ہے کہ اگر آپ اس گھر میں بہو بن کر آئیں تو بہت خوش رہیں گی، اس جملے کو سن کر عکرمہ ایک انجانے سے احساس سے دوچار ہوا تھا۔ سائرہ بیگم، عکرمہ کو بھی شام کو گھر پر رہنے کا کہتی ہیں۔ عکرمہ کو زاویار سے مل کر یاد آ جاتا ہے کہ اس نے صفدر صاحب کے آفس کے باہر اسے دیکھا تھا اور لڑکی سے اس کا خراب برتاؤ بھی یاد آ جاتا ہے (دُرِ مکنون کی تباہی کا ذمے دار) زاویار کو دیکھ کر درمکنون بے ہوش ہو جاتی ہے۔ مظفر صاحب، سائرہ بیگم سے کہتے ہیں کہ وہ دُرِ مکنون کو کمرے میں لے جائیں۔ درمکنون کے بے ہوش ہونے پر مظفر صاحب چراغ پا ہو جاتے ہیں اور سائرہ بیگم بھی یہ عہد کر لیتی ہیں کہ کم از کم ردا کی شادی تک وہ اس معاملے کو نہیں چھیڑیں گی۔ درمکنون سوچ رہی تھی کہ زاویار بنا کسی احساس جرم کے کس اطمینان سے نئی زندگی شروع کرنے جا رہا ہے۔ عبید اور ان کی فیملی ردا کی شادی پر نہیں آ رہے تھے اس خبر سے دادی کافی دلگرفتہ تھیں۔ دُرِ مکنون کو پتا چلتا ہے کہ دادی نے خولہ کے رشتے سے منع کر دیا ہے تو اسے بڑا افسوس ہوتا ہے۔ عینی، درمکنون سے ملنے آتی ہے اور اس کا حوصلہ بڑھاتی ہے، عکرمہ کو یہ جان کر شاک لگتا ہے کہ دُرِ مکنون کے خوف اور وحشت کی وجہ اظہار بھائی ہیں، ولی اپنی بات پکی ہونے کی مٹھائی لے کر آتا ہے۔ سائرہ بیگم، دُرِ مکنون کو بتاتی ہیں کہ زاویار نے رشتے سے انکار کر دیا ہے اور وہ اس کا رشتہ جلد از جلد کرنا چاہتی ہیں کیونکہ ان کے بعد عکرمہ اور سیف کی فیملی اس کی ذمے داری نہیں اٹھا سکے گی۔ عکرمہ گھر آتا ہے تو شہرین اسے باہر ملتی ہے جو خولہ کو لینے آئی تھی کیونکہ اس کے بھائی یعنی خولہ کے منگیتر آ رہے ہیں۔ عکرمہ اندر آتا ہے تو دُرِ مکنون بتاتی ہیں کہ کوئی طاہرہ آنٹی آئی ہیں، عکرمہ بہت تیزی سے ان سے ملنے کے لیے جاتا ہے۔ دادی طاہرہ آنٹی کو بتاتی ہیں کہ والدین کے انتقال کے بعد وہ ان کے ساتھ رہ رہی ہے۔ ردا کے نکاح کی تقریب کے بعد خولہ تھوڑی دیر درمکنون کے کمرے میں جاتی ہے تو اسے باتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ عکرمہ نے درمکنون کی وجہ سے انکار نہیں کیا ہے۔ درمکنون بھی خولہ کی طارق کے ساتھ منگنی پر زیادہ خوش نہیں تھی۔ عکرمہ، درمکنون کو کہتا ہے جب تک ردا کی شادی ہے وہ دادی کے پاس سوئے۔ رات کو سوتے میں دُرِ مکنون ڈر جاتی ہے تو دادی اس کا حوصلہ بڑھاتی ہیں۔ مظفر صاحب سے عکرمہ، درمکنون کے ڈاکومنٹس لیتا ہے کہ ولید کی کزن فارم جمع کرا دے گی تو اسے پتا چلتا ہے کہ مظفر صاحب درمکنون کے لیے بہت جذباتی ہیں۔ اظہار صاحب اپنی فیملی کے ساتھ اپنے رشتے داروں میں جا رہے ہیں تو دُرِ مکنون کی طرف سے مطمئن ہو جاتا ہے۔ اور جب وہ اپنی کلاس لے کر آتا ہے تو دادی سے پوچھتا ہے دُرِ مکنون کے بارے میں تو وہ اسے مطمئن کر دیتی ہیں۔ طاہرہ بانو پچھلے گیٹ سے آ کر درمکنون کو اپنے ساتھ لے جاتی ہیں اور اسے دوستی کی آفر بھی کرتی ہیں۔ شہرین، میمونہ بیگم کو زاویار کے متعلق بتاتی ہے تو وہ سوچتی ہیں کہ آغا جان اور شہریار سے بھی اس کا دل صاف ہو جائے گا۔ جلال انصاری، شہریار کو کہتے ہیں کہ وہ زاویار کو کال کر لیں۔ عاصمہ، زاویار کے باپ شہریار سے طلاق لے چکی تھیں۔ وہ شہرین کو اپنے دوسرے شوہر عثمان کے انتقال اور مومنہ کی شادی کا بتاتی ہیں اور اسے اپنے گھر آنے کی دعوت دیتی ہیں۔ شہریار انصاری، زاویار کو فون کرتے ہیں اور زاویار کے بدتمیزی سے

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

جواب دینے پر فون بند کر دیتے ہیں۔ میمونہ بیگم، شہرین کو بتاتی ہیں کہ آغا جان چاہتے ہیں کہ خولہ کی یا شہرین کی شادی زاویار سے ہو جائے۔ زاویار تین سال پہلے کے اس منظر سے کسی طرح نکل نہیں پا رہا تھا۔ زاویار، نازیہ سے کہتا ہے کہ وہ دُرِ مکنون سے ملنا چاہتا ہے تو نازیہ ہامی بھر لیتی ہیں۔ شیری عاصمہ لاج پہنچتی ہے تو اسے زاویار کے ایکسیڈنٹ کا پتا چلتا ہے۔ وہ مولا بخش کے ساتھ ہی اسپتال جاتی ہے پھر زاویار کی حالت کو خولہ کو فون کر کے بلاتی ہے تو زارا بھابی، اظہار بھائی اور خولہ کے ساتھ عکرمہ بھی اسپتال آتا ہے۔ عاصمہ، زاویار کو دیکھ کر ہی بے ہوش ہو جاتی ہیں، رات تک مومنہ اور مہران بھی کراچی آ گئے تھے۔ تین سال بعد آغا جان، زاویار کے سامنے تھے اور ان کے انداز بھی خاصے بدل گئے تھے، ان کے ساتھ شہریار اور عینی بھی تھے۔ آغا جان، زاویار سے کہتے ہیں کہ گزرے دنوں کو بھول جاؤ اور اپنا دل صاف کر لو..... لیکن وہ کہتا ہے کہ کچھ نقصان ناقابلِ تلافی ہوتے ہیں اور خود سسٹر کو بلا کر باہر چلا جاتا ہے۔ شیری کھانا لے کر آتی ہے تو اس کو بتاتی ہے درِ مکنون، زارا بھابی کی کزن ہے اور وہ اس کے لیے ہاں کب کر رہا ہے وہ اور عینی جا کر اسے زاویار کے نام سے چھیڑیں گی۔ جس پر زاویار غصہ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ وہ اس کے معاملات سے دور رہے اور کسی سے کچھ نہ کہے۔ آغا جان نے عاصمہ سے کہا کہ وہ زاویار کو شہرین کے لیے راضی کریں اور وہ یہ سوچ کر پریشان تھیں کہ وہ یہ کیسے کریں گی۔ شازیہ انہیں کہتی ہیں اگر انہیں دُرِ مکنون پسند ہے تو مہران کے لیے بات کر لیں لیکن یہ بات عاصمہ کو صحیح نہیں لگتی۔ خولہ، شہرین کو اسپتال جانے سے روکتی ہے لیکن وہ اس کی بات نہیں سنتی۔ شیری، خولہ سے پوچھتی ہے کہ اس نے عکرمہ کے بجائے طارق کے لیے ہامی کیسے بھر لی۔ عکرمہ سے دستبردار ہونا خولہ کے لیے تکلیف دہ تھا ضرور لیکن وہ یہ بات کسی سے بھی نہیں کہہ سکتی تھی۔ عاصمہ، زاویار کو سمجھاتی ہیں کہ آغا جان کے لیے جو کدورت اس کے دل میں ہے وہ نکال دے لیکن زاویار کہتا ہے کہ وہ یہ نہیں کر سکتا۔ عینی، زاویار کو بتاتی ہے کہ شہرین نے اسے دُرِ مکنون سے ملوایا۔ عاصمہ صبح صبح اسپتال آ جاتی ہیں زاویار کے پوچھنے پر وہ بتاتی ہیں کیونکہ تمہارے پاپا کی فلائٹ ہے اور وہ تم سے ملنے آئیں گے تو میں ان کے آنے سے پہلے یہاں سے نکل سکوں، زاویار کہتا ہے کہ آپ اس انسان کے لیے اچھا کیسے سوچ سکتی ہیں جس نے مجھے، آپ سے جدا کر دیا اس پر وہ کہتی ہیں کہ وہ پرانی بات تھی اب تم میرے ساتھ ہو اس لیے جب شہریار انصاری اور آغا جان آئے تو زاویار نے اپنے منفی جذبات پر کسی حد تک قابو پا لیا تھا۔ وہ لوگ زاویار کو اسپتال سے چھٹی ہونے پر اپنے ساتھ لے جانے آتے ہیں تو وہ انکار کر دیتا ہے۔ جس پر وہ کہتے ہیں کہ میمونہ نے کل جو تقریب رکھی ہے اس میں ضرور آنا تو وہ ہامی بھر لیتا ہے، گھر آنے کے بعد وہ اپنے کمرے میں چلا جاتا ہے جہاں مولا بخش کا فون آتا ہے تو وہ بغیر کسی کو بتائے گاڑی لے کر نکل جاتا ہے عاصمہ گاڑی کی آواز سن کر اسے آواز دیتی رہ جاتی ہیں۔ زاویار، عاصمہ سے کہتا ہے کہ وہ مولا بخش کی مدد کرنے گیا تھا عاصمہ اس پر غصہ ہوتی ہیں کہ ایسے معاملات سے دور رہے اور آئندہ بغیر بتائے نہ جائے۔ زاویار کے کمرے کی صفائی کرتے ہوئے عاصمہ ریوالور دیکھ کر حیران رہ جاتی ہیں۔ زاویار، طارق اور خولہ کی انگیجمنٹ میں جاتا ہے تو طارق اس کے اور آغا جان کے درمیان ہونے والی ناراضی پر بات کرتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ ان باتوں کو چھوڑو اور اپنی خوشی کو انجوائے کرو۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint

اب آگے پڑھیے

قسط نمبر 16

''کس کا فون تھا اماں؟''

مظفر صاحب نے اماں کو فون بند کرتے دیکھا تو سوال کیا۔

عکرمہ نے بھی ساتھ بیٹھے سیف کو ایکسرسائز سمجھاتے ہوئے ان کی طرف دیکھا تھا۔

''طاہرہ تھی..... دُرِ مکنون کو اپنے ساتھ لے جانا چاہ رہی تھی، بیک یارڈ میں دُرِ مکنون کو بیٹھے دیکھا تو اس کے پاس چلی آئی تھی، ساتھ چلنے آفر کی تو دُرِ مکنون اجازت بغیر جانے کو تیار نہیں ہوئی، بس یہی پوچھنے کے لیے فون کیا تھا اس نے۔'' دادی اطمینان سے بتا کر خاموش ہو گئیں۔ ان کے چہرے پر طمانیت چھائی ہوئی تھی۔

''اوہ۔'' مظفر صاحب نے پُرسوچ انداز میں کہا پھر ماں کے چہرے کو بغور دیکھ کر ہلکے سے مسکرا دیے۔ ''یہ

تو آپ نے بہت ہی اچھا کیا اماں۔ طاہرہ بھابی بہت اچھی سائیکاٹرسٹ ہیں۔ دُرّی کی rehabilitation کے لیے ان کی کاؤنسلنگ تریاق کا کام دے سکتی ہے۔''

امید اور یقین کی ملی جلی کیفیت نے انہیں پرجوش سا کر دیا تھا۔

''آپ نے طاری آنٹی سے کچھ ڈسکس کیا تھا کیا؟'' سیف کے وہاں سے اٹھ کر چلے جانے کے بعد عکرمہ نے سوال کیا تھا۔

''ہوں۔'' دادی اس کا مافی الضمیر سمجھ گئی تھیں۔ ''مختصراً اس کے ساتھ ہونے والے سانحے سے لے کر اب تک کیے جانے والے معالجے کے بارے میں چیدہ، چیدہ باتیں میں نے بتا دی تھیں۔ باقی وہ خود ذہین ماہر نفسیات ہے۔ سارا کیس سمجھ میں آ گیا ہے اس کے۔ کل رات نکاح پر ملاقات ہوئی تو مزید اس نے مجھ سے کچھ معلومات لے لی تھیں۔ میں نے زوہا سے اس کی میڈیکل فائل بھی طاہرہ کو دلوا دی تھی۔ آج وہ دُرِ مکنون سے ملنے ہی آ رہی تھی کہ وہ باہر مل گئی۔'' دادی نے تفصیل بتائی تو مظفر صاحب اور عکرمہ دونوں ہی نے اطمینان کی سانس لی۔

''شکریہ اماں، آپ نے وہ سوچ لیا جو مجھے سوچنا چاہیے تھا۔''

''کیسی باتیں کرتے ہو مظفر میاں۔ دُرِ مکنون کیا میری پوتی نہیں۔ جب تم نے اپنی بیٹی بنایا ہے تو پھر میں اس کی دادی ہوئی کہ نہیں۔'' دادی نے محبت سے گھر کا تو مظفر صاحب حسرت سے گہری سانس بھر کر رہ گئے۔

.....☆.....☆.....

''کیسا ہے کیک؟ ٹیسٹی ہے ناں؟'' گرم گرم چائے کا کپ لا کر اس کے آگے رکھتے ہوئے طاہرہ بانو بڑی بے تکلفی سے صوفے کے اوپر دونوں پاؤں رکھ کر بیٹھتے ہوئے پوچھنے لگی تھیں۔

''جی بہت ٹیسٹی ہے۔'' دُرِ مکنون ممنونیت سے مسکرا دی۔

''تھینکس، ویسے نادر تو کبھی میرے ہاتھ کا کیک بہت اچھا لگتا ہے۔ جب وہ چھوٹا تھا تو کبھی، کبھی عکرمہ، زارا اور زوہا سے اس کی لڑائی ہو جاتی تھی۔ وہ بہت پوزیسو تھا میرے لیے۔'' وہ چائے کی چسکیاں لیتے ہوئے بیتے دنوں کو یاد کرتی... اسے یک دم بہت اپنی، اپنی سی لگیں۔

''مگر جب سے شادی ہوئی ہے۔ پہلے سے بہتر ہو گیا ہے۔ البتہ اب بھی اگر میں اس کے بچوں کو زیادہ توجہ دے دوں تو کسی اسکول گوئنگ بچے کی طرح منہ پھلا لیتا ہے۔ شاید سارے اکلوتے بچے ایسے ہی ہوتے ہیں۔ ہیں ناں دری۔''

طاہرہ کہہ رہی تھیں۔ وہ محض سر ہلا کر رہ گئی۔

پھر اس پہلی ون ٹو ون ملاقات میں طاہرہ بانو نے اسے اپنے بارے میں بہت کچھ بتایا۔ اپنے بیٹے، بہو اور پوتوں کے بارے میں ڈھیر ساری باتیں کرتے ہوئے انہوں نے ساتھ، ساتھ نہ صرف کوکنگ کی بلکہ تھوڑے تھوڑے وقفے سے نہ جانے کتنی ہی تصاویر نکال کر اسے دکھائیں۔ ان فوٹوز میں ایک بڑا حصہ عکرمہ اور اس کی امی شگفتہ بیگم کا بھی تھا۔ جس سے اسے اندازہ ہوا کہ عکرمہ کے لیے طاہرہ بانو اور ان کے لیے عکرمہ کتنی اہمیت رکھتا ہے۔

''شگفتہ میری دوست ہی نہیں، میری دودھ شریک بہن بھی تھی۔ اتفاق سے وہ بھی اکلوتی اور میں بھی۔ اس کو بھی اللہ نے بیٹی سے محروم رکھا اور مجھے بھی۔ جس سال اس کے والدین کا انتقال ہوا۔ اسی سال میں بھی اپنے امی، ابا سے جدا ہوئی۔ بس یوں سمجھ لو ہمارے دکھ ہماری خوشیاں ہمیں ایک دوسرے کے نزدیک لے

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

آئیں۔ شادی کے بعد بھی ہم لوگوں کا ملنا جلنا رہا۔ خوش نصیبی سے عکرمہ کے والد نصر بھائی بہت ملنسار اور دوستانہ مزاج انسان تھے۔ گو کہ میرے شوہر خاور زیادہ گھلنے ملنے والے نہیں تھے مگر نصر بھائی نے میری اور شگفتہ کی محبت اور دوستی کی خاطر خاور کے مزاج کو بڑے تحمل سے برداشت کیا۔ حتیٰ کہ دھیرے، دھیرے ان دونوں کے درمیان بھی ہم آہنگی پیدا ہوگئی۔ ''آشیانے'' کی یہ زمین بھی ہمیں نصر بھائی ہی نے دلوائی تھی۔ بہت ہی نائس انسان تھے وہ۔ عکرمہ بالکل ان ہی کا پرتو ہے۔'' طاہرہ بانو کا حلاوت سے پُر لہجہ اس کے دل میں گھر کرنے لگا تھا۔ وہ بہت اپنے پن سے اس سے گفتگو کر رہی تھیں۔ حتیٰ کہ اپنے کمرے کی فلر اسکیم کے لیے بھی انہوں نے زبردستی اس سے مشورے لیے۔ ابتدا میں تو وہ خاموش ہی رہی۔ بس جی ہاں، جی نہیں کہا۔ مگر اچانک عکرمہ کا کہا جملہ ذہن میں گونجا۔

''مشورہ امانت کی طرح ہوتا ہے، ایمانداری سے دینا چاہیے۔''

لہٰذا ذہن و دل کو مجتمع کرتے ہوئے۔ اس نے سوچ سمجھ کر اپنی صلاحیت اور استطاعت کے مطابق اچھی صلاح دی۔ یہ جانے بغیر کہ طاہرہ اس کے ایک، ایک لفظ کو تول رہی ہیں۔ اس کے چہرے کو تاثرات کو اس کی ایک ایک جنبشِ ابرو کو بنظرِ غائر جانچ رہی ہیں۔

اور یوں اسے پتا ہی نہیں چلا کہ اس چند گھنٹوں کی ملاقات میں طاہرہ بانو نے اس کے بارے میں اس کی موجودہ ذہنی کیفیت کے متعلق کیا کچھ جان لیا ہے۔

تاہم سہ پہر ہونے سے پہلے وہ شیرازی ولا لوٹ آئی۔

زارا اور اظہار صاحب کو رات گئے تک لوٹنا تھا۔ لہٰذا وہ کافی پُرسکون تھی۔ جس وقت وہ اوپر آئی دادی کسی سے فون پر محوِ گفتگو تھیں۔ اسے آتا دیکھ کر انہوں نے قصداً بعجلت بات مختصر کی اور فون بند کر دیا۔

''السلام علیکم دادی۔'' وہ ان کے پاس چلی آئی۔

''وعلیکم السلام بیٹا۔ بڑی دیر لگا دی واپسی میں تم نے۔'' وہ شفقت سے مسکرا کر بولی تھیں۔

پھر بھی وہ جیسے گھبرا سا گئی۔

''میں تو جلدی آنا چاہتی تھی۔ مگر وہ آنٹی مان ہی نہیں رہی تھیں۔'' وہ فوری صفائی دینے لگی۔

دادی ہولے سے ہنس پڑیں اور اسے خود سے لگا لیا۔

''تو ٹھیک ہی تو کر رہی تھی طاہرہ۔ ایسی پیاری بچی..... بھلا کون پاس سے جانے دینا چاہتا ہے۔ اسے تو یوں بھی بیٹی کی بڑی خواہش تھی۔ شگفتہ اور وہ دونوں ہر پریئینسی پر باجماعت بیٹی کی دعا مانگا کرتی تھیں۔ شگفتہ کو تو خدا نے دو ہی بیٹے دیے۔ مگر طاہرہ نے دو بار اپنی کم سن بیٹیاں کھوئیں۔ بیٹی کی قدر تو کوئی اس سے پوچھے۔'' دادی نے محبت اور حلاوت سے کہہ کر گویا اس کی شرمندگی جذب کر لی۔ ساتھ ہی طاہرہ کے بارے میں ایسی حقیقت بیان کی کہ وہ متحیر سی رہ گئی۔

''سچ دادی؟ مگر انہوں نے تو اس کا ذکر بھی نہیں کیا۔ حالانکہ آج مجھے اپنی لائف کے بارے انہوں نے بہت کچھ بتایا بھی تھا۔'' اس نے استعجاب بھرے لہجے میں کہا تو عقبی کمرے سے نکلتے ہوئے عکرمہ نے انہیں سن لیا۔ سامنے آتے ہوئے وہ بول اٹھا تھا۔

''طاری آنٹی ایسی ہی ہیں۔ انہیں اپنے دکھوں کی تشہیر کرنے کی عادت نہیں۔ وہ ایک مضبوط انسان ہیں۔'' دُرِ مکنون کے عین مقابل صوفے پر بیٹھتے ہوئے۔ اس کی ذہین آنکھیں دُرِ مکنون کی طرف مرتکز تھیں۔

کچھ تھا اس کے لہجے میں جس کے باعث دادی کی سرزنش اور دُرِ مکنون کی آزردگی سے بھرپور نظروں نے اس...

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

کا حصار کیا تھا۔
اور غالباً اس حصار کا ہی اثر تھا کہ وہ یک دم نرم پڑ گیا تھا۔
''اینی وے آپ بتائیں۔ آپ کو آنٹی کیسی لگیں۔ کیسا محسوس کیا آپ نے ان سے مل کر؟'' وہ جیسے مکمل طور پر اس کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔
''اچھی ہیں... بلکہ بہت اچھی ہیں۔ مجھے پسند آئی ہیں وہ۔'' اس کے چند ثانیے پہلے کے کہے گئے فقرے کا تاثر اتنی جلدی زائل نہیں ہو سکتا تھا۔ دُرِ مکنون نے کسی خیال سے نکل کر جواب دیا تھا۔
''ہوں وہ تو ہے۔ ویسے فار یور کائنڈ انفارمیشن۔ نہ صرف یہ کہ وہ آپ کو اچھی لگی ہیں بلکہ وہ خود آپ کو بہت پسند کر رہی ہیں۔ ورنہ ہر کسی کے ساتھ اتنا وقت گزارنا اور اپنے پرسنلز ڈسکس کرنا ان کی خو نہیں۔'' عکرمہ نے سر ہلا کر جواباً کہا تھا۔ دُرِ مکنون کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ ابھر کر غائب ہو گئی۔
ان کے درمیان کچھ دیر کے لیے خاموشی چھا گئی۔ جسے فون کی بیل نے توڑا۔
دُرِ مکنون بنا کوئی ردِ عمل دیے بیٹھی رہی۔ اس کی نظریں عکرمہ کے ہاتھ میں پکڑی اس... کتاب پر جمی ہوئی تھیں۔ جسے وہ اٹھتے ہوئے میز پر رکھ گیا تھا۔
''ہیلو؟''
''وعلیکم السلام!''
''جی موجود ہیں، آپ کون؟''
''اوکے ایک منٹ ہولڈ کریں۔''
وہ اس یکطرفہ ٹیلی فونک گفتگو کو سننے پر لامحالہ مجبور تھی کہ عکرمہ نے اس کے سامنے کارڈلیس فون کر دیا۔
''آپ کے لیے ہے، کوئی عینی ہیں۔''
فون اسے تھما کر وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ گویا اسے اطمینان سے بات کرنے کے لیے تنہائی دے گیا تھا وہ۔
دُرِ مکنون نے متشکر نظروں سے اسے جاتا دیکھا اور فون کان سے لگا لیا۔ دوسری طرف عینی پُرجوش اور اتنی ہی اس کے نہ آنے پر ناراض تھی۔
''تم کیوں نہیں آئیں دُرِی؟ میں نے تمہیں کہا بھی تھا کہ زارا بھابی کے ساتھ آ جانا۔ سچ کتنا مزہ آ رہا ہے یہاں۔'' عینی نے روٹھے پن سے شکوہ کیا۔
''ہوں، اس کا تو میں تمہاری آواز سے ہی اندازہ کر سکتی ہوں۔'' اصل جواب سے پہلو تہی کرتے ہوئے اس نے قصداً اس کی توجہ کسی اور جانب مبذول کرانے کی کوشش کی اور اس میں خاطر خواہ فائدہ بھی ہوا۔
''ارے تم یہاں آؤ تو پتا چلے۔ معلوم ہے آج تین سال کے بعد انصاری خاندان سے زوی بھائی کی ملاقات ہوئی ہے۔ سب خوش ہیں۔ خولہ آپی کی منگنی کا فنکشن بڑا لگی رہا ہے ہم سب کے لیے۔ آغا جان اور پاپا کتنے دنوں بعد ریلیکس لگ رہے ہیں۔ زوی بھائی کا جشنِ صحت جو منایا جا رہا ہے آج۔ اُف دُرِی میں تمہیں بہت مس کر رہی ہوں۔ آج کئی سال بعد بہت ساری خوشیاں ایک ساتھ مل رہی ہیں۔ یہ مہینہ ہی بہت اچھا رہا۔ تم مجھے دوبارہ ملیں۔ زوی بھائی صحت یاب ہوئے اور اب خولہ آپی اور طارق بھائی کی انگیجمنٹ کا فنکشن۔ سچ کہوں میں بہت خوش ہوں۔''
''اللہ تمہیں ہمیشہ ایسے ہی خوش رکھے۔''

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

عینی کی پٹر پٹر چلتی زبان کو بمشکل بریک لگے تو دُرِ مکنون نے تمکنت سے کہا۔

''بھئی بس یار۔'' جواباً وہ کھلکھلا دی تھی۔ ''اور سب سے بڑی بات تو یہ کہ شاید زوی بھائی اور شیری آپی کی بھی نسبت طے کر دی جائے بس اس کے بعد تو پھر میرا ہی نمبر ہے۔''

عینی کی خوشی اور مسرت کا کوئی ٹھکانا نہیں تھا۔

دُرِ مکنون کو ہنسی آئی۔

''ہوں یہ تو ہے۔ اس کے لیے پیشگی مبارک ہو۔''

''کوئی ٹیلی فونک مبارک وبارک نہیں۔ تم کو یہاں آنا ہوگا تب میں یہ مبارک باد قبول کروں گی۔''

عینی کچھ دیر بعد واپس پلٹ کر اپنے مطالبے کی طرف آ گئی۔ تو دُرِ مکنون کو معذرت کرنی ہی پڑی مگر وہ کچھ سننے کو تیار نہیں تھی۔

''کوئی ایکسکیوز نہیں۔ تمہاری کزن کی شادی کے فنکشنز پرسوں سے شروع ہو رہے ہیں۔ آج کوئی کام نہیں ہے۔ دیکھو ذرا زارا بھابی آ گئی ہیں۔ جن کی بہن کی شادی ہے اور تم نخرے کر رہی ہو۔'' عینی نے اس کا عذر رد کر دیا تھا۔ جواز مضبوط تھا۔

''زارا آپی کی بات اور ہے عینی... خولہ آپی ان کی نند ہیں۔ ان کا تو دونوں طرف ہی جانا بنتا ہے مگر مجھے یہاں میمی خالہ کی مدد کرنی ہے۔''

''بس، بس.....! بہانے نہ بناؤ صاف کہو تمہیں آنا نہیں ہے۔''

''پلیز عینی تم بات کو سمجھو۔ میں نہیں آ سکتی۔''

''میں زوی بھائی کو بھیج دوں گی۔ تم بس ہامی بھرو۔ باقی اجازت کا مسئلہ زارا بھابی حل کر دیں گی۔'' عینی کچھ سن ہی نہیں رہی تھی۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

زارا کے ذکر پر اظہار صاحب کا خیال اسے زہر، زہر کر گیا۔ آج کا دن وہ یہاں نہیں تھے۔ وہ بہت سکون محسوس کر رہی تھی۔ یہاں سے سائرہ اور مظفر سمیت دادی بھی مدعو تھیں مگر انہوں نے زوہا کی فیملی کو وہاں بھیج کر ایکسکیوز کر لیا تھا۔ اظہار صاحب ان کی مجبوری سمجھتے تھے۔ اس وقت شیرازی ولا میں شادی کی تیاریاں عروج پر تھیں۔

''بات اجازت کی نہیں ہے عینی۔ گھر میں بہت سے کام ہیں۔'' وہ بہت مشکل سے بات بنا پا رہی تھی۔

''ہوں۔ جیسے تمہارے کندھے پر ہی تو شیرازی ولا کھڑا ہے۔'' عینی خفگی سے بولی تھی۔

''پلیز عینی ضد مت کرو۔ میں نے کہا ناں میں نہیں آ سکتی۔'' پھر کچھ دیر ان کے درمیان اسی طرح بحث و تکرار چلتی رہی۔ جس پر بالآخر عینی نے ناراض ہو کر الوداعی کلمات کہے اور فون رکھ دیا۔

گو کہ وہ چاہتی یہی تھی کہ عینی مان جائے مگر جس طرح وہ مانی اس میں رضامندی سے زیادہ خفگی تھی۔ اس کے دل پر جیسے بوجھ سا آ گیا۔

''کیا بات ہے۔ خود ہی تو انکار کیا ہے آپ نے۔ اب پریشان کیوں ہیں؟''

ہاتھ میں کارڈلیس پکڑے وہ دل گرفتگی سے کچھ سوچ رہی تھی کہ عکرمہ کی آواز پر متوجہ ہوئی۔

وہ کپڑے تبدیل کیے۔ کلائی پر رسٹ واچ باندھتا کہیں جانے کے لیے تیار نظر آ رہا تھا۔

''نہیں، میں پریشان تو نہیں۔'' وہ خود کو کمپوز کرتے ہوئے بولی۔

''میں کلفٹن کی طرف ہی جا رہا ہوں۔ اگر آپ چلنا چاہیں تو آپ کو ڈراپ کر سکتا ہوں۔ چند گھنٹوں کی تو بات

ہے گھر میں اتنا کام نہیں کہ آپ چھوڑ کر نہ جاسکیں۔'' سنجیدگی سے اسے دیکھتا۔ وہ آفر کر رہا تھا۔ گو کہ اس کے نہ جانے کی وجہ اچھی طرح جانتا بھی۔

یک دم دُرِ مکنون کے چہرے کا رنگ تبدیل ہوا۔

''نن..... نہیں..... پلیز..... تھینکس..... مجھے نہیں جانا۔''

کارڈلیس کارنس پر رکھنے کے بہانے وہ رخ موڑ گئی تھی۔

''اوکے... ایز۔ یو۔ پلیز۔''

سنجیدگی سے کہہ کر وہ وہاں سے چلا گیا۔ دُرِ مکنون نے گہری سانس بھر کر ابھی وضو کے لیے واش روم جانے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ اچانک پھر سے فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

سی ایل آئی پر وہی نمبر جگمگا رہا تھا۔ جس سے ذرا دیر پہلے عینی کی کال آئی تھی۔ اس نے سوچ کر فون اٹھا لیا۔

''ہیلو عینی۔'' دوسری طرف خاموشی تھی۔

''دیکھو پلیز ناراض مت ہو۔'' خاموشی سے اس نے یہی اخذ کیا کہ عینی خفا ہے۔

''ہیلو۔'' اس بار ذرا رک کر پھر ہیلو کہا تو اسپیکر سے ابھرنے والی مردانہ بھاری آواز اس کے دل کی دھڑکن کو سہما گئی۔

''دُرِ مکنون۔''

کسی نے گویا دل کی گہرائیوں سے اسے پکارا تھا۔ اس کی فراخ جبیں پر قطرۂ انفعال ابھر آئے۔

''پلیز فون بند مت کرنا۔'' زاویار کا لہجہ درد سے چور تھا۔ ''میں جانتا ہوں کہ تم میری شکل دیکھنا تو کیا میری آواز بھی سننا پسند نہیں کرتیں مگر اس دل کا کیا کروں جو احساسِ جرم کے باعث ہر لمحہ مجھے کچوکے لگاتا رہتا ہے۔''

زاویار کا لہجہ اس کے درد کا غماز تھا۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

دُرِ مکنون کا دل جیسے کسی نے دیے کی جلتی ہوئی لو پر لا رکھا تھا۔ لمحہ لمحہ پگھلتا جا رہا تھا۔ گلے میں آنسوؤں کا نمکین گولہ پھنس گیا تھا۔ وہ کچھ بھی کہنے کے قابل نہیں پا رہی تھی خود کو۔

فون کی دوسری جانب وہ ہوگا۔ اسے ذرا جو گمان ہوتا تو کبھی یہ کال ریسیو نہ کرتی۔

''معافی نہ سہی کوئی گالی۔ کوئی بددعا ہی دو۔ کچھ تو کہو دُرِ مکنون۔ تمہاری یہ خاموشی مجھے برباد کر دے گی۔ میں اندر ہی اندر مسمار ہوا جا رہا ہوں۔ دُرِ مکنون۔ پلیز۔''

اسے لگا زاویار انصاری کا ٹوٹا شکستہ لہجہ نم ہوتا جا رہا ہے اور یک دم اس کے لہجے کی نمی دُرِ مکنون کی آنکھوں سے بہہ نکلی۔

کچھ ساعتوں کے لیے اس کے اردگرد کا منظر گویا آنسوؤں سے دھندلا گیا اور جب پلکیں جھپکنے پر اشک رخساروں پر بہہ چلے تو سامنے سیڑھیوں سے اوپر آتا عکرمہ بصارت کا مرکز بنا جو کار کی چابی اپنے روم میں بھول جانے کی وجہ سے پلٹ کر اوپر آیا تھا۔

مگر وہ اس وقت سن اعصاب لیے ریسیور تھامے بے آواز آنسو بہائے چلی جا رہی تھی۔ حتیٰ کہ عکرمہ پر نظر پڑنے کے باوجود مختل حواس مجتمع کرنے میں اس نے اتنا وقت صرف کر دیا کہ وہ اضطراری انداز میں ڈگ بھرتا اس کے مقابل آ کھڑا ہوا۔

دُرِ مکنون نے سر اٹھا کر سامنے کھڑے دراز قد عکرمہ کی طرف دیکھنے کی کوشش کی جسے آنسوؤں نے ناکام بنا دیا۔

وہ اشارے سے اس سے کچھ پوچھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ یقیناً وہ بہت پریشان ہو چکا تھا۔ شہر کے حالات ٹھیک نہیں تھے اور اس وقت گھر کے کافی افراد گھر سے باہر تھے۔ اس کا تشویش زدہ ہونا فطری امر تھا۔ مگر دُرِ مکنون کا ذہن جیسے منجمد ہو چکا تھا۔

وہ مڑی ہوئی پلکوں والی ساحرہ آنکھوں میں سمندر سموئے بس ایک ٹک اسے تکے جا رہی تھی۔ لامحالہ عکرمہ کو ہاتھ بڑھا کر اس کے ہاتھ سے ریسیور لینا ہی پڑا۔

اور وہ تو یوں تھی جیسے جسم سے جان نکل چکی ہو۔ بغیر کسی مزاحمت کے اسے ریسیور عکرمہ کی سخت مردانہ انگلیوں کی گرفت کے حوالے کرنا پڑا۔ اور پھر جیسے خود کو گھسیٹتے ہوئے دادی کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

اس دوران عکرمہ کارڈلیس کان سے لگا چکا تھا۔

''پلیز..... دُرِ مکنون، میں مجرم ہوں تمہارا۔ تمہیں جو ناقابلِ تلافی نقصان میں نے پہنچایا ہے۔ اس کا قرض تو مر کر بھی ادا نہیں کر سکتا مگر یہ زاویار انصاری کا وعدہ ہے تم سے کہ اگر تم نے میرا ساتھ قبول کر لیا۔ میرا ہاتھ تھام لیا تو تمہاری راہ کے سارے کانٹے میں اپنی پلکوں سے چنوں گا۔ مجھے مایوس مت لوٹاؤ دُرِ مکنون۔'' لہجے میں معذرت نہیں... بلکہ درد اور کرب تھا۔

عکرمہ ششدر سا رہ گیا۔ غیر متوقع موقع پر غیر متوقع شخص سے قطعی غیر متوقع بات سننا اسے متحیر کر گیا تھا۔ اس کے تو سان گمان میں بھی نہیں تھا کہ دوسری طرف زاویار ہوگا۔

''ہیلو، ہیلو..... دُرِ مکنون۔ پلیز کچھ تو کہو۔ کوئی تو جواب دو۔ دیکھو میں کب سے۔''

بہت آہستگی سے عکرمہ نے بٹن پریس کر کے لائن ڈسکنیکٹ کی۔ دُرِ مکنون کا جواب اسے اور زاویار دونوں کو ہی مل چکا تھا پھر کچھ لمحے اس کی پُرسوچ نظریں بار، بار دادی کے کمرے کے دروازے کو چھو کر پلٹتی رہیں۔ جس کے دوسری جانب یقیناً وہ نمکین پانی میں گھل رہی تھی۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

.....☆.....☆.....

''تم اچانک کہاں چلے گئے ہو زوی۔ ٹھیک تو ہو ناں۔''

موبائل کی اسکرین پر جگمگاتا ٹیکسٹ پڑھ کر اس نے بے دردی سے کار کی پچھلی سیٹ پر پھینک کر اپنے بالوں کو مٹھیوں میں جکڑ لیا تھا۔ شہرین کی کتنی ہی مسڈ کالز کے بعد یہ ٹیکسٹ آیا تھا۔

وہ جانتا تھا باقی سب لوگ اس کے مزاج سے واقف ہیں۔ اس لیے کسی نے اسے فون کرنے کی ہمت نہیں کی مگر یہ شہرین بھی اپنے مزاج کی ایک ہی تھی۔

اور کچھ یہ بھی تھا کہ سب نے اسی کو زاویار سے رابطہ رکھنے کا ذریعہ بنا رکھا تھا۔ کیونکہ زاویار کی ڈانٹ پھٹکار اور تلخ مزاجی کو جھیلنے کا ہنر بھی ہر ایک کے پاس نہیں تھا۔

یک دم اسے خیال آیا کہ شہرین نے اب عاصمہ کو کال کر ہی ڈالی ہوگی لہٰذا اسے اب گھر چلنا چاہیے۔ نہیں تو وہ بہت پریشان اور تشویش زدہ ہو جائیں گی۔ یوں بھی پچھلے چند دنوں میں اس نے ماں کو بہت ستایا تھا۔ وہ انہیں مزید تکلیف نہیں دینا چاہتا تھا۔ لہٰذا کار اسٹارٹ کر کے گھر کے راستے پر ڈال دی۔

تاہم راستے بھر دُرِ مکنون کی فون پر سنی جانے والی سسکیاں اس کے پورے وجود کا حصار کیے رہیں۔

دُرِ مکنون کوئی وجود نہیں بلکہ اس کے لیے تو وہ اس کے ہی قلب کا کوئی حصہ تھی۔ جو اس سے کہیں دور دھڑک رہا تھا۔ اتنے سالوں کے بعد اسے دیکھ کر تو وہ جیسے پھر سے جی اٹھا تھا۔

کہنے کو تو اس نے دُرِ مکنون سے کہہ ڈالا تھا کہ وہ دوبارہ اس کی راہ میں نہیں آئے گا مگر آج جب عینی کو فون پر

اس سے جھگڑا کرتے دیکھا تو اس سے رہا نہیں گیا۔ عینی فون بند کر گئی تو اس نے تنہائی پاتے ہی ری ڈائل کر ڈالا۔ امید تو کم ہی تھی مگر فون دُرِ مکنون نے ہی ریسیو کیا تھا اور پھر وہ خود پر اختیار کھو بیٹھا اور سب کہہ ڈالا جو دُرِ مکنون نے اسے کراچی جم خانے کے لان میں دوبارہ کہنے سے منع کیا تھا۔

خود وہ بھی تو عاصمہ کو انکار کر چکا تھا جس کے نتیجے میں نازیہ نے سائرہ شیرازی سے بھی معذرت کر لی تھی مگر آج وہ جیسے سب کچھ بھول گیا تھا۔ یاد رہے تو صرف اپنے جذبے اور اپنی محبت جس سے وہ کسی طور کسی صورت دستبردار نہیں ہو پا رہا تھا۔

"پتا نہیں میں نے ٹھیک کیا کہ غلط؟ کہیں وہ پیاری سی لڑکی مزید دکھی نہ ہو گئی ہو۔ کہیں میں نے انجانے میں اسے مزید اذیت نہ پہنچا دی ہو۔ پتا نہیں کیوں ایسا ہو گیا ہے کہ میں ہر کسی کے لیے پریشانی کا باعث ہی بنتا جا رہا ہوں۔" زاویار نے بائیں ہاتھ سے اسٹیرنگ ویل کو کنٹرول کرتے ہوئے دائیں ہاتھ کی کہنی کھڑکی میں ٹکائے اپنے... بالوں کو مٹھی میں جکڑ رکھا تھا اور اس کا یہ انداز اس کی ذہنی الجھن کا غماز تھا۔

.....☆.....☆.....

رات کے فنکشن کے لیے گھر میں افراتفری پھیل گئی تھی۔

دُرِ مکنون حیرت سے گھن چکر بنی پھر رہی تھی۔ اس کی سمجھ میں یہ نہیں آ رہا تھا کہ جب پچھلے کئی دنوں سے آج کے لیے اسپیشل تیاریاں کی گئی تھیں تو پھر آج اس قدر ہڑبونگ کس لیے مچی ہوئی ہے۔

پرسوں اور کل کی رات وہ ٹھیک سے سو نہیں سکی تھی۔ فون کی بیل پر وہ یوں چونک کر بدحواس ہو جاتی۔ جیسے ہر کال زاویار کی ہی ہو۔ عکرمہ سے نظریں چرائے وہ بہت پریشان، پریشان نظر آ رہی تھی۔ حالانکہ وہ جب بھی اس سے مخاطب ہوا۔ بالکل معمول کی طرح بات کی۔ دُرِ مکنون کے دل میں تو جیسے چور تھا۔

"کیا پتا انہوں نے زاویار انصاری کی آواز سنی ہی نہ ہو۔"

"کیا معلوم زاویار نے خود فون بند کر دیا ہو۔"

"یا یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ عکرمہ نے اسے محض ایک رانگ کال سمجھا ہو۔ زاویار انصاری کو پہچانا ہی نہ ہو۔"

وہ دل ہی دل میں قیاس لگاتی اور خود ہی رد کرتی رہی۔ کل کا دن یونہی گزر گیا تو اسے لگا کہ شاید واقعی عکرمہ نے کچھ نہیں سنا۔ جبھی تو اس نے کوئی سوال نہیں کیا۔ اور اس خیال نے اسے خاصی تقویت پہنچائی تاہم اس نے دل میں تہیہ کر لیا کہ آج کے بعد وہ کوئی کال ریسیو نہیں کرے گی۔

شام ڈھل چکی تھی۔ لہٰذا سب کی تیاریاں زور پکڑنے لگی تھیں۔ وہ دادی کے کپڑے استری کرنے استری اسٹینڈ تک چلی آئی تو ان کے بعد زارا نے بھی بچوں کے کپڑے اسے درخواست کرتے ہوئے تھما ڈالے۔ عکرمہ کا شلوار سوٹ بھی دادی کو استری کرنا تھا۔ جسے وہ خود ہی اٹھا لائی تھی۔ لہٰذا اس کام میں اسے کافی ٹائم لگ گیا۔ بالکل آخر میں اس نے اپنے کپڑے پریس کیے اور ابھی پلگ نکالنے کا ارادہ کر ہی رہی تھی کہ اچانک اظہار صاحب وہاں چلے آئے۔

"ایک سوٹ ہمارا بھی اپنے نازک ہاتھوں سے پریس کر دیجیے سالی صاحبہ۔ دعائیں دیں گے آپ کو۔" انہوں نے بے تکلفی سے کپڑے اس کی طرف اچھال دیے تھے۔ جنہیں نہایت ناگواری سے اس نے پکڑ لیا تھا۔

"چلیں ہمیں نہ سہی۔ ہمارے کپڑوں کو تو آپ اپنے ہاتھوں سے چھوئیں گی ناں۔" اچانک وہ قریب آ کر زہر آلود سرگوشی کر گئے تو وہ فرطِ غضب سے جھلس کر رہ گئی۔

ساتھ ہی احساسِ بے بسی سے آنسو اس کی آنکھوں میں تیرنے لگے۔ آج کل تو یوں بھی اس کے اعصاب

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

بہت جلد کھنچاؤ کا شکار ہو جاتے تھے۔ اور ابھی غالباً وہ مزید کچھ کہنے کا ارادہ رکھتے تھے کہ عکرمہ کو اس طرف آتا دیکھ کر رک گئے۔ یک دم چہرے پر سنجیدگی سجا کر انہوں نے عکرمہ کو دیکھا۔

''دُرِ مکنون..... آپ کو چچی جان بلا رہی ہیں نیچے۔'' عکرمہ مصروف سے انداز میں پاس آ کر بولا تھا۔

دُرِ مکنون نے بے اختیار اس کی جانب نظر اٹھائی تھی۔

''جی..... مگر میں یہ کام کر رہی ہوں۔''

''یہ کام اصغری کر لے گی۔ آپ چچی جان کے پاس جائیں۔ غالباً کوئی چیز آپ سے رکھوائی تھی انہوں نے۔ جا کر ڈھونڈیں۔'' دُرِ مکنون کے کہنے پر بڑے تحکم سے اس نے کہا تھا۔

اندھا کیا چاہے دو آنکھیں۔ وہ جیسے قید سے رہائی پا گئی تھی۔ اظہار صاحب کو ایک نظر نفرت سے دیکھ کر وہ تیز قدموں سے سیڑھیوں کی جانب بڑھ گئی تھی۔

''ایک منٹ اجی بھائی۔ میں اصغری کو بلا دیتا ہوں۔ وہ آپ کے کپڑے پریس کر دے گی۔'' عکرمہ نے شائستگی سے کہہ کر اصغری کو پکار لیا تھا۔

اظہار صاحب ناگواری سے سر جھٹک کر آگے بڑھ گئے تو اس کی نظر سامنے ہینگ ہوئے سوٹ پر پڑی۔ یقیناً یہ دُرِ مکنون کا جوڑا تھا۔ اور وہ یہ سوٹ پہن کر کس قدر حسین لگ سکتی ہے اسے اندازہ تھا۔

نیچے سائرہ اس کی منتظر تھیں۔ اس نے سہولت سے وہ تمام چیزیں جو انہیں درکار تھیں آہستہ، آہستہ ان کے سامنے لا رکھیں۔

''شکر ہے کہ وقت پر سب مل گیا۔ میں خواہ مخواہ اتنی پریشان رہی۔'' وہ جیسے پرسکون ہو گئی تھیں۔ تشکر سے اسے دیکھا تو وہ مسکرا دی۔

''اب فنکشن کے لیے تم بھی بہت اچھی طرح تیار ہونا۔ میک اپ، جیولری کسی چیز میں تمہیں زوہا اور زارا سے کم نظر نہیں آنا چاہیے ... میں تمہیں پرفیکٹ دیکھنا چاہتی ہوں اور اس معاملے میں کوئی عذر نہیں سنوں گی۔ بلکہ تم زوہا کے ساتھ پارلر چلی جاؤ۔''

اپنے کاموں سے دھیان ہٹا تو انہیں اس کی فکر ستا گئی۔

ہدایات دیتے، دیتے اچانک پارلر جانے کا حکم دے ڈالا۔

''نہیں، پلیز... اس کی ضرورت نہیں۔ میں گھر پر ہی میک اپ کر لوں گی۔'' اس نے بعجلت عاجزی سے انکار کیا تو سائرہ کے چہرے پر تناؤ آ رکا۔

''جو تم کرو گی اس کا بخوبی اندازہ ہے مجھے۔ اس لیے وہی کرو جو میں کہہ رہی ہوں۔'' انہوں نے ڈپٹ دیا تھا۔

اور یہ ڈانٹ ڈپٹ مزید طول کھینچ لیتی اگر ردا آ کر اسے ساتھ نہ لے جاتی۔ اسے اپنے کمرے میں لا کر ردا نے دروازہ بند کر دیا تھا۔

دُرِ مکنون نے الجھی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا تو وہ ہلکے سے مسکرا دی۔

''کیا بات ہے ردا آپی۔ کوئی کام ہے آپ کو مجھ سے؟''

''ہوں..... ہے تو۔'' ردا نے کچھ سوچتے ہوئے اسے دیکھا پھر یک دم کھل کے مسکرانے لگی۔

''تو بتائیں... میں ابھی کر دیتی ہوں۔'' اس نے سادگی اور اپنائیت سے کہا تو ردا اس کے پاس چلی آئی۔

''مجھے معلوم ہے تم ضرور میری ہیلپ کرو گی۔ آخر بندہ ہی بندے کے کام آتا ہے۔'' ردا نے خوشدلی سے کہا تھا۔ پھر رازداری سے کہنے لگی۔ ''ان فیکٹ زارا آپی میرے اور آصف کے بیچ میں ظالم سماج بن گئی ہیں۔ کہتی ہیں

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

شادی میں تین دن رہ گئے ہیں۔ لہٰذا ہم بات نہیں کر سکتے' مل نہیں سکتے۔ حالانکہ اسی لیے آصف نے نکاح کروایا تھا تاکہ کوئی روک ٹوک نہ ہو۔ مگر یہاں تو معاملہ ہی الٹ ہو گیا ہے۔ نکاح کے بعد تو گھر والے زیادہ کڑک ہو گئے ہیں۔'' ردا نے کچھ ایسی بے ساختگی سے سب کچھ بتایا کہ دُرِ مکنون کو ہنسی آ گئی۔

''جی، وہ تو آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں مگر میں اس سلسلے میں کیا کر سکتی ہوں؟''

''مسئلہ یہ ہے کہ آصف نے اگر ایک دن مجھ سے بات نہ کی تو مر جائے گا وہ۔''

''اللہ نہ کرے۔''

ردا کے منہ پھاڑ کر کہنے پر اس کی زبان سے بے ساختہ نکلا۔

''وہی تو..... میں بھی تو یہی چاہتی ہوں کہ ایسا نہ ہو۔ تو پلیز۔ تم ذرا اوپر سے کارڈلیس لا دو مجھے۔ نیچے کا تو وائر والا فون ہے۔ میں یہاں لا نہیں سکتی۔ آپی نے میرا سیل لے لیا ہے۔ زوہا بھی پکی ساتھی بن گئی ہے زارا آپی کی۔ دونوں کو میمی اور دادی کی پشت پناہی حاصل ہے۔ میمی سے یا عکرمہ بھائی سے مانگتے شرم آتی ہے اور تمہارے پاس تو سرے سے سیل فون ہی نہیں۔ کل تک راحیلہ میرے پاس تھی تو اس کے سیل سے کام چلا لیا تھا میں نے۔''

اپنی دوست راحیلہ کا حوالہ دیتے ہوئے اس نے اپنا درد سنایا تو دُرِ مکنون کی آنکھوں میں رشک اور حسرت کے رنگ در آئے۔

''کیا آصف بھائی بہت بے قرار ہیں آپ سے بات کرنے کے لیے؟'' اس نے ہمت کر کے پوچھ لیا جس پر ردا شرمگیں انداز میں ہنس پڑی تھی۔ سر اثبات میں ہلا کر اس نے اس کے سوال کا جواب دیا تھا۔

''اللہ کرے وہ آپ کے لیے ہمیشہ ہی ایسے رہیں۔''

''آمین!'' ردا نے شرارت سے کہا تو وہ ہنس دی۔

''اچھا پھر بتائیں کب لا کر دوں۔ کیا ابھی؟''

''نہیں۔ ابھی نہیں۔ ابھی تو آصف کے گھر والے وہاں سے نکلے نہیں ہوں گے۔ تم دو گھنٹے بعد مجھے چپکے سے لا کر دے دینا۔ رسم کے لیے جب مجھے باہر لائیں گے تب تک ہم بات کر لیں گے۔ میری ساری فرینڈز پر تو آپی نے نظر رکھی ہوئی ہو گی۔ اس لیے تمہیں ہی میری مدد کرنی ہو گی۔ اور ہاں یہ مت سمجھنا کہ میں مفت میں تم سے خدمت لے رہی ہوں۔ جب تمہاری باری آئے گی ناں اور تم سے تمہارا ''مسٹر رائٹ'' ملنے کے لیے تڑپ رہا ہو گا تب دیکھنا میں تمہارے کتنے کام آؤں گی۔''

سارا معاملہ طے کرتے، کرتے آخر میں ردا نے بڑا خوب صورت سا لالچ دیا تھا۔ جس پر وہ بھاری دل سے مسکرا دی۔

''آپ کو میرے کام آنے کی قطعاً ضرورت نہیں۔ میں آپ کی مدد کسی معاوضے کی لالچ میں نہیں کر رہی۔'' جواباً وہ متبسم سی کہہ گئی تو ردا نے کسی قدر اچنبھے سے اسے دیکھا۔

''h ot bad'' انداز ستائشی تھا۔ ''ماشاء اللہ تم تو منہ میں زبان رکھتی ہو یار۔ کبھی ہوا بھی نہیں لگنے دی۔''

ردا کا موڈ بے انتہا خوشگوار تھا۔ دُرِ مکنون اس کے شوخ انداز پر جھینپ گئی۔

اصولاً تو ردا کو چھیڑا جانا چاہیے تھا مگر یہاں معاملہ برعکس تھا۔ ردا اسے جھینپنے پر مجبور کر گئی تھی۔

پھر کچھ دیر بعد پارلر جانے کا آرڈر آیا تو وہ انکار نہ کر سکی۔

دُرِ مکنون کے نہ چاہنے پر بھی سائرہ نے اسے پارلر بھیج کر دم لیا۔ اظہار صاحب کی سنگت اور ان کی نظروں کا مکروہ حصار اسے اندر تک اداس کر گیا۔ زاویار کے فون نے ویسے ہی اپ سیٹ کر رکھا تھا۔ اس کا دل چاہا عکرمہ سے

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

ساتھ چلنے کے لیے درخواست کرے مگر وہ جانے کہاں تھا اور بالکل عین وقت پر جب زارا اور زوہا کار میں بیٹھ رہی تھیں۔ وہ گیٹ کے اندر داخل ہوا تھا۔

ریڈ اور یلو کنٹراسٹ کے انتہائی حسین تراش خراش والے سوٹ میں وہ بڑی سی چادر لپیٹے سادہ سی بہت متوحش لگ رہی تھی۔

اس کی نظریں عکرمہ کی طرف اٹھیں تو بے بسی اس کی آنکھوں سے چھلکی پڑ رہی تھی۔ اظہار صاحب کو ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا دیکھ کر اس کا حلق تک کڑوا ہو گیا تھا۔

عکرمہ محض دیکھ کر رہ گیا۔ اس وقت کچھ کرنا اس کے اختیار میں نہیں رہا تھا۔ تاہم وہ کڑھا ضرور۔ اظہار بھائی کو دُرِ مکنون سے دور رکھنے کی اپنے تئیں اس نے بھرپور کوشش کر رکھی تھی مگر شادی والے گھر میں دس ذمے داریوں کے ساتھ یہ اس قدر آسان بھی نہ تھا۔ اِدھر گو کہ اظہار صاحب انہیں پارلر کے گیٹ پر چھوڑ کر چلے گئے تھے مگر واپسی پر انہیں ہی پک کرنے آنا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہاں کوئی ڈیڑھ گھنٹا وہ تینوں رہیں مگر اس دوران دُرِ مکنون کا ذہن زاویار اور اظہار انصاری کے درمیان پنگ پانگ بال بنا رہا۔

حسبِ توقع واپسی پر اظہار صاحب کی شاطر رنگین مزاج آنکھوں نے اسے خراجِ تحسین ضرور پیش کیا اور تمام راستے ان کی غلیظ، بے باک نظریں اسے اپنے وجود میں گھبتی محسوس ہوتی رہیں۔ لہٰذا گھر پہنچتے ہی وہ سیدھی اوپر آئی۔ تنے ہوئے اعصاب کو سکون دینے کے لیے دادی کا کمرا گوشۂ عافیت تھا اس کے لیے۔ دادی کا چہرہ اسے دیکھ کر جیسے کھل سا گیا۔

''نہیں محتاج زیور کا جسے خوبی خدا نے دی۔'' انہوں نے دونوں ہاتھوں میں اس کا چہرہ تھام کر ماتھا چوم لیا تھا۔

''اور تم تو ہو ہی بنی بنائی اپسرا۔'' ان کی ستائش ہی ایسی تھی کہ وہ جھینپ گئی۔

''پلیز دادی۔'' اسے اپنا آپ ویسے ہی بہت اوور لگ رہا تھا۔

لیمن یلو کلر کا خوب صورت سوٹ تھا۔ دوپٹے اور قمیص کے بارڈر پر ریڈ بنارسی پٹی کے اوپر نازک سا کام تھا۔

بیوٹیشن نے بھی اپنی ساری مشاقی لگا کر گویا اس کا میک اپ کیا تھا۔ بالوں کو سامنے سے بلو ڈرائی کر کے کھلا چھوڑ دیا تھا۔

اسے خود اندازہ تھا کہ وہ بہت حسین لگ رہی ہے۔

ریڈ نگوں والے آویزے اور سرخ چوڑیاں بہار دکھا رہے تھے۔ زوہا اور زارا نے بھی تو کتنی تعریف کی تھی۔

سارے راستے وہ لپ اسٹک چھڑاتی آئی تھی۔ مگر آنکھوں کا میک اپ غضب تھا۔ اب بھی کمرے میں آتے ہی وہ کانوں کے آویزے اتار کر اپنی بالیاں پہننے کا ارادہ رکھتی تھی مگر دادی نے جس طرح اسے سراہا تھا وہ سمجھ گئی تھی کہ اسے کچھ ''کمی'' نہیں کرنے دی جائے گی۔

اور جس ''وجہ'' سے یہ سب ہو رہا تھا۔ وہ اسے دکھی کرنے کے لیے کافی تھا۔

''لو بھلا۔ اس میں شرمانے والی کیا بات ہے۔ میں نے کچھ جھوٹ کہا بھلا۔'' دادی کی والہانہ نظروں نے گویا اظہار بھائی کے رویے کی ساری کثافت دھو ڈالی تھی۔ ان کی شفقت بھری آغوش میں وہ خود کو ہلکا پھلکا محسوس کرنے لگی۔ گہری سانس بھر کر اس نے ان کی توجہ خود پر سے ہٹانے کے لیے یونہی پوچھ لیا۔

''اچھا آپ یہ سب چھوڑیں۔ اور یہ بتائیں کہ آپ اب تک تیار کیوں نہیں ہوئی ہیں۔''

''بس جا رہی ہوں۔ اصل میں ابھی سدرہ کا آسٹریلیا سے فون آیا ہوا تھا۔ عبید اور وہ دونوں ہی بہت محسوس کر رہے ہیں تنہائی۔ دیارِ غیر میں ایسے مواقعوں پر تو دل اور بھی اداس ہو جاتا ہے کہ جب انسان اپنوں سے دور

WaqarAzeem
Pakistanipoint.com

شکاگو میں مقیم آکوپیشنل تھراپسٹ، نادیہ فاروقی

پاکستانی خواتین دنیا کے کسی بھی حصے میں ہوں اس مشکل گھڑی میں اپنی اہلیت کے مطابق اپنا کردار ادا کر رہی ہیں۔ ان ہی میں ایک شکاگو میں مقیم نادیہ فاروقی بھی ہیں۔ آپ نے یو ایس اے سے Occupational Therapy کی سند حاصل کی ہے اور شکاگو کے ایک نرسنگ ہوم میں بحیثیت مددگار کام کرتی ہیں۔ گویا مسیحائی آپ کا ہنر ٹھہرا۔ نادیہ فاروقی نے پاکیزہ کے قارئین کو اپنی خدمات کے بارے میں بتاتے ہوئے کہا۔ کرونا ایک ایسی وبا ہے جس نے دنیا بدل دی۔ لوگوں کی زندگی میں ایسی تبدیلی آئی ہے کہ کسی کو یہ نہیں معلوم کہ آگے کیا ہونے والا ہے؟ یہ بیماری ہمیں دوسروں سے نہ ملنے اور دور رہنے پر مجبور کرتی ہے۔ فی الحال اس کا کوئی مناسب علاج نہیں ہے۔

نادیہ فاروقی نے اپنی منصبی ذمے داریوں کے بارے میں بتایا کہ

میں ایک نرسنگ ہوم میں بوڑھے افراد کی تھراپی کرتی ہوں۔ مجھے بہت افسوس ہوتا ہے جب میں کرونا میں مبتلا بوڑھے مریضوں کو دیکھتی ہوں جو بہت اکیلا پن محسوس کرتے ہیں۔ کیونکہ اُن کے بچے اور رشتہ دار

Waqar Azeem
pakistanipoint.com

اپنوں کی خوشی میں شامل ہوئے بغیر جی رہا ہوں۔" دادی بتاتے، بتاتے افسردہ سی ہو گئی تھیں۔

"آپ صحیح کہہ رہی ہیں دادی۔ مگر پلیز آپ اداس نہ ہوں۔" وہ ان سے لپٹ گئی تھی۔

دادی اس کھلے اظہارِ محبت پر جیسے جھوم ہی اٹھیں۔ اور پھر جیسے اس کی خاطر انہوں نے خود کو مجتمع کیا۔

"اچھا..... اچھا۔ اب رونے نہ لگنا۔ میں کوئی اداس نہیں ہو رہی۔" انہوں نے دلار سے اس کا سر تھپکا۔

"چلو میں تیار ہو جاتی ہوں۔ جب تک تم ذرا ردا کے پاس چلی جاؤ۔ دو بار تمہیں پوچھ چکی ہے۔"

دادی نے اسے خود سے الگ کرتے ہوئے کہا تو اس کے ذہن میں جھما کا ہوا۔ ردا نے اسے فون لانے کو کہا تھا۔

"جی۔ ابھی جاتی ہوں۔" ردا کا خیال اس میں پھرتی بھر گیا اور وہ کارڈلیس کی تلاش میں باہر لاؤنج میں نکل آئی جو کہ اپنی جگہ پر موجود تھا۔

اوپر زیادہ رش نہیں تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر احتیاط سے فون اٹھایا اور اپنے ہاتھ کو دوپٹے کی آڑ میں چھپا کر ابھی مڑی ہی تھی کہ اپنے کمرے سے برآمد ہوتے عکرمہ کو دیکھ کر ٹھٹک سی گئی۔

اس لمحے اس کی بھی نظر درمکنون کی طرف اٹھی تھی اور ایک لمحے کے لیے جیسے اس پر سے ہٹ ہی نہیں سکی تھی۔

"irresistable" بڑی ہی ایمانداری سے دل نے گواہی دی تھی۔

"آ گئیں آپ۔" عکرمہ نہ جانے کیا کہنا چاہ رہا تھا اور کیا کہہ گیا تھا۔

"جی۔" وہ کچھ حیرت سے اس کی طرف دیکھ کر بولی۔

"کوئی پریشانی تو نہیں ہوئی؟" بھاری آواز، مدھم لہجہ۔ دُرِ مکنون کو اس کا یوں فکر جتانا ناگفتہ بہ احساس میں جکڑ گیا۔

سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں اسے اظہار صاحب کے ساتھ جانے اور آنے کے درمیانی وقفے میں سہی جانے

اُن سے نہیں مل سکتے اور وہ بھی طویل مدت تک۔ اس وبا نے ان کو isolate (تنہا) کر دیا ہے۔ اس عمر میں ان کو اپنے بچوں، قریبی رشتے داروں اور دوستوں کی بہت ضرورت ہوتی ہے۔ نرسنگ ہوم میں یہ اپنے رشتے داروں کا انتظار کر رہے ہوتے ہیں اور گھر جانا چاہتے ہیں لیکن اُن کی حفاظت کی وجہ سے کوئی بھی ان سے نہیں مل سکتا۔ میں جب ان سے بات کرتی ہوں تو وہ روتے ہیں ضد کرتے ہیں کہ ان کو یہاں سے نکالیں اور وہ اپنے گھر جانا چاہتے ہیں۔ لیکن ہم بے بس ہوتے ہیں۔ ان کو ایسے بہلاتے ہیں جیسے کسی بچے کو بہلایا جاتا ہے، ان لوگوں کو تو یہ بھی نہیں معلوم کہ کرونا اُن کی جان لے سکتا ہے۔ میرے چار مریضوں نے جان کی بازی ہار دی۔ میں ان کو روز دیکھتی تھی۔ جب میں نے آخری بار تھراپی کی تو مجھے نہیں معلوم تھا کہ اب ان سے کبھی نہیں مل سکوں گی۔ ضعیف مریضوں میں زیادہ تر بھولنے کی بیماری میں مبتلا اور ذہنی مریض ہوتے ہیں۔ ان بیچاروں کی یادداشت بھی ان کا ساتھ نہیں دیتی۔ ان کو اکیلے نہیں چھوڑ سکتے کہ وہ خود اپنے لیے کچھ نہیں کر سکتے۔ نرسیں اور دوسرا مددگار اسٹاف ان کے ساتھ چوبیس گھنٹے ہوتا ہے۔ لیکن کرونا کی وجہ سے اسٹاف بھی پوری طرح ان کی دیکھ بھال نہیں کر سکتا۔ مجھے اور میرے ساتھیوں کو اپنا دل سخت کرنا پڑتا ہے۔ کیونکہ کرونا کی وجہ سے روزانہ ہم ایسے مریضوں کو اپنے سامنے جاتا دیکھتے ہیں۔

بحیثیت آکوپیشنل تھراپسٹ آپ سب سے ایک گزارش کروں گی کہ اپنے آپ کو خود محفوظ رکھیں۔ اور ایک دوسرے سے مناسب فاصلہ رکھتے ہوئے اپنی اور اپنے اہلِ خانہ کی صحت کے آپ خود ضامن بن جائیں۔

WaqarAzeem
Pakistanipoint.com

والی اذیت گویا دوبارہ زہر خند کر گئی۔ تاہم اس نے نفی میں سر ہلانے پر ہی اکتفا کیا۔

اذیت اور بے بسی اس کے چہرے پر اپنا عکس چھوڑ گئی تھی۔ جواب میں عکرمہ ماتھے پر شکن لیے کچھ کہے بغیر دادی کے کمرے کی جانب بڑھ گیا تو وہ بھی سیڑھیوں کی طرف قدم بڑھانے لگی۔ یہ دیکھے بغیر کہ عکرمہ نے دروازے کی دہلیز پر رک کر مڑ کر اسے دیکھا تھا اور اس کے ہاتھ میں دبے کارڈلیس فون کو بھی جسے وہ اپنے تئیں چھپا کر لے جا رہی تھی۔

''دُرِ مکنون اور فون.....!'' اسے حیرت نے جکڑ لیا تھا۔

''آخر کس سے کانٹیکٹ کرنا ہے انہیں؟ اپنی دوست عینی سے.....یا'' سوالات نے اس کے ذہن پر یلغار کر دی تھی مگر مہمانوں کے گھر آنے میں کچھ ہی دیر باقی تھی۔

گرے شلوار سوٹ اور بلیک واسکٹ میں وہ ہمیشہ کی طرح بہت گریس فل لگ رہا تھا۔

نیچے چچا جان اس کا انتظار کر رہے تھے۔ وہ نیچے چلا آیا۔ جہاں آ کر اس کی نگاہوں نے لاشعوری طور پر دُرِ مکنون کو کھوجا تھا جو فون سمیت ردا کے کمرے میں غائب تھی۔

جبکہ ردا کی دوستوں اور خاندان کی دوسری لڑکیوں نے خوب رونق لگائی ہوئی تھی جس میں آصف کے گھر والوں کے آنے پر مزید اضافہ ہوا تھا۔

دُرِ مکنون اس دوران ردا کے کمرے سے باہر نکلی تو سامنے ہی اسے خولہ دروازے سے اندر داخل ہوتی دکھائی دی۔ وہ بے اختیار لپک کر اس کے پاس چلی آئی۔ شہرین بھی ساتھ تھی۔

''اُف۔ کتنی پیاری لگ رہی ہو تم۔'' اس کے سلام کے جواب میں شہرین نے بے ساختہ کہا۔ جسے اس نے

قصداً نظر انداز کیا۔

''عینی نہیں آئی۔''

''نہیں، ناراض ہے تم سے۔ کل تم خولہ اور طارق بھائی کے فنکشن میں جو نہیں آئیں۔'' شہرین نے جواباً کہا تو وہ لاجواب ہو کر نچلا ہونٹ کاٹنے لگی۔

''چلو۔ فکر نہ کرو۔'' شہرین نے اسے شرمندہ دیکھ کر محبت سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ ''کل کے فنکشن میں آئے گی وہ۔ بس ذرا اپنی ویلیو بڑھا رہی ہے، تم زیادہ ٹینشن نہ لو۔'' بے فکری سے اس نے اس کا تردد کم کرنے کی سعی کی... تو وہ بے ساختہ مسکرا دی۔

خولہ نے رشک بھری نظروں سے اسے دیکھا۔

''ٹھیک ہی تو ہے۔ جب گھر میں سورج اترا ہوا ہو تو چاند تاروں کی طرف کوئی کیوں دیکھے۔ مسٹر عکرمہ کو اتنی روشنی میں بھلا خولہ نام کا ستارہ دکھائی بھی کیسے دیتا۔'' اس نے جلے دل سے سوچا۔

''اس کا شکوہ اپنی جگہ ٹھیک ہے مگر یہاں کافی کام تھا۔ ان فیکٹ زارا آپی بھی تو چلی گئی تھیں ناں۔ اس لیے میں رک گئی تھی۔ آپ اسے بتا دیجیے گا۔'' شہرین کے تسلی دینے کے باوجود وہ صفائی دینے لگی تھی۔

''کوئی بات نہیں۔ ٹھیک ہو جائے گی وہ۔ آخر کو زاویار انصاری کی بہن ہے وہ۔ دونوں بہن بھائی تھوڑے کریک ہیں۔ تمہیں تو پتا ہی ہے۔'' شہرین خوشدلی سے بولی تو زاویار کے ذکر پر اس کی نظر جھک گئی۔ بمشکل اپنے چہرے کے تاثرات کو نارمل رکھا۔

''بھابی کہاں ہیں۔'' خولہ جو خاموشی سے کھڑی شہرین کا تبصرہ سن رہی تھی۔ سوچ سے باہر نکل کر پوچھنے لگی تھی۔

''وہ باہر لان میں ہیں۔ آئیں وہیں چلتے ہیں۔'' ان دونوں کا ساتھ ملا تو وہ بھی لان میں نکل آئی۔

دادی کی تلاش میں نگاہ دوڑائی تو وہ طاہرہ بیگم کے ساتھ کھڑی خوش گپیوں میں مصروف نظر آئیں۔ جن کی داہنی جانب عکرمہ ایک خوش مزاج لڑکی کے ساتھ کھڑا دکھائی دیا۔

دونوں کے انداز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ ایک دوسرے کے لیے اجنبی نہیں ہیں۔ گفتگو ہونے کے ساتھ، ساتھ وہ دونوں خوش بھی لگ رہے تھے۔

خولہ کی نگاہ دُرِ مکنون کی نظروں کے تعاقب میں ان دونوں تک جا رکی۔ ناگواری کی بھرپور لہر نے اسے یک دم اپنی لپیٹ میں لیا تھا۔

''وہ موصوفہ کون ہیں؟''

خولہ کے دل میں ابھرتا سوال شہرین کے لبوں سے ادا ہوا تھا۔ جس پر دُرِ مکنون کو یک دم خیال آیا کہ عکرمہ کے لیے طاہرہ بانو نے اپنی بھانجی کے لیے عندیہ ظاہر کیا تھا اور غالباً یہ وہ ہی لڑکی تھی۔

آج پارلر میں بھی زارا اور زوہا سے ان سے اس لڑکی کے بارے میں کافی کچھ سنا تھا۔

''یہ غالباً فارینہ ہیں۔ طاہرہ آنٹی کی بھانجی۔''

ان دونوں نے سوالیہ نظریں اسی پر جمائی ہوئی تھیں۔ لہٰذا اسے بتانا ہی پڑا۔

''یہاں کیا کر رہی ہیں؟'' شہرین نے دلچسپی سے اس کی قریب آ کر مزید استفسار کیا تھا۔ دُرِ مکنون نے قدرے تحیر سے اس کی طرف نظر اٹھائی۔

''مجھے ٹھیک سے نہیں پتا مگر شاید دادی نے انوائٹ کیا ہوگا۔ طاہرہ آنٹی سے شیرازی فیملی کے پرانے ٹرمز ہیں۔''

عکرمہ کے پروپوزل والی بات خولہ کے سامنے کھولنے کو اس کا دل نہیں مانا تو نظر چرا کر گول مول سا جواب

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

ا ے ا الا۔

''خیر ٹرمز تو مسٹر عکرمہ کے بھی لگ رہے ہیں۔ پرانے بھی اور دیرینہ بھی۔'' شہرین نے مزہ لیتے ہوئے کہا۔

دُرِ مکنون نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا جو شرارت سے مسکراتے ہوئے خولہ کو نظروں کے حصار میں لیے ہوئے تھی۔

''توبہ ہے شیری، بس بھی کرو۔ تمہیں کیا ضرورت ہے غیر متعلقہ لوگوں کی فکر میں گھلنے کی۔'' خولہ جز بز ہوتے ہوئے بولی تو شہرین معنی خیزی سے ہنس پڑی۔

''ہوں... غیر متعلقہ کی بھی تم نے خوب ہی کہی۔'' مصنوعی گہری سانس بھرتے ہوئے شہرین نے جس طرح کہا اس میں افسوس سے زیادہ شوخی کا رنگ تھا۔ خولہ نے دانت پیستے ہوئے اس ٹہوکا دیا۔

''بی ہیو یور سیلف شیری۔'' جس پر وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی تھی۔

دُرِ مکنون ان دونوں کو نہ سمجھنے والے انداز میں دیکھ رہی تھی۔ ان کی باتیں اس کی سمجھ سے بالاتر تھیں۔

''کمال ہے یار۔ میں نے کون سی بدتمیزی کی ہے۔ جو ایسے کہہ رہی ہو۔ میں تو محض ایک رائے کا اظہار کر رہی تھی۔'' وہ شہرین ہی کیا جس پر کسی کی بات کا اثر ہو جائے۔

خولہ نے جل بھن کر اس کی طرف سے توجہ ہٹالی اور دُرِ مکنون سے یونہی اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے لگی۔ کچھ دیر یونہی گزری کہ شہرین کی آواز نے ان دونوں کو متوجہ کیا۔

''السلام علیکم! کیسے ہیں آپ؟''

شہرین نے پاس سے گزرتے عکرمہ کو سلام داغا تھا۔ دوستانہ انداز میں تھا۔ عکرمہ متانت سے مسکرا کر رک گیا تھا۔

''وعلیکم السلام! اللہ کا شکر ہے۔ آپ سنائیں کیا حال احوال ہیں؟'' سلام کا جواب دے کر اس نے بھی اخلاقاً پوچھ لیا تھا۔

''احوال اچھے ہیں۔ البتہ حال کا پتا نہیں۔'' بے فکر شوخ انداز میں لاابالی سا جواب تھا۔

جو عکرمہ کو مسکرانے پر مجبور کر گیا۔ خولہ البتہ جھلس کر رہ گئی تھی۔ جبکہ دُرِ مکنون سادہ نظروں سے ان دونوں کو مخاطب دیکھ رہی تھی۔

''تو پھر پتا کیجیے۔ اپنے حال سے اس قدر بے خبری اچھی نہیں ہوتی۔'' پُروقار انداز میں اس نے ہلکی سی شوخی سے کہا تھا۔

''بجا ارشاد فرمایا آپ نے مگر وہ جو کسی شاعر نے کہا ناں کہ.....

ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی
کچھ ہماری خبر نہیں آتی

تو آج کل کچھ ایسا ہی ہے۔ یوں بھی بقول شاعر

کیا ضروری ہے باخبر ٹھہریں
آگہی بھی عذاب ہوتی ہے''

شہرین کی خوش مزاجی آج ساتویں آسمان پر تھی۔ اور اس کی ''وجہ'' سمجھنے سے وہ تینوں ہی قاصر تھے۔ خولہ نے جھلس کر غصے سے جلتی ہوئی نظریں شہرین پر ڈالی تھیں مگر اسے فکر کہاں تھی۔

''ویل سیڈ۔'' عکرمہ اس بار باقاعدہ ہنس پڑا تھا۔ ''آپ نے کبھی بتایا نہیں تھا خولہ کہ آپ کی کزن اس قدر دلچسپ گفتگو کرتی ہیں۔'' اب کے وہ براہِ راست خولہ سے مخاطب ہوا تھا۔ ساتھ ہی نظریں دُرِ مکنون کے چہرے کو بھی

WaqarAzeem
Pakistanipoint.com

چھوآئی تھیں۔

''جی، مجھے بھی آج ہی پتا چلا۔ ورنہ آپ کو ضرور بتاتی۔'' خولہ نے تنبیہی نظروں سے شہرین کو گھور کر مروتاً کہا تھا۔

عکرمہ نے خولہ کے چہرے پر لکھی حیرت اور تنبیہ پڑھ لی تھی۔ اس لیے ہلکے سے سر جھٹک گیا۔

''دیکھ لیجیے۔ یہاں تو ''کسی'' کو بھی ''حال'' کی خبر نہیں ہے۔'' شہرین نے خولہ کے جملے پر برجستہ کہا۔ جس پر دُرِ مکنون بے اختیار مسکرا دی تھی۔

''بائی دا وے۔ حال سے ہم ہی نہیں آپ بھی خاصے بے خبر ہیں۔ اصولاً تو آپ کو مجھے، میرے بھائی کی اور خولہ کو ان کی انگیجمنٹ کی مبارک باد دینی چاہیے تھی۔ مگر دیکھیں آپ کو بھی کہاں خیال رہا۔'' شہرین نے باتوں ہی باتوں میں چوٹ کی۔

عکرمہ یک دم شرمندہ ہو گیا تھا۔

''اوہ، آئی ایم ریئلی ویری سوری۔ میں واقعی بھول گیا۔'' وہ معذرت خواہ ہوا۔ ''اینی وے، کانگریٹس۔'' دونوں کو بیک وقت مخاطب کیا تھا اس نے۔

''تھینکس آلاٹ۔'' شہرین نے چہک کر کہا تھا۔ خولہ نے بھی دھیمے لہجے میں شکریہ کہہ کر نظر چرالی۔ درحقیقت اسے یہ صورتِ حال بہت عجیب لگ رہی تھی۔ جتنا، جتنا وہ عکرمہ کے سامنے اس موضوع سے بچنا چاہتی تھی۔ اتنا، اتنا شہرین یہ ذکر چھیڑ دیتی تھی۔

''مائی پلیژر۔'' عکرمہ ہلکی سی پُروقار مسکراہٹ سمیت کہہ کر ان سے معذرت کرتا آگے بڑھ گیا تھا۔ سامنے ہی گیٹ سے اندر داخل ہوتا ولی اس کی تلاش میں نظریں بھٹکا رہا تھا۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

اس کے جاتے ہی خولہ نے خونخوار نظروں سے شہرین کو گھورا۔

''آر یو میڈ شیری، دماغ تو درست ہے تمہارا۔ کسی سے بھی فرینک ہونا شروع ہو جاتی ہو۔''

دُرِ مکنون کی موجودگی کے خیال سے خولہ نے غصے کو پیتے ہوئے کہا تھا۔ تاہم لہجہ آگ برسا رہا تھا۔

''کسی سے نہیں۔ صرف اسی سے جس سے فرینک ہونا چاہتی ہوں۔'' ڈھٹائی کی حد پر کھڑی شہرین، دُرِ مکنون سمیت خولہ کو بھی متعجب کر گئی۔

''معنی؟'' خولہ نے تپ کر سوال کیا تھا۔

''معنی یہ کہ یہ مسٹر اپنے خاندان کے اور میں انصاری فیملی کی most eligible بیچلر ہوں۔ لہٰذا اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو ہمارا فرینک ہونا بنتا ہے۔'' انتہائی اطمینان سے وہ اپنے خیالات کا اظہار کر گئی تھی۔

خولہ کے چہرے کی رنگت سرخ پڑ گئی۔

''شٹ اپ شیری۔ کچھ شرم کرو۔'' اس نے ملامت کی۔

''ڈونٹ وری، شرم بھی کرلوں گی۔ بس ذرا اس کا موقع تو آنے دو۔ میں نے سنا ہے برائیڈل ڈریس پہن کر تو الزبتھ ٹیلر بھی بلش کرنے لگتی تھی جبکہ یہ کام اس نے کوئی سات، آٹھ بار تو کیا ہی تھا۔ لہٰذا میرے کیس میں تو پھر اس کے کافی اطمینان بخش چانسز ہیں۔'' خوشدلی سے کہتی شہرین، دُرِ مکنون کو لامحالہ مسکرانے پر مجبور کر گئی۔

خولہ کو یک دم بڑی ہی شرمندگی کا احساس ہوا تھا۔

''دیکھ لو دُرّی، اس کا تو دماغ خراب ہو گیا ہے۔ محترمہ جلد ہی مسز زاویار انصاری بننے والی ہیں۔ خوشی سے غالباً ذہنی توازن بگڑ گیا ہے موصوفہ کا..... مگر تم فکر مت کرو۔ مسٹر زاویار آپ ہی معالج ہیں۔ منٹوں میں یہ شوخی ہوا ہو جائے گی، آنسہ شہرین مرزا کی۔''

خولہ نے طنز کا کٹیلا وار کیا تھا براہِ راست۔

''دُرِّمکنون پر زاویار انصاری کا ذکر بہت بھاری پڑا۔ اس نے دل کی دھڑکنیں سست ہوتی محسوس کیں اس لمحے اور اردگرد سے چور نظروں سے شہرین کی طرف دیکھا جو بلیو سوٹ میں جگمگاتی روشنی کے عکس تلے بہت فریش نظر آ رہی تھی۔

''ڈونٹ وری ڈیئر۔ ابھی پرندہ کسی قید میں نہیں ہے۔ لہٰذا اسے اونچی اڑان بھرنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔ یوں بھی کل کس نے دیکھی ہے۔ آج میں جیو ڈیئر اور جینے دو۔ کیوں دُرّی ٹھیک کہا ناں میں نے۔ ڈو یو اگیری۔''

اسے چمکتی نظروں کے فوکس میں لیے شہرین پوچھ رہی تھی۔

دُرِّمکنون نے ہلکے سے سر ہلا کر نظر چرائی۔

''میں آج کے بارے میں بھلا کیا کہوں شیری آپی۔ میں تو ابھی تک گزرے کل سے باہر نہیں آ سکی۔''

کچھ سیاہ یادیں اس کے چہرے پر اضمحلال بکھیر گئیں۔ ممکن تھا کہ وہ ان تکلیف دہ یادوں سے ابھر ہی نہ پاتی اگر سائرہ بطورِ خاص آ کر اسے ساتھ نہ لے جاتیں۔

ایک بار پھر وہی تعارف کا مرحلہ تھا۔ کچھ اجنبی، کچھ واقف چہرے۔ ستائشی نظروں سمیت اس کی نگاہوں کا مرکز بنتے رہے۔ اور سائرہ فخر سے گردن اکڑاتے ہوئے کتنے ہی مشتاق لوگوں سے اسے ملواتی رہیں۔ تاہم لوگوں سے ملتے ہوئے بھی اس کا ذہن شہرین اور زاویار کے متعلق سوچتا رہا اور اس کی نگاہیں گاہے بگاہے شہرین کے چہرے کو چھو کر پلٹتی رہیں۔

''کیا زاویار انصاری۔ شہرین آپی جیسی پیاری سی لڑکی کو ڈیزرو کرتے ہیں؟ ایسی زندگی اور امنگوں سے بھری لڑکی کو جس نے زندگی کا سیاہ رخ کبھی دیکھا ہی نہیں اور اللہ نہ کرے کہ وہ کبھی دیکھیں۔ کیا واقعی شیری آپی، زاویار انصاری کے ساتھ خوش رہ سکیں گی؟'' سوالات کے بگولے اس کے ذہن میں چکرا رہے تھے۔

''نہیں، بالکل نہیں۔'' دل نے بڑی بے دردی سے فیصلہ سنایا تھا۔

''آپی ایسے شخص کے ساتھ بھلا کیسے خوش رہ سکتی ہیں جو آج بھی ''کسی'' دوسری لڑکی کے بارے میں سوچتا ہے۔ جو اتنا کم ہمت ہے کہ اپنے لیے کسی کو بھی داؤ پر لگا سکتا ہے۔ جو میرا قاتل ہے۔ میرا مجرم ہے۔ جس نے اپنے گھر والوں کے فیصلے کو ابھی تک نہیں مانا۔ جو اُن کے ساتھ مخلص ہی نہیں۔ جو شخص خود سے ''ہار'' جائے وہ بھلا کسی دوسرے کو کیسے ''جیت'' سکے گا..... نہیں۔ یا اللہ تو آپی کو ایسے بے درد شخص کے حوالے نہ کر۔ جس نے اپنے نفس سے شکست کھائی اور تا عمر کا خسارہ میرے نصیب میں لکھ ڈالا۔''

تپتی ہوئی سوچوں نے اس کی مڑی ہوئی پلکوں والی آنکھوں میں جیسے آگ سی لگا دی تھی۔ وہ خود میں ایسے گم کھڑی تھی کہ اسے اپنی طرف اٹھنے والی اظہار صاحب کی ایکسرے جیسی جسم و جاں میں کھبتی ہوئی نظروں کا بھی احساس نہ رہا تھا۔ اور شاید ہوتا بھی نہیں اگر وہ خود ڈگ بھر کر اس کے سامنے نہ چلے آتے۔ جوں، جوں وہ اس کے نزدیک آتے گئے اس کا ذہن گویا جاگتا گیا اور وہ ماضی سے حال میں لوٹنے لگی۔

ان کے بڑھتے ہوئے ہر قدم کے ساتھ ساتھ دُرِّمکنون کے چہرے پر ناگواری اور خوف رنگ جمانے لگے تھے کہ یک دم اظہار صاحب نے اس کی آنکھوں میں ہراس اور نفرت کی جگہ طمانیت کا واضح تاثر ابھرتا دیکھا۔

وہ ان کے کندھے کے اوپر سے ان کے عقب میں دیکھ رہی تھی۔ اور ابھی وہ اس یک دم تبدیلی کا سرا تلاش ہی کر رہے تھے کہ عقب سے ابھرتی عکرمہ کی آواز نے ان کے سر سے پیر تک جھنجلاہٹ کا کرنٹ دوڑا دیا۔ وہ انہیں ہی پکار رہا تھا۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

''اظہار بھائی۔''

اس کی پکار پر دُرِ مکنون کی طرف بڑھتے ان کے قدم سست پڑ گئے۔ بڑی مشکل سے آج کے فنکشن میں وہ انہیں تنہا نظر آئی تھی کہ عین وقت پر عکرمہ وہاں آوارد ہوا تھا۔

''زارا آپ کو اُدھر اسٹیج پر بلا رہی ہے۔ آجائیں۔''

بظاہر اخلاق اور ملنساری سے اس نے مخاطب کیا تھا انہیں۔ مگر انہیں عکرمہ کی آواز میں تنبیہہ کا اثر غالب لگا۔

''اچھا۔ اچھا۔'' وہ اس کی طرف پلٹ گئے تھے۔ ''میں ذرا ایمن کو ڈھونڈ رہا تھا۔ تم دیکھنا۔ ملے تو میرے پاس ہی بھیج دینا۔''

ڈھٹائی سے کہتے وہ عکرمہ کے پاس سے گزر گئے تو اس نے چپ چاپ کھڑی دُرِ مکنون کی جانب دیکھا۔ جس کے چہرے پر لکھا ''تشکر'' اس کی نگاہوں سے مخفی نہیں رہا تھا۔

''آپ یہاں اکیلی کیوں کھڑی ہیں۔ جائیں... اُدھر طاری آنٹی کے پاس بیٹھیں اور انجوائے کریں۔ چچا جان کی توجہ مستقل آپ کی جانب رہتی ہے۔ آپ خوش نظر آئیں گی تو وہ مطمئن رہیں گے۔ اس بات کا خیال رکھا کریں۔'' دھیمی آواز اور سنجیدہ لہجے میں غالباً حکم دیا گیا تھا۔

دُرِ مکنون نے بڑی سادہ سی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔ جس کے چہرے پر سنجیدگی کے ساتھ، ساتھ کچھ طیش بھی تھا۔

گو کہ وہ جانتی تھی کہ یہ غصہ اس کے لیے نہیں ہے۔ پھر بھی وہ گھبرا کر یک دم وہاں سے چل پڑی تھی اور طاہرہ بانو کے پاس جا کر ہی رکی۔

طاہرہ بانو نے اسے اپنی بھانجی فارینہ سے متعارف کرایا اور پھر بقیہ وقت وہ طاہرہ آنٹی کے ساتھ رہی۔ ایک آدھ بار سائرہ بیگم کے کہنے پر اس نے اٹھ کر ایک آدھ رسم میں حصہ لیا اور پھر دوبارہ ان کے پاس آبیٹھی۔

فارینہ اسے اچھی لگی۔ تھوڑی سی خودسر مگر کافی خوش اخلاق لڑکی تھی وہ۔ باتوں، باتوں میں اسے پتا چلا کہ وہ طاہرہ آنٹی کے بیٹے نادر اور عکرمہ کی کلاس فیلو بھی رہ چکی ہے اور جب بھی وہ ''دمِ شیانہ'' آتی تھی۔ یہ سب لوگ ایک ساتھ کرکٹ، بیڈمنٹن اور اسنوکر بھی کھیلا کرتے تھے۔ پھر والد صاحب کے تبادلے کے نتیجے میں وہ اسلام آباد چلی گئی تھی۔

پیشے کے لحاظ سے وہ میڈیکل ڈاکٹر تھی اور طاری آنٹی نے اسے اپنے نئے سیٹل ہوتے کلینک میں ہیلپ کے لیے آج کل بلایا ہوا تھا مگر وہ جانتی تھی کہ اسے عکرمہ سے بطورِ خاص کیوں ملوایا گیا تھا۔

تاہم اس کے باوجود وہ بہت اعتماد اور بے تکلفی کے ساتھ عکرمہ سے مخاطب ہوتی رہی کہ بہرحال ان کے درمیان بچپن کی دوستی اب بھی قائم تھی۔ حالانکہ آج پورے آٹھ سال بعد وہ مل رہے تھے۔

اس نے دیکھا فارینہ کی ہلکی سانولی رنگت میں بڑی دلکش چمک تھی اور اس کی آنکھیں اس کے اعتماد کا منہ بولتا ثبوت تھیں۔ وہ شیرازی ولا کے مکینوں کے لیے اجنبی نہیں تھی۔ لہٰذا ذرا دیر بعد وہ بھی اس ہنگامے کا حصہ تھی جو اس کے اردگرد برپا تھا۔

سب لوگ کتنے خوش تھے، مسرور تھے۔ دُرِ مکنون کی نگاہیں یکے بعد دیگرے ہر چہرے پر پھسلتی مظفر شیرازی اور سائرہ تک آرکیں۔ اس کی بصارت نے ہر رخ سے چھلکتی مسرت کو کھوجا اور پھر وہاں موجود لڑکیوں کے ٹولے پر نظر ٹک گئی۔

''کتنی خوش نصیب ہیں یہ سب۔ ان کے پاس کیا نہیں ہے۔ فیملی، عزت، صحت، تعلیم، ڈھیر سارے دوست اور ان کا خلوص اور سب سے بڑھ کر عصمت اور مستقبل کے لیے آنکھوں میں سجنے والے حسین خواب.....''

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

''اور میرے پاس؟'' دل نے چپکے سے سوال کیا تھا۔

احساسِ کمتری بڑے کروفر سے بیدار ہوا تھا اس لمحے۔ اس نے خود ترسی سے کچھ سوچنا چاہا کہ ایک آواز اس کے اردگرد گونج اٹھی۔

''جو چلا گیا اس کا دکھ اپنی جگہ سہی۔ مگر یہ بھی تو سوچو کہ آج تم ''محفوظ'' ہو۔ اپنے والدین کا سایہ سر سے اٹھنے کے بعد بھی ''امان'' میں ہو۔ کیا یہ مقامِ شکر نہیں۔ ورنہ ایسی کتنی ہی حرماں نصیب لڑکیاں ہیں جن کو پامال کر کے معاشرے کی ٹھوکروں کے حوالے کر دیا جاتا ہے۔ جن کا کوئی مستقبل نہیں ہوتا۔ جبکہ تمہارے مستقبل کے لیے تو کتنے ہی بے لوث اور مخلص لوگ کوشاں ہیں۔''

دماغ نے خوش آئند پہلو پر روشنی ڈالی تو وہ خود ہی بیدار ہوتے ''احساسِ محرومی'' سے نظر چرا کر سامنے موجود اس گھر کے مکینوں کو متشکر نظروں سے دیکھنے لگی۔ جو اس گھٹا ٹوپ اندھیرے میں اس کے قدم سے قدم ملائے ہوئے تھے۔

پس منظر میں کہیں زاویار انصاری کا ہیولا بھی ابھر رہا تھا۔ جو ''اتنا'' کچھ ہو جانے کے باوجود اس کو اپنی زندگی میں شامل کرنا چاہ رہا تھا۔

گہری سانس بھر کر اس نے سر سے اس سوچ کو جھٹکا اور طاہرہ آنٹی کی طرف متوجہ ہو گئی جو اس سے کچھ کہہ رہی تھیں۔

فنکشن بہت اچھا رہا تھا۔ شہرین نے خوب انجوائے کیا اور جانے سے پہلے وہ موبائل ہاتھ میں لیے جب دُرِ مکنون کے پاس آئی تو لاشعوری طور پر وہ سہم سی گئی۔

''عینی ہے۔ تم سے بات کرنا چاہ رہی ہے۔'' شہرین نے سیل اس کی طرف بڑھایا تو اسے تھامنا ہی پڑا۔

''ہیلو۔''

''میں ناراض ہوں اسی لیے فنکشن میں نہیں آئی۔ پھر بھی تم نے مجھے منانے کی ذرا سی بھی کوشش نہیں کی دُرّی۔ معلوم ہے کتنی دیر سے تمہاری کال کا انتظار کر رہی تھی۔ بالآخر مجھے ہی فون کرنا پڑا۔ بہت بری ہو تم۔'' عینی بنا سلام دعا کے برس پڑی تھی۔

''جانتی ہوں، میں واقعی بہت بری ہوں۔''

جواب میں اس نے کچھ ایسے ٹوٹے لہجے میں کہا کہ عینی ایک لمحے کے لیے کچھ بول ہی نہ سکی۔ دُرِ مکنون کے لہجے کی ٹوٹ پھوٹ، درد اور شکستگی نے اس کے دل کو جیسے چھو سا لیا۔

''اپنی ذات سے جڑے کسی تعلق اور کسی رشتے کو کوئی بھی تو خوشی نہیں دے پاتی میں۔ واقعی کتنی بری ہوں میں۔'' ہونٹ کچلتے ہوئے اس نے مایوسی سے سوچا تھا۔

''اچھا..... اچھا۔ اب زیادہ ڈراما کوئین بننے کی ضرورت نہیں۔ میں ناراض ہوں تم سے سمجھیں۔ اتنی آسانی سے راضی نہیں ہوں گی۔''

''پتا نہیں بیچاری دُرّی کن حالات اور مشکلات سے گزر رہی ہے۔ کیا معلوم اس کی خالہ نے ہی اسے آنے نہ دیا ہو۔ مجھے بھی غصہ تھوک دینا چاہیے۔'' دل ہی دل میں عینی نے سوچا تھا مگر ظاہر نہیں کیا۔ اور رعب سے بولی تو دُرِ مکنون کے چہرے پر مدہم سی مسکراہٹ بکھر گئی۔

''اگر میں ایکسکیوز کروں تب بھی نہیں۔''

''ہوں۔'' دُرِ مکنون کے امید بھرے لہجے پر اس نے گویا چند سیکنڈ کچھ سوچا اور بولی۔ ''پھر گنجائش نکل سکتی ہے۔

WaqarAzeem
Pakistanipoint.com

لہٰذا شروع ہو جاؤ۔''

تحکمانہ لہجہ دوستی کے ناز سے بھرپور تھا۔ دُرِ مکنون کے لبوں پر ٹھہری مسکراہٹ گہری ہونے لگی۔

.....☆.....☆.....

''آپ نے وعدہ کیا تھا ناں مجھ سے کہ اگر میں آپ کی دکھائی ہوئی لڑکی کے لیے انکار کردوں گا تو آپ دوبارہ مجھے فورس نہیں کریں گی۔ پھر آج یہ ایشو میرے اور آپ کے بیچ دوبارہ کیوں ڈسکس ہو رہا ہے۔'' عاصمہ کی بات انتہائی خاموشی سے سننے کے بعد خلافِ امید وہ بہت رسان سے بولا تھا۔ عاصمہ نظر چرا کر رہ گئیں۔

''کیا آپ اپنا وعدہ بھول گئی ہیں؟'' وہ تو گویا انہیں کٹہرے میں لے آیا تھا۔

''نہیں زوی، مجھے اپنی کمٹمنٹ یاد ہے بیٹا اور میں تم پر کوئی پریشر بھی ڈالنا نہیں چاہتی مگر..... مگر۔'' عاصمہ اس کے متوقع موڈ کے باعث خائف سی ہو کر چپ ہو گئیں۔

''مگر؟'' ان کی خاموشی پر زاویار کے چہرے پر تناؤ آرکا۔ اس کی بھویں تن گئی تھیں۔

''دیکھو زوی..... انصاری انکل۔''

''پلیز..... آپ آغا جان کی بات مت کریں مجھ سے۔'' قطع کلامی کرتے ہوئے وہ یک بیک غصے میں آ گیا تھا۔

''مگر وہ تم سے بہت محبت کرتے ہیں زوی۔'' عاصمہ نے یقین سے کہا تو اس کے لبوں پر طنزیہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

''محبت نہیں صرف مطلب ہے ان کے اور میرے بیچ۔''

''محبت سے بڑا بھی کوئی مطلب ہوتا ہے میرے بچے۔'' عاصمہ نے گویا اسے لاجواب کر دیا تھا۔

وہ محض انہیں ایک نظر دیکھ کر ٹی وی کی اسکرین پر نگاہ جما گیا تھا۔

''اور پھر تم یہ کیوں دیکھتے ہو کہ کون کہہ رہا ہے، کیا کہہ رہا ہے، یہ جج کیوں نہیں کرتے کہ اس میں تمہاری کتنی بھلائی ہے۔'' اس کی خاموشی سے فائدہ اٹھا کر عاصمہ نے پھر سے کہنا شروع کر دیا تھا۔

''انصاری انکل تم سب کے لیے متفکر رہتے ہیں۔ خیال ہے تم سب کا انہیں۔ فکر ہے تمہارے فیوچر کی۔''

''کوئی فکر نہیں ہے انہیں ہمارے فیوچر کی... بلکہ ہمارے احساسات، ہمارے جذبے اور ہمارے خواب..... محض راہ کی دھول ہیں ان کے لیے۔ جنہیں وہ اپنے فیصلوں کے ذریعے ٹھوکر لگاتے رہتے ہیں۔ انہیں اگر پروا ہے تو محض اپنے نام نہاد اونچے خاندان کے نجیب الطرفین خون کی۔ جس میں وہ کسی ''غیر خاندان'' کی ملاوٹ پسند نہیں کرتے۔ کسی کی respect نہیں ہے ان کے دل میں۔ انسانوں پر حکومت کرنے کا جنون ہے انہیں اور بس۔''

''ایسی بات نہیں ہے زوی۔'' اس کے بھڑک اٹھنے پر عاصمہ نے کمزور لہجے میں کچھ کہنا چاہا تھا۔ جسے اس نے تندی سے نظر انداز کر دیا تھا۔

''ایسا ہی ہے۔ پہلے وہ میرے پیچھے پڑے ہوئے تھے کہ میں خولہ یا شہرین کے لیے ہاں کر دوں۔ حالانکہ میری مرضی انہیں پتا تھی مگر پھر بھی۔ لیکن جب زارا بھابی نے خولہ کے لیے اپنے کزن کا رشتہ پکا کرنا چاہا اور ادھر آغا جان کو طارق کے متعلق سن گن ملی کہ وہ اپنی کسی ڈاکٹر کولیگ میں انٹرسٹڈ ہے۔ انہوں نے یہ نیا شاخسانہ اٹھایا اور خولہ کو طارق سے منسوب کرا کر ہی چھوڑا۔ جبکہ پاپا، عینی کے لیے طارق کے خواہاں تھے اور محض عینی کی ایجوکیشن مکمل ہونے کا انتظار کر رہے تھے۔ گویا طارق کے جذبات کو اس خاندان کی خون آشام روایت کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اور اب وہ اسی فرمانبرداری کی توقع مجھ سے بھی رکھتے ہیں جبکہ میں اپنا فیصلہ سنا چکا ہوں۔'' وہ انتہائی سرد لہجے میں بولا تو عاصمہ نئے انکشاف سن کر متعجب سی رہ گئیں۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

گویا وہ جو بظاہر ہر معاملے سے لاتعلق نظر آتا تھا۔ اتنا لاعلم بھی نہیں تھا۔

''تو گویا تم ضد کر رہے ہو انصاری انکل سے۔''

''ضد میں نہیں، وہ کر رہے ہیں مجھ سے۔ وہ جھکانا چاہتے ہیں مجھے اور ایک بار وہ ایسا کر چکے ہیں مگر اب نہیں۔'' نہ جانے کیا سوچ کر اس کے ماتھے کی رگ پھولنے لگی تھی۔

''تو کیا اس بیکار کی ضد میں تم اپنی زندگی کے اس بیش قیمت وقت کو یونہی گنوا دو گے زوی۔'' عاصمہ نے گہری نظر اس کے چہرے پر جمائی تو وہ جھلا سا گیا۔

''میں کون سا ابھی بوڑھا ہو رہا ہوں۔ جو آپ ایسے کہہ رہی ہیں۔ اور نہ ہی میں کوئی لڑکی ہوں کہ تھرٹی پلس (+30) ہو جاؤں گا تو عمر نکل جائے گی شادی کی۔''

''تم نہ سہی..... پر شہرین تو لڑکی ہے ناں زوی اور تم سے صرف دو ڈھائی سال کا فرق ہے اس میں۔ آخر وہ اب تک تمہارے نام پر بٹھائی جائے۔ چلو مان لیا کہ انصاری انکل تم کو شکست دینا چاہتے ہیں۔ مگر تم دونوں کے مابین چھڑی اس جنگ میں نقصان شہرین کا کیوں ہو بھلا۔''

''تو کس نے کہا ہے کہ اسے میرے نام پر بٹھایا جائے۔ میں پہلے دن سے ہی انکاری تھا اور ہوں۔ اور نہ ہی میری شہرین سے کوئی کمٹمنٹ ہے، نہ ہی میں اس کے لیے اس طرح سوچتا ہوں۔'' اس نے دوٹوک واضح جواب دیا تھا۔

''تم اس طرح نہیں سوچتے زوی۔ لیکن کیا تمہیں نہیں لگتا کہ وہ تمہارے لیے بہت کیئرنگ ہے اور بعض اوقات تو وہ beyond the limit بھی تمہیں ٹالریٹ کرتی ہے جو کہ عام حالات میں ناممکن ہے۔'' عاصمہ کا لہجہ کچھ

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

بدلتے راستے
محبت اور چاہت کی کہانیاں عبرت کا اور معرکہ آرائی کا احوال
آخری صفحات پر طاہر جاوید مغل کے قلم سے
تدبیر بنی تقدیر

گمشدہ تاریخی گوشوں پر ایک گہری نظر ابتدائی
صفحات پر ڈاکٹر ساجد امجد کے قلم کا جادو
شہ زوز

عشق و محبت کے سحر انگیز جذبوں کی جنوں خیزی، لطیف رشتوں اور
کثیف سازشوں کے جال اسما قادری کے قلم کا کمال
ساشا

کبھی پرخطر جزیروں پر کبھی جنگلوں میں بھٹکتے مسافر
کی داستان عمر عبداللہ کے قلم کا شاہکار

اگست 2020ء کا پرچہ ہی ایک سال
ماہنامہ سسپنس ڈائجسٹ
مزید
ملک صفدر حیات کی تفتیش

نجمہ مودی، غلام قادر، تنویر ریاض، ڈاکٹر شیر شاہ سید،
منظر امام، شاہ زین رضوان اور ایم الیاس کی خوب صورت تحریریں

سوچتا ہوا تھا۔

زاویار نے چونک کر انہیں دیکھا۔

''آئی ڈونٹ تھنک سو۔ وہ میرے ساتھ شروع سے ایسی ہی ہے۔ وی آر جسٹ کزنز اینڈ فرینڈز۔ اور وہ یہ بھی اچھی طرح جانتی ہے کہ میں اس کے لیے کچھ بھی فیل نہیں کرتا۔ بلکہ وہ بھی ایسا کچھ نہیں سوچتی۔ میں جانتا ہوں اسے۔ یہ صرف آغا جان کی ذہنی اختراع ہے۔'' اس نے اعتماد اور تیقن سے کہا تو عاصمہ مسکرا دیں۔

''تم ہمیشہ انصاری انکل پر ہی کیوں فوکس رکھتے ہو زوی۔ کیا ان کے علاوہ کوئی اور نظر نہیں آتا تمہیں؟'' ان کے سوال پر زاویار نے کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں انہیں دیکھا تھا۔ جن کے لبوں پر تبسم تھا۔

''میرا مطلب... کیا کبھی تم کو اپنی زندگی کے بارے میں فیصلہ کرتے ہوئے میرا خیال نہیں آتا۔ آخر کو میرے بھی تو کچھ خواب ہیں۔ میرا بھی دل چاہتا ہے کہ میں دادی بنوں، پوتے پوتیاں اپنی گود میں کھلاؤں۔''

زاویار نے دیکھا وہ بہت محبت اور قدرے شوخ نظروں سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

''اگر آپ کو دادی ہی بننا ہے تو اس کے لیے مجھے شادی کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ آپ کا یہ خواب میں شادی کیے بغیر بھی پورا کر سکتا ہوں۔''

جواباً وہ بہت ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا تو عاصمہ اس کے اس قدر بے تکلف مذاق پر متحیر ہی رہ گئیں۔

''میں جلد از جلد مہران کی شادی کرا دیتا ہوں۔ آپ کے دادی بننے کا خواب بھی پورا ہو جائے گا۔ اور گھر میں بہو لانے کا ارمان بھی۔''

ذرا توقف کے بعد اس نے اپنا جملہ مکمل کیا تو عاصمہ اپنی سوچ پر دل ہی دل میں ہنس پڑیں۔

''میرا معاملہ تو تم نے سیٹ کر دیا۔ مگر تمہارے پاپا کا کیا۔ ان کے تو تم اکلوتے بیٹے ہو۔ پھر زمانے کا بھی اپنا دستور ہے بیٹا۔'' انہوں نے اسے پکڑ لیا تھا۔

''He is not my headache اور نہ ہی ڈیئر زمانے کے دستور میرا مسئلہ ہیں۔'' اس نے بے رحمی سے جواب دیا تھا۔

عاصمہ کا دل سہم سا گیا۔

''تو کیا تم ایک نارمل لائف انجوائے کرنا نہیں چاہتے زوی۔ خوشیوں پر تمہارا بھی حق ہے بیٹا اور پھر شادی کرنا تو سنت رسول ﷺ ہے۔'' انہوں نے اسے کنونس کرنے کی بھرپور جدوجہد کی۔

جس پر وہ یک دم ہنس پڑا تھا۔ عجیب طنزیہ سی ہنسی تھی۔

''کمال ہیں آپ بڑے بھی ناں۔ کبھی دین تو کبھی دنیا کا ڈراوا یا حوالہ دے کر اپنی بات منوانے کی کوشش کرتے ہیں۔ آخر آپ لوگ اتنے self centered کیوں ہوتے ہیں کہ اپنی خوشیوں کے پرے کچھ دیکھ ہی نہیں پاتے۔''

''بات صرف ہماری خوشیوں کی نہیں زوی۔ تمہاری راحت اور تمہاری خوشی کی بھی ہے۔''

''آپ نے بھی تو شادی کی تھی ناں ماما۔ کون سی خوشی نصیب ہوئی آپ کو۔ کیا حاصل ہوا، کیا ملا؟'' اس کا سوال اور انداز کڑا تھا۔

''تم.....'' عاصمہ نے بے ساختہ بلا توقف جواب دیا تھا۔

''مجھے تم ملے زوی، مجھے ماں بننے کا افتخار ملا۔ دنیا کا سب سے خوب صورت رشتہ ملا۔''

''اور پھر وہی رشتہ آپ کو چھوڑ آنے پر مجبور بھی کر دیا گیا۔ جانتی ہیں کیوں؟ کیونکہ ایسی ہی زبردستی جو آج

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

آغا جان میرے ساتھ شہرین کے معاملے میں کر رہے ہیں ناں۔ اس وقت پاپا پر آپ کے لیے کی گئی تھی۔ اسی جبر نے مجھے اکیلا کیا تھا اور اب میں نہیں چاہتا کہ ایسے ہی کسی ناخوشگوار رشتے کے ذریعے ایک اور ''زاویار انصاری'' دنیا میں آئے۔ اور مزید کئی ''زاویاروں'' کو اس دنیا میں لانے کا موجب بنے۔'' اس نے کچھ ایسے سخت دوٹوک اور ہمت توڑ لہجے میں جواب دیا تھا کہ عاصمہ کے چہرے پر یک دم مایوسی سی چھا گئی۔

''پلیز زوی، اپنی زندگی کو ہمارے ماضی کی عینک سے دیکھنے کی کوشش مت کرو بیٹا۔ تم سمجھ نہیں سکتے کہ اللہ نے اولاد میں کیسی ٹھنڈک رکھی ہے۔ یہ جو تمہارا دل ہر وقت جلتا ہے۔ کسی کو بھی تم own نہیں کر پاتے۔ کوئی رشتہ بھی تمہیں اپنائیت کا پُرحدت احساس نہیں دیتا۔ یہ ساری جلن اور یہ ساری خلش مٹ جائے گی۔ جب تمہاری اولاد ہوگی۔ یہ وہ رشتہ ہے بیٹا کہ جب دنیا کا ہر تعلق آپ سے منہ موڑ لیتا ہے۔ اِسے آپ سینے سے لگا کر چھاتی ٹھونک کر اپنا کہہ سکتے ہیں۔''

عاصمہ نے ٹوٹے ہوئے لہجے میں اسے سمجھانے کی کوشش کی تو وہ ماں کے چہرے پر چھائے اضمحلال کو دیکھ کر بادلِ ناخواستہ خاموشی اختیار کر گیا۔

''تم وعدہ کرو زوی کہ آئندہ کبھی اس طرح نہیں سوچو گے۔ میرے اور اپنے پاپا کے کیے کی سزا خود کو نہیں دو گے۔ پلیز زوی وعدہ کرو۔'' یک دم عاصمہ نے آگے بڑھ کر اس کے دونوں ہاتھوں کو مٹھیوں میں بھینچ لیا تھا۔ وہ اچانک بہت جذباتی ہو گئی تھیں۔

زاویار نے بے بس نظروں سے انہیں دیکھا۔ ایسا وعدہ وہ کر بھی لیتا تو پورا کرنا اس کے اختیار ہی میں کہاں تھا۔

''کیا یہ اتنا ہی آسان ہے ماما؟ سب کچھ بھلا کر زندگی میں آگے بڑھ جانا کیا واقعی سہل ہے؟ معمولی چوٹ ہو تو فراموش بھی کر دوں مگر... یہ تو ناسور ہے دل کا۔ سرطان کی شکل اختیار کر چکا ہے۔ اس کی تو جراحی بھی ممکن نہیں رہی۔'' لب بھینچے وہ گہری سوچ میں گم کھڑا تھا۔

''تم سن رہے ہو ناں زوی۔'' انہوں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے اسے خیالوں کی دنیا سے باہر نکالا تو وہ انہیں دیکھ کر ہلکے سے سر جھٹک گیا۔

''جی۔'' ایک گہری سانس اس کے سینے سے خارج ہوئی۔ ''سن رہا ہوں۔''

''تو پھر ویسا ہی کرو گے ناں۔ جیسا میں نے کہا ہے!''

''کوشش ضرور کروں گا۔''

وہ انہیں مایوس نہیں کرنا چاہتا تھا۔ تاہم انہیں جھوٹی امید بھی نہیں دے سکتا تھا۔ اس کا لہجہ مستحکم تھا۔

عاصمہ نے فکرمندی سے اسے دیکھا۔ گو کہ انہیں اس کی بات کا یقین نہیں تھا مگر پھر بھی وہ کچھ بہل گئی تھیں۔

.....☆.....☆.....

اگلے دن وہ سب آصف کے گھر جا رہے تھے۔ اس روز بھی صبح ہی سے خوب ہلا گلا رہا۔ دُرِ مکنون نے ردا کے پاس رکنے کے لیے گو کہ سعیِ مسلسل کی مگر نتیجہ ڈھاک کے تین پات ہی رہا۔

سائرہ اسے مزید نئے لوگوں سے متعارف کرانے کا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں رکھنا چاہتی تھیں۔ مستزاد، دادی اور مظفر صاحب کا اصرار۔ وہ سر جھکا کر اوپر چلی آئی۔

کپڑے پریس کر کے تیار رکھے ہوئے تھے۔ مگر جانے کو دل مطلق نہیں چاہ رہا تھا۔ یوں بھی وہ جانتی تھی کہ فنکشن میں شرکت کرنے کی صورت میں اسے سائرہ بیگم کے حکم کے مطابق پھر سر سے پیر تک سجنا ہوگا۔ اپنی اس ''نمائش'' پر وہ بہت بددل تھی۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

آخری سیڑھی چڑھ کر اوپر آتے ہوئے اس کی نظر عکرمہ کے کمرے کے کھلے دروازے پر پڑی اور سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں کچھ سوچ کر وہ دروازے کی دہلیز پر آرکی۔

عکرمہ بیڈ کے کنارے بیٹھا آئی پیڈ پر surfing کر رہا تھا۔ وہ اسے مصروف دیکھ کر ٹھٹک سی گئی۔ اس دوران وہ اس کی آمد پر متوجہ ہو چکا تھا۔

''جی..... کہیے کوئی کام ہے مجھ سے؟'' اسے یونہی چپ کھڑا دیکھ کر عکرمہ نے سوال کیا تو وہ بنا رکے سب بتا گئی کہ وہ جانا نہیں چاہ رہی مگر دادی، ممی اور انکل کا اصرار ہے۔

''ہوں۔'' اس کی بات سن کر عکرمہ نے بھویں سکیڑتے ہوئے گہری سانس لی اور آئی پیڈ ایک طرف رکھ دیا۔

''اور آپ چاہتی ہیں کہ میں چچا جان سے آپ کی سفارش کروں کہ وہ آپ کو گھر پر رکنے کی اجازت دیں۔'' جواب میں وہ محض سر ہلا گئی اور منتظر نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

''پہلے ایک بات بتائیں، آخر آپ فنکشن میں جانا کیوں نہیں چاہتیں۔'' وہ بڑی حلاوت سے استفسار کر رہا تھا۔

دُرِ مکنون کو یک دم احساس ہوا کہ اس نے عکرمہ سے اس بارے میں بات کر کے اچھا نہیں کیا۔ وہ تو خود بقیہ گھر والوں کی طرح اس کی ''گوشہ نشینی'' کو صحیح نہیں سمجھتا۔

پریشان سی ہو کر اس نے انگلیاں مسلنی شروع کر دی تھیں۔

''وہ..... وہاں بہت سارے لوگ ہوں گے اور مجھے crowd ... میں گھبراہٹ سی ہوتی ہے۔'' شرمندگی سے کہتے ہوئے اس کے لہجے میں بے بسی تھی۔

عکرمہ کو یک دم اس پر بے انتہا ترس آیا۔

اپنوں کو کھونے کے بعد وہ خود کو بالکل تنہا محسوس کرتی تھی۔ اور جس سانحے سے وہ گزری تھی۔ اس کے بعد اس کی ذہنی و قلبی حالت واقعی اسی کیفیت کو جنم دے سکتی تھی۔

کسی اور کو وہ کیا کہتا۔ خود اس گھر میں اظہار بھائی جیسے شخص نے اس کا جینا دوبھر کر رکھا تھا۔

''مگر یہ مسئلے کا حل تو نہیں ہے دُرِ مکنون۔ آپ لوگوں سے ملیں جلیں گی۔ تبھی تو یہ گھبراہٹ ختم ہوگی۔ ورنہ آئسولیشن آپ کو کبھی بھی اس گھبراہٹ پر قابو پانے نہیں دے گی۔''

وہ رسانیت سے سمجھانے لگا تھا۔

دُرِ مکنون لاجواب سی ہو کر نظر جھکا گئی۔

کچھ تھا اس کے چہرے پر عکرمہ کو لہجہ اور بھی نرم کرنا پڑا۔

''چلیں خیر، آپ کی خوشی کے لیے میں جا کر بات کر لیتا ہوں۔'' وہ بیڈ سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ دُرِ مکنون نے یک دم نظر اٹھائی تھی۔

''مگر کیا آپ دادی اور چچا جان کے اس مان کو نظر انداز کر سکیں گی۔ جس کی بنا پر انہوں نے آپ کو ساتھ چلنے کے لیے کہا تھا؟''

وہ کس قدر زیرک تھا۔ کس آسانی سے اس نے اس کی دکھتی رگ پکڑی تھی۔ دُرِ مکنون کے اندر سر پٹختا احتجاج یک دم جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔

اس نے سر مجرموں کی طرح سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

عکرمہ زیرِ لب مسکرا دیا۔

''تو پھر اب کیا کرنا چاہیے آپ کو؟'' وہ پوچھ رہا تھا۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

دُرِ مکنون ایک لمحے کو کچھ سوچ کر پلٹنے لگی تھی کہ اس نے پکار لیا۔

''جب بڑوں کا مان رکھتے ہیں تو ایسے بجھے دل سے نہیں... بلکہ خوشی، خوشی ان کا کہا مانتے ہیں۔ اب جائیں اور جا کر اچھے بچوں کی طرح تیار ہو جائیں۔ میں جانتا ہوں چچی جان کا فورس کرنا آپ کو تکلیف دیتا ہے۔ مگر اچھی بیٹیاں ہمیشہ اپنے بڑوں کی فرمانبردار ہوتی ہیں، ہے ناں۔ میں ٹھیک کہہ رہا ہوں ناں!''

نصیحت کر کے اس نے بہت شفقت سے سمجھایا تھا۔ دُرِ مکنون کے چہرے پر در آنے والا تاثر اس بات کا غماز تھا کہ وہ اس کے مطمحِ نظر کو پا گئی ہے۔

لہٰذا اس کے پوچھنے پر سر اثبات میں ہلا دیا۔

اسی لمحے فون کی بیل بجی تھی۔ دُرِ مکنون نے چونک کر خوفزدہ سی نظر سے اسٹینڈ پر رکھے کارڈلیس فون کو دیکھا اور اس سے پہلے عکرمہ اس سے فون اٹھانے کو کہتا۔ وہ افتاں و خیزاں دادی کے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی۔

اس کی یہ حرکت عکرمہ کو دو دن قبل زاویار انصاری کی غیر متوقع سنی جانے والی کال کی یاد دلا گئی۔ وہ یقیناً اسی وجہ سے ہراساں تھی۔

کل اور پرسوں کے دن اتنی مصروفیت میں گزرے کہ وہ اس بارے میں کچھ سوچ ہی نہ سکا۔ بلکہ درحقیقت یہ بات اس کے ذہن سے نکل ہی گئی تھی۔ اور شاید یاد بھی نہ آتی۔ اگر ابھی دُرِ مکنون نے خوف کا اظہار نہ کیا ہوتا۔

طاہرہ آنٹی کی کال دادی کے لیے تھی۔ وہ کارڈلیس اٹھا کر سیڑھیوں کی طرف بڑھا تو دادی کے کمرے میں نظر پڑی۔ دُرِ مکنون سفید رنگ کا لباس ہاتھ میں لیے کھڑی کسی سوچ میں مستغرق تھی۔ ہاتھ میں تھامے لباس کو دیکھ کر عکرمہ کو یہ اندازہ لگانے میں دیر نہیں لگی کہ بے دلی سے سہی وہ جانے کے لیے تیار ہو گئی ہے۔

لہٰذا اپنی اس کامیابی پر وہ زیرِ لب مسکراتا نیچے کی طرف بڑھ گیا تھا۔ تاہم زاویار انصاری کی کال اس کے ذہن سے پھر نکل نہ سکی۔

اس کے الفاظ یاد آئے تو عکرمہ کی سوچ کا دائرہ ہلکے، ہلکے پھیلنے لگا مگر اس نکتے پر سوچنے کی اس کو زیادہ دیر مہلت نہیں ملی کہ گھر میں شام ہوتے ہی مہمانوں کی آمد شروع ہو گئی تھی۔

لہٰذا وہ بھی شاور لینے چل دیا۔ اور جس وقت وہ تیار ہو کر باہر نکلا باقی سب بھی تیار تھے۔ خواتین پارلر سے آ چکی تھیں اور کچھ گھر پر ہی اپنے میک اپ کو فائنل ٹچ دے رہی تھیں۔ دُرِ مکنون البتہ تیار ہو چکی تھی۔ اور اب فارینہ اور طاہرہ آنٹی کے ساتھ وہیں موجود تھیں۔

وہ انہیں دیکھ کر ان کے پاس چلا آیا۔

''حد ہے عکرمہ، تم تو خواتین سے بھی زیادہ ٹائم لیتے ہو تیار ہونے میں۔ ہم کب سے آئے بیٹھے ہیں۔'' سلام دعا کے بعد فارینہ نے ہنس کر کہا تھا۔

''بھئی ٹائم تو لگے گا ناں۔ آفٹر آل آپ کی صنف کا مقابلہ بھی تو کرنا ہوتا ہے۔'' وہ خوشگوار موڈ میں بولا تھا۔

''آئی سی... تو یہ ارادے ہیں۔'' فارینہ کھلکھلا کر ہنسی تھی۔

''کہنے میں کیا حرج ہے۔'' وہ گہری مسکراہٹ سمیت اس سے مخاطب تھا۔ دُرِ مکنون نے بے خیالی میں اس کے چہرے پر نظر جمائی تو احساس ہوا کہ فارینہ سے مخاطب ہوتے ہوئے وہ کافی خوش نظر آ رہا تھا۔

گو کہ اس کا پُروقار انداز ہنوز قائم تھا مگر لہجے میں ہلکی، ہلکی شوخی تھی۔ شاید یہ بچپن کی دوستی کا اعجاز تھا یا اتنے سال بعد ایک دوسرے کے مقابل ہونے کی خوشی۔ کچھ تھا جو اسے عکرمہ شیرازی کی آنکھوں سے جھلکتا محسوس ہو رہا تھا۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

شاید اندر کا وہ جواب جو اسے خولہ کے بارے میں خود سے نہیں مل سکا تھا..... یا شاید مزاج آشنائی کے باعث ان کے درمیان موجود بے تکلفی نے اسے اس قدر خوشگوار موڈ عطا کیا ہوا تھا۔

وہ اسے دیکھتے ہوئے سوچ رہی تھی کہ یک دم عکرمہ کی نظر اس کی طرف اٹھی تھی۔ سفید براق جدید طرز کے لباس میں وہ ہمیشہ سے کچھ زیادہ ہی حسین نظر آ رہی تھی۔

سلور رنگ کا نازک سا کام سفید رنگ کو روپہلی چمک بخش رہا تھا۔ اس پر نازک سی سلور جیولری۔ وہ واقعی چودھویں کا چاند لگ رہی تھی۔

اپنی چوری پکڑی جانے پر اس نے یک دم نظر جھکا لی تھی۔ جس کے باعث اس کی آنکھوں کا خوب صورت میک اپ اور بھی نمایاں ہو گیا تھا۔

عکرمہ نے آہستہ سے نظر پھیر کر فارینہ کی طرف توجہ مرکوز کی جو اس وقت کچھ کہنے لگی تھی۔

پھر کتنی ہی دیر وہ لوگ باتیں کرتے رہے حتیٰ کہ انہیں وہاں سے دُرِ مکنون کے اٹھ کر جانے کا احساس بھی نہیں ہوا۔

آصف کے گھر بھی اس نے فارینہ اور عکرمہ کو کئی بار ایک ساتھ دیکھا اور ان کے مابین موجود سرخوشی کو محسوس کر کے اسے دادی کی تلاش کا اختتام ہوتا دکھائی دینے لگا تھا۔

''ہوں تو گویا اب شیرازی ولا میں خولہ آپی کے بجائے فارینہ اسد مسز عکرمہ کے روپ میں آنے والی ہیں۔''

واپسی پر وہ لوگ فارینہ کی کار میں بیٹھے تو آگے ڈرائیونگ سیٹ پر براجمان عکرمہ کو فارینہ کی کسی بات پر ہنستا دیکھ کر اس نے سوچا تھا۔

اور کم و بیش یہی سوچ اس کے ساتھ بیٹھی دادی کے چہرے پر بھی دکھائی دی۔

''کیا خیال ہے۔ دونوں ساتھ اچھے لگ رہے ہیں ناں؟''

دادی نے اس کی طرف قدرے جھک کر دھیمی آواز میں پوچھا تو وہ مسکرا کر سر اثبات میں ہلا گئی۔

''تو ٹھیک ہے۔ آج ہی پوچھتی ہوں عکرمہ سے۔ ویسے تو مجھے اس کے رویّے سے ''اقرار'' مل گیا ہے۔ مگر پھر بھی رسمی کارروائی تو کرنی ہی ہوگی ناں۔''

دادی بھی بہت خوش لگ رہی تھیں۔ اور کیوں نہ ہوتیں۔ ان کے لاڈلے پوتے نے بالآخر کسی لڑکی کی طرف جھکاؤ محسوس کیا تھا۔ اور لڑکی بھی وہ جو نہ صرف خوش اخلاق و خوش شکل تھی۔ بلکہ ان کے ماحول کو اچھی طرح سمجھتی تھی۔ اچھے خاندان سے تھی اور شیرازی ولا کے مکینوں کی آشنا اور پسندیدہ بھی تھی۔

دادی کی بات پر دُرِ مکنون متبسم سی انہیں دیکھنے لگی۔

''گو کہ عکرمہ نے اپنی شادی کا فیصلہ مجھ پر چھوڑ رکھا ہے مگر میں جانتی ہوں۔ شادی میں فریقین کی رضا زیادہ ضروری ہوتی ہے۔ یوں بھی شریکِ حیات کے لیے ہر انسان نے کوئی نہ کوئی پیکر اپنے لاشعور میں تراش رکھا ہوتا ہے۔ اور ضروری نہیں کہ والدین بچوں کے ذہن میں اتر کر ان کی پسند کو سمجھ سکیں۔ لہٰذا اچھا ہی ہے کہ بچے خود ہی اپنے لیے کسی کو چن لیں۔ تاہم آخری فیصلہ والدین کا ہی ہونا چاہیے۔ کیونکہ ان کے تجربے کی بنیاد پر کیے گئے فیصلے اولاد کی آنے والی زندگی پر گہرے اثرات مرتب کرتے ہیں۔''

دادی کی محبت بھری نظریں بار، بار فارینہ اور عکرمہ کو چھو، چھو کر پلٹ رہی تھیں اور وہ دھیمے لہجے میں ساتھ بیٹھی دُرِ مکنون سے باتیں کیے جا رہی تھیں۔

(جاری ہے)

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

شجرِ سایہ دار

سیما رضا ردا

خالہ خوشی کا ہنستا مسکراتا چہرہ..... دعا دیتے ہوئے ان کے ہاتھ اللہ کی بارگاہ میں ایسے اٹھتے کہ گویا کامیابی کی سند پالیتے۔ 91 سالہ خالہ خوشی اسم بامسمیٰ تھیں خود بھی خوش رہتیں اور خوشی بلکہ خوشیاں تقسیم کرنا تو گویا ان کا دل پسند مشغلہ تھا۔ نام تو اُن کا خوشنما بیگم تھا، بچپن سے خوشی، خوشی ہر ایک کام کرتے ہوئے وہ خوشی کے نام سے پکاری جانے لگیں۔ خالہ خوشی بتاتی ہیں کہ کم عمری میں دلہن بنیں اور محض پانچ برس بعد اٹھارہ

سال کی عمر میں بیوہ ہوگئیں۔ ان کے شوہر اخلاق احمد تقسیم ہند کے وقت سکھوں کے ہاتھوں مارے گئے تھے اور خالہ خوشی پاکستان بننے کے چھ ماہ بعد چار ہزار کی رقم اور چار نہایت کمسن بیٹوں کا اثاثہ لے کر پاکستان آگئی تھیں۔ پیر الٰہی بخش کالونی میں آپ نے دو مکان خریدے ایک 240 گز کا جس میں آپ خود رہائش پزیر تھیں اور دوسرا 120 گز کا جس میں آپ نے ایک چھوٹا سا پرائمری اسکول کھول لیا۔ قیام پاکستان سے قبل ہی خالہ خوشی پاکستان کے عقیدت مندوں میں شامل تھیں، یہی سبب تھا کہ پاکستان آنے کے بعد جب اس محلے میں رہائش اختیار کی تو آپ نے آتے کے ساتھ ہی پہلا کام یہ کیا کہ اپنے گھر کے آنگن میں ایک پودے کی بنیاد رکھی۔ جس کے اطراف میں انہوں نے لکھا ''میرا پاکستان'' گویا یہ اشارہ تھا اس امر کی جانب کہ پاکستان کی نسل نو کی آبیاری کر کے پاکستان کی بقا و ترقی میں خالہ خوشی اپنا عملی کردار ادا کریں گی اور اس میں اپنے پرائے کی کوئی تخصیص نہیں ہوگی۔ وہ چنبیلی کی بیل تھی، جس کی بھینی، بھینی خوشبو آج بھی مسحور کر دیتی ہے۔ اب تو خیر وہ ننھا سا پودا تناور درخت بن گیا۔ بے شمار پودوں کا سربراہ بن گیا تھا۔ اس شجر ہی نہیں خالہ خوشی کی پاکستان سے محبت کے ثمر کی مسحور کن خوشبو اور دلآویزی بھی اس کے نزدیک سے گزرنے والوں کو اپنے حصار میں لے لیتے۔ خالہ خوشی نے چنبیلی کی بیل لگاتے وقت سوچا بھی نہ ہوگا کہ ایک دن چنبیلی پاکستان کا قومی پھول کہلائے گا۔

خالہ خوشی نے مڈل کا امتحان دیا ہی تھا کہ شادی ہوگئی۔ رزلٹ آیا تو خالہ اول درجے سے کامیاب ہوئی تھیں اُن کے شوق کو دیکھتے ہوئے آپ کے شوہر نامدار نے جو خود تاریخ کے پروفیسر تھے بیگم کو نویں جماعت کا پرائیویٹ امتحان دلوا دیا۔ نہایت کمسن بچوں کے ساتھ خالہ خوشی نے چار سال میں انٹر بھی کر لیا جس دن ان کا انٹر کا رزلٹ آیا بہت خوش تھیں۔ ان کے شوہر نے مزید تعلیم کی اجازت جو دے دی تھی لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ ان کے شوہر شہید کر دیے گئے اور خالہ خوشی کا خواب ادھورا رہ گیا۔ لیکن آپ نے اپنے شوہر کے خوابوں کو روشن تعبیر دینے کے لیے اپنے بیٹوں ماجد، ساجد اور زاہد کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ دی۔ انہیں اپنے ہم سفر سے بے پناہ محبت تھی سو ان کی دائمی جدائی کا بہت دکھ تھا لیکن انہوں نے کمال ضبط سے اس دکھ کو اپنی طاقت بنا لیا تھا۔ خالہ خوشی نے صبر اور شکر کا دامن ہاتھ سے ہرگز نہ جانے دیا۔ مصائب اور کڑی سے کڑی آزمائش کا مقابلہ بھی عزم اور حوصلے سے کیا۔ یہی وجہ تھی کہ خالہ نے زندگی کو بوجھ نہیں سمجھا اس خوشگوار احساس کے ساتھ بھرپور زندگی بسر کی کہ اپنے وطن پاکستان کی تعمیر میں مجھے بھی اپنا حصہ ڈالنا ہے اور وہ اس میں کامیاب بھی رہیں۔

خالہ خوشی عزم و ہمت کا پیکر تھیں۔ گھر داری اور بچوں کی تعلیم و تربیت کے ساتھ ساتھ اپنے اسکول پر بھی توجہ دینی شروع کر دی۔ ابتدا میں تو خالہ خوشی کے علاوہ دو ہی استانیاں تھیں اور بچے بھی کل ملا کر دس تھے۔ آہستہ، آہستہ اعتبار کے رشتے قائم ہوتے گئے تو محلے کے بچوں نے خالہ خوشی کے اسکول ''کاشانۂ اطفال'' میں داخلہ لینا شروع کر دیا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے بچوں اور اساتذہ کی تعداد میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ گو کہ ان کا اسکول اردو میڈیم تھا۔ لیکن خود ان کو اردو زبان کے ساتھ، ساتھ فارسی، عربی اور انگریزی پر بھی عبور حاصل تھا۔ اس لیے انگریزی خود پڑھاتی تھیں۔ عربی اور فارسی کی کلاس ہر ہفتہ ہوتی تھی اور اس میں بھی انہیں دسترس تھی۔ آہستہ، آہستہ خالہ کی محنت رنگ لا رہی تھی اور وہ بہت خوش تھیں۔ ''کاشانۂ اطفال'' میں زیر تعلیم بچوں کی انگریزی کی قابلیت دیگر اردو میڈیم اسکولوں میں پڑھنے والے بچوں سے بہت زیادہ تھی۔ عربی اور فارسی کے قواعد پڑھنے سے بچوں کو عربی اور فارسی بھی کافی حد تک سمجھ میں آنے لگی تھی۔ یہی نہیں ''کاشانۂ اطفال'' کے بچے اخلاق اور خود اعتمادی کے ساتھ ساتھ حب الوطنی کے زیور سے بھی آراستہ تھے۔

خالہ خوشی نے دانشمندی، سلیقے اور دور اندیشی

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

گھریلو بجٹ بھی متوازن رکھا اور اپنے بچوں کو بھی تعلیم و تربیت کے ساتھ پروان چڑھایا۔ یوں ان کی زندگی کے دن نئی مملکت میں سکون اور خوشی کے ساتھ گزرنے لگے۔ انہوں نے غیر محسوس طریقے سے اپنے بچوں، محلے کے بچوں اور شاگردوں کے دلوں میں اندر تک پاکستان سے محبت کی جڑیں مضبوط کیں۔ خالہ خوشی کی پاکستان سے محبت اور عقیدت روزِ روشن کی طرح عیاں تھی۔ ان کے محلے میں رہنے والی میری نانی امی بتاتی ہیں کہ اگست کے مہینے میں تو خالہ خوشی کا جوش و خروش قابلِ دید ہوتا۔ اہلِ محلّہ نہ صرف ان کا حکم مانتے بلکہ ان کی خواہشات کا احترام بھی کرتے۔ یکم اگست ہی سے وہ محلے کی صفائی شروع کرواتیں۔ محلے کے بچے اور نوجوان اس صفائی مہم میں مل کر بھرپور کردار ادا کرتے۔ تیرہ اگست کی شام ہی سے سارا محلّہ ہری بھری جھنڈیوں سے سج جاتا۔ چھوٹے، چھوٹے برقی قمقمے روشنی بکھیرتے۔ اس زمانے میں بجلی کی سہولت عام نہیں تھی۔ مٹی کی کٹوریوں میں روئی کے پھائے بنا کے سرسوں کے تیل میں ڈبو کر چراغاں کیا جاتا اور اس سجاوٹ کے تمام اخراجات خالہ خوشی، خوشی سے خود اپنی پس انداز کی ہوئی رقم سے اٹھاتیں۔ چودہ اگست کی صبح اپنے بچوں کو جلدی اٹھا دیتیں۔ بچے اجلے اجلے لباس پہنتے۔ محلے کے بچے بھی آجاتے اور سارے بچے مل کر دو نفل شکرانے کے ادا کرتے۔ خالہ خوشی اپنے ہاتھوں سے بریانی کی دیگ تیار کرتیں۔ اور میٹھے میں کھیر کا اہتمام کیا جاتا۔ اور سارے محلے والے خالہ خوشی کی دعوت پر ان کے گھر نہ لہرانے میں شرکت کرتے۔ عید کا سا سماں ہوتا۔ کھانے سے قبل ظہر کی نماز ادا کی جاتی، کھانے کے بعد پہلی منزل پر تعمیر بڑے ہال نما کمرے میں سجا ہوا اسٹیج بہت بھلا لگتا۔ کپڑے کے کاغذ پر ''آزادی کی خوشیاں'' لکھوا کر دیوار پر آویزاں کرتیں۔ تحریک پاکستان کے نامور رہنماؤں کی تصویریں دیواروں پر سجی ہوتیں۔ درمیان میں بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کی قد آور تصویر آویزاں ہوتی۔

بالترتیب تلاوتِ قرآن حکیم، حمد اور نعت کے بعد خالہ خوشی بڑے وقار کے ساتھ خوشی و فتح کا مجسمہ بن کر اسٹیج پر آتیں تو ان کے پُرعزم اور شفیق چہرے کو دیکھ کر سب کی آنکھیں عقیدت سے جھک جاتیں۔ خالہ خوشی اپنے سحر انگیز لحن سے سورۂ رحمٰن کی ابتدائی آیات کی تلاوت اور ترجمے سے اپنی گفتگو کا آغاز کرتیں۔

''بے شک ہمارا پاکستان سورۂ رحمٰن کی عملی تفسیر ہے۔ سورۂ رحمٰن میں اللہ تعالیٰ کے بے شمار نعمتوں کا ذکر ہے اور الحمد للہ یہ ساری نعمتیں ہمارے پاکستان میں موجود ہیں۔ لہٰذا ہمیں ہر لمحہ شکر گزاری کے احساس سے مالا مال رہنا چاہیے اور اپنے ملک کی قدر کرنی چاہیے کہ ہم آزادی کے ساتھ اپنے وطن میں ہیں۔ غلامی کا طوق ہماری گردن سے ہٹ گیا ہے، ہمیں اپنے بچوں اور بچیوں کی ایسی تربیت کرنی ہے کہ زمانہ رشک کرے''۔

خالہ خوشی گفتگو کے آداب سے واقف تھیں، وہ مختصر مگر نہایت جامع بولتیں۔ ان کا ہر لفظ سننے والوں کے دلوں میں بس جاتا۔ اور اس وقت بھی حاضرینِ محفل اس کیفیت سے گزر رہے تھے کہ

وہ کہیں اور سنا کرے کوئی

گفتگو کے بعد وہ یہ نغمہ کہ.....

ہم لائے ہیں طوفان سے کشتی نکال کر
اس ملک کو رکھنا میرے بچوں سنبھال کر

سناتیں۔ جسے سن کر بچوں اور نوجوانوں کا جوش و خروش بڑھ جاتا۔ اس کے بعد بچے قومی نغمے، اقوالِ قائد سنا کر پاکستان سے اپنی بھرپور محبت کا اظہار کرتے۔ بچوں کا پُرجوش انداز خالہ خوشی کو انوکھی خوشی بخشتا۔ اس کے بعد خالہ خوشی لڑکوں میں سبز ٹوپی اور لڑکیوں میں سبز چوڑیاں اور چُنریاں تقسیم کرتیں۔ یہ چنری کے دوپٹے وہ خود اپنے گھر میں تیار کرتیں۔ اس کے بعد تمام بچے مل کر قومی گیت گاتے اور اب کچھ عرصے سے معمول بن گیا تھا کہ بچے اس موقع پر....

''چاند روشن چمکتا ستارہ رہے.....
سب سے اونچا یہ جھنڈا ہمارا رہے''

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

ضرور گاتے تھے۔ خالہ خوشی کی دعا کے بعد تقریب ختم ہو جاتی لیکن اس کا چرچا دنوں اور ہفتوں نہیں مہینوں ہوتا رہتا۔ وہ معمول کے مطابق ہر یومِ آزادی میں اپنا کردار اسی طرح ادا کرتیں۔

اسکول میں تعلیم کے ساتھ، ساتھ خالہ خوشی بچوں کو قرآن پاک کی بھی تعلیم دیتیں۔ لڑکیوں کو کڑھائی سلائی سکھاتیں اور اچھا انسان بننے کے آداب سکھاتیں۔ رفتہ، رفتہ سب نے ان کے وجود کو ان کی شخصیت کو قبول کر لیا۔ خالہ خوشی کے گھر کے دروازے محلے والوں کے لیے ہمیشہ کھلے رہتے۔ ہر ایک کی ضرورت پوری کرنا وہ اپنا فرض سمجھتی تھیں۔ دن مہینے اور مہینے سال بن کر گزرتے رہے۔ چنبیلی کی بیل مہکتی رہی، خالہ خوشی کے بچے جوان ہو گئے۔ دو بچے اعلیٰ تعلیم کے لیے ملک سے باہر چلے گئے اور دو یہیں ماں کے ساتھ رہ گئے۔ باہر جانے والے بچوں سے خالہ خوشی نے عہد لیا تھا کہ ہر سال چودہ اگست وہ پاکستان میں منائیں گے۔ بچے فرمانبردار تھے۔ اس لیے ماں کی لاج رکھی، ایک بیٹا بہو ان سے علیحدہ ہو کر ایک پوش علاقے میں رہتے ہیں مگر خالہ خوشی نے کبھی گلہ نہیں کیا۔ بلکہ یہ کہہ کر خود کو سمجھایا کہ ان کو اپنی زندگی اپنی مرضی کے مطابق جینے کا حق ہے لیکن بیٹا ماں سے شرمندہ رہتا، وہ اپنی بیوی کے کہنے میں آ کر الگ تو ضرور ہو گیا تھا لیکن ہر چودہ اگست کو بچوں کو لے کر ماں کے ساتھ جشنِ آزادی منانے آتا ہے تو خالہ خوشی نہال ہو جاتیں۔

آج خالہ خوشی ۹۱ برس کی تھیں۔ چنبیلی کی بیل کے ساتھ انہوں نے اور بھی دوسرے پودے لگائے۔ ان میں ایک قائداعظم کے نام کا بھی ہے..... نیم کے درخت کی گھنی چھاؤں میں تحریکِ پاکستان کے تمام سرگرم رہنماؤں کا نام لکھا ہے۔ وقت کے ساتھ خالہ کے چہرے پر جھریاں پڑ گئیں مگر آواز میں آج بھی وہی گھن گرج اور لہجے میں اپنائیت ہے۔ ان کے تربیت یافتہ بچے جہاں کہیں بھی ہیں ان کو اپنی دعاؤں میں آج بھی یاد رکھتے ہیں۔ اپنی مصروفیات ترک کر کے جشنِ آزادی خالہ خوشی کے ساتھ مناتے ہیں۔ ان میں سے کئی تو نانا، نانی دادا، دادی کے منصب پر فائز ہو چکے ہیں لیکن خالہ خوشی کے تو وہ بچے ہی ہیں ناں۔ وہ جانتے ہیں کہ خالہ کی زندگی کی یہ سب سے بڑی خوشی ہے کہ وہ آزادی کے جذبے سے سرشار، باکردار اور محبِ الوطن خاتون آج بھی اپنا بھرپور کردار ادا کر رہی ہیں گو کہ اب ان میں وہ پہلی سی توانائی نہ رہی لیکن ان کے جذبے آج بھی جوان ہیں۔

خالہ خوشی نے محلہ کمیٹی کی جنرل سکریٹری بن کر اپنے علاقے کو ایسا ہرا بھرا اور سرسبز و شاداب بنا دیا کہ اسے دیکھ کر آنکھوں کو اچھا لگتا ہے لیکن اب گزشتہ چند برسوں سے خالہ خوشی فکر اور پریشانی میں بھی مبتلا رہتی ہیں۔ نئی نسل سے ناراض رہتی ہیں، جسے نہ اپنے حال کی خبر ہے نہ مستقبل کی پروا۔ وطن کی محبت تو اُن کے لیے محض مذاق ہے۔ اپنے مفاد کے لیے وطن کو استعمال کرنے والے نوجوانوں کو دیکھ کر ان کا دل خون کے آنسو روتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی ہونہار اور باصلاحیت نوجوانوں کی حق تلفی پر بھی وہ بہت ملول ہوتی ہیں۔

اس دن جب خوش رہنے اور خوشیاں تقسیم کرنے والی خالہ خوشی کو محلے والوں نے بلک بلک کر روتے دیکھا تو خود ان کا دل پانی ہو گیا۔ ہوا یوں کہ شیراز جس کے تہذیبی رویے کی خالہ خوشی اکثر تعریف کیا کرتیں اس کو سگریٹ نوشی کرتے اور تیز موٹر سائیکل چلاتے ہوئے پیڑ کے گرد چکر لگاتے، لگاتے بے ہوش ہوتے دیکھا تو وہ اس کی تاب نہ لا سکیں۔ یہ منظر خالہ خوشی کے لیے بہت تکلیف دہ تھا۔ شیراز ہوش میں آیا تو اس نے بتایا۔

”مجھے فیکٹری سے منیجر کی پوسٹ سے ہٹا کر کسی اور سفارشی کو تعینات کر دیا گیا۔ جبکہ وہ شخص اس کا اہل بھی نہیں۔ میرے ذہنی تناؤ کو دیکھتے ہوئے دکاندار نے سگریٹ پینے کا مشورہ دیا کہ سب ٹھیک ہو جائے گا مگر کیا ٹھیک ہوا؟ کچھ بھی نہیں۔ مجھے معاف کر دیں خالہ خوشی آپ نے ناکامی پر دل برداشتہ ہونا نہیں بلکہ ایک نئے عزم کے ساتھ آگے بڑھنا سکھایا تھا اور میں نے آپ کی تربیت کا بھرم بھی نہیں رکھا کیا کرتا بالکل اچانک اور بلا جواز بے روزگاری کا صدمہ برداشت نہ کر پایا۔“

WaqarAzeem
Pakistanipoint.com

"تم اسے اللہ کی جانب سے ایک آزمائش سمجھو۔ یقیناً اللہ نے تمہارے لیے اس سے بہت بہتر انتظام کیا ہے۔ اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔" خالہ نے اپنے بہتے اشکوں پر قابو پاتے ہوئے شیراز کو سمجھایا اور پھر بالکل اچانک جس طرح شیراز کو دفتر سے برطرف کر دیا گیا تھا اسی طرح یکا یک اس کو ایک اور بہت اچھے ادارے میں ملازمت مل گئی تھی۔ آج شیراز جنرل منیجر کے عہدے پر فائز ایک خوش و خرم زندگی گزار رہا ہے اور دل سے خالہ خوشی کا ممنون ہے کیسے انہوں نے اس کے بکھرے وجود کو سمیٹا تھا۔

خالہ خوشی نے اپنی ذات کو دوسروں کے لیے وقف کر دیا تھا۔ وہ کہتی تھیں کہ میرا ماضی میرے اسلاف کی یادیں ہیں اور یادوں کی یہ امانت مجھے آنے والی نسلوں تک پہنچانی ہے الحمدللہ اب تک تو میں اس مشن میں کامیاب رہی ..... لیکن موجودہ نسل کی اکثریت اپنے مذہب اور وطن کی محبت سے خاصی بے بہرہ ہے اس کو راہ پر لانے میں مجھے اپنی بچی کھچی توانائیاں صرف کرنی ہیں۔ اللہ میری مدد فرمائے، آمین۔ آج بھی لوگ خالہ خوشی سے ملنے کے آرزومند رہتے ہیں۔ ان کے گھر کا دروازہ سب کے لیے کھلا رہتا ہے۔ ان کے آنگن میں لگے نیم، جامن اور آم کے پیڑ اور چنبیلی کی خوشبو اپنے آنے والے مہمانوں کے استقبال کے لیے خالہ خوشی کے ہمراہ موجود ہوتی ہے۔ ان میں، میں بھی شامل ہوں۔

خالہ خوشی چلتے پھرتے پودوں سے باتیں کرتی ہیں۔ انہیں پیار سے پانی دیتی ہیں اس بار میں ان سے ملنے گئی تو کہنے لگیں "ذرا سوچو تو! ہم نے اللہ کی کن کن نعمتوں کی شکر گزاری کی ہے۔ یہ نعمت پاکستان، ہمیں اقوامِ عالم کے سامنے پاکستانی ہونے کی شناخت دیتی ہے۔ باعزت اور با اختیار شناخت۔ ہم پاکستانی ہیں۔ پاکستان ہمارا ہے، پاکستان ہے تو سب کچھ ہے۔ اپنے وطن کی جیسی مٹی کی خوشبو کہیں نہیں مل سکتی ..... یہ آزادی کی نعمت بہت بڑی نعمت ہے۔"

خالہ خوشی سے ملاقات، محض ملاقات نہیں ہوتی۔ زندگی کا قرینہ ہے ان کی شخصیت میں۔ وہ بہت عجیب لہجے میں گویا ہوئیں۔

"دیکھو بیٹی! ابھی ہماری آنکھیں کھلی ہیں اور دماغ زندہ ہے، صحت بھی بہتر ہے مگر اگلے سال کا کچھ پتا نہیں، ہمارے پودوں کا خیال رکھنا، ان کو پانی ضرور دینا۔ یہ ہمارے پرکھوں کی امانت ہیں۔"

۲۰۲۰ء کا آغاز ہو چکا تھا۔ نئے سال کی نئی، نئی باتیں تھیں۔ تب ہی کرونا وائرس کے خوف نے پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ پاکستان میں بھی اس وبا نے اپنے پنجے گاڑ لیے تھے۔ حکومتی اقدامات کے نتیجے میں لوگ گھروں میں محصور ہو گئے تھے۔ زندگی کی رونقیں کہیں دور چلی گئی تھیں۔ تعلیمی ادارے غیر معینہ مدت تک کے لیے بند کر دیے گئے۔ ساری سماجی سرگرمیاں ختم کر دی گئیں۔ بار، بار خبروں میں بتایا جاتا کہ بزرگ شہریوں کو گھر سے باہر نہ جانے دیا جائے۔ ان کی صحت کا خیال رکھا جائے۔ گورنمنٹ کی جانب سے بہت سختی کی جا رہی تھی کہ موت کو نہ خریدیں، گھروں میں رہیں۔ مگر تمام احتیاطوں کے باوجود بھی مرض بڑھتا گیا۔ جوں جوں دوا کی۔ لاک ڈاؤن کی سختیاں برداشت کرتے، کرتے سبھی بیزار ہو گئے۔

اللہ بچائے

اس کرونے سے اللہ بچائے
اونے پونے سے اللہ بچائے
ہر بلا سر پر آجائے لیکن
اس ڈراؤنے سے اللہ بچائے
بے وجہ گھر سے تم مت نکلنا
اس شکنجے میں تم نہ آجانا
چمٹ جاتا ہے یہ ہاتھ ملا کر
اس کے ہونے سے اللہ بچائے
اس کی زد میں ہیں چاروں کنارے
اس کے دھونے سے اللہ بچائے
بہت نرم ہیں ڈی ایچ کیو کے بستر
ان پہ سونے سے اللہ بچائے

از: عظمیٰ مشتاق، نارووال

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

معاشی حالت زار تھی کہ دگرگوں تھی۔ میں بھی آن لائن اپنا سارا کام کرتی تھی۔

پونہی ایک دن اپنے آرٹیکل پر کام کر رہی تھی تو تصاویر منتخب کرتے، کرتے خالہ خوشی کی تصویر سامنے آگئے۔ پاکستان کے سبز ہلالی پرچم کے سائے میں چنبیلی کے درخت اطراف میں سب کو تحائف تقسیم کرتے ہوتے... مسکراتی ہوئی تصویر۔ ان کی تصویر کو تکتے ہوئے میں جیسے ساکت ہوگئی تھی۔ جولائی کا مہینہ شروع ہو چکا تھا۔ خالہ خوشی نے تو آزادی کے جشن کی تیاری شروع کردی ہوگی مگر اس بار تو وبا پھوٹی ہوئی ہے۔ سب کچھ کیسے ہوگا؟ مجھے وہم ستانے لگے، ان سے رابطہ کیے ہوئے کافی دن ہوگئے تھے۔ یہ سماجی دوری کب ختم ہوگی؟ میرا دل ان سے ملنے کو بے چین ہوگیا۔ امی نے بہت منع کیا مگر ان کو راضی کر کے میں ماسک اور دستانے پہن کر ان کی طرف روانہ ہوگئی۔ ان کے گھر سے پہلے تک کے تمام علاقے سیل کردیے گئے تھے۔ کرونا کیسز کی تعداد اس علاقے میں بہت بڑھ گئی تھی اور اموات میں مسلسل اضافہ ہو رہا تھا۔ مگر میں ان سے عقیدت رکھتی تھی۔ رہ نہ سکی۔ چنبیلی کا پیڑ اداس تھا۔ محلے میں ویرانی تھی۔ نہ بچوں کے قرآن پڑھنے کی آواز آرہی تھی۔ نہ خالہ خوشی کی آواز کا جادو سنائی دے رہا تھا۔ البتہ ان کے گھر کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ میں حیران و خوفزدہ سی آگے بڑھتی گئی۔ ان کی وفادار محلے پڑوس کی دو، ایک عورتیں خوشی سے بیٹھی تسبیح کے دانوں کو گھما رہی تھیں۔ مجھے دیکھ کر خاموشی سے دائیں ہاتھ کے اشارے سے کہا کہ۔ ''اندر چلی جائیں۔'' وہ مجھے پہنچانتی تھیں۔ میں ڈرتے، ڈرتے اندر آئی۔ دیکھا تو خالہ خوشی اپنے پلنگ پر دراز تھیں۔ ان کی آنکھیں بند تھیں۔ وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر تھیں۔

معصوم سی خالہ خوشی، کئی دنوں سے نیم بے ہوشی میں تھیں۔ ڈاکٹرز کے مطابق ان کی قوتِ مدافعت ختم ہو رہی تھی۔ ان کا دل بہت کم کام کر رہا تھا۔ اور کسی وقت بھی ان کے سانس کی ڈوری ٹوٹ سکتی تھی۔ اُف میں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ خالہ خوشی کو اس طرح اس حالت میں دیکھوں گی۔ میں اشک بار آنکھوں سے انہیں دیکھتی ہوئی کمرے سے باہر آئی تو پیچھے سے باہر بیٹھی خاتون کی آواز آئی۔

''بی بی یہ لے لیں..... یہ آپ کی امانت ہے۔ وہ خالہ خوشی نے اس بار بہت جلدی سب کے تحفے تیار کردیے تھے۔ یہ آپ کے نام کا ہے''۔ میں نے اس کے ہاتھوں میں تھمی سبز چوڑیوں اور چنری کے دوپٹے کا پیکٹ لیا اور بھیگی آنکھوں کے ساتھ وہاں سے چلی آئی اور شام تک خالہ خوشی کے اس جہان سے جانے کی خبر بھی آگئی۔

آزادی کا سورج تو ان شاء اللہ ہر سال اگست میں طلوع ہوتا رہے گا۔ مگر خالہ خوشی ابدی نیند سو چکی ہیں۔ موت تو برحق ہے مگر ہمارے اطراف ایسے لوگ اب کہاں ہیں؟ چنبیلی کی خوشبو اور نیم کے درخت کی چھاؤں اور جامن اور آم کے پھل ہر اہلِ وطن کو نصیب ہوں اور ساتھ، ساتھ خالہ خوشی کا جذبۂ حب الوطنی بھی..... خالہ خوشی جیسی خواتین ہمارا اثاثہ ہی نہیں تربیت گاہ بھی ہیں۔ اللہ ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ خالہ خوشی کے جلائے ہوئے دیوں کو بجھنے نہ دیں، آمین۔

میں نے سوچا تھا کہ وہ پیکٹ میں ۱۴ر اگست کو کھولوں گی تاکہ خالہ خوشی کو محسوس کرسکوں۔ ان کے لمس کو پاسکوں مگر جولائی کے وسط تک ضبط نہ کرسکی اور پیکٹ کھول لیا۔ چنری کا خوب صورت دوپٹا اور سبز چوڑیوں کے درمیان ایک سفید چھوٹا سا کارڈ میرے سامنے تھا۔ خالہ خوشی کی خوش خط لکھائی میں پہچانتی تھی۔ انہوں نے لکھا تھا۔

میں جاتی ہوں وبا کے دن ہیں
مگر یہ دن بھی خدا کے دن ہیں
دلوں سے مایوسیاں نکال لو
ذرا سا آگے شفا کے دن ہیں

اور میں پھوٹ، پھوٹ کر روتی رہی۔ مگر وہ جا چکی تھیں۔ وہ، جو عمر بھر امید کے دیے روشن کرتی رہی تھیں جاتے، جاتے بھی خوش امیدی کے دیپ روشن کرگئیں۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

مٹ گئے فاصلے

عفت گل اعزاز

شیراز کی بیوی شبانہ شہر کے بڑے مال سے ڈھیر ساری خریداری کر کے ابھی گھر آئی تھی۔ آج وہ بہت خوش تھی۔ اس نے فون کر کے اپنی جیٹھانی یاسمین بھابی کو بلایا اور تمام رنگ برنگے مہنگے، مہنگے کپڑے بستر پر پھیلا دیے۔ یاسمین بھابی کپڑے دیکھ کر خوش ہوئیں۔

''ارے واہ بڑے پیارے کپڑے ہیں، رنگ بھی بہت اچھے ہیں۔'' بھابی نے مسکرا کر کہا۔

''بھابی یہ والا دیکھیے بلیک کلر والا سوٹ، اس کا

کپڑا اتنا نرم ہے، مجھے بہت اچھا لگا، میں نے لے لیا۔'' شبانہ نے خوش ہو کر کہا۔

''اور ان ڈبوں میں کیا ہے؟'' بھابی نے پوچھا۔

''ان میں سینڈلز ہیں، الگ، الگ رنگوں کے ہیں۔ گلابی، زرد، براؤن، سفید اور میرون، میچنگ کے حساب سے لیے ہیں۔'' شبانہ نے کہا۔

''اکٹھے پانچ جوڑے خرید لیے؟'' یاسمین بھابی کچھ حیران تھیں۔

''ہاں، آج دل بھر کے خریداری کی۔ کافی عرصے سے بازار جانے کا سوچ رہی تھی۔'' شبانہ نے کہا۔

''شبانہ! بہت اچھا کیا جو تم نے اتنی خریداری کی..... خیر سے یہ کپڑے اور جوتے ضرور پہنو..... مگر یہ بتانا میرا فرض ہے اتنی زیادہ فضول خرچی کو اللہ پسند نہیں کرتا..... فضول خرچی کرنے والے کو شیطان کا بھائی قرار دیا گیا ہے..... جتنی ضرورت ہو اتنی ہی خریداری کرنی چاہیے اور پیسہ خرچ کرنے کے بجائے بچا کر رکھنا چاہیے۔ اصل میں وہ تمہارے ہی کام آئے گا۔ بچے ابھی چھوٹے ہیں، کل کو بڑے ہوں گے۔'' یاسمین بھابی نے متانت سے کہا۔

شبانہ کو ان کی باتیں ایک دم بری لگیں۔

''اچھا بھابی، اپنی نصیحتیں اپنے پاس رکھیں، ہم اپنے دل کے ارمان بھی پورے نہ کریں۔ ایسے ہی ترس، ترس کر زندگی گزار دیں۔''

''شبانہ تم میری چھوٹی بہن کی طرح ہو..... اگر میں نے تمہیں ایک اچھی بات بتا دی تو اس کا برا مت مانو.....''

''آپ جل گئیں ناں میری خریداری دیکھ کر؟'' شبانہ نے ایک دم غصے سے کہا۔

''ارے بھئی اگر تمہیں میری بات بری لگی ہے تو میں معافی مانگتی ہوں۔ سوری۔'' یاسمین بھابی نے اتنا کہا اور جانے لگیں۔

شبانہ کا موڈ خراب ہو گیا تھا۔ وہ کرسی پر ہی بیٹھی رہی اور بھابی کو جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔

''خواہ مخواہ بلایا انہیں۔ اس سے تو اچھا تھا کہ میں نہ ہی بلاتی۔'' بڑبڑاتے ہوئے شبانہ کپڑے سمیٹنے لگی۔ وہ سوچنے لگی کہ ہمیں ذرا دور ہی رہنا چاہیے۔ مگر ساتھ رہنا مجبوری تھی۔ یہ مکان ان کے سسر صاحب نے بنوایا تھا۔ بڑے پلاٹ پر دو پورشن تھے ایک پورشن میں فراز صاحب کی فیملی رہتی تھی اور دوسرے پورشن میں شیراز صاحب کی فیملی رہتی تھی۔ والد صاحب سعودی عرب میں رہتے تھے۔ ان کے ساتھ چھوٹا بیٹا شہباز رہتا تھا۔ سال میں ایک دفعہ وہ لوگ پاکستان آتے تھے۔ دونوں بیٹوں سے ملتے پھر لاہور جاتے جہاں ان کی بیٹی افشاں کی سسرال تھی سب لوگ ایک دوسرے سے ملتے۔ والدین کی خاطر مدارات کرتے۔ سیر و تفریح کے پروگرام بنائے جاتے۔ اس دفعہ امی ابو آئے تو بچوں نے کہا کہ مری، نتھیا گلی کی سیر کو چلیں۔ چنانچہ امی، ابو اور فراز، شیراز کے گھر کے سب لوگ گھومنے پھرنے نکل گئے۔ وہاں کا خوب صورت موسم اور سرسبز و شاداب وادیاں سب کو پسند آئیں۔ ہوٹل کی کھڑکی سے بادل کمرے میں گھس آتے تو سب لوگ حیران رہ جاتے۔ وہاں چند دن گزار کے وہ واپس گھر آ گئے۔ ابو نے فراز سے مشورہ کیا کہ اس مکان پر ان کے سب بچوں کا حق ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ مکان کو فروخت کر کے سب بچوں کو ان کا حصہ دے دیں۔ انہوں نے پھر دونوں بیٹوں سے اس بات کا ذکر کیا۔

''ضرور..... جیسے آپ کی مرضی ہو کریں۔'' دونوں نے یک زبان ہو کر کہا۔

''پھر تم دونوں کو اپنا، اپنا بندوبست کرنا ہو گا۔'' ابو نے کہا۔

''جی، جی بالکل۔'' شیراز نے کہا۔ ''ہم کرایے پر گھر لے لیں گے۔''

''میرا پلاٹ پڑا ہوا ہے میں وہاں مکان بنوا لوں گا۔'' فراز نے کہا۔

''فراز بیٹا تم مکان فروخت کرنے کے لیے کسی ایجنٹ سے بات کرو..... مکان فروخت ہونے میں بھی کئی ماہ لگ جائیں گے۔'' ابو نے کہا۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

''جی، جی..... میں بات کرتا ہوں۔'' فراز نے کہا..... دونوں بھائی اور ان کی بیویاں متفکر ہوگئیں کہ اچھا خاصا رہ رہے تھے اب کرایے کا مکان ڈھونڈنا پڑے گا..... نہ جانے وہ مکان کیسا ہوگا؟ اور یہاں سے کتنی دور ہوگا..... سامان کی منتقلی بھی ایک مشکل کام ہوگا..... مگر اب تو یہ سب مشکلیں برداشت کرنا ہوں گی۔

دونوں خاندانوں کے سب چھوٹے بڑے ایک دوسرے کے ساتھ خوش رہا کرتے..... شبانہ ذرا تیز مزاج تھی اور بعض اوقات وہ ایسی باتیں کہہ جاتی جو یاسمین کے لیے تکلیف دہ ہوتیں۔ اسے غصہ آجاتا مگر ان کی کوشش ہوتی کہ دونوں گھرانوں میں لڑائی جھگڑا نہ ہو اور ان کے درمیان تعلقات ٹھیک رہیں۔ وہ تحمل سے کام لیتیں اور شبانہ سے بنا کے رکھتیں بھی کبھار بچوں میں لڑائی ہوجاتی تو یاسمین ہی بچوں کو سمجھا، بجھا کر خاموش کرادیتیں۔ وہ اپنے دونوں بچوں احتشام اور رخسانہ کو باور کراتیں کہ ہم لوگ ایک خاندان کے ہیں اور ہمیں ہمیشہ ایک دوسرے کا ساتھ دینا ہے، لڑائی جھگڑا بالکل نہیں ہونا چاہیے۔

''اگر فاروق بدتمیزی کرے تو میں کچھ نہ کہوں؟'' احتشام کہتا تو یاسمین یہی سمجھاتیں۔

''ہاں بیٹا تم بڑے ہو وہ چھوٹا بھائی ہے اسے معاف کردو..... اللہ کو معافی مانگنے والے اور معاف کردینے والے بہت پسند ہیں۔'' احتشام خاموش ہوجاتا۔

ایک بار یاسمین نے حلیم بنایا اور بڑے سے ڈونگے میں حلیم نیچے شبانہ کے ہاں بھجوایا۔ اگلے دن شبانہ نے فون کیا۔

''بھابی پتا نہیں حلیم کیسا تھا؟ حلیم کھا کے میرا تو پیٹ ہی خراب ہوگیا۔ اتنا درد ہوا توبہ۔'' شبانہ کی بات سن کر یاسمین حیران رہ گئیں۔

''کیا مطلب؟ حلیم کی وجہ سے پیٹ خراب ہوگیا تمہارا..... ہم سب نے بھی حلیم کھایا۔ شکر ہے کہ ہمارے ہاں سب ٹھیک ٹھاک رہے۔ تم نے شاید زیادہ کھالیا ہوگا جو درد ہوا۔'' یاسمین نے ہنس کر کہا اور سوچنے لگیں۔

''ایک تو حلیم انہیں کھلایا اس پر برائی مل گئی۔ اس سے تو اچھا ہوتا کہ میں حلیم اس کے گھر ہی نہ بھیجتی کہیں پڑوس میں دے دیتی آخر اتنی محنت سے بنتا ہے۔''

☆☆☆

ایک دن شبانہ بیوٹی پارلر گئی اور اپنے اچھے خاصے لمبے بال کٹوا کے چھوٹے کرالیے۔ یاسمین اسے دیکھ کر حیران سی رہ گئیں۔

''ارے واہ تم تو میم بن گئیں.....'' انہوں نے برملا کہا۔

''ہاں وہ شیراز کہہ رہے تھے تم بال کٹوالو..... اچھی لگو گی..... میں نے کٹوالیے۔ کیسی لگ رہی ہوں بھابی؟'' شبانہ نے پوچھا تو یاسمین کو اس کا نیا انداز بالکل نہ بھایا کہا۔

''ہاں بہت اچھی لگ رہی ہو۔'' یاسمین نے اس کا دل رکھنے کو کہہ دیا۔ شبانہ مسکرانے لگی۔

پانی چڑھانے والی موٹر نیچے رکھی تھی۔ اتفاقاً وہ خراب ہوگئی۔ شام کو جب فراز صاحب دفتر سے آئے تو یاسمین نے انہیں بتایا کہ موٹر خراب ہوگئی۔ گھر میں پانی نہیں ہے۔

''اچھا بھئی ابھی ٹھیک کرادوں گا۔ پانی کے بغیر تو گزارہ نہیں۔ تم نے صبح سے کیوں نہیں بتایا۔'' فراز صاحب نے کہا۔ یاسمین خاموش رہیں کیا بتاتیں کہ شبانہ نے تو ٹکا سا جواب دے دیا تھا کہ ہم تو جارہے ہیں سارا دن گزار کر اب واپس آئے تھے۔

فراز صاحب نے فون پر بات کی ٹیکنیشن نے کہا کہ وہ ابھی تو نہیں آسکتا۔ کل آئے گا۔ اس پر انہیں غصہ آیا۔ وہ صاف پانی کی دو بڑی والی بوتلیں خرید لائے۔ اور ایک بوتل چھوٹے بھائی کو بھی جا کر دے دی۔

''شیراز یہ بوتل رکھ لو جب تک موٹر ٹھیک نہیں ہوتی اس پانی سے کام چلاؤ۔'' انہوں نے برادرانہ شفقت سے کہا۔

''شکریہ بھائی صاحب! پر یہ بوتل تو خاصی مہنگی ہوگی..... آپ نے کیوں زحمت کی؟''

''اس لیے کہ تم میرے چھوٹے بھائی ہو اور مجھے تم میری اولاد کی طرح عزیز ہو۔'' فراز صاحب نے

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

مسکرا کر کہا۔ ”میں نے اپنے گھر کے لیے بھی بوتل لی سو ایک بوتل تمہارے لیے بھی لے لی۔“

”بھائی صاحب! بہت شکریہ..... آپ ہمیشہ میرا بہت خیال کرتے ہیں۔ ویسے شبانہ نے بھی ابھی، ابھی ایک چھوٹی بوتل منگوائی تھی۔“ شیراز صاحب نے بتایا۔

فراز صاحب دوسری بوتل اپنے گھر لے گئے، وہ یہ سوچ کر خوش اور مطمئن تھے کہ انہوں نے اپنے چھوٹے بھائی کا خیال رکھا۔

فراز نہایت ملنسار اور خلیق انسان تھے وہ اور ان کی بیوی چھوٹے بھائی اور بھابی سے بہت محبت کرتے تھے انہیں یہ خیال بالکل نہیں آیا کہ چھوٹی بھاوج اپنے گھر کے لیے پہلے سے ہی ایک بوتل منگوا چکی ہے۔

کچھ عرصے سے اس علاقے میں پانی کی بڑی قلت ہوگئی آئے دن پانی کا ٹینکر منگانا پڑتا تھا۔ یاسمین دیکھ رہی تھیں کہ پانی کے ٹینکر کی قیمت ہمیشہ فراز صاحب ہی ادا کرتے ہیں۔ شیراز کو کبھی قیمت ادا کرنے کا خیال نہیں آیا۔ جب گھر میں کوئی چیز خراب ہو جاتی تو اس کی مرمت فراز صاحب ہی کرواتے تھے۔ وہ سوچتی تھیں کہ جب یہ لوگ الگ گھر میں جائیں گے تو سارے خرچے خود اٹھانے پڑیں گے۔

بجلی کا بل آیا ہوا تھا۔ فراز صاحب نے بجلی کا بل شیراز کو دیا ساتھ میں پیسے بھی دیے کہ ”کل اس کی آخری تاریخ ہے تم بل جمع کرا دینا۔ مجھے دفتر کے کام سے دوسرے شہر جانا ہے۔“

شیراز نے بل اور پیسے رکھ لیے اور کہا کہ وہ بل جمع کرا دے گا۔ اگلے مہینے کا بل آیا تو اس میں پچھلے مہینے کا بل بھی شامل تھا۔

”یہ کیسے لگا دیا؟ پچھلے مہینے کے بل کے پیسے تو میں نے شیراز کو دے دیے تھے۔ لگتا ہے اس نے بل جمع نہیں کروایا..... اتنا سا کام بھی نہ ہوا اس نواب زادے سے.....“ فراز صاحب کو غصہ چڑھنے لگا۔ ان کو بل کی عدم ادائیگی کی وجہ سے جرمانہ بھی ادا کرنا پڑا۔

ایک مرتبہ بجلی کا وولٹیج کم تھا۔ شاہانہ نے بجلی کی استری لگائی۔ اس سے پورے گھر کا فیوز اُڑ گیا۔ سارے گھر کی بجلی چلی گئی۔ فریج ٹی وی، لائٹ، پنکھے سب بند ہو گئے۔ فریج تو خراب ہی ہو گیا۔

”کیا ہوا؟ کیا ہوا؟ بجلی کیوں چلی گئی؟“ فراز صاحب نے برہمی سے پوچھا۔

”ہم نے تو کچھ بھی نہیں کیا۔ شبانہ سے پوچھتی ہوں۔“ انہوں نے شبانہ کو فون کیا تو وہ بولی۔

”مجھے تو پتا نہیں تھا، میں نے استری لگائی تو ایک دم سے بجلی چلی گئی۔“

جب فراز صاحب کو پتا چلا تو انہیں بہت غصہ آیا۔ ”کرے کوئی بھرے کوئی.....“ کیونکہ فریج کی مرمت میں بھی کافی پیسے لگے تھے۔

”یہاں اب گزارہ نہیں ہوگا..... چلو، چلو بس کسی اور جگہ چلو..... ہر وقت کوئی نہ کوئی پریشانی لاحق رہتی ہے ان لوگوں کی وجہ سے میں ہر وقت چیزوں کی مرمت کراتا رہوں، پیسے خرچ کرتا رہوں“۔

”ارے، ارے آہستہ بولیں..... وہ لوگ سن لیں گے۔“ یاسمین نے کہا۔

”کیوں آہستہ بولوں؟ کوئی سنتا ہے تو سن لے..... زندگی عذاب ہوگئی ہے۔“

گھر کا چھوٹا سا لان تھا جس میں فراز صاحب نے ٹماٹر، مرچیں، پالک اور دھنیا لگایا ہوا تھا۔ وہ بڑی توجہ سے اپنے پودوں کو پانی دیتے اور ان کا خیال رکھتے۔ پودے سرسبز تھے اور چھوٹے، چھوٹے ٹماٹر آ رہے تھے۔ فراز صاحب بڑے خوش ہوئے۔ دو دن کے لیے انہیں دفتر کے کام سے پشاور جانا پڑا۔ وہ واپس آئے تو خوشی، خوشی اپنے پودوں پر نظر ڈالی تو وہاں ساری کیاری اجاڑ پڑی تھی۔

”ہیں.....؟ یہ پودے کہاں گئے؟“ وہ سخت حیران تھے۔ اچانک ان کی نظر پڑی سامنے ایک مرغی اور دو چوزے گھومتے پھرتے نظر آئے۔

”اچھا تو تم نے میرا کھیت اجاڑ دیا..... سب کچھ کھا گئے۔“ وہ غصے سے بھرے ہوئے گھر میں داخل

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

ہوئے۔ ''یہ مرغیاں کس نے پالی ہیں؟'' انہوں نے یاسمین سے پوچھا۔

''مرغیاں شبانہ نے منگائی ہیں، کیوں کیا ہوا؟'' انہوں نے بتایا۔

''میرے سارے پودے کھا گئیں..... اتنی محنت سے میں نے پودے لگائے تھے..... سب برباد ہوگئے۔''

''ہاں تو مرغیاں تو پودے کھا جاتی ہیں۔'' یاسمین نے کہا۔ فراز صاحب کا موڈ خراب ہوگیا۔

''بس بھئی اب میرا دل چاہتا ہے کہ کہیں اور چلا جاؤں..... بہت ہوگیا۔'' فراز صاحب بولے۔ یاسمین انہیں خاموشی سے دیکھتی رہیں اور کچھ نہ بولیں۔ فراز صاحب نے شام کو بھائی کو بلایا اور اس سے شکایت کی کہ ان کے سارے پودوں کو مرغیاں برباد کرچکی ہیں؟

''تم لوگوں نے اسی لیے مرغیاں پالی ہیں کہ وہ میرے سب پودے خراب کردیں۔''

''نہیں بھائی صاحب..... ایسی بات نہیں ہے..... مجھے نہیں پتا تھا کہ مرغیاں ایسا کریں گی۔''

''تم لوگ کبھی ہمارا بھی خیال کرلیا کرو.....'' فراز صاحب نے کہا۔ ''ہم بھی یہیں رہتے ہیں۔''

''میں اب ان مرغیوں کو دڑبے میں بند کرکے رکھوں گا..... آئندہ آپ کو کوئی شکایت نہیں ہوگی۔ ہاں بلکہ ان سب کو ذبح کردوں گا..... ٹھیک ہے بھائی صاحب نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری.....'' شیراز نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

''بس یار اب کچھ بھی کرو میرے پودے تو ختم ہوگئے ناں.....'' انہوں نے ایک ملال کے ساتھ کہا۔ شیراز ان کی اداسی دیکھ کر شرمندہ ہورہا تھا۔

شبانہ کے ہاں اس کے بھائی، بھابی اور بچے آئے ہوئے تھے۔ شبانہ نے ان کو کھانے پر بلایا تھا اس نے فون کرکے یاسمین سے ان کا ڈنر سیٹ منگوایا۔ یاسمین نے فوراً الماری سے سارے برتن نکالے دھوئے پھر انہیں خشک کرکے ٹرے میں رکھا۔ رخسانہ وہ برتن شبانہ چاچی کو دے آئی۔ رات گیارہ بجے شبانہ نے سیٹ کے تمام برتن دھوئے اور فاروق سے کہا کہ برتن تائی جی کو دے آؤ، وہ بارہ تیرہ سال کا لڑکا تھا۔ برتنوں والی ٹرے لے کر جانے لگا اچانک اس کا پاؤں پھسلا اور ٹرے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے جا گری۔ برتنوں کے گرنے سے جو زوردار شور مچا تو یاسمین تک کو آواز آئی۔

''یا اللہ خیر.....!'' یاسمین کے منہ سے نکلا۔

''کم بخت یہ تو نے کیا، کیا..... یہ اتنے قیمتی برتن اور پھر بھابی کے تھے۔ ہمارے بھی نہ تھے..... ہائے، ہائے میں ان سے کیا کہوں گی؟ کاش میں نے برتن نہ منگوائے ہوتے۔'' شبانہ نے فاروق کو دو تھپڑ لگائے۔

''یہاں اطہر نے گیند رکھی تھی، وہ مجھے نظر نہیں آئی۔ میرا پاؤں پھسل گیا۔'' فاروق بولا۔ یاسمین کو خیال آیا کہ کہیں یہ وہی برتن نہ ہوں جو شبانہ نے مجھ سے منگائے تھے۔ چند لمحوں بعد۔ شبانہ ان کے گھر آگئی۔

''بھابی..... میں بہت شرمندہ ہوں آپ کے کچھ برتن ٹوٹ گئے..... بھابی میں آپ کو ایسا ہی برتنوں کا سیٹ منگوادوں گی۔'' شبانہ نے فوری آکر کہا۔

''نہیں، نہیں..... برتن تھے، ٹوٹنے والی چیز تھے۔ ٹوٹ گئے۔ وہ ہم سے بھی ٹوٹ سکتے تھے۔ تم کوئی فکر نہیں کرو..... میرے پاس اور بہت سیٹ ہیں۔'' یاسمین نے فراخدالی سے کہا۔

''میں بہت شرمندہ ہوں بھابی.....'' شبانہ نے کہا۔

''نہیں، نہیں تم کوئی خیال نہ کرو..... ٹوٹ گئے تو بس ٹوٹ گئے۔''

''بھابی آپ کتنی اچھی ہیں، آپ میری ماں جیسی ہیں۔'' شبانہ بولی۔

''دیکھا تم نے..... یہ ہے نیکی کا صلہ..... تم نے برتن دیے ہی کیوں؟'' فراز صاحب نے طنزیہ کہا۔

''مجھے کیا پتا تھا کہ برتن ٹوٹ جائیں گے..... چلیں خیر..... کوئی بات نہیں.....'' یاسمین نے بڑے تحمل سے کہا۔

''اگر اور برتن ہوں تو وہ بھی بھیج دو ان کے گھر تاکہ وہ بھی ٹوٹ جائیں۔'' فراز صاحب نے طنزیہ کہا۔

☆☆☆

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

بچوں کی چھٹیاں ہوئیں تو فراز صاحب کی چھوٹی بہن افشاں بھائیوں سے ملنے کے لیے لاہور سے آگئی۔ یاسمین نے اس کی خوب خاطر مدارات کیں۔ اگلے دن وہ شبانہ سے ملنے ان کے گھر گئی۔ شبانہ بہت خوش ہوئی۔

''بھابی میں نے سنا ہے کہ ابو نے مکان بیچنے کا کہہ دیا ہے۔''

''ہاں..... مکان تو بیچنا ہی پڑے گا..... چلو اچھا ہے سب کا الگ، الگ گھر ہوگا۔ مزے سے رہیں گے سب.....'' شبانہ نے کہا۔

''کیوں، کیا آپ یہاں خوش نہیں ہیں؟'' افشاں نے پوچھا۔

''خوش تو ہوں مگر کبھی، کبھی کوئی ناگواری والی بات ہو ہی جاتی ہے تو افسوس ہوتا ہے۔''

''بھائی صاحب تو سب کا بہت خیال کرتے ہیں۔'' افشاں بولی۔

''ہاں بالکل..... یاسمین بھابی بھی بہت اچھی ہیں۔'' شبانہ نے کہا۔

دروازے پر دستک ہوئی تو معلوم ہوا پراپرٹی ڈیلر کسی فیملی کو یہ مکان دکھانے لایا تھا۔

''کون ہیں یہ لوگ؟'' افشاں نے پوچھا۔

''مکان دیکھنے آئے ہیں۔''

''ہائے یہ مکان بک جائے گا؟'' افشاں افسردہ ہوگئی۔ ''اس مکان سے بہت سی یادیں وابستہ ہیں..... یہ مکان ابو نے خود کھڑے ہو کر بنوایا تھا..... اب اس مکان میں کوئی اور لوگ آ کے رہیں گے؟'' وہ سوچنے لگی۔

''ارے تم فکر نہ کرو، ہم جہاں بھی گھر لیں گے تم وہیں آؤ گی ہم سے ملنے؟'' شبانہ نے افشاں کو سمجھایا مگر وہ جانتی تھی کہ ماں، باپ کے مکانوں کے ساتھ ان کے بیٹے، بیٹی کی کتنی گہری عقیدت اور وابستگی ہوتی ہے۔ اسے اپنی شادی کے دنوں کا وہ منظر یاد آ گیا جب اس کی مہندی کی تقریب تھی۔ اس کی سہیلیاں، رشتے دار اور پڑوسی عورتیں جمع تھیں۔ اس کو سب مہمان خواتین کو پھولوں کے گجرے پہنائے گئے۔ پھولوں کا زیور پہنایا گیا۔ سب لوگ خوش تھے۔ کمرا گلاب کی خوشبو سے مہک رہا تھا۔ ایسے میں افشاں کو ایک خیال اداس کر گیا..... کیا یہ گھر ہمیشہ آباد رہے گا؟ خوشیوں کا مرکز بنا رہے گا؟ شاید نہیں..... وقت کے ساتھ ہر جگہ تبدیلی آتی ہے، آج ہم سب ہیں اس گھر میں..... کل کون ہوگا یہاں..... کون جانے؟

''اور آج واقعی میں یہ مکان کسی اور خریدار کے حوالے کر دیا جائے گا۔ اس مکان کے کمرے کسی اور کے استعمال میں آئیں گے۔ یہ گیٹ، یہ لان، یہ سیڑھیاں، یہ سب کسی اور کا ہو جائے گا... وہ سوچتے ہوئے اداس ہوگئی۔

''تم لوگ رات کو آ جانا..... سب مل کے کھانا کھائیں گے افشاں بھی آئی ہوئی ہے تو اچھا لگے گا۔'' یاسمین نے ان کے گھر جا کے دعوت دی۔

''بھابی ہماری کیا ضرورت ہے، آپ افشاں کی دعوت کریں۔'' شبانہ نے کہا۔

''نہیں تم سب لوگ آ جانا..... اچھا.....'' یاسمین نے کہا۔ ''کوئی بہانہ نہیں چلے گا۔''

''اچھا ٹھیک ہے۔'' شبانہ نے کہا۔

''کوئی ضرورت نہیں بس ختم کرو یہ دعوتیں..... ان لوگوں کو خوب دیکھ لیا۔ جتنا خیال کرو ان کا اور دماغ خراب ہو جاتا ہے۔'' فراز صاحب کو دعوت کا پتا چلا تو وہ بہت برہم ہوئے۔ یاسمین نے انہیں ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔

''آپ غصہ نہ کریں وہ چھوٹا بھائی ہے۔ درگزر سے کام لیں۔ خون کا رشتہ ہے آپ سے..... اگر میں یہ بات کہتی تو آپ ناراض ہوتے۔''

''اچھا، بس میں ہی درگزر کیے جاؤں۔'' وہ غصے سے بولے۔

رات نو بجے وہ سب لوگ آ گئے۔ یاسمین نے انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھایا۔ طہور، رخسانہ، احتشام بھی وہیں تھے مگر فراز صاحب اپنے کمرے سے باہر نہ نکلے۔ یاسمین نے کمرے میں جا کر بتایا کہ ''سب آ گئے ہیں آپ بھی وہاں آ جائیں۔'' پر فراز صاحب کا موڈ خراب تھا۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

''بس تم ہو ناں خاطر مدارت کے لیے..... میں آرام کر رہا ہوں، میں یہیں ٹھیک ہوں۔'' یاسمین کمرے سے باہر آ گئیں۔

''بھائی صاحب کہاں ہیں؟ وہ نہیں آئے، انہیں ہمارا یہاں آنا پسند نہیں آیا شاید.....'' شیراز نے احتشام سے کہا۔

''نہیں چچا جان ایسی بات نہیں، ابو کی طبیعت ٹھیک نہیں.....'' احتشام نے بتایا۔ ''وہ آرام کر رہے ہیں۔''

''ہم لوگ تو ہیں ناں..... آپ لوگ کیوں فکر کرتے ہیں۔'' رخسانہ نے کہا۔

''اچھا میں خود اُن سے جا کر سلام دعا کر آتا ہوں۔'' شیراز چچا اٹھے اور بھائی صاحب کے کمرے میں چلے گئے۔ وہ بستر پر لیٹے ہوئے تھے۔

''بھائی صاحب السلام علیکم.....! کیسی طبیعت ہے آپ کی.....؟'' شیراز نے پوچھا۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئے۔ ان کے چہرے پر ناراضی تھی۔

''وعلیکم السلام..... ٹھیک ہوں آ گئے تم لوگ؟''

فراز صاحب کو چند دن پہلے کا واقعہ یاد آ گیا جب مکان کے پراپرٹی ٹیکس کی ادائیگی پر جھگڑا ہوا تھا انہوں نے کہا کہ پچھلے بیس سالوں سے وہ مکان کا ٹیکس ادا کر رہے ہیں ایک دفعہ تم بھی ٹیکس دو مگر شیراز نے صاف انکار کر دیا۔ ''میرے پاس اتنے پیسے نہیں ہیں۔''

''مکان میں تم اور تمہاری فیملی بھی رہ رہی ہے۔ میں اکیلا مکان میں نہیں ہوں۔'' وہ غصے سے بولے تھے۔

''بیٹے جب الگ مکان میں جا کے رہو گے ناں تو سارے خرچے اٹھانے پڑیں گے۔ میں نے تو ہمیشہ تمہارا خیال کیا مگر تم بڑے احسان فراموش ہو۔'' فراز صاحب نے صاف گوئی سے کہا تھا۔

''ہم لوگ بھی عاجز آ چکے ہیں، بس بہت ہو گیا۔ ہم یہ گھر چھوڑ کر چلے جائیں گے..... آپ کو تو ہمارا ذرا بھی خیال نہیں.....'' شیراز نے دکھی لہجے میں کہا۔ ''جب دل میں محبت نہ ہو تو ساتھ رہنے کا کیا فائدہ.....''

''ہاں، ہاں تو جاؤ..... کس نے منع کیا ہے؟''

کیفیت دل

جو تم کہو تو سنائیں تمہیں
وہ درد کی حالت جو گزری ہے ہم پہ
وہ روح کے زخم
جو تیرے بعد کچھ اپنوں نے دیے کچھ غیروں نے

☆☆☆

دعا

ہم نہ تالیاں بجائیں گے
نہ ہی گیت گائیں گے
ہم تو بس اللہ کی بارگاہ میں
ہاتھ اٹھائیں گے کہ خوشیاں محض
تالیوں میں نہیں
گیتوں میں نہیں
یہ تو صرف دعاؤں سے ملتی ہیں
(اللہ ہمارے سب سجاؤں کو اپنی امان میں رکھنا)

کاوش: حدیث اختر، حاصل پور

فراز صاحب نے تلخ لہجے میں کہا۔

''آپ تو چاہتے ہی ہیں کہ ہم چلے جائیں۔'' شیراز نے کہا۔ ''یہ گھر آخر آپ کا نہیں، میرے باپ کا ہے..... میں کیوں جاؤں.....؟ آپ جائیں، ہر وقت غصہ کرتے رہتے ہیں۔'' شیراز سے ضبط نہ ہوا۔

''تمہیں اپنی کوئی غلطی نظر نہیں آتی..... اور تو اور میرے پودوں کو تمہاری مرغیوں نے خراب کر دیا..... تمہارے بچے کرکٹ کھیل کر آئے دن شیشے توڑ دیتے ہیں، مرمت میں کرواتا ہوں، تم لوگ جان بوجھ کر مجھے تکلیف دیتے ہو، ٹھیک ہے جو جی چاہے کرو تم اپنی من مانی کرتے رہو..... جو وقت ساتھ گزر گیا، گزر گیا..... اب بہتر ہے کہ ہم لوگ الگ ہو جائیں۔'' فراز صاحب نے کہا تھا۔ شیراز کے دل پر یکسر چوٹ لگی۔

''ہاں میں بھی آپ سے اتنی دور چلا جاؤں گا'

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

آپ کو کبھی اپنی شکل نہیں دکھاؤں گا۔ آپ کو مجھ سے بہت شکایتیں ہیں ناں.....'' دونوں بھائیوں کے دل میں نفرتیں بڑھ رہی تھیں۔ یاسمین کو دونوں خاندانوں کے تعلقات کشیدہ ہوتے نظر آرہے تھے۔ اسی لیے انہوں نے سب لوگوں کو کھانے پر بلایا تھا۔ وہ سب سے خوشگوار تعلقات رکھنا چاہتی تھیں۔ احتشام کو دونوں بھائیوں کے درمیان تلخی کا احساس تھا۔ وہ باپ کے کمرے میں گیا اور چچا جان کو بلانے لگا۔

''چچا جان کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔ آپ آکر کھانا کھالیں۔''

''بھائی صاحب آیئے اٹھیں۔'' شیراز نے کہا۔ فراز صاحب بھی اٹھ کر آگئے، سب لوگ کھانے کی میز پر بیٹھے تھے۔ یاسمین ڈر رہی تھیں کہ فراز صاحب کوئی ایسی ویسی بات نہ کہہ دیں جو ماحول کو خراب کردے اور وہی ہوا۔ سب لوگ خاموش بیٹھے تھے۔

''ہاں بھئی..... اب ہم نے سوچ لیا ہے کہ ہم دور چلے جائیں گے..... ہم نے تو تم لوگوں کو بہت تکلیف دی۔ ہمیں معاف کردینا۔'' فراز صاحب نے شیراز کے آگے ہاتھ جوڑ دیے۔

''بھائی صاحب آپ کیا بات کر رہے ہیں..... آپ نے ہمیشہ ہم لوگوں کا بہت خیال رکھا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب ہم آپ لوگوں سے دور جانے کا سوچتے ہیں تو دل بھر آتا ہے۔ آپ اور ہم کتنے عرصے سے ساتھ، ساتھ رہے ہیں۔ اللہ کا کرم ہے کہ اس نے ہم دونوں کو ساتھ رکھا۔ ہم اکیلے نہ رہے۔''

''آپ نے اور بھابی نے ہمیشہ ہمارا بہت خیال رکھا ہے۔'' شبانہ محبت سے بولی۔ ''اگر ہم دور چلے گئے تو بھی ہمارا ساتھ کبھی نہیں چھوٹے گا۔ ہم ملتے جلتے رہیں گے۔''

''اور کیا..... رشتے ختم نہ ہوں گے چاہے ہم دور رہیں یا پاس..... ہم سب کا خاندان ایک ہے۔'' یاسمین نے کہا۔ شبانہ کی آنکھوں میں آنسو آنے لگے وہ دوپٹے سے آنکھیں صاف کرنے لگی۔

''رہنے دو یہ مگر مچھ کے آنسو..... ہمیں سب پتا ہے تمہارے دلوں میں کتنی محبت ہے، بہت عرصہ مل جل کر گزار دیا۔ بس اب یہ معاملہ ختم کرو..... مجھے تم لوگوں سے ملنے کا کوئی شوق نہیں..... تم اپنی دنیا میں خوش رہو۔ ہم اپنی دنیا میں.....'' فراز صاحب تلخ لہجے میں کہتے چلے گئے۔ یاسمین ایک دم پریشان ہوگئیں۔

''کھانے پر ایسی باتیں نہ کریں، شبانہ آپ لوگ کھانا کھائیں، شیراز بھائی کھانا شروع کریں۔'' یاسمین نے کہا۔

''بس بہت کھالیا..... اب بھوک نہیں.....''

شیراز کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ بچے بھی کھڑے ہوگئے۔

''ایسے نہ کہیں بھائی! کھانا تو کھائیں.....'' افشاں نے شیراز بھائی سے کہا۔

''بچو! تم کہاں چلے بیٹھو یہیں کھانا کھاؤ۔''

''یہ بریانی تو لیں چچا جان! یہ میں نے بنائی ہے۔'' رخسانہ نے کہا۔

''شیراز بیٹھو..... کھانا کھاؤ..... رزق تو اللہ کا ہوتا ہے، ان کی تو پرانی عادت ہے۔ وقت دیکھتے ہیں نہ موقع جو منہ میں آتا ہے بولے چلے جاتے ہیں۔'' یاسمین نے شکایتی نظروں سے اپنے شوہر کو دیکھا۔

''میں منافق نہیں ہوں۔'' فراز صاحب بولے۔ ''کہ دل میں کچھ اور منہ پر کچھ..... یہ چھوٹا بھائی ہے، احسان فراموش.....''

''اچھا، اچھا خدا کے واسطے اس وقت چپ ہوجائیں.....'' یاسمین بولی۔

''چلیں بھابی آپ نے خوب اچھی دعوت کی۔ مہمان کو گھر بلا کے خوب عزت کی شکریہ.....'' شبانہ بھی کھڑی ہوگئی۔

''آپ کی دعوت کا شکریہ.....'' شیراز بھی بولا۔ بچے بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔ یاسمین گھبرا گئیں۔

''پلیز شبانہ..... تم لوگ تو بیٹھو..... کھانا کھاؤ..... ایسے مت جاؤ.....'' یاسمین نے کہا۔

''شیراز بھائی اور بھابی آپ لوگ مت جائیں.....''

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

افشاں بولی مگر وہ لوگ رکے نہیں سب اٹھ کر اپنے گھر چلے گئے۔ یاسمین بہت پریشان ہوئیں۔ ان کی آنکھوں میں آنسو آنے لگے۔

''یا اللہ یہ کیا ہوا؟ مہمان ناراض ہو کے چلے گئے۔ مہمان سے تو گھر میں برکت ہوتی ہے۔ اب کیا ہوگا.....؟'' وہ بہت دکھی ہو رہی تھیں۔ افشاں بھی اس صورتِ حال میں بہت فکرمند ہوگئی۔

''ماما..... آپ فکر نہ کریں، ہم ایسا کرتے ہیں چچا جان کے لیے کھانا ان کے گھر دے آتے ہیں۔''

''ہاں یہ ٹھیک ہے۔'' افشاں نے کہا..... رخسانہ نے تمام چیزیں ڈونگوں میں ڈالیں اور ٹرے سنبھال کر شیراز چچا کے گھر چلی گئی۔

''چاچی، ماما نے آپ لوگوں کے لیے کھانا بھیجا ہے۔'' رخسانہ نے کہا۔

''اسے واپس لے جاؤ..... ہمیں اس کی ضرورت نہیں.....'' شیراز چچا غصے سے چیخے۔

''چچا جان ابو کو غصہ آ گیا تھا ناں..... دعوت تو امی نے کی تھی۔ پلیز..... آپ لوگ ناراض نہ ہوں..... ماما نے تو بڑے پیار سے آپ سب کو بلایا تھا۔ رہے ابو، تو آپ سب ان کے غصے سے واقف ہیں۔ وہ غصے میں کچھ نہیں دیکھتے..... پلیز میں آپ لوگوں سے معافی مانگتی ہوں..... پلیز غصہ تھوک دیں.....'' رخسانہ نے چچی کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ ''ہمارا خون کا رشتہ ہے۔ یہ کبھی ختم نہیں ہوگا۔ پلیز ناراض نہ ہوں اور کھانا کھالیں۔''

''اچھا ٹھیک ہے ٹرے رکھ دو۔'' شبانہ نے رخسانہ کے کندھے کو تھپتھپایا۔

رخسانہ ٹرے میز پر رکھ کر گھر واپس آ گئی۔

''آپ کو اتنا غصہ کیوں آیا؟ آپ کو یہ بھی خیال نہیں رہا کہ وہ مہمان تھے..... کتنے دکھ کی بات ہے وہ سب کھانا کھائے بغیر چلے گئے..... عجیب بات ہے.....'' یاسمین نے ڈرتے، ڈرتے کہا۔ ''رشتے داروں سے قطع تعلق کرنا سخت گناہ ہے، آپ کچھ تو سوچتے۔''

''میں عاجز آ گیا ہوں۔'' فراز صاحب نے کہا۔

یاسمین سمجھ گئی تھیں کہ اب دلوں میں نفرت اتنی بڑھ چکی ہے کہ واقعی ساتھ رہنا حماقت ہے۔ مگر کاش ایسا نہ ہوتا..... ہمارے تعلقات ایسے خراب نہ ہوتے۔ یہ دو بھائی ہیں سگے بھائی..... ایک ہی باپ کی اولاد، سب ایک ساتھ پلے بڑھے ہیں، سب مل جل کر رہتے ہیں تو اس اتفاق میں طاقت ہوتی ہے..... سب ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں شریک ہوتے ہیں..... مگر اب پتا نہیں آگے کیا ہوگا..... جب یہ گھر بک جائے گا تو ہم ایک دوسرے سے دور جا بسیں گے۔ پتا نہیں پھر کبھی ملنا جلنا ہو یا نہیں کیا ہم ایک دوسرے سے ہمیشہ کے لیے غیر اور اجنبی ہو جائیں گے۔ یاسمین کا دل دکھ رہا تھا۔ افشاں کے سامنے یہ کیا ہوا؟ وہ بھی کیا سوچتی ہوگی، دو دن بعد افشاں چلی گئی تھی۔

مکان کا سودا ہو گیا تھا۔ ایک ہفتے میں دونوں خاندانوں نے گھر خالی کرنا تھا۔ شبانہ پیکنگ کر رہی تھی۔ اس گھر کو چھوڑ کر جانے کے خیال سے وہ اداس ہو رہی تھی۔ اس کی آنکھیں بار، بار بھیگ جاتی تھیں۔ سجا سجایا گھر اب کباڑ خانے کی شکل اختیار کر چکا تھا۔ ڈرائنگ روم میں بڑے، بڑے کارٹن پڑے تھے جن میں کپڑے برتن اور سجاوٹی اشیا بھری جا چکی تھیں۔ گھر کے باہر ٹرک کھڑا تھا۔ مزدور کارٹن اٹھا، اٹھا کر ٹرک میں رکھ رہے تھے۔

''میں بھابی سے مل لوں..... بس دو منٹ کے لیے۔'' شبانہ بولی۔

''خبردار جو کوئی ان لوگوں سے ملنے گیا۔ بس بہت ہوگیا۔'' شیراز نے غصے سے کہا۔ یاسمین نے کمرے کی کھڑکی سے دیکھا ٹرک سامان سے لد چکا تھا۔ اسے خیال تھا کہ شبانہ ضرور اس سے مل کر جائے گی۔ ٹھیک ہے دونوں بھائیوں میں رنجش تھی وہ الگ بات ہے مگر دیورانی جیٹھانی میں تو کبھی کوئی ایسی لڑائی نہیں تھی..... چلو میں ہی جا کر مل لوں..... وہ جلدی، جلدی باہر لان میں آئیں..... کمرا بھائیں، بھائیں کر رہا تھا۔ انہوں نے دیکھا شبانہ بے فکری سے گیٹ

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

کی طرف جا رہی تھی۔ انہوں نے پکارا۔

''شبانہ رکو، رکو میں آ رہی ہوں.....'' شبانہ کو شاید آواز نہ آئی۔ باہر کھڑی گاڑی کے اسٹارٹ ہونے کی آواز آئی۔ وہ گیٹ تک گئیں اس دوران گاڑی آگے چلی گئی۔ ایک گہرے ملال نے یاسمین کے دل کو گھیر لیا۔

''یا اللہ..... یہ کیا ہوا.....؟ وہ ملے بغیر چلی گئی جیسے سب رشتے ناتے توڑ کر چلی گئی۔ یا اللہ بیس سالوں تک ہم ساتھ رہے۔ ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں شریک رہے۔'' شبانہ بیمار پڑتی تو وہ اس کی تیمارداری کرتیں، اس کے کھانے پینے کا خیال رکھتیں۔ جب بھی کوئی اچھی چیز پکاتیں تو شبانہ کے لیے ضرور بھیجتیں۔ کہیں آنا جانا ہوتا تو وہ شبانہ کو ساتھ لے لیتیں۔ وہ بھی ہمیشہ ان کا خیال رکھتی تھی۔ اور اب وہ ان سے ملے بغیر چلی گئی جیسے کوئی غیر ہو..... ''کیا ہمارا تعلق ختم ہو گیا؟'' وہ اپنے گھر میں داخل ہوئیں تو رخسانہ نے پوچھا۔

''ماما، آپ اداس ہو رہی ہیں..... کیوں کیا ہوا؟''

''وہ سب لوگ چلے گئے ماما ہم سے ملے بغیر.....'' یاسمین نے اداس لہجے میں بتایا۔ ''لگتا ہے ہم اب کبھی نہیں ملیں گے۔''

''اوہ..... اب کے ہم بچھڑے تو شاید کبھی خوابوں میں ملیں.....'' احتشام نے گا کے مصرعہ پڑھا۔ رخسانہ مسکرانے لگی۔

''ماما اگر ان لوگوں کو آپ کا خیال نہیں رہا تو آپ بھی بے نیاز ہو جائیں۔ دل چھوٹا نہ کریں..... حقیقت یہی ہے کہ یہ دنیا ایسی ہی مطلب پرست اور بے وفا ہے؟'' اس نے ماں کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔

''اتنے سالوں تک ہم ساتھ، ساتھ رہے..... میں نے ہمیشہ رشتے داری نبھائی۔ کوئی اونچ نیچ ہو گئی تب بھی میں نے ملنا جلنا نہ چھوڑا۔ اس طرح ان سب کا ہمیشہ خیال رکھا جیسے چھوٹے بھائی، بہن کا رکھتے ہیں۔'' یہ بات کہتے ہوئے ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ فراز صاحب کا بھی دل دکھ گیا۔

''اگر شبانہ تم سے ملنے نہ آئی تو تم کیوں گئیں؟ اگر وہ نہیں ملتے تو نہ ملیں..... ہمیں بھی ان کی کوئی پروا نہیں.....'' وہ بولے۔ ''ہاں یاسمین بیگم چلو تم بھی سامان باندھو..... انشا جی اٹھو اب کوچ کرو.....'' انہوں نے مسکرا کر کہا۔

''کوچ کرنا کہاں ہے ابو.....؟'' احتشام نے مسکرا کر پوچھا۔

''بھائی کرایے کے گھر میں جانا ہے، گھر دیکھ لیا ہے..... شام کو گھر دیکھنے چلیں گے ہاں رات کا کھانا باہر کھائیں گے۔ تمہاری ماں کو ان لوگوں کے جانے کا بہت دکھ ہو رہا ہے، شاید کچھ ان کا غم غلط ہو جائے۔'' فراز صاحب نے ہنس کر کہا۔

''جی اب یہ بہت اچھا رہے گا۔'' رخسانہ بولی۔

''میں بھی جاؤں گا۔'' طہور بھی خوش ہو کے بولا۔

☆☆☆

''ہاں بھئی مکان کی قیمت مل گئی ہے، میں نے شیراز کو اس کے حصے کی رقم دے دی۔ اپنے حصے کی رقم خود لے لی۔'' ہفتے بعد فراز نے بتایا۔ یاسمین نے سنا۔

''چلو اچھا ہوا..... اب ہمیں بھی جلدی اپنے گھر چلے جانا چاہیے۔'' یاسمین بولیں۔

''جی، چلیں، چلیں جلدی یہاں سے نکلیں۔ چچا جان کے جانے کے بعد گھر اتنا ویران ہو گیا ہے، وحشت ہو رہی ہے۔'' احتشام نے کہا۔ ''فاروق اور اطہر بھی چلے گئے۔ اب میں کس کے ساتھ کھیلوں گا؟'' طہور نے پوچھا۔

''نئے دوست بنا لینا..... نئے محلے میں بھی تو بچے ہوں گے۔'' احتشام نے کہا۔

''چار دن بعد ذوالحج شروع ہو جائے گا۔ بس جلدی، جلدی سامان باندھ لو عید نئے گھر میں ہی منائیں گے۔'' فراز صاحب نے کہا۔

یاسمین کو یہی فکر تھی کہ اب دونوں خاندانوں میں جدائی ہو گئی ہے اور یہ بات اچھی نہیں۔ وہ سمجھتی تھیں کہ اگر بڑے بھائی کی کوئی بات بری لگ گئی تو اسے نظر انداز کرنا چاہیے اور تعلقات برقرار رکھنا چاہئیں۔ گھر کے سامان کو گاڑی میں لاد کر نئے مکان میں پہنچایا گیا۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

ساتھ، ساتھ عید کے لیے پہلے سے ہی کپڑے اور جوتوں کی خریداری ہوئی۔ عید کی خوشی تو تھی مگر اپنوں کی ناراضی اور دوری یاسمین اور بچوں کا دل دکھا رہی تھی۔ ایسی عید کا کیا مزہ جس میں اپنے لوگوں سے ملاقات نہ ہو۔

یا اللہ تو دلوں کا حال جانتا ہے۔ یا اللہ ہم سے کوئی غلطی ہوگئی ہو تو تو ہمیں معاف کردے..... ایا اللہ تو کچھ ایسا کردے کہ اس ماہ مبارک میں ان دونوں بھائیوں میں صلح ہوجائے سب کے دل صاف ہوجائیں۔ دلوں کا میل ختم ہوجائے۔ ہماری عید میں خوشیوں کے رنگ بھردے۔'' یاسمین دل ہی دل میں دعائیں مانگ رہی تھیں۔

بقرعید سے ایک دن پہلے فراز صاحب قربانی کے بکرے بھی لے آئے۔ رخسانہ کو یاد آرہا تھا کہ ہر سال... بقرعید پر فاروق اور اطہر بکروں کو سیر کرانے لے جاتے۔ سب ایک دوسرے کا بہت خیال رکھتے تھے مگر اب وہ لوگ کہیں دور جاچکے تھے۔ رخسانہ یہ سوچ کر افسردہ ہوگئی۔ پتا نہیں اب کبھی وہ لوگ ہم سے ملیں گے یا نہیں.....

عید کا دن آیا سب لوگ نئے کپڑے پہن کر نماز کی تیاری کرنے لگے۔ فراز صاحب کا چہرہ اترا ہوا تھا۔

''کیا بات ہے؟'' یاسمین نے پوچھا۔

''کچھ نہیں.....'' وہ مسجد جانے کے لیے باہر جانے لگے پھر جانے کیا ہوا۔ وہاں سے واپس آکر کمرے میں آکر بیٹھ گئے۔

''ارے، آپ مسجد نہیں گئے؟'' یاسمین نے پوچھا۔

''شیراز اور بچے یاد آرہے ہیں، ہر عید پر ہم سب ایک ساتھ نماز عید پڑھنے جاتے تھے۔ اب وہ چلا گیا' وہ ہمیں بھول گیا۔ اس نے ایک دفعہ فون تک نہیں کیا۔'' یاسمین انہیں افسردہ دیکھ کر اداس ہوگئی۔

''عید کا دن ہے اور آپ اتنے اداس ہورہے ہیں، شیراز ضرور آئے گا۔ اس کے دل میں آپ کی بہت محبت ہے۔'' یاسمین نے کہا۔

''میرا دل بہت پریشان ہے، مجھے لگتا ہے میں نے اپنے چھوٹے بھائی کو کھودیا۔ اب وہ کبھی نہیں آئے گا۔ کاش میں نے اتنا غصہ نہ کیا ہوتا۔ اس کے بغیر عید' عید نہیں لگ رہی۔'' وہ اداسی سے بولے۔

''اگر وہ نہ آیا تو ہم لوگ اس کے پاس چلے جائیں گے۔ ہم اسے منالیں گے۔'' یاسمین نے کہا۔

''ہاں، ہاں ہم اس کے گھر جائیں گے..... ضرور جائیں گے میں اسے منالوں گا۔ میں اس سے معافی مانگ لوں گا۔'' فراز صاحب نے کہا اچانک دروازے پر دستک ہوئی۔ فراز صاحب نے دیکھا شیراز اور اس کے بیوی بچے کھڑے تھے۔ انہیں دیکھ کر فراز صاحب کا چہرہ کھل اٹھا۔

''تم آگئے شیراز..... میرے بھائی، خوش رہو.....'' فراز صاحب نے اسے گلے لگالیا۔

''آؤ، آؤ شبانہ! بچو اندر آجاؤ.....'' یاسمین نے کہا۔

''بھابی عید مبارک ہو۔'' شبانہ نے کہا۔

''تمہیں بھی عید مبارک، بہت اچھا کیا..... ہم سب تمہیں یاد کررہے تھے۔'' یاسمین نے اسے گلے لگالیا۔

''دیکھ لیں آپ کی محبت کھینچ لائی اور ہم آگئے۔'' شبانہ ہنس کر بولی۔

''اچھا بھئی ہم جارہے ہیں، نماز کو دیر نہ ہو جائے۔'' فراز صاحب نے کہا۔ دونوں بھائی اور بچے مسجد چلے گئے۔

''چچی جان! آپ کے ہاتھ کی شیر یاد آرہی تھی۔ آپ اتنے مزے کی شیر بناتی ہیں۔'' رخسانہ نے کہا۔

''ہاں، ہاں میں شیر بنا کر لائی ہوں تمہارے لیے۔'' شبانہ نے مسکرا کر کہا۔

کچھ دیر بعد جب مرد حضرات نماز پڑھ کر گھر آئے تو یاسمین اور رخسانہ نے میز پر طرح، طرح کے میٹھے و نمکین کھانے سجادیے تھے۔

''آیئے، آیئے بیٹھیے.....'' یاسمین نے کہا۔

سب لوگ خوش نظر آرہے تھے۔ سب کے دلوں میں محبت کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ دلوں کے فاصلے مٹ گئے۔ یاسمین کے دل پر جو بوجھ تھا وہ بھی ختم ہوگیا تھا۔ یہ عید بہت خوب صورت رنگ لائی تھی۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

چوتھا حصہ

میں انمول

سعدیہ رئیس

منی ناول

اسی وقت ہدایت چائے کی ٹرے سجائے چلا آیا۔ وہ دور سے گنگناتا ہوا آرہا تھا مگر آپا خاتون تک پہنچتے، پہنچتے اس کی زبان خاموش ہوگئی تھی۔ اس نے ٹرے میز پر رکھی تو آپا خاتون نے سرتاپا اسے ناقدانہ انداز میں دیکھا۔ وہ گھبرا کر سر پر جمی ٹوپی کو خواہ مخواہ درست کرنے لگا پھر کندھے پر پڑا تولیا اتار کر ماتھے کا پسینہ صاف کرنے لگا۔ اسے معلوم تھا کہ بیگم صاحبہ کے یہ انداز خاصے خطرناک ہیں۔

''تم گھر کے اندر کیوں گئے تھے؟'' آپا خاتون نے برہمی سے پوچھا۔

''نائیں بیگم صاحب..... ام تو ادر ہی تھا..... بہو بیگم نے آواز دے کر بلایا تھا۔ ان کے سر میں درد تھا تو ٹرے انہوں نے ام کو دے دیا۔'' اس نے صفائی پیش کی۔

آپا خاتون نے کہتی نظروں سے وکیل صاحب کو دیکھا۔ ''دیکھ لیں اپنی بہو کی حرکتیں.....'' ان کا انداز پکار، پکار کر یہی جتا رہا تھا۔

''السلام علیکم.....'' ظفری بائیک کھڑی کر کے اپنے مخصوص انداز میں کی چین ہلاتا اُدھر ہی آ گیا۔ ماں، باپ کو اس وقت ساتھ دیکھ کر اسے حیرت ہوئی۔

''کہاں ہوتے ہو بھئی نظر ہی نہیں آتے..... آؤ بیٹھو، چائے پیو ہمارے ساتھ۔'' وکیل صاحب نے سرزنش کرنے والے انداز میں کہا۔

ہدایت سب کے لیے چائے بنانے لگا۔ آپا خاتون نے کچھ بے چینی سے پہلو بدلا۔ وہ چاہتی تھیں کہ وکیل صاحب فوراً بات کا آغاز کر دیں۔

''اسٹڈی کیسی جا رہی ہے تمہاری..... کیا ایگزام ہونے والے ہیں؟'' وہ دھیمے انداز میں بات کر رہے تھے۔

''آج تم نے پھر دیر کر دی آنے میں.....'' رہا نہ گیا تو وہ بول ہی پڑیں۔

وکیل صاحب نے ایک برہم سی نظر اُن پر ڈالی۔

''ابھی اسے چائے تو پی لینے دیں بلکہ آپ ایسا کریں کہ بہو کو دیکھ لیں جا کر..... خیریت پوچھ لیں کہ کیا ہوا ہے۔'' وکیل صاحب نے اچانک ہی فیصلہ کر کے انہیں وہاں سے جانے کا اشارہ دے دیا۔ وہ جز بز سی ہو کر نہ چاہتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ ان کے چہرے سے لگ رہا تھا کہ انہیں وکیل صاحب کا یہ آرڈر پسند نہیں آیا مگر بیٹے کے سامنے زیادہ چون و چرا نہ کی اور یہ معاملہ بعد کے لیے اٹھا رکھا۔

''آج کل کیا مصروفیات چل رہی ہیں ظفری بیٹا! میرے اپنے اندازے کے مطابق تو تمہارا یہ آخری سال تھا۔'' بیگم کے جانے کے بعد انہوں نے بات کا آغاز کیا۔

''جی ابا جی..... ہمیں اب پریکٹیکلی خود کو آزمانے کا وقت آ گیا ہے۔ بہت جلد آپ خوش خبری سنیں گے۔'' ان کے پیار بھرے انداز پر وہ تابعداری سے انہیں بتانے لگا۔

''خوش خبری..... کیا مطلب..... کہیں جاب واب کے لیے اپلائی کیا ہے؟'' انہوں نے پوچھا۔

''جاب میں مزہ نہیں ہے ابا جی..... میں کچھ الگ سا کرنا چاہتا ہوں۔'' اس نے اب بھی مبہم سی بات کی۔

''الگ سا کیا مطلب؟ بھئی یا تو جاب یا پھر اپنا بزنس ہوتا ہے۔ چاہو تو محبت کے ساتھ لگ جاؤ۔'' انہوں نے سوال پوچھنے کے ساتھ، ساتھ مشورہ بھی دے دیا۔

''ابا جی..... بس تھوڑا سا وقت اور دے دیں پھر سب سے پہلے میں آپ کو ہی بتاؤں گا۔'' اس نے اب بھی گول مول جواب دیا۔

''پھر بھی کچھ اندازہ تو ہو..... تمہاری ماں کو بڑی فکر ہے تمہاری..... اس طرح بغیر بتائے گھر سے غائب رہتے ہو۔ کم از کم ان کو تسلی تو دے جایا کرو۔'' انہوں نے تنبیہہ کرتے ہوئے کہا۔

''ابا جی..... اماں کو پتا نہیں کیا بے اعتباری ہے۔ وہ مجھے چھوٹا بچہ سمجھتی ہیں۔ وہ سمجھتی ہیں کہ میں دوستوں میں جا کر بگڑ جاؤں گا جبکہ میں آج کل اپنے کام میں لگا ہوا ہوں، دن میں یا رات کے آخری پہر میں دوستوں سے گپ شپ ضرور ہوتی ہے اور تو کچھ نہیں۔'' اس نے انہیں تسلی دی۔

''ٹھیک ہے..... جو کرو سوچ سمجھ کر کرنا اور ماں کو بتا کے جایا کرو تاکہ وہ فکرمند نہ رہے تمہاری طرف سے۔'' انہوں نے رسان سے بیٹے کو سمجھایا۔

بظاہر تو وہ پُرسکون نظر آ رہے تھے مگر درحقیقت ظفری سے بات کر کے کچھ پریشان سے ہو گئے تھے۔ نہ جانے وہ کیا کرنا چاہ رہا تھا اور کھل کر بتا بھی نہیں رہا تھا۔

''یار دوستوں کے فضول مشوروں میں کہیں پیسا نہ گنوا بیٹھے۔ پتا نہیں اس کے اکاؤنٹ میں کتنا اماؤنٹ ہے؟'' وہ پُرسوچ انداز میں مختلف امکانات پر غور کرنے لگے۔

''دو تین روز میں دوبارہ پوچھوں گا اس سے..... یا پھر محبت سے کہتا ہوں کہ اس پر نظر رکھے..... مگر وہ بھی تو مصروف رہتا ہے..... مگر وہ ظفری سے بات تو کرے اور جو کچھ بھی وہ کرنا چاہ رہا ہے تفصیل سے بتائے۔'' وہ سوچ کے تانوں بانوں میں الجھے اردگرد کو فراموش ہی کر بیٹھے تھے۔

''ہو گئی بات.....'' انہیں کچھ فاصلے سے بیگم کی آواز آئی تو چونک گئے۔ پلٹ کر دیکھا تو وہ لان کی

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

روش کنارے ان کی منتظر کھڑی تھیں۔

''ہوں..... ہوگئی بات..... آئیں اندر چل کر بات کرتے ہیں۔'' وہ کہتے ساتھ ہی اٹھ کھڑے ہوئے۔

کمرے میں جا کر تسلی سے ان کو ظفری اور اپنے درمیان ہونے والی بات بتائی تب ان کے چہرے پر کچھ سکون نظر آیا۔

''اب دیکھنا میں اپنی پسند کی لاؤں گی ظفری کی دلہن۔'' انہوں نے دل ہی دل میں کیے گئے فیصلے کو زبان دی۔

''ایں..... تو محبّ کی دلہن کو بھی تو آپ نے پسند کیا تھا۔'' انہوں نے حیرانی سے کہا۔

''ہاں..... غلطی ہوگئی..... دھوکا کھا گئی میں..... سوچا تھا سنجیدہ، سمجھدار سی ہے مگر اس میں تو نام کو عقل نہیں اور مزاج دیکھو ساتویں آسمان پر کچھ کہہ دو تو برا لگ جاتا ہے، سر میں درد ہو جاتا ہے۔ اپنی غلطیاں نظر نہیں آتیں اور میں کون سا دشمنی میں کچھ کہتی ہوں بھلے کے لیے ہی کہتی ہوں۔'' وہ اندر سے بھری بیٹھی تھیں۔

''اب کیا ہوگیا؟'' وہ کچھ پریشان سے ہوگئے۔

''ارے کچھ نہیں بلاوجہ کا بات کا فسانہ بنانا..... آپ سے باتیں کر رہی تھی ناں اس وقت تو اس کے کانوں میں پڑ گئیں۔ میں خیریت پوچھنے گئی تو اپنے کمرے میں فون پر جانے کس کو اپنے ساتھ ہونے والے مظالم سنا کر نین بہا رہی تھی۔ حد ہوگئی..... بڑوں کی کوئی عزت ہی نہیں یہاں تو.....'' ساری کتھا سنا کر وہ خود مسکین سی شکل بنا کر بیٹھ گئیں۔

''تو آپ بھی تو کبھی، کبھی حد کر دیتی ہیں۔ اس طرح کہنا ٹھیک نہیں مناسب طریقے سے کہا کریں۔'' وہ بس یہی کہہ سکے۔

''آپ تو بس اسی کی حمایت کریں گے۔ ٹسوے بہا کر، منہ لٹکا کر سب کی ہمدردیاں بٹور رکھی ہیں بہو بیگم نے۔'' وہ کھٹور انداز میں بولیں۔

اس معاملے میں وہ کچھ سننے اور سمجھنے پر تیار نہ تھیں لیکن وقت سب کو سب کچھ سمجھا دیتا ہے۔ اس بات کو وہ فراموش کر چکی تھیں۔

''یہ تو موبی کی بڑائی ہے کہ اس کے اس ڈھیلے انداز اور کم فہمی کو برداشت کر رہا ہے۔'' وہ دیر تک کچھ نہ کچھ بولتی رہیں مگر وکیل صاحب کتاب میں گم ہو چکے تھے۔ ان کی بقیہ گوہر افشانیاں انہوں نے سنی ہی نہیں کیونکہ وہ اس کی ضرورت نہیں سمجھتے تھے۔

وکیل صاحب کی پوچھ تاچھ کے بعد ظفری قدرے محتاط ہوگیا تھا۔ اس کے طرزِ عمل میں کچھ تبدیلی آگئی تھی۔ پہلے تو وہ بغیر بتائے جانے لگا تھا مگر اب چلتے وقت بہ آواز کہتا ہوا جاتا تھا۔

''میں جا رہا ہوں اماں۔''

اس پر بھی آپا خاتون کو اعتراض تھا۔

''بھلا یہ کیا طریقہ ہے؟ اس لڑکے کے تو انداز ہی نرالے ہیں۔ والدین کو بتا کر جانے آنے سے چھوٹے ہو جاتے ہیں یہ۔'' انہوں نے محبّ سے شکایت کی۔

''ارے اماں سب کی اپنی، اپنی عادت ہوتی ہے اور آج کل کی نسل ضرورت سے کچھ زیادہ ہی خود اعتماد ہوگئی ہے۔ کسی سے پوچھنا گناہ سمجھتی ہے اور دباؤ تو برداشت ہی نہیں ہے۔'' محبّ نے رسان سے کہا۔

''اے لو..... میں کون سا کسی پر دباؤ ڈالتی ہوں..... جو تمہارا دل کیا تم نے وہی کیا..... اور ظفری پر بھی کوئی جبر نہیں۔ ہاں بس یہ ہے کہ تم اپنی ایک، ایک بات مجھے بتاتے تھے۔'' وہ معصومیت سے بولیں۔

محبّ نے بمشکل اپنی مسکراہٹ دبائی کہ ماں کی نیچر کا اندازہ اسے بہت اچھی طرح تھا وہ صرف اپنی چلانا چاہتی تھیں۔

''ظفری ذرا مختلف لڑکا ہے۔ وہ دوسروں پر انحصار کو پسند نہیں کرتا اور یہ اس کی بہت اچھی بات ہے۔ آپ بے فکر رہیں وہ بہت ترقی کرے گا۔'' محبّ اپنے انداز میں ان کو سمجھانے لگا۔

''خدا معلوم یہ کون سی قابلِ تعریف بات ہے؟ رائے مشورے کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ وہ کچھ پوچھنا ہی توہین سمجھتا ہے۔'' وہ بیزاری سے بولیں۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

اسی وقت ظفری چلا آیا۔ نک سک سے تیار، قدرے گہرے رنگ کی براؤن ٹی شرٹ کے ساتھ گولڈن براؤن پینٹ میں وہ جچ رہا تھا۔ اس کے قرینے سے بنے بال اور تازہ شیو نے اس کی خوبروئی کچھ اور بھی بڑھا دی تھی۔ اس پر ستم اس کے پاس سے اٹھتی خوشبو کی لپٹیں جنہوں نے آپا خاتون کی تیوریوں پر بل ڈال دیے مگر وہ ضبط کیے لب بھینچے بیٹھی رہیں۔ البتہ نظریں بار، بار اس پر اٹھ رہی تھیں اور دل ماشاء اللہ، ماشاء اللہ کی گردان کر رہا تھا۔

لیکن ان کے تنقیدی سے انداز کو ظفری نے محسوس کرلیا۔ ''آج ہماری فائنل میٹنگ ہے۔ آج ہمارا پروجیکٹ تکمیل کو پہنچے گا۔ دعا کی درخواست ہے۔'' وہ قدرے خم ہو کر ماں سے مخاطب ہوا۔

''یہ تم میٹنگ میں جا رہے ہو یا کسی شادی کی تقریب میں؟'' وہ ٹوکنے سے باز نہ آئیں۔

''کیوں، ایسا کیا انوکھا کر دیا میں نے..... حیرت ہے بجائے دعا دینے کے آپ مجھ سے ایسی بات کر رہی ہیں۔'' اس کے لہجے میں تیکھا پن تھا۔

''ارے اماں..... آج کے دور میں ڈریسنگ کی بہت اہمیت ہے۔ یہ سب کچھ نئے دور کا تقاضا ہے۔'' ظفری کے بگڑے، بگڑے سے انداز دیکھ کر محبّ نے فوراً اس کی حمایت کی اور نظروں سے ماں کو کچھ اشارہ کیا جسے وہ فوراً سمجھ گئیں اور لہجہ نرم سا کر کے اس سے مخاطب ہوئیں۔

''ماشاء اللہ بہت پیارے لگ رہے ہو۔ خدا نظرِ بد سے بچائے۔ اِدھر آؤ میرے پاس میں تمہیں پیار کروں گی اور دعا بھی دوں گی۔'' وہ مسکرائیں۔

''رہنے دیں..... میری پینٹ کی کریز خراب ہو جائے گی۔ اچھا میں جا رہا ہوں اب۔'' اس نے بدلحاظی سے جواب دیا۔

ماں کی باتوں کا وہ اسی طرح برا مان جایا کرتا تھا۔ آپا خاتون کا چہرہ بجھ سا گیا۔ یہ وہی بیٹا تھا جسے راتوں کو جاگ، جاگ کر پالا تھا انہوں نے۔ اور ظفری کی دفعہ تو ان کی جان کے لالے پڑ گئے تھے۔ مرتے، مرتے بچی تھیں وہ۔ ڈاکٹروں نے کہا تھا کہ یا تو ماں کی زندگی بچ سکتی ہے یا بچے کی مگر پھر قدرت نے معجزہ دکھایا اور دونوں ہی سلامت رہے۔ بعد میں وہ ظفری کے لیے اس قدر محتاط ہو گئی تھیں کہ اس کی غیر معمولی دیکھ بھال کرتی تھیں اور آج وہ منہ زور ہوتا دکھائی دے رہا تھا۔

''ظفری، ماں کی دعائیں لینا اچھی بات ہوتی ہے اور یہ تو بتاؤ کہ آخر تم کر کیا رہے ہو..... کچھ ہمیں بھی تو پتا چلے۔'' محبّ نے شگفتگی سے اسے مخاطب کیا۔

''بھائی فی الحال تو بس اتنا جان لیں کہ میرے ایک دوست کی وساطت سے ہم دونوں مل کر اکیڈمی کھول رہے ہیں۔ جہاں کوچنگ کلاسز ہوں گی۔'' اس نے مختصراً بتایا۔

''ارے! مگر یہ تو اتنا زیادہ خاص کام نہیں ہے۔ تمہیں لیکچررشپ کے لیے اپلائی کرنا چاہیے تھا۔ کوچنگ تو گلی، گلی کھلے پڑے ہیں۔ یہ اتنا زیادہ فائدہ مند کام نہیں ہے۔'' محبّ نے کھل کر اپنی رائے دے دی۔

''بھائی..... سب کچھ غور کر کے سوچ سمجھ کر کر رہا ہوں۔ میرے دوست کی والدہ کا اپنا اسکول بھی ہے اور بہت اچھا چلتا ہے۔ وہاں بھی انویسٹمنٹ کروں گا اور وہاں نویں، دسویں کے بچوں کو کوچنگ کے لیے یہیں ریفر کیا جائے گا۔ اس کے علاوہ ایک فائدہ یہ ہے کہ میرا دوست، میں اور اس کی والدہ ہم تینوں خود سنبھالیں گے اسٹوڈنٹس کو، کوئی ٹیچر ہائر نہیں کریں گے سو ٹیچرز کی تنخواہ بھی بچے گی۔ آپ نہیں جانتے یہ بہت پروفیشنل ہے۔'' اس نے قدرے تفصیل سے بتایا۔

''اے ہے..... تو پھر جگہ بھی تو چاہیے ہوگی ان کے لیے..... وہ کیا کرو گے؟'' اس کی باتیں سن کر آپا خاتون کے چہرے پر مایوسی تیر گئی اس لیے وہ بولے بغیر نہ رہیں۔

''اماں..... اس کی فکر نہ کریں۔ جگہ بھی مفت کی ہے۔ ہمیں اس کا کرایہ بھی نہیں دینا پڑے گا کیونکہ میرے دوست کی امی کے اسکول کو ہم کوچنگ کے طور پر استعمال کریں گے شام کے اوقات میں۔'' اس نے اب قدرے تمیز سے انہیں جواب دیا۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

''اچھا مجھے دیر ہو رہی ہے..... میں چلتا ہوں۔''
وہ عجلت میں دروازے کی طرف بڑھ گیا۔
''رات کو دیر سے آؤں گا..... اس خوشی میں ہم سب کی گیٹ ٹو گیدر ہے آج۔'' دروازے تک پہنچ کر اسے خیال آیا تو وہیں سے آواز لگا کر آگاہ کر دیا۔
آپا خاتون کے چہرے پر ایک رنگ آ رہا تھا اور ایک رنگ جا رہا تھا۔
''بھلا یہ کیا فضول کام ہے؟ کچھ پوچھنا نہ سمجھنا بس آپ ہی کیے جاؤ سب کچھ۔'' انہوں نے بہت تاسف سے کہا۔
''میں بات کروں گا اس سے..... آپ فکر نہ کریں..... ویسے وہ اتنا ناسمجھ تو نہیں ہے، اچھا برا، فائدہ نقصان سب سمجھتا ہے۔ کچھ سوچ کر ہی اس نے یہ سب کرنے کا ارادہ کیا ہوگا۔'' آپا خاتون کے چہرے پر پھیلے مایوسی کے رنگ دیکھ کر محب انہیں سمجھانے گا۔
''خاک سمجھداری ہے..... یہ عمر تو جذباتی ہوتی ہے اور پھر ظفری کے مزاج میں کھلنڈرا پن ہے، ابھی بچپنا ہے اس میں..... خدا معلوم کون سا دوست ہے، کس کے ساتھ مل کر یہ سب کر رہا ہے اور وہ معاملات کا کیسا ہے..... کہیں دھوکا ہی نہ دے دے اس کو..... کچھ تو پہلے سے بتانا چاہیے ناں!'' وہ فکرمندی سے بولیں۔
''ارے اماں..... پیسے کی فکر نہ کریں، اس کے لیے اسے پیسا لگانا نہیں پڑ رہا، ہاں اسکول میں انویسٹمنٹ کی بات کر رہا تھا وہ، میں کل اس سے مزید بات کروں گا۔'' محب نے تسلی دی۔
''تم اس کے دوست سے ملو..... وہ جگہ دیکھو جہاں وہ اکیڈمی کھول رہا ہے۔ میرا تو دل گھبرانے لگا ہے۔ عجیب رنگ ڈھنگ ہیں اس لڑکے کے۔ اس طرح بن سنور کر کون کام کرتا ہے بھلا؟'' وہ فکرمندی سے بولیں۔
''یہ وکیل صاحب بڑے بے فکر ہیں..... سب الجھنیں میرے کاندھوں پر ڈال کر خود کتابوں میں گھسے رہتے ہیں۔'' ان کے غصے کا رخ اپنی دنیا میں گم شوہر پر ہو گیا۔
''ارے اماں..... کچھ نہیں ہوتا..... کرنے دیں اسے..... حوصلہ ہونا چاہیے لڑکوں میں۔ ٹھوکر کھائے بغیر اور نقصان اٹھائے بغیر کاروبار نہیں چلتا اور نہ ہی عقل آتی ہے۔'' محب کو تشویش تو ہو رہی تھی مگر ان کے سامنے پُرسکون رہا تاکہ ماں کے اندیشوں کو ہوا نہ ملے۔
''اور یہ جوجی کہاں ہے..... بڑے ہوتے جا رہے ہیں اور مصروفیات بڑھتی جا رہی ہیں۔ کچھ نہیں تو کانوں میں آلے لگائے نہ جانے کیا سنتا رہتا ہے۔ ماں کے لیے ٹائم ہی نہیں ہے کسی کے پاس۔'' انہیں یک دم جوجی کا خیال آیا جسے صبح ناشتے کے بعد سے انہوں نے نہیں دیکھا تھا۔ ہاں انہیں یہ معلوم تھا کہ وہ دوپہر دو بجے گھر لوٹا تھا مگر اس وقت وہ نماز پڑھ رہی تھیں اور نماز پڑھنے کے بعد جب وہ اسے دیکھنے آئیں تو وہ نہانے گھسا ہوا تھا اور اس وقت تک ان کی ہمت تمام ہو جاتی تھی سو وہ قیلولہ کرنے چلی گئی تھیں۔ اس کے بعد سے ان کی جوجی سے ملاقات نہیں ہوئی تھی۔
ظفری کی باتوں سے وہ کچھ پریشان سی ہو گئی تھیں اور دکھی بھی ہو رہی تھیں۔ ظفری کا کھٹ سے جواب دینا ان کے حاکمانہ مزاج کو ٹھیس پہنچا رہا تھا اور وہ بمشکل اس کی گستاخیاں برداشت کر پا رہی تھیں مگر اس ذہنی دباؤ اور اندر کی سوچ فکر نے ان کو نڈھال کر دیا تھا۔ صبح سے وہ خود کو مختلف کاموں میں الجھا کر جیسے ان سوچوں اور غصے سے فرار حاصل کر رہی تھیں شام تک ان کا ذہن اتنا تھک گیا کہ وہ سر تھام کر صاحبِ فراش ہو گئیں۔ حورعین ان کی چائے وہیں دے گئی تھی۔
''اُف..... کیسی ٹیسیں اٹھ رہی ہیں میرے سر میں..... ہائے.....'' وہ چائے کی پیالی سائڈ ٹیبل پر رکھ کر جانے لگی تو انہوں نے قصداً کراہ کر اسے متوجہ کیا۔
''اگر زیادہ درد ہو رہا ہے تو ٹیبلیٹ لا دوں؟'' اس نے پوچھا۔
''اوں ہوں..... مت بولو مجھ سے..... مجھے ہر آواز بری لگ رہی ہے۔'' وہ چڑ کر کروٹ بدل کر لیٹ گئیں۔ حورعین خاموشی سے چلی گئی۔ دروازہ کھلنے بند ہونے کی واضح آواز سنائی دی۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

''اونہہ..... میری بلا سے بنا کے رکھے منہ اپنا..... یہ آج کل کی بہویں نرالی ہوگئی ہیں۔ یہ نہیں کہہ رہی کہ لاؤ سر دبا دوں..... یا تیل لگا دوں سر میں..... کیا سمجھا تھا اور کیا نکلی۔'' وہ غصے سے بڑبڑاتی اٹھ بیٹھیں۔ سر میں درد کی تیز ٹیسیں اٹھنے لگیں۔ گرم چائے پینے سے اعصاب کچھ پُرسکون ہوئے تو درد میں خود ہی کمی آگئی۔ وہ سر پر چادر لپیٹ کر دوبارہ لیٹ گئیں۔ شام گئے کومل کی آمد ہوئی تو اسے دیکھ کر ایک دم چوکس ہوگئیں۔ سارا درد بھول گئیں اور بیٹی سے ملنے میں بہت سے تفکرات بھی بھول گئیں اور یہ سن کر تو ان کا مزاج اور بھی خوشگوار ہوگیا کہ کومل کل رات تک رکنے آئی تھی۔

''صدف، نیلم اور امبر آئی ہیں تمہارے ساتھ، ناصر کیوں نہیں آیا؟'' انہوں نے نواسے کے متعلق دریافت کیا۔

''ارے اماں..... وہ اپنے تایا کے بیٹے کے ساتھ رہتا ہے دونوں میں دوستی بھی بہت ہے یہاں برابر کا کوئی ہے نہیں۔ وہ یہاں آکر بور ہو جاتا ہے۔'' اس نے ہنس کر بیٹے کے بارے میں بتایا۔

''اے لو..... کچھ حق ننھیال والوں کا بھی ہوتا ہے۔ ہم بھی کوئی ہیں یہاں پر اور تینوں ماموں ہیں، سب ہی پیار کرتے ہیں اس سے۔'' وہ کچھ برا سا مان گئیں۔

''کل آئے گا ناں وہ اماں..... بلکہ شاید کل شام سے آجائے گا اور اذان رات میں آئیں گے۔'' اس نے ان کو تسلی دی۔

''آجائے..... خبر لیتی ہوں اس کی..... لڑکا ذات ہے اپنے دباؤ میں رکھو ورنہ اپنی من مانی کرنے لگے گا۔'' انہوں نے تاکیداً کہا۔

ان کی بات شاید اس نے سنی ہی نہیں تھی کیونکہ وہ بھاوج سے مل رہی تھی۔ حرمین اور انزلہ، نیلم اور امبر سے مل کر خوشی کا اظہار کر رہی تھیں۔

''ارے..... کہاں ہیں آپ بھئی..... ارے..... آپ تو یہاں ہشاش بشاش بیٹھی ہوئی ہیں۔'' وکیل صاحب آواز لگاتے شور مچاتے اندر آئے۔

''اے ہے میں کہاں جاؤں گی..... یہیں پر ہوں۔'' وہ ہنسنے لگیں۔

''سنا تھا کہ طبیعت ناساز ہے۔ مزاج پرسی کے لیے گیا تو مریض ہی غائب اور اب کیا دیکھ رہا ہوں کہ کچھ ایسے آثار ہی نہیں لگ رہے..... تو کیا دشمنوں نے افواہ اڑائی ہے؟'' وہ ان کے سامنے والے صوفے پر بیٹھ کر بغور ان کو دیکھنے لگے۔

''توبہ..... رائی کا پہاڑ بنانا خوب آتا ہے لوگوں کو..... ایک ذرا سا سر درد ہی تھا۔'' انہوں نے ناگوار سی نظر حورعین پر ڈالی۔

انہیں معلوم تھا کہ حورعین نے ہی یہ خبر اُن تک پہنچائی ہوگی اور اب کلس رہی تھیں کہ بڑھا چڑھا کر ان کی طبیعت بیان کر دی۔

''میں نے تو ڈاکٹر کو بھی فون کر دیا۔'' وہ مزید بولے۔

''اے ہے..... ابھی منع کر دیں فوراً..... بھلی چنگی ہوں میں۔'' وہ مزید تیز نظروں سے بہو کو دیکھنے لگیں۔

''ارے بھئی..... مذاق کر رہا ہوں میں..... بیٹی آئی ہوئی ہے ناں تو خود بخود ہنسنے بولنے، مذاق کرنے کو دل چاہ رہا ہے۔'' ان کے برہم تیور دیکھ کر وکیل صاحب نے جلدی سے اپنے بیانات کی وضاحت کر دی کہ کہیں حورعین پر نزلہ نہ گرنے لگے۔

''آپ سے بھی حد ہے۔'' وہ خفت سے مسکرا دیں۔

اور کومل ماں باپ کو چونچیں لڑاتا دیکھ کر محظوظ ہوتی رہی۔

کومل کے آنے سے ماحول میں خوشگواریت سی آگئی تھی۔ رات گئے تک بیٹی سے سر جوڑے وہ راز و نیاز کرتی رہیں۔ بہت سی باتیں تھیں جو وہ کئی دن سے جمع کر رہی تھیں۔ اس میں سرفہرست ظفری کا رویہ تھا۔ مگر اگلے دن ظفری نے انہیں حیران ہی کر دیا۔ اس شام وہ کہیں بھی نہیں گیا اور سب کو ایک سرپرائز پارٹی دی۔

جب پزا کی ڈیلیوری ہوئی تب سب کو معلوم ہوا کہ آج شام ظفری کی طرف سے پارٹی دی جا رہی ہے۔

''محترم حاضرین..... آپ سب کو ایک خوش

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

خبری سنانی تھی اور اس خوشی کو سلیبریٹ کرنے کے لیے آج میں نے پارٹی کا اہتمام کیا ہے۔'' ظفری نے ڈرامائی انداز میں بولنا شروع کیا۔

آپا خاتون ہکا بکا منہ کھولے اس کے اسٹائل دیکھ رہی تھیں۔

''ڈرامے بازی بند کرو اور جلدی سے خوشی کی خبر سناؤ۔'' کومل نے بے چینی سے کہا۔

''یہ تو بچپن کا شوق ہے اس کا..... جہاں موقع ملا وہاں کھڑے ہو کر ڈائیلاگ بولنے شروع کر دیے۔'' آپا خاتون، کومل کے کان میں بڑبڑائیں۔

''یہ ڈراما نہیں حقیقت ہے میری آپی..... میری کوچنگ اکیڈمی کا آج افتتاح ہو گیا ہے۔'' اس نے بالآخر بلی تھیلے سے باہر نکال ہی دی۔

''اوہو، مبارک ہو بھئی..... میرا بھائی ذمے دار بن گیا۔'' کومل نے تعریف کی۔

وہ قدرے خم ہو کر کورنش بجا لایا۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔

''اب جلدی سے دلہن ڈھونڈیں ظفری کی۔'' کومل نے اگلا دھماکا کیا۔

ظفری کی ساری شوخی جاتی رہی اور وہ ایک دم سنجیدہ ہو گیا۔ ''فی الحال تو میں ابھی اس پوزیشن میں نہیں ہوں اور نہ ہی ابھی اس موضوع پر بات کرنا چاہتا ہوں۔'' اس نے ٹکا سا جواب دے دیا۔

''اوہو..... اس کا یہ مطلب تھوڑی ہے کہ ہم کل ہی پکڑ کر تمہاری شادی کر دیں گے..... ابھی لڑکی ڈھونڈنے میں ٹائم لگے گا۔'' کومل نے اسے زچ کر دیا۔

''سوری..... ابھی میں یکسوئی سے اپنا کام کرنا چاہتا ہوں اور نہ ہی ابھی میرا ایسا کوئی پروگرام ہے۔'' اس نے اب بھی صاف منع کر دیا۔

اسی اثنا میں جوجی کولڈ ڈرنک اور بہت سے لوازمات کے شاپر سے لدا پھندا اندر داخل ہوا۔ اس کے ساتھ ہی ناصر کی آمد بھی ہوئی۔

''ارے، ناصر بڑے اچھے موقع پر آ گئے۔ تمہارے ظفری ماموں اپنی جیب خالی کر رہے ہیں آج۔'' کومل نے چٹخارا لے کر کہا۔

''اطلاعاً عرض ہے کہ ناصر کو میں نے ہی بلوایا ہے۔'' ظفری بناوٹی ناراضی سے اسے دیکھنے لگا۔

''بہت خوب..... ماہر ہوتے جا رہے ہو تم سرپرائز دینے میں۔'' کومل نے شگفتگی سے کہا۔

''آج سے ہم سب آپ کو سرپرائز ماموں کہیں گے۔'' نیلم اور امبر نے فوراً ایک نیا نکتہ نکالا۔

''آں ہاں..... اور اگر اس سرپرائز میں سے سرہٹا دیں تو صرف پرائز بچا ہمارے پاس۔'' ناصر نے ٹکڑا لگایا۔

''یعنی چاچو ہمارے لیے پرائز ہیں۔'' حرمین بھی شریک ہو گئی۔

''جی نہیں پرائز نہیں پرائز بانڈ بن گئے یہ..... اب تو نوٹ کمانے کے دن آئے ہیں ان کے۔'' ناصر نے چھیڑا۔ نظر بچا کر سامنے بیٹھے جوجی کو آنکھ بھی مار دی۔ اس کا خیال تھا کہ ظفری ان باتوں سے پریشان ہو جائے گا۔

''اہم..... اہم..... مگر میری نظر میں سرپرائز میں سے اگر پرائز کو نکال دو تو جو باقی بچا وہ..... ''میں'' ہوں..... یعنی سر..... وہ سر جو اپنی اکیڈمی میں تعلیم کی روشنی بانٹے گا..... آپ سب کو اجازت ہے آپ سب بھی مجھے سر کہہ سکتے ہیں۔'' ان سب کی باتوں کا خوب صورت سا جواب ظفری نے دیا تو ایک لمحے کو سب لاجواب ہی ہو گئے۔

''فیس ذرا تگڑی رکھنا..... تاکہ ہم سب بھی کچھ مزے کریں۔'' اب جوجی نے لقمہ دیا۔

''وہ سب مینجمنٹ طے کرے گی لیکن تم لوگ دیکھنا کہ جلد ہی میں کہیں سے کہیں پہنچ جاؤں گا۔'' ظفری کے عزائم اونچے تھے۔

''ہوں..... بہت پر نکل گئے اس کے..... اتنا پڑھ لکھ کر کیا چھوٹا سا کام شروع کر رہا ہے۔ بہت عقلمند ہو گیا ہے ناں۔'' آپا خاتون کے دل میں ملال کے ابال اٹھنے لگے۔ انہوں نے دل ہی دل میں سب کچھ سوچا مگر کچھ کہا نہیں۔ وہ ظفری کی طرف سے بہت

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

مایوس ہوگئی تھیں۔

☆☆☆

آنے والے دن بے حد خاموشی سے گزر گئے۔ ظفری کی طرف سے وہ مختلف اوہام کا شکار ہوگئی تھیں۔ اسی وجہ سے ان کا بی پی شوٹ کر گیا تھا اور مزاج چڑ چڑا ہو رہا تھا۔ سارا عتاب حورعین پر ہی نکلتا تھا۔

''اونہوں..... یہ کیسی پھیکی بدذائقہ یخنی بنائی ہے۔ نمک نہ گرم مسالا۔'' انہوں نے ایک چمچہ پی کر منہ بنالیا۔

''کتنا ہی سکھا لیا مگر کچھ سیکھ کر نہ دیا۔ یخنی تک بنانی نہ آئی۔'' وہ بہ آواز کڑھنے لگیں۔

''بیگم، آپ بھول رہی ہیں، آپ کو نمک دینا منع ہے۔'' وکیل صاحب نے ہلکے سے کھنکھار کر انہیں یاد دلایا۔

''ارے ہاں..... سب بیکار باتیں ہیں۔ کھاؤ نہ کھاؤ، بیمار تو پڑنا ہے جب زندگی میں اتنی پریشانیاں ہوں گی تو یہی حال ہوتا ہے جو میرا ہے۔'' ان کی بات کو سراسر رد کرتے ہوئے انہوں نے خاصے دل گرفتہ سے انداز میں کہا۔

''خدانخواستہ..... خدا نہ کرے..... ایسی کیا بپت گئی آپ پر۔'' وکیل صاحب نے تنقیدی نظروں سے ان کو دیکھا۔

''اللہ نے آپ کو رحمت اور نعمت دونوں سے سرفراز کیا ہے..... سب کچھ عطا کیا ہے پھر بھی آپ یہ ناشکری کی باتیں کر رہی ہیں۔'' وہ تھوڑے تیز لہجے میں بولے۔

''رنگ ڈھنگ دیکھے ہیں ظفری کے..... مجھے تو وہ خاطر میں ہی نہیں لا رہا۔ روز سج دھج کر نکل جاتا ہے۔ آنے کا پتا نہ جانے کا..... نہ جانے کیا کرتا پھر رہا ہے اور آپ نے بھی بالکل ڈھیل دے دی اس کو۔'' اندر کی پریشانی، بے کلی بالآخر باہر آ ہی گئی ایک دفعہ پھر وہ شروع ہوگئی تھیں۔

وقار آفندی نے محب کے ذریعے ظفری کی کوچنگ کلاسز کا پتا کروایا تھا اور اس نے بڑا اطمینان بخش جواب بھی آ کر دیا تھا وہ تو اپنی جگہ مطمئن تھے مگر آپا خاتون اپنی ازلی عادت سے باز نہ آتیں۔

ظفری کے روز و شب اور معمولات ان کے سامنے تھے۔ وہ علی الصباح ہی گھر سے نکل جاتا کیونکہ دوست کے اسکول میں بھی اسے کوآرڈی نیٹر بنا دیا گیا تھا۔ دوپہر کو گھر لوٹتا۔ کھانا کھانے سے فراغت کے بعد وہ کچھ دیر آرام کرتا پھر شام کی چائے پی کر کوچنگ روانہ ہو جاتا۔ اکثر رات کا کھانا وہ گھر پر نہیں کھاتا تھا کیونکہ کوچنگ کے بعد وہ اپنے دوستوں کی محفل میں ضرور جاتا تھا اور اب آپا خاتون کو اس پر اعتراض کرنے کی ضرورت نہ رہی تھی کیونکہ اس نے خود کو ثابت کر دیا تھا۔

''کیسا خود اعتماد ہے ظفری..... جو دل میں ٹھان لے وہ کر کے چھوڑتا ہے، بچپن میں بھی بہت ضدی تھا اپنی منوا کر چھوڑتا تھا۔'' وہ بے اختیار اسے سراہنے لگیں۔

اور یہ تعریف انہوں نے بیٹی سے کی تھی۔ اس کا فون آیا ہوا تھا۔ ظفری کا موضوع بھی نکلا تو وہ کہے بغیر نہ رہ سکیں۔

''جی اماں..... یہی تو میں آپ کو سمجھا رہی تھی کہ کرنے دیں اسے اپنی مرضی اور اپنی پسند کا کام..... اب دیکھ لیں وہ بھی خوش اور آپ بھی۔'' کومل نے کہا۔

''اب دیکھنا میں کیسے ٹھوک بجا کر بہو پسند کر کے لاؤں گی اس بار۔'' انہوں نے اپنے عزائم دہرائے۔

''بھابی بھی اچھی ہیں اماں۔'' کومل نے حورعین کی طرف داری کی۔

''بس رہنے دو اس کو..... کوئی سمجھ ہی نہیں اپنے تئیں تو میں نے گھریلو، سیدھی سی لڑکی سمجھا تھا مگر وہ تو بالکل گئو ہے۔ بچے تک تو پالے نہیں جا رہے اس سے۔ حرمین گھوڑی کی طرح سب طرف دوڑ لگاتی پھرتی ہے۔ کچھ سکھاتی ہی نہیں۔'' وہ پسندیدہ موضوع پر شروع ہوگئیں۔

''اُفوہ اماں..... چھوڑیں بھی ہر ایک کی الگ عادت اور مزاج ہوتا ہے۔'' کومل نے بات کو ٹالنے کی کوشش کی۔

''میں تو کب سے پھڑک رہی ہوں ظفری کی

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

شادی [illegible] لیے۔ مگر دونوں بھائیوں میں آٹھ نو سال کا [illegible] کیا بس وہیں خاموش رہ جاتی تھی۔ محبت کے [illegible] ضائع نہ ہوتے تو آج میرے آنگن کی رونق [illegible] ہوئی ہوتی۔'' انہوں نے سرد آہ بھری۔

''افوہ اماں، بس آپ دعا کریں جو ہیں خدا انہیں سلامت رکھے۔'' اس نے ڈھارس دی۔

''ہاں، ان کے لیے تو ہر وقت دل سے دعا نکلتی رہتی [illegible] مگر بس کبھی خیال آ ہی جاتا ہے لڑکے تھے وہ دونوں بھی..... اور.....'' وہ شروع ہونے لگیں۔ کومل ان کی یہ تفصیلات کئی بار سن چکی تھی اس لیے فوراً ہی بات کو ختم کر کے فون رکھ دیا۔

''اچھا اماں، اذان آواز دے رہے ہیں میں دوبارہ فون کروں گی۔'' اس نے کھٹ سے رابطہ منقطع کر دیا اور آپا خاتون خاموش نظروں سے ریسیور کو تکتی رہ گئیں۔

وہ بہت دیر سے خاموش بیٹھی ماں، بیٹی کی تکرار سن رہی تھیں۔ کئی بار کی کوشش کے بعد بھی حرمین وہ سوال سمجھ نہ پائی تھی، اس سال حرمین چھٹی جماعت میں گئی تھی اور سبجیکٹس تھوڑا مشکل لگ رہا تھا اسے۔

''افوہ..... [illegible] نے بتایا تو تھا کہ ہمیں اس کا اسکوائر روٹ نکالنا ہوتا ہے پہلے۔'' حورعین نے جھنجلا کر تیسری بار کاپی پر وہ سوال دوبارہ حل کرنا شروع کیا۔

''مگر پھر ہمارا آنسر ٹھیک کیوں نہیں آ رہا..... آپ مجھے غلط بتا رہی ہیں۔'' وہ حجت کرنے لگی۔

''ارے بیٹا تم یہاں سے دیکھو ناں..... دیکھو یہ والا جو نمبر ہے.....'' اس نے پھر بتانا شروع کیا۔

''مگر ہماری ٹیچر نے ایسے نہیں بتایا تھا۔'' وہ کنفیوز ہوئے جا رہی تھی۔

''نہ خود کچھ آئے اور نہ بچی کو بتایا جا رہا ہے۔'' آپا خاتون نے کلس کر پہلو بدلا اور دل میں سوچا۔ عینک کے پیچھے سے ان کی تیز تنقیدی نظر کو محسوس کرتے ہوئے حورعین پین کاپی پر پٹخ کر اٹھ گئی۔

''ویسے تو تمہارا دماغ خوب چلتا ہے اور میتھ پڑھتے ہوئے بالکل خالی ہو جاتا ہے۔ تم بار، بار غلطی کیے جا رہی ہو میں تو ٹھیک سمجھا رہی ہوں۔ دوبارہ حل کرو اس سوال کو۔'' کچن کی طرف جاتے ہوئے اس نے ہدایت دی۔

''اتنا ٹف کورس ہے ہمارا اس بار۔ آپ میری ٹیوشن لگوا دیں۔'' حرمین منہ بسور کر صوفے پر نیم دراز سی ہو گئی۔

فٹنگ کی قمیص میں اس کے جسمانی نشیب و فراز بہت نمایاں ہو رہے تھے۔ دوپٹا بھی بے پروائی سے ایک طرف پڑا تھا بلکہ کارپٹ پر ہی ڈھیر تھا صرف ایک سرا اس کے شانے پر پڑا تھا۔ ڈھیلے ڈھالے بالوں کی لٹیں اِدھر اُدھر سے نکل کر لہرا رہی تھیں۔ آپا خاتون نے ایک ناگوار نظر اس پر ڈالی۔

''لوٹھا ہو گئی مگر نام کی تمیز نہیں دی اماں نے۔'' اس بار بھی وہ صرف سوچ کر رہ گئیں۔ اسی وقت ظفری کمرے سے نکل کر لاؤنج میں آ گیا۔ اس وقت وہ کوچنگ کے لیے نکلتا تھا۔ انہیں دیکھا تو کچھ دیر کے لیے ٹھہر گیا۔

''سیدھی ہو کر بیٹھو حرمین۔'' آپا خاتون نے ڈپٹ کر کہا۔ جب بھی حرمین ان کے آس پاس ہوتی اسے دیکھ کر وہ وقت میں مبتلا ہو جاتیں۔

''کیوں ڈانٹ پڑ رہی ہے حرمین کو؟'' ظفری نے منہ بسور کر اٹھتی حرمین کو دیکھا۔

''ارے بس کیا، پڑھائی میں دماغ چلتا ہی نہیں ہے..... کوئی پڑھانے والا بھی تو ہو ناں۔'' آپا خاتون نے دبے لفظوں میں مگر بہ آواز بلند حورعین کو بھی سنا ڈالا۔ اس کے ساتھ ہی اچانک ان کے ذہن میں ایک انہونا سا خیال آ گیا ورنہ وہ ابھی حرمین کو اور بھی لتاڑتیں۔

''ارے ہاں ظفری بیٹا، ایسا ہے کہ تم حرمین کو کوچنگ لے جانے لگو۔ اچھا ہے وہاں ٹھیک سے پڑھ لے گی یہ۔'' انہوں نے جیسے سب کچھ طے کر لیا تھا۔

''کوچنگ..... حرمین کو.....؟'' ظفری جز بز ہوا۔

''ہاں..... بھئی وہ پڑھائی کا ادارہ ہے ناں..... تو حرمین بھی پڑھ لے گی وہاں جیسے اور سب پڑھتے ہیں۔'' انہوں نے سیدھا سا حل بتایا۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

''مگر وہاں تو میٹرک، انٹر کے اسٹوڈنٹس آتے ہیں اماں..... اور حرمین تو ابھی سیکستھ میں ہے۔'' اس کا انداز صاف جان چھڑانے والا تھا۔

''ارے واہ..... استاد تو استاد ہوتا ہے جب میٹرک، انٹر کے بچے پڑھا سکتے ہیں تو حرمین کو کیوں نہیں پڑھا سکتے۔'' آپا خاتون کی سوئی اب وہیں اٹک چکی تھی۔

''جی، یہ بات تو ہے مگر ہر جگہ کے اصول اور ضابطے ہوتے ہیں۔ جیسے پرائمری الگ اور سیکنڈری الگ ہوتی ہے۔ اولیول الگ ہوتا ہے۔'' اس نے سمجھایا۔

''مگر تم تو وہاں سینئر ہو ناں اور سمجھو کہ بنیاد ہی تم نے ڈالی ہے وہاں تمہارا حکم چلتا ہے اور حرمین تمہاری بھتیجی ہے خاص طور پر اسے پڑھانے کا آرڈر دو ٹیچرز کو..... بلاوجہ اِدھر اُدھر ٹیوشن پر بیٹھے گی پتا نہیں پڑھانے والے بھی کیسے ملیں..... پیسے کا الگ زیاں۔'' آپا خاتون اپنی بات پر قائم رہیں۔

ظفری اب بھی ہچکچاہٹ کا شکار تھا اس کے چہرے پر تذبذب کے آثار نمایاں تھے۔ ماں کی عادت اسے معلوم تھی کہ جب کسی بات کا تہیہ کرلیتیں تو ہاتھ جھاڑ کر اس کے پیچھے پڑ جاتی تھیں اور کروا کر ہی چھوڑتی تھیں۔

''اچھا ٹھیک ہے۔ پھر میں آج دیکھتا ہوں، سیٹنگ کرتا ہوں کچھ۔'' اس نے ہاں، نہ کیے بغیر سراسر بات کو ٹالا تھا۔

اس کے انداز آپا خاتون سے ڈھکے چھپے نہیں تھے کیونکہ وہ بھی ظفری کو اچھی طرح جانتی تھیں کہ وہ بڑی سے بڑی بات کو چٹکیوں میں اڑانے میں ماہر تھا۔ اسی لیے اس بار انہوں نے کچھ خاص سا طریقہ اپنایا اور سر کے اشارے سے اسے قریب آنے کو کہا۔ اس کو آنکھوں سے پیغام دیا جیسے بہت خاص بات کرنی ہے۔ وہ ان کے قریب گیا تو ہاتھ پکڑ کر پاس بٹھالیا اور اس کے قریب جھک کر سرگوشیانہ سی رازداری والا انداز اپنالیا۔

''اماں تو خود میٹرک پاس ہے..... اسے کچھ پڑھانا نہیں آرہا بچی کو..... اور پھر وہاں کوچنگ میں تمہاری نظروں میں رہے گی اور اسے تمہاری وجہ سے خاص توجہ بھی مل جائے گی وہاں۔'' انہوں نے بات میں وزن پیدا کرتے ہوئے پُرزور سے انداز میں اس پر دباؤ ڈالا۔

ظفری کے پاس اس وقت ہامی بھرنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔ اس وقت تو وہ اکیلا ہی نکل گیا مگر اگلے روز سے حرمین بھی اس کے ساتھ جانے لگی۔ حالانکہ وہ چاہ رہا تھا کہ حرمین ایک ڈیڑھ گھنٹے بعد آئے جب کلاس شروع ہو مگر ایسا نہ ہوا کیونکہ یہاں بھی ماں آڑے آگئیں۔

''محب تو گھر میں ہوتا نہیں، کون لے کر آئے گا اس کو؟'' انہوں نے فوراً مسئلہ بتایا۔

''مگر پھر وہاں ایک گھنٹا فارغ رہ کر یہ کیا کرے گی، میں اپنے کاموں میں لگا رہتا ہوں۔ اس کی چوکیداری کروں گا یا کام کروں گا۔'' وہ جھلا گیا۔ آپا خاتون نے زبردستی حرمین کو اس کا دم چھلا بنا دیا تھا۔

''اب وہ اتنی چھوٹی بھی نہیں کہ انگلی پکڑ کر چلاؤ گے۔ بس اپنے آس پاس رکھنا اور نظر رکھنا اس پر۔ اول تو پڑھنے میں ہی لگا کر رکھنا، دیر تک پڑھے گی تو سبق یاد ہو جائے گا۔'' آپا خاتون کے پاس ہر بات کا جواب تھا۔

''اگر مسئلہ ہو رہا ہے تو میں لے جایا کروں گا حرمین بیٹی کو۔'' وکیل صاحب جانے کب چلے آئے تھے انہیں معلوم ہی نہ ہوا۔

ان کی یہ پیشکش آپا خاتون کو بہت بری لگی۔

''ایک دو دن کی بات تو نہیں، روز کا آنا جانا ہے۔ آپ کہاں تک جائیں گے۔ طبیعت ٹھیک نہیں رہتی، سانس پھولنے لگتی ہے آپ کی۔'' انہوں نے پہلے ہی سے حد لگا دی کہ وکیل صاحب مزید کچھ نہ بول سکے۔ ظفری بھی ہاتھ مسلتا رہ گیا۔

حرمین اس نئی مصروفیت پر بہت خوش تھی۔ عام معمول کی زندگی میں کچھ ایک نئی تبدیلی آگئی تھی اور وہاں اس کا وقت بہت اچھا گزرتا تھا کیونکہ دوسری کئی لڑکیوں سے اس کی دوستی ہوگئی تھی۔ وہاں اسے خصوصی اہمیت دی جاتی تھی کیونکہ وہ سر ظفر کی بھتیجی تھی۔ وہ ظفر

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

کے ساتھ جاتی اور اسی کے ساتھ گھر لوٹتی تھی۔ ایک ڈیڑھ گھنٹے کی پڑھائی کے بعد وہ اِدھر اُدھر فالتو پھرتی یا کسی بھی لڑکی سے گپ شپ لگا لیتی تھی۔ اسے وہاں مس سمیرا بہت اچھی لگیں۔ وہ بھی وہاں پڑھاتی تھیں اور ظفر کی وجہ سے اس سے بہت توجہ سے ملتی تھیں لیکن ظفر کو اس کا وہاں اضافی رکنا بالکل مناسب نہیں لگ رہا تھا اس طرح ماحول بھی متاثر ہو رہا تھا اور پھر اسے معلوم تھا کہ حرمین ایک چلبلی سی لڑکی ہے وہ ہر ایک سے جلدی فرینک ہو جاتی تھی اور مس سمیرا سے تو آج کل اس کی بہت گھٹ رہی تھی۔ یہی بات اسے کھٹک رہی تھی۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ سمیرا کے زیادہ قریب ہو ایک دن اس کی لاعلمی میں سمیرا اسے گھر بھی لے گئی تھی۔ اس کا گھر چند فرلانگ کے فاصلے پر ہی تھا۔

''کہاں گئی تھیں آپ دونوں؟'' اس نے چونک کر پوچھا۔

''کہیں نہیں..... بس ذرا کچھ امپورٹنٹ نوٹس لینے گئی تھی گھر، سوچا حرمین کو بھی لے جاؤں تاکہ امی بھی مل لیں تمہاری بھتیجی سے۔'' اس نے کہا۔

''اوہ.....نو.....'' ظفر نے دل میں شدید کوفت محسوس کی مگر زبان سے کچھ نہ کہا۔

''کیسی ہیں میم..... دو روز سے اسکول بھی نہیں آئیں۔'' وہ سمیرا سے ان کا حال احوال پوچھنے لگا۔

سمیرا کی امی ہی اس اسکول کی مالک تھیں اور اس نے سمیرا کے ساتھ مل کر ہی اس کوچنگ کی بنیاد ڈالی تھی۔ اس کی امی مالی اعتبار سے کافی مضبوط تھیں انہیں اپنے اسکول کے لیے ایک محنتی اور لائق لڑکے کی ضرورت تھی جو ایڈمن کو سنبھال سکے اور وہ انہیں ظفر کی صورت میں مل گیا تھا۔ ظفر بھی ان کے ساتھ کام کر کے بہت مطمئن تھا اور پُرسکون بھی۔ لیکن اب حرمین کی آمد نے اس کا سارا سکون رخصت کر دیا تھا کیونکہ وہ کوچنگ کی ایک، ایک بات اور ایک، ایک فرد کے بارے میں گھر میں جا کر بتاتی تھی یہی بات اسے پریشان کر رہی تھی۔

''پتا ہے دادی..... وہاں لڑکے اور لڑکیاں دونوں آتے ہیں۔'' ایک دن اس نے بہ آواز بلند انکشاف کیا۔

''اوئی..... یہ کیا..... مخلوط کوچنگ کھولا ہے تم نے۔'' انہوں نے ظفری سے پوچھا۔

''آج کل اسی طرح چل رہا ہے اماں۔'' اس نے حرمین کو گھورتے ہوئے جواب دیا۔

''ہاں مگر یہ مناسب نہیں ہے۔ سب برائی کریں تو ضروری ہے کہ ہم بھی برائی کریں۔ بری بات ہے۔'' وہ اپنے زمانے کے مطابق اب تک سوچتی تھیں۔

''اماں، سب جگہ یہی ٹرینڈ ہے۔ گروپ بن جاتے ہیں، گروپ اے، گروپ بی، سب کی ٹائمنگ سیٹ ہوتی ہے۔ لڑکے، لڑکیوں کو الگ، الگ نہیں پڑھا سکتے۔'' اس نے سمجھایا۔

''ہاں مگر پھر بھی اپنا دامن تو بچانا چاہیے۔'' وہ مطمئن تو نہ ہوئیں مگر پھر بھی ناصحانہ انداز میں تنبیہہ کر دی۔

''دادی، ایک لڑکی تو اتنی پیاری ہے وہاں، میری تو ان سے پکی دوستی ہو گئی ہے۔'' حرمین نے اشتیاق سے بتایا۔

''اے ہے..... وہ کون سا تمہارے برابر کی ہو گی..... تم ہی سب سے چھوٹی ہو وہاں..... باقی سب تو نویں، دسویں کے طالب علم آتے ہیں۔'' آپا خاتون کو اب وہاں کی پوری معلومات رہتی تھیں۔

''بہت آتے ہیں..... چار گئے تو چار آ گئے..... بس یہی چلتا رہتا ہے مگر وہ جو سمیرا باجی ہیں ناں ان سے میری پکی والی دوستی ہے اور وہ وہاں پڑھتی نہیں پڑھاتی ہیں۔'' وہ اپنی سادگی میں شعلوں کو ہوا دینے لگی۔

''اچھا، تو لڑکیاں بھی پڑھانے آتی ہیں وہاں۔'' آپا خاتون کھٹک سی گئیں۔

''ہوں پڑھنے بھی آتی ہیں اور پڑھانے بھی..... اور چاچو تو وہاں سب کے موسٹ فیورٹ سر ہیں۔'' اس نے ان کے شکوک و خدشات کو مزید شہ دے دی۔

''اے ہے..... میں تو جلدی سے ظفری کے لیے لڑکی دیکھوں..... کہیں کوئی تیز طرار لڑکی اپنا جادو نہ چلا دے

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

اس پر۔'' ان کے دل پر عجیب سی گھبراہٹ سوار ہوگئی۔

☆☆☆

''کب آؤ گی تم، ذرا جلدی آجاؤ۔ اس بار، مجھے ظفری کے لیے لڑکی دیکھنی ہے۔ ماشاء اللہ اتنا پیارا لگتا ہے۔ کہیں کوئی اسے اپنے دام میں نہ پھانس لے۔'' جب وہ فون پر کومل سے اپنے خدشوں کو زبان دے رہی تھیں تو ظفری دروازے کے پیچھے اپنا سر تھامے کھڑا تھا۔

اسے حرمین پر بے حد غصہ آیا جس نے اس کے راستے میں مشکلات کھڑی کردی تھیں۔

''سنو پٹاخا، تم اپنی اونگی بونگی باتیں بند کرو ورنہ میں تمہارا کوچنگ جانا بند کرا دوں گا۔'' ایک دن اس نے چپکے سے حرمین کو سرزنش کی' وہ کچھ دیر تک آنکھیں پٹپٹا کر اسے دیکھتی رہی۔

''لیکن چاچو آپ تو فیئر ہیں ناں پھر آپ کو کیا ڈر؟'' اس نے بے خوفی سے اس کی آنکھوں میں دیکھ کر سوال کیا۔

ایک پل کو تو ظفر بھی سٹپٹا گیا۔ اس کی آنکھوں میں کچھ جان لینے کا پیغام تھا۔ ایک وارننگ سی تھی۔ جیسے کہہ رہی ہو کہ اگر مجھے ڈرایا تو میں اس سے زیادہ ڈراؤنی بن جاؤں گی۔

''فضول باتیں نہ کرو۔ جو کہا ہے وہ کان کھول کر سن لو۔ کوچنگ کی باتیں اماں کے سامنے مت کیا کرو۔'' اس کی وارننگ کو نظر انداز کرتے ہوئے اس نے سخت لہجے میں کہا۔

''مگر میں نے تو کچھ نہیں کہا دادی سے..... میں نے تو بس یہ بتایا ہے کہ سمیرا باجی میری دوست ہیں' آپ کا تو نام نہیں لیا۔''

وہ ڈپٹ کر پلٹا ہی تھا کہ اس کی معصوم سی آواز پر واپس پلٹا۔ اس کی آنکھوں میں شوخی و شرارت ناچ رہی تھی۔ اسے وہ ایک دم میچور سی لگی۔ وہ شعور و ادراک کے بہت سے جذباتی مرحلوں کو سمجھ چکی تھی۔ اس کے لبوں پر مسکراہٹ تھی۔

''ناٹی گرل..... مجھے تم سے بنا کر رکھنی پڑے گی۔'' وہ بے اختیار کہہ گیا اور اس روز کے بعد سے اس نے حرمین کو مزید ڈھیل دے دی۔ حرمین کے رنگ ڈھنگ چند ہی روز میں بدل گئے تھے۔ پہلے وہ کچھ جھجک کر سب سے باتیں کرتی تھی اب وہ بے دھڑک پورے کوچنگ میں سب طرف پھرتی جسے چاہے حکم دیتی، جسے چاہے ڈانٹ پڑواتی اس کی شرارتیں عروج پر تھیں اور نئے آنے والے اسٹوڈنٹس پر رعب جما کر خوب مزے لیتی۔

سمیرا اور اس کی خوب بننے لگی تھی۔ جب سمیرا آتی تو وہ اس کے ساتھ، ساتھ ہی رہتی۔ وہ کئی بار سمیرا کے ساتھ کوچنگ سے اس کے گھر جا چکی تھی۔ وہ سمیرا اور ظفر کے درمیان قائم ہونے والے خوب صورت سے رشتے کو بھانپ چکی تھی اور دونوں سے اس رازداری کا خوب فائدہ اٹھا رہی تھی۔ چھٹی سے ساتویں اور پھر آٹھویں میں پہنچتے، پہنچتے وہ شعور و آگہی کے بہت سے مرحلے طے کر چکی تھی۔ سمیرا اور ظفر کے درمیان پنپنے والی محبت سے اس کے اپنے دل میں بھی محبت کی کونپل چپکے سے پھوٹ پڑی اور وہ اس کے خمار میں جیسے روز بروز نکھرتی چلی گئی۔ مگر اس نے بڑی رازداری سے اسے اپنے دل میں ہی چھپا رکھا تھا لیکن سمیرا کی گھاگ نظروں نے اس کا بھید پالیا۔

''ہوں..... تو یہ بات ہے..... وکی بظاہر تو اچھا لڑکا ہے مگر کچھ بے پروا سا لگ رہا ہے۔ تھوڑا شرارتی اور کافی غیر سنجیدہ ہے۔ اس لیے میرا مشورہ ہے کہ اس راہ پر سنبھل کر چلنا۔'' اس نے مشورہ دیا۔

''جی نہیں، ایسی کوئی بات نہیں۔'' وہ صاف مکر گئی۔

''ایسی ہی بات ہے، مجھے بناؤ مت۔ اپنے چہرے کو دیکھو کیسے گلاب کی طرح کھلتا جا رہا ہے..... مگر بچ کے رہو' یہ راہ بڑی پُرخار ہے۔'' اس نے تاکید کی۔ وکی ان کے کوچنگ میں آنے والا ایک نیا لڑکا تھا۔

''اچھا..... خود بھی تو اسی راہ کی مسافر ہیں آپ۔'' اس نے طنزاً کہا۔

''ہوں..... مگر دیکھ لو..... اب تک نامراد ہوں..... ظفر میرے لیے اسٹینڈ ہی نہیں لے پا رہا بلکہ وہ تو شاید میرا

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

ذکر تک نہیں کر سکا اب تک۔'' اس نے افسردگی سے کہا۔

''دراصل دادی بے حد سخت ہیں لیکن آپ ناامید مت ہوں۔ چاچو ضرور آپ کا ساتھ دیں گے۔'' اس نے دلاسا دیا۔

''مجھے تو ناممکن لگ رہا ہے۔'' وہ کچھ مایوس سی تھی۔

دو ڈھائی سالوں میں ظفری نے نئی زندگی کے لیے کوئی قدم نہیں اٹھایا تھا۔ دراصل وہ خود بھی یہ چاہتا تھا کہ پہلے قدم جمالے پھر کوئی کوشش کرے۔ اس دوران آپا خاتون نے بھی اس پر بہت دباؤ دیا مگر وہ انہیں خوب صورتی سے ٹالتا رہا مگر اب آپا خاتون کے صبر کی حد ختم ہو گئی تھی۔ آج کل وہ تندہی سے اس کے لیے لڑکی ڈھونڈنے میں لگی ہوئی تھیں اور ظفر پچھلے کئی ماہ سے چاہنے کے باوجود بھی ان سے سمیرا کا ذکر نہ کر سکا۔ اسے معلوم تھا کہ یہ بھس میں چنگاری لگانے والی بات ہے۔

ماں کے غصے اور من مانی کی عادت کو وہ اچھی طرح جانتا تھا اسی لیے ہمت نہیں پڑ رہی تھی۔ اس نے کئی بار سوچا کہ ابا سے بات کر لے مگر سوچ کر ہی رہ گیا اس سے پہلے کہ وہ اپنی تمام ہمتیں مجتمع کر کے اس ذکر کو چھیڑتا وہ ہو گیا جس کا اس نے سوچا بھی نہیں تھا۔

یوں تو آپا خاتون ہر دوسرے، تیسرے دن اسی مہم کے سلسلے میں آج کل غائب رہتی تھیں مگر ایک دن ان کے ہاتھ وہ گوہرِ نایاب لگ ہی گیا۔

''ماشاءاللہ بہت پیاری بچی ہے اور تعلیم یافتہ بھی ہے۔'' آپا خاتون جب سے آئی تھیں اس کی تعریف میں رطب اللسان تھیں۔

حرمین اور ظفر اسی وقت گھر میں داخل ہوئے تھے۔ ظفر کے کان کھڑے ہوئے اور حرمین سے نظروں کا تصادم ہوا۔ وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ یہ ایک دم سے کیا ہونے جا رہا ہے۔ اس کی چھٹی حس کسی بڑی گڑبڑ کا پتا دے رہی تھی۔ حرمین کی نظروں میں بڑا واضح پیغام تھا کہ اب وقت ہاتھ سے نکل گیا تو پھر لوٹ کر نہیں آئے گا۔ اس نے بے چینی سے ہاتھ مسلے۔ پتا نہیں کیا بات تھی وہ خود یہ بات کرتے گھبرا رہا تھا۔ اس کی سب سے بڑی وجہ

ماہنامہ جاسوسی ڈائجسٹ

اگست 2020ء کے
شمارے کی ایک جھلک

اولین صفحات
دہشت گردوں کو سائبان کی تلاش رہتی ہے..... ایسے ہی سائبانی دہشت گردوں کی خوفناک کارروائیاں

انا گیر
سنہری ریت کے سرابوں میں بھٹکتے خوابوں کے سوداگر کی دل فگار داستان ..... امجد جاوید کے زورِ آور قلم کا امتحان

اللؤ
مسیحاؤں کے بھیس میں شاطر مجرموں کا کھیل زندہ انسانوں کے لیے بنتے اللؤ کی صورت موت تیار کی جا رہی تھی ..... ڈاکٹر عبدالرب بھٹی کے قلم سے نیا سنسنی خیز سلسلہ

سرورق کے رنگ
زندگی کے محاذ پر ہر روز ایک نیا معرکہ منتظر ہوتا ہے..... بھول جانے والوں کی واپسی کا احوال..... نجمہ مودی کے قلم سے

اردگرد کا ماحول اپنا رنگ ضرور دکھاتا ہے..... رنگین و سنگین ماحول کے رنگ میں ڈوبنے والوں کا قصہ..... غلام قادر کے تیکھے انداز

چٹی نکتہ چینی
آپ کے تبصرے... مشورے... محبتیں... شکایتیں... اور نئی نئی دلچسپ باتیں... کتھائیں

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

ماں کی دبنگ طبیعت تھی، وہ اپنے آگے کسی کی سننا پسند نہیں کرتی تھیں اور بہت شور ڈالتی تھیں اور اسی ہنگامے سے وہ بچنا چاہ رہا تھا۔ اس معاملے میں عقل اس کا ساتھ نہیں دے رہی تھی اور حواس بھی ساتھ چھوڑ رہے تھے۔

سمیرا سے مشورہ لینا بھی بیکار تھا کیونکہ وہ اسے بزدلی کے طعنے دینے لگتی تھی۔ ویسے بھی سال دو سال کے عرصے میں وہ اچھی طرح جان گئی تھی کہ ظفر اس سے محبت کرنے کے باوجود روایات کے سامنے.... بے بس ہے۔ وہ گھر کے بڑوں سے خائف ہے جبکہ اس کی امی شافعہ ناز اس کی نہ صرف گہری سہیلی بلکہ رازدار بھی تھیں۔ وہ ہمیشہ بچوں کی خوشی کو فوقیت دیتی تھیں، اپنی نہیں ٹھونستی تھیں ان پر۔ پیار، محبت سے بے شک اپنی منوا لیتی تھیں مگر دھونس سے کبھی نہیں ڈراتی تھیں۔

ظفر خود تو کمرے میں چلا گیا اور اس کے اشارے پر حرمین جاسوس بن کر لاؤنج میں پہنچ گئی۔ جہاں آپا خاتون محفل جمائے بیٹھی تھیں۔ وہ نیلم اور امبر کے پاس جا کر بیٹھ گئی۔ دونوں نے کھسر پھسر کر کے مختصراً ساری بات بتا دی۔ حرمین کو یہاں کامیابی کے کوئی آثار نہیں لگ رہے تھے کیونکہ آپا خاتون لڑکی پسند کرنے کے بعد سے منگنی کا دن، تاریخ، دلہن کے کپڑے اور انگوٹھی وغیرہ سارے معاملات طے کر کے بیٹھی تھیں۔

''ارے حرمین، یہ ظفری کہاں ہے؟'' حرمین کو اکیلا دیکھ کر انہوں نے سوال کیا۔

''چاچو کے سر میں درد تھا، وہ اپنے کمرے میں چلے گئے۔'' اس نے تابعداری سے بتایا۔ وہ وہاں سب کے چہرے غور سے دیکھ رہی تھی۔ کومل، حورعین، محب، نیلم اور امبر وغیرہ سب ہی پُرجوش اور خوش لگ رہے تھے۔

''اب دیگر معاملات تو طے ہوتے رہیں گے۔ مَیں پہلے وکیل صاحب سے مزید رائے مشورہ کر لوں پھر جلد ہی یہ نیک کام کر لوں گی۔'' آپا خاتون نے اختتامیہ جملہ کہا۔

''اور کومل تم ذرا ظفری کے پاس چلی جاؤ۔ تصویر میرے پرس میں رکھی ہے۔ اسے دکھا بھی دو اور بتا بھی دو تاکہ وہ ذہنی طور پر تیار ہو جائے۔'' انہوں نے ازخود سارے فیصلے کر لیے تھے۔

حرمین تیز گام کی رفتار سے ظفری کے پاس پہنچی۔

''وہاں تو سب کچھ طے ہو چکا۔ اب بات کریں گے تو اور بگڑے گی۔ بیٹھے رہیں آرام سے اور وہاں سمیرا باجی آپ کے نام پر بیٹھی رہیں گی ساری عمر۔'' اس کی بات نے ظفری کے اعصاب چٹخا دیے۔

''شٹ اپ حرمین..... ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔'' اس نے سر دونوں ہاتھوں میں جکڑ لیا۔

''آپ آج ہی دادا سے بات کر لیں..... ورنہ سب غلط ہو جائے گا۔'' حرمین نے اسے اکسایا۔

''ان کی کب چلتی ہے..... پتھر پر لکیر ہوتی ہے تمہاری دادی کی بات۔'' اس نے غصے اور ناگواری سے کہا۔

''تو پھر امی اور پھپھو سے مدد طلب کریں اس طرح بیٹھے رہنے سے کچھ نہیں ہوگا۔'' حرمین نے طنزاً کہا۔

''مائی گاڈ..... آخر ایسی کیا جلدی پڑ گئی اماں کو..... ایک دم ہی.....'' وہ افسوس سے ہاتھ پر مکے مارنے لگا۔ رنج کے مارے اس کی آنکھیں سرخ ہو گئی تھیں اور چہرہ جذبات کی توڑ پھوڑ سے دہک رہا تھا۔

''کوئی جلدی نہیں ہے۔ وہ کب سے لڑکیاں دیکھ رہی ہیں آپ کو معلوم بھی تھا پھر بھی آپ نے کوئی اسٹیپ نہیں لیا۔'' حرمین کو اس پر ذرا ترس نہیں آ رہا تھا۔

کومل اور حورعین آگے پیچھے پُرجوش سی اندر داخل ہوئیں مگر ظفری کی شکل دیکھ کر چونک گئیں۔

''تمہیں کیا ہوا؟'' کومل نے تشویش سے ماتھے پر ہاتھ رکھا۔

''سر میں درد ہے چاچو کے۔'' حرمین نے اطلاع دی۔

''تمہیں تو بخار لگ رہا ہے۔'' کومل نے تپتی پیشانی سے ہاتھ کھینچ لیا۔

''لو..... ہم تو مٹھائی کھانے آئے تھے..... خوش خبری سنانے آئے تھے اور یہاں بنے میاں بیمار پڑے ہیں۔'' حورعین نے شوخی سے چھیڑا۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

''مگر معاملہ سیریس ہے۔'' حرمین ایک دم بول پڑی۔

''پہاچو بتائیں ناں۔'' بوکھلا کر اس نے ظفر کا [illegible] دیا۔

''ہائیں..... کیا بات ہوگئی..... کیا معاملہ..... [illegible] بتاؤ ظفری.....'' کومل نے بے چینی سے پوچھا۔

[illegible] حورعین کے چہرے سے بھی مسکراہٹ غائب ہو [illegible] اور فکر جھلکنے لگا۔ اپنے دونوں دیور اسے بہت [illegible] تھے کیونکہ وہ اس کا بہت خیال رکھتے تھے۔

''آپی..... مجھے یہاں شادی نہیں کرنی..... میں [illegible] اماں کو منع کیا تھا کہ ابھی ایسا کچھ نہ سوچیں۔'' اس [illegible] بات باندھی۔

''اوہو تو کیا ایسی قیامت آگئی، تم نے تو نازک [illegible] کو مات دے دی کہ شادی کی خبر سن کر بخار [illegible] خود کو..... ابھی تو صرف منگنی کررہی ہیں [illegible]'' کومل کے چہرے پر تشویش کی جگہ مسکراہٹ [illegible] لی۔ وہ کچھ اور سمجھ رہی تھی اصل معاملے کی تہ [illegible] پہنچ پائی تھی۔

''ابھی تصویر دیکھو گے لڑکی کی تو سارا بخار اتر جائے [illegible] خوب صورت ہے۔ ہوش ٹھکانے آجائیں [illegible]'' حورعین نے پھر چھیڑ چھاڑ شروع کردی۔

''آپ دونوں غلط سمجھ رہی ہیں۔ ایسی کوئی بات [illegible] ہے۔ نہ میں گھبرا رہا ہوں، نہ اس وجہ سے پریشان [illegible] اصل مسئلہ یہ ہے کہ میں سمیرا سے شادی کرنا [illegible] ہوں۔'' اس نے بلی تھیلے سے باہر نکال ہی دی۔

[illegible] تو دونوں ہکا بکا سی رہ گئیں۔

''یہ کیا کہہ رہے ہو..... اور اماں..... اماں تو ہرگز [illegible] کو قبول نہیں کریں گی۔ ان کی سوچ بہت پرانی [illegible] ہے۔ تم یہ بات جانتے بھی ہو۔'' کومل نے [illegible] کچھ جتایا۔

''اسی لیے..... اسی لیے میں یہ بات ان سے کر [illegible]، مجھے پتا تھا کہ وہ میری بات نہیں سنیں گی۔'' [illegible] نے بے بسی سے ہتھیلی پر مکا مارا۔

''بھلا اسی میں ہے کہ اب سب کچھ بھلا کر اماں کی بات مان لو۔'' کومل نے مشورہ دیا۔

''واہ..... خوب کہی میری مدد کرنے کے بجائے آپ مجھے الٹے سیدھے مشورے دے رہی ہیں۔'' وہ بگڑ کر بولا۔

''تو پھر..... اب ہم کیا کریں..... اماں کو بتا دیں جا کر کہ تم کسی اور کو پسند کرتے ہو؟'' حورعین نے پوچھا۔

''چچچ..... بھائی آپ بھی عجیب باتیں کررہی ہیں۔ آپ دونوں ان کو روکیں کسی بھی طریقے سے اس منگنی کو ٹال دیں۔ اس دوران میں ضرور کوئی راستہ نکال لوں گا۔'' اس نے دونوں کی طرف مدد طلب نظروں سے دیکھا۔

''تو یہ بات تم پہلے بتاتے ناں ہم کو..... اب تو سر پر آگئی ہے..... اماں تو ہتھیلی پر سرسوں جما رہی ہیں۔'' کومل سخت پریشانی سے بولی۔

''اب تو وہ اور بھی زیادہ شور مچائیں گی۔ اب تو لڑکی بھی مل گئی ہے۔ پہلے جب کوئی بات نہ تھی جب بولتے ناں۔'' حورعین نے بھی لتاڑا۔

''مجھے اندازہ نہیں تھا کہ وہ اتنی جلدی یہ کام کر گزریں گی۔'' وہ بیچارگی سے بولا۔

''جلدی..... یہ جلدی ہے پچھلے ڈیڑھ سال سے وہ اس مشن پر لگی ہوئی ہیں۔'' کومل نے بتایا۔

''اب تو کچھ نہیں ہوسکتا۔'' اس نے صاف انکار کردیا۔

''اگر دادی کو یہ پتا لگا کہ پسند کی لڑکی ہے تو اور ناراض ہوں گی۔ آپ لوگ ایسا کریں کہ سمیرا باجی کو خود ڈھونڈنے کی اداکاری کریں جیسے آپ دونوں نے بھی ایک لڑکی دیکھی ہے جو اس لڑکی سے زیادہ پیاری ہے اس طرح..... اس طرح منگنی کچھ دن اور ٹل جائے گی۔'' ایک دم حرمین نے مداخلت کرکے آنکھیں گھما کر بہت زیادہ ایکسائٹمنٹ کے ساتھ مشورہ دیا۔

کومل نے بغور بھتیجی کو دیکھا۔ وہ اپنی عمر سے کہیں بڑی اور بہت تیز لگ رہی تھی۔ اس کی گہری تنقیدی نظروں سے حورعین نے جز بز سی ہوکر حرمین کو گھورا۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

''بہت زبان چل رہی ہے تمہاری..... بڑوں کے درمیان مت بولا کرو۔'' وہ ڈپٹ کر بولی۔

''ویسے آئیڈیا تو اچھا ہے..... پلیز..... پلیز..... پلیز..... آپ لوگ میرا یہ کام کر دیں..... میں آپ کا منہ..... لڈو پیڑوں سے بھر دوں گا۔'' وہ کچھ بے فکر سا ہوا تو شوخی عود کر آئی۔

''اوں ہوں..... اگر ہمارا مشن کامیاب رہا تو صحیح والا محاورہ منہ ہیرے موتیوں سے بھر دوں گا پورا کرنا پڑے گا۔ سونے کا سیٹ لوں گی میں۔'' کومل نے جتایا۔

مگر اندر ہی اندر وہ ظفری کی اس بات پر خائف سی ہو گئی تھی۔ اسے اب ایک نیا اور بہت بڑا محاذ کھلتا نظر آ رہا تھا۔

''یہ تصویر اپنے پاس رکھ لو ایک نظر دیکھنا ضرور، ہو سکتا ہے وہ لڑکی اتنی خوب صورت نہ ہو جو تمہارے دل میں ہے۔'' چلتے، چلتے کومل نے زبردستی تصویر اس کے تکیے پر ڈال دی۔

اس نے تصویر پر نظر ڈالے بغیر اسے اٹھا کر دراز میں رکھ دیا اور خود بیڈ پر پاؤں پسار کر لیٹ گیا مگر اندر کی بے چینی اور بے قراری اتنی تھی کہ وہ بیزار ہو کر اٹھ گیا۔ دراصل وہ فوری کوئی ترکیب سوچ رہا تھا مگر کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ حواس اتنے شل ہو چکے تھے کہ کچھ بھی نہیں سوجھ رہا تھا۔ حرمین کے لیے تو یہ ایک دلچسپ ایڈونچر تھا اور بات بھی ایسی تھی کہ پیٹ میں گنگنی مشکل لگ رہی تھی۔ اس نے دونوں کزنز کو بشرطِ رازداری ساری بات بتا دی تھی۔ پہلے تو دونوں ہونقوں کی طرح اسے دیکھنے لگیں کیونکہ انہیں خود بھی یقین نہ آ رہا تھا مگر پھر جب بات دل و دماغ نے قبول کر لی تو اس سے سمیرا کا حلیہ اور شکل صورت معلوم کرنے لگیں۔ وہ تینوں سر جوڑے مستقل کھسر پھسر کر رہی تھیں کہ دادی کی نظر ان پر پڑ گئی۔

''یہ کیا کانا پھوسی لگا رکھی ہے تم تینوں نے؟'' وہ مشکوک نظروں سے دیکھنے لگیں۔

یہ بات سارے گھر کو پتا تھی سوائے وکیل صاحب، آپا خاتون اور جوجی کے۔ محب کو حورعین نے رات کو بتا دینا تھا۔

مغرب کا وقت قریب تھا۔ نماز کی تیاری کے لیے آپا خاتون نے سر پر دوپٹا لپیٹ لیا تھا مگر پھر ان تینوں کو دیکھ کر ٹھٹک گئی تھیں۔ کومل شاید کسی سے فون پر بات کر رہی تھی اور حورعین کچن میں رات کی دعوت کے لیے کھانا پکا رہی تھی۔ آپا خاتون نے صبح ہی کومل سے کہہ دیا تھا کہ رات کو اذان (داماد) یہاں کھانا کھائے گا۔ اپنے تئیں وہ گھر کے معاملات سیٹ کر کے اور ظفری کا معاملہ ایک طرف کر کے کافی مطمئن ہو گئی تھیں۔

''نماز کا وقت نکل رہا ہے۔ پہلے اٹھ کر نماز پڑھ لو بچیوں۔'' انہوں نے ملائمت سے ٹوکا۔

''اور حرمین..... تم آج کوچنگ نہیں گئیں۔'' حرمین کو وہاں دیکھ کر انہیں اچانک خیال آیا۔

عام طور پر پانچ بجے تک وہ ظفر کے ساتھ چلی جاتی تھی اور کبھی اس سے بھی پہلے۔

''آج نیلم باجی اور امبر آئی ہیں ناں اس لیے میں نے چھٹی مار لی۔'' وہ شوخی سے بولی۔

دراصل تو ظفر اسے خود لے کر نہیں گیا تھا کیونکہ اسے معلوم تھا کہ وہ پیٹ کی ہلکی ہے اور اگر سمیرا کو ساری تفصیل بتا دی تو وہ بھڑک جائے گی۔ وہ اکیلے میں سمیرا سے بات کرنا چاہتا تھا۔ اسے امید تھی کہ کومل اور حورعین اس کا مسئلہ حل کر دیں گی۔

''اچھا! اور یہ ظفری کب نکل گیا۔ ملا بھی نہیں مجھ سے..... وہی عادت ہے پرانی..... ختم تھوڑی ہو گی۔'' اس سے سوال کرتے، کرتے وہ عادتاً بڑبڑانے لگیں۔

''دادی ان کو کوئی ضروری کام تھا وہ جلدی چلے گئے تھے۔'' ایسا کہتے ہوئے حرمین کے چہرے پر معنی خیز سی مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

وہ نماز پڑھ کر فارغ ہوئیں تو وکیل صاحب لاؤنج میں بیٹھک جما چکے تھے۔ انہوں نے تفصیل سے انہیں ساری بات بتا دی۔ حورعین سے ظفری کے کمرے سے لڑکی کی تصویر بھی منگوا کر دکھا دی۔

''لوگ اچھے، خاندانی لگ رہے ہیں۔ زیادہ

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

مالدار نہیں ہیں مگر طور طریقے والے ہیں۔ بچی بھی.... ابھی ابھی ہوئی ہے۔ بی کام کیا ہے اس نے۔ پڑھی لکھی سمجھدار لڑکی ہے۔ مجھے ایسی ہی لڑکی کی تلاش تھی۔'' وہ تفصیل کے ساتھ تعریف بھی کرتی جا رہی تھیں۔

''ہاں بھئی، آپ دیکھیں، آپ جائیں، گزارہ تو آپ کو کرنا ہے اصل میں۔ واسطہ تو آپ کا پڑے گا اس سے۔ اچھی طرح دیکھ لیں ٹھوک بجا کر، کہیں بعد میں اس کی برائیاں، خامیاں گراں گزریں۔'' انہوں نے ہلکے پھلکے انداز میں طنز کیا۔

''اب ایسے تو میں نہیں پرکھ سکتی کسی کو..... بظاہر تو ٹھیک لگ رہے ہیں لوگ اور لڑکی بھی..... دل ٹھک رہا ہے میرا تو۔'' انہوں نے رضامندی ظاہر کی۔

''ہاں..... تو پھر بسم اللہ کریں..... صاحب زادے سے پوچھ لیں پہلے۔'' انہوں نے متانت سے کہا۔

''صاحب زادے ہاتھ لگیں تو پوچھوں..... پہلے تو آپ سے پوچھوں گی میں..... آپ باپ ہیں آپ کو ذرا بھی دلچسپی نہیں اس رشتے میں..... بس سن لیا اور رضامندی دے دی۔ کچھ آپ کی ذمے داری بھی ہے کہ چھان پھٹک کریں..... ہمیشہ کا یہی رہا ہے آپ کا، اپنا دامن صاف رکھتے ہیں اور مجھے الجھا کر رکھتے ہیں۔'' خبر لیتے، لیتے ان کا انداز شکوے والا ہو گیا۔

''ارے بھئی مجھے کیا پتا، یہ تو خالصتاً خواتین کا شعبہ ہے..... اب میں کیا بتاؤں جب کچھ شُد بُد... ہی نہیں۔'' وہ بیچارگی سے بولے۔

''ابا آپ کہاں تھے دوپہر سے؟'' کومل بھی وہیں چلی آئی۔ ان کے پاس بیٹھ کر اس نے ان کے کاندھے پر سر رکھ کر پوچھا۔

کومل سے ہمیشہ سے انہوں نے بہت لاڈ پیار کیے تھے۔ دونوں میں کمال کی ذہنی ہم آہنگی تھی۔ شادی سے پہلے جب آپا خاتون کسی غلط بات پر بضد ہو کر غلطی وکیل صاحب کے کھاتے میں ڈالنے کی کوشش کرتیں تو وہ ڈھال بن جاتی تھی اور جب کبھی اس کے ساتھ ایسا ہوتا تو وکیل صاحب اس کی حمایت کرتے تھے۔ اسے اب بھی ایک ہمنوا چاہیے تھا جو اس کی بات کی تائید کرے۔

''میں ذرا ملک صاحب کے پاس گیا تھا ان کی عیادت کو..... گر پڑے بیچارے بہت چوٹ آئی ہے انہیں۔ ویسے میں ان کے پاس زیادہ نہیں جاتا اور اب تو جانا مجبوری تھی کیوں بیگم؟'' انہوں نے بلاوجہ کی لمبی چوڑی تاویل دے کر مسکرا کر بیوی کو دیکھا۔

انہیں معلوم تھا کہ دوستوں میں جانے سے وہ ہمیشہ سے ہی چڑتی تھیں۔ ان کی معصومانہ طنزیہ تاویل پر آپا خاتون نے کسمسا کر پہلو بدلا مگر بہرحال ابھی آڑے ہاتھوں لینے کا موقع نہ تھا سو چپ رہیں۔

''سنا ہے گھر میں کچھ ہلچل سی ہے۔ کوئی خوشی کی خبر ملی ہے مجھ کو بھی۔'' وکیل صاحب نے کومل سے پوچھا۔

''جی ابا..... بس وہی بات کرنے آئی تھی میں بھی۔'' کومل کو بات شروع کرنے کا موقع مل گیا۔

''میں تو کہہ رہا ہوں اگر تم لوگ مطمئن ہو تو بسم اللہ کرو.....'' انہوں نے اجازت دی۔

آپا خاتون نے تائیدی نظروں سے کومل کو دیکھا۔

''جی ابا..... وہ مگر میرے پاس ایک اور آپشن بھی ہے۔ ابھی، ابھی اذان سے بات ہو رہی تھی میری تو مجھے یاد آیا کہ ان کے..... ایک دوست کی بیٹی بھی بہت اچھی لڑکی ہے خاندان بھی اچھا ہے میرا خیال ہے کہ ہم اس لڑکی کو بھی ایک نظر دیکھ لیں۔'' اس کی بات پر آپا خاتون ہکا بکا سی اسے دیکھتی رہ گئیں۔

''ابھی تھوڑی دیر پہلے تو تم نے کچھ نہیں بتایا تھا مجھے اب یہ لڑکی کہاں سے آ گئی۔'' وہ بدمزہ سی ہو گئیں۔

''وہی تو اماں..... بس ابھی تو اذان سے بات ہوئی تو اس دوست کا تذکرہ نکل آیا تو مجھے بھی خیال آ گیا۔'' کومل نے بمشکل بات بنائی۔

''ہاں مگر میرا خیال ہے کہ جب یہ لڑکی ہر لحاظ سے ٹھیک لگ رہی ہے تو کوئی ضرورت نہیں مزید خوار ہونے کی۔ بھئی جتنا چھانو اتنا ہی کرکرا نکلتا ہے۔ میں تو یہ جانتی ہوں بس۔'' انہوں نے جیسے آخری مہر ثبت کی۔

''مگر اماں ایک بار دیکھنے میں کیا حرج ہے؟ میرا

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

دل کہہ رہا ہے کہ یہاں لڑکی دیکھنے ضرور جانا چاہیے۔ بہت تعریف سنی ہے میں نے اس کی۔ بہت حسین لڑکی ہے۔'' اس نے زمین و آسمان کے قلابے ملا دیے۔

''ہوگی..... میں تو بس یہ دعا مانگتی ہوں صورت اچھی ہو نہ ہو نصیب اچھا ہو اس کا۔''

''جی اماں..... آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ تو پھر کس دن چلیں؟'' اس نے فوراً اپنے مطلب کا سوال کیا۔

''آج تو میں تھک گئی۔ کل کا دن چھوڑ کر رکھ لو کوئی دن۔'' انہوں نے نیم رضامندی سے کہا۔

کومل کے چہرے پر اطمینان در آیا۔ ان کا منصوبہ کامیاب رہا تھا۔ آگے بھی اچھی امید تھی۔ ظفر کے ساتھ مل کر اس نے یہی منصوبہ بنایا تھا کہ سمیرا کو اذان کے دوست کی بیٹی ظاہر کر کے ملوایا جائے اور اسے ارینج میرج ظاہر کیا جائے تاکہ آپا خاتون کو کوئی اعتراض نہ ہو۔ اس نے اسی وقت ظفر کو فون کر کے کامیاب ہونے کی پوری امید دلا دی۔ رات گئے اس کی واپسی ہوئی۔ اذان اور ناصر کے آنے کے بعد بھی دیر تک محفل جمی رہی۔ آج تو ظفر بھی ان کے سب کے ساتھ پُرسکون سا ہو کر بیٹھ گیا تھا۔

اگلے دو دن بعد سمیرا کے گھر جانے کا پروگرام تھا مگر برا ہو نصیب کا کہ آپا خاتون جس لڑکی کو دیکھ کر آئی تھیں ان لوگوں نے فون کر کے اپنی آمد کے بارے میں بتا دیا۔ وہ ان کے گھر سے چلتے وقت اپنے گھر آنے کی دعوت دے کر آئی تھیں اور اب جب انہوں نے آنے کو کہا تو منع نہ کر سکیں۔

''وہاں پھر کسی اور دن چلے جائیں گے۔'' انہوں نے کمالِ اطمینان سے کومل سے کہہ دیا۔

لڑکی والے اپنے ساتھ کچھ معزز رشتے داروں کو بھی لے کر آئے تھے اور لڑکی کی چچی سلیمہ سے مل کر تو آپا خاتون کی خوشی کا ٹھکانا نہ رہا۔ وہ ان کی شادی سے بھی پہلے کی پرانی پڑوسن نکلیں۔

''ارے یہاں تو سب میرے اپنے نکل آئے۔ اچھا تو صاعقہ بہن تمہاری جیٹھانی ہیں یہاں تو ایک رشتے سے نیا رشتہ بن رہا ہے بہت خوب..... خدا کی قدرت ہے یہ۔'' وہ سر دُھن رہی تھیں۔

کومل بے بسی اور بے چینی سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ ڈوراب ہاتھ سے نکلتی نظر آ رہی تھی۔ آپا خاتون کے تیور صاف بتا رہے تھے کہ اب وہ اس رشتے کو ہرگز نہ چھوڑیں گی۔

اس کا اندازہ سو فیصد درست ثابت ہوا۔ آپا خاتون کل کا انتظار کیے بغیر آج ہی شگن کرنے پر تیار تھیں مگر ابھی منگنی کے لوازمات درکار تھے۔ سو چار دن کے بعد کی منگنی کی تاریخ بھی اسی وقت سیٹ کر لی۔ ڈرائنگ روم میں سب کھلکھلا اور مسکرا رہے تھے اور باہر کومل فکرمندی سے ظفر کو فون کر کے صورتِ حال بتا رہی تھی۔

''اب میں کچھ نہیں کر سکتی..... اماں نے ایک دم ہی فیصلہ دے دیا۔ بیٹھے، بیٹھے تاریخ طے کر دی۔ میں دیکھتی رہ گئی..... سوری ظفری.....'' کومل کا لہجہ بھیگ سا گیا۔

اسے یہی ملال کھائے جا رہا تھا کہ وہ بہن ہونے کے ناتے بھائی کے لیے کچھ نہ کر سکی۔ گھر میں ایک دم گہما گہمی کا سماں ہو گیا۔ آپا خاتون پُرجوش سی بازاروں کے چکر لگا رہی تھیں اور ظفر خاموش تماشائی بنا بے بسی کی تصویر بنا سب دیکھ رہا تھا۔ اس کا دماغ ماؤف ہو رہا تھا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اماں کو کیسے روکے۔

''میں آج کل بہت مصروف ہوں اماں..... ابھی منگنی کی تاریخ نہ رکھیں۔'' اس نے دبے، دبے سے انداز میں آپا خاتون سے کہا۔

''ہاں میاں..... تمہارا کوئی کام بھی نہیں، سب کچھ میں سنبھالوں گی۔ بس تم دولھا بن کے بیٹھ جانا۔'' وہ حد سے زیادہ خوش لگ رہی تھیں۔ بڑی ترنگ میں آ کر جواب دیا۔

ظفر کو اپنے جسم سے جان نکلتی محسوس ہو رہی تھی۔ حرمین اس سے ہمدردی کے بجائے نمک پاشی کر رہی تھی۔

''چاچو..... جب کچھ کر نہیں سکتے تھے تو پھر سمیرا باجی کو آس کیوں دلائی تھی؟'' اس نے بے خوفی سے اس کی آنکھوں میں جھانک کر سوال کیا۔

اور شاید اسی نے سمیرا تک یہ تمام خبریں پہنچائی

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

تھیں کہ سمیرا کا گرما گرم فون سن کر اس کے کانوں سے دھواں نکلنے لگا۔ باہر آیا خاتون میلا سجائے، چمکیلے کپڑوں کی دکان لگائے بیٹھی تھیں اور ظفر جیسے ریزہ ریزہ ہو کر بکھر رہا تھا۔ اسے چائے کی شدید طلب ہوئی وہ کمرے سے باہر آیا تو چہار سو رنگ، رونقیں دیکھ کر اسے وحشت ہونے لگی وہ یونہی بے اختیار گھر سے باہر نکل گیا۔ وہ کہاں جا رہا تھا اسے معلوم نہ تھا۔ اسے کس سمت جانا چاہیے، وہ کچھ بھی نہیں سوچ رہا تھا۔ وہ وقتی طور پر سوچ و فکر پر سے اختیار کھو چکا تھا۔

وہ شام کو تھکی ہاری گھر لوٹی تھیں مگر اندر کی سرشاری، محبت اور لگن کا جذبہ انہیں مستقل مصروف رکھ رہا تھا۔ ڈھیروں شاپرز سے لدی پھندی وہ وہیں صوفے پر ڈھیر سی ہو گئیں۔ ایک ڈیڑھ گھنٹا تو انہیں بحال ہونے میں لگ گیا۔ حورعین نے چائے بنا کر دی، اسے پی کر کچھ دم میں دم آیا۔ انزلہ کو پرس سے چاکلیٹ نکال کر دی اور حرمین کے لیے بہت خوب صورت سا ہیئر کلپ لے کر آئی تھیں جیسے کوئی بادشاہ خوشی کے موقع پر رعایا کو انعام و اکرام دیتا ہے اس وقت ان کی وہی حالت تھی۔

اس کے بعد انہوں نے کومل کو فون ملایا۔ کل بھی اسے فون کیا تھا مگر وہ بھائی کی حالت کا سوچ کر خوش ہی نہیں ہو پا رہی تھی سو بہانہ بنا کر نہیں آئی۔ اب بھی وہ امبر کی طبیعت کی خرابی کا بہانہ بنا کر آنے سے منع کر رہی تھی۔

''ارے تو..... آ کر کپڑے وغیرہ تو دیکھ لو..... مشورہ دے دو کوئی..... بھائی کا رشتہ ہو رہا ہے، کیا تم کو خوشی نہیں ہو رہی؟'' انہوں نے خفگی سے کہا۔

''ٹھیک ہے اذان کے ساتھ رات کو چکر لگا لوں گی۔ ابھی تو مشکل ہے۔'' اس نے زبردستی ہامی بھری۔

''حرمین..... حرمین.....'' انہوں نے وہیں سے اسے کئی آوازیں دیں۔ اس عجیب سی خاموشی سے انہیں کچھ الجھن ہونے لگی تھی ایسا لگ رہا تھا جیسے کسی کو اس رشتے سے کوئی دلچسپی ہی نہیں ہے مگر وہ اپنی خوشی میں کچھ ایسی مگن تھیں کہ ایک لمحے کو دھیان آیا اور چلا بھی گیا۔

حرمین بھی کئی آوازوں کے بعد ان کے پاس آئی تھی۔

''کہاں گھسی رہتی ہو؟ آواز نہیں آ رہی میری؟'' وہ ڈانٹنے لگیں۔

''پڑھ رہی تھی دادی.....'' اس نے سپاٹ سے انداز میں کہا۔

''ہاں، بڑی پڑھاکو..... گھر میں خوشی ہے اور سب اپنے کاموں میں لگے ہیں۔ اماں کہاں ہیں تمہاری..... انہیں بھیجو، یہ سب سامان ٹھکانے سے رکھواؤں۔'' انہوں نے حرمین کے سنجیدہ سے انداز پر دھیان دیے بغیر آرڈر دیا۔

حورعین نے ساری شاپنگ سنبھال کر رکھی۔ اس کے بعد وہ عشا کی نماز کے لیے اٹھ گئیں۔ وضو کر کے آئیں تو ظفری کا خیال آیا۔

''آج تو صبح سے شکل ہی نہیں دکھائی..... پتا نہیں کہاں مصروف رہتا ہے۔'' انہوں نے سوچتے ہوئے گھڑی دیکھی جو رات کے دس بجا رہی تھی۔

''پھر چلا گیا ہوگا دوستوں میں..... بڑی بری عادت ہے..... باپ پر چلا گیا اپنے۔'' وہ اس کے متعلق سوچتی بڑبڑاتی نماز پڑھنے کھڑی ہو گئیں۔ تھکن کی وجہ سے رات کا کھانا انہوں نے گول کر دیا تھا۔ صرف دودھ ڈبل روٹی کھائی تھی۔ ان کی نماز کے دوران سب نے کھانا بھی کھا لیا۔ نماز سے فارغ ہوئیں تو کومل کی طرف دھیان چلا گیا۔

''ابھی تک نہیں آئی۔'' انہوں نے بے صبری سے فون ملا دیا۔

''آ رہی ہوں اماں..... بس نکل رہی ہوں..... اذان دیر سے آئے آج۔'' اس نے مختصر بات کر کے فون بند کر دیا۔

نہ جانے کیا بات تھی عجیب بے کلی ہو رہی تھی ان کو..... ایک اضطراب اور گھٹن سی ہو رہی تھی۔

''یہ ظفر کہاں رہ گیا؟'' وہ شاید اسی کی راہ دیکھ رہی تھیں۔

''آ جائے گا اماں..... اکثر دیر سے ہی آتا ہے۔'' محبت نے ٹی وی دیکھتے ہوئے بے فکری و..

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

بے پروائی سے کہا۔

''فون ملاؤ اسے..... روز کا یہی ہو گیا اس کا۔'' انہیں بلاوجہ غصہ آنے لگا۔ کومل نے بھی آنے میں دیر کر دی تھی۔ تین دن بعد منگنی کی رسم تھی اور وہ سب ایسے روکھے بنے ہوئے تھے جیسے منگنی گھر میں نہیں پڑوس میں ہو رہی ہو۔

''بیل جا رہی ہے..... فون نہیں اٹھا رہا۔'' محبّ نے اطلاع دی۔

''مصروف ہو گا۔ آجائے گا۔'' وکیل صاحب اسی وقت آئے تھے۔

''ہاں دوستوں میں مصروف ہو گا..... آج آجائے..... خبر لوں گی اس کی۔ کوئی پروا ہی نہیں۔ گھر میں کیا ہو رہا ہے، ذمّے داری کا احساس ہی نہیں۔'' انہیں غصہ آنے لگا۔

''چاچو کا فون تو ان کے کمرے میں بج رہا ہے۔'' حرمین موبائل اٹھائے چلی آئی۔

''ہا..... لو دیکھو..... کتنا غیر ذمّے دار ہے..... اب ہم پریشان ہیں، کوئی بات کرتی ہو..... تو کیسے کریں۔'' وہ اور بھی زیادہ تنک گئیں۔

''اسے تو اکثر دیر ہو جاتی ہے..... آپ کیوں ہلکان ہو رہی ہیں۔ تھک گئی ہوں گی، اب لیٹ جائیں بیگم۔'' وکیل صاحب کے مفت مشورے پر قدرے برا مان کر ان کو دیکھا۔

''ابھی کومل آرہی ہے میں نے ہی بلایا ہے اسے۔'' انہوں نے اطلاع دی۔

''آ..... چھا..... اچھا..... کافی دیر کر دی۔ فون کر کے پوچھ لو محبّ کہ وہ روانہ ہوئی یا نہیں۔'' انہوں نے محبّ سے کہا۔

محبّ ابھی نمبر ملا ہی رہا تھا کہ کومل کی آمد ہو گئی۔ آپا خاتون اسی کے انتظار میں بیٹھی تھیں کچھ دیر بعد انہوں نے اپنی ساری شاپنگ نکال کر دکھائی۔

''ارے اماں..... یہ تو بہت ہی پیارا سوٹ ہے۔'' اسے سوٹ پسند آیا۔

''ہوں..... کھلے گا اس کی رنگت پر۔'' وہ خوش ہو گئیں۔

اس کی تعریف سے محنت وصول ہو گئی تھی۔

کومل ایک ڈیڑھ گھنٹے تک بیٹھی۔ ظفر کا اب بھی پتا نہ تھا۔ موبائل بھی گھر پر تھا۔ پھر وہ کہاں چلا گیا تھا۔ انہیں بار، بار وسوسے آرہے تھے۔

''حد کر دی ظفری نے..... اب کھونٹے سے باندھ دیا دیکھو کیسے سیدھا ہوتا ہے۔'' وہ خود کو خود ہی تسلی دیتی جا رہی تھیں۔ مگر نہ جانے کیسی گھبراہٹ سی سوار تھی کہ ہول سے اٹھ رہے تھے کچھ ہی دیر میں ان کا دل اچاٹ ہو گیا۔

''آخر ظفری کہاں رہ گیا؟'' وہ بار، بار یہی جملہ دُہرائے جا رہی تھیں۔ باہر گلی میں کسی بچے نے زور سے پٹاخا پھوڑا، ہلکے سے دھماکے کی آواز سے دہل گئیں۔

''خدا خیر..... خدا خیر..... ظفری خیریت سے ہو۔'' وہ حد سے زیادہ فکر مند نظر آنے لگیں۔

کومل بھی جانے کے لیے اٹھ گئی مگر ظفر کا کچھ پتا نہیں تھا۔

''آجائے گا اماں..... اس کی تو پرانی عادت ہے یہ۔'' اس کا اپنا دل بھی گھبرا رہا تھا مگر اوپر سے مضبوط بن کر ماں کو تسلی دی۔

وہ اذان کے ساتھ دروازے پر پہنچی ہی تھی کہ ہلکی سی کلک کے ساتھ لاک کھلا اور ادھ کھلے دروازے سے ظفر کی جھلک دیکھ کر سب نے سکون کی سانس لی مگر اگلے پل سب کی اوپر کی سانس اوپر اور نیچے کی نیچے رہ گئی۔ اس کے ساتھ بنی سنوری، نک سے سک تک تیار سمیرا کھڑی تھی۔

''ظفری..... یہ..... یہ..... کیا؟'' کومل سے بولا ہی نہ گیا۔

سامنے کا منظر بالکل صاف تھا۔ سمیرا بڑے حق سے ظفری کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے کھڑی تھی۔ کچھ سمجھانے اور بتانے کی ضرورت نہ تھی مگر پھر بھی ظفری نے مسکراتے ہوئے تعارف کرا دیا۔

''میری بیوی سمیرا.....'' اس نے مختصراً کہا۔

''کیا.....!'' ایک ساتھ کئی آوازیں ابھریں۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

ان سب سے کچھ فاصلے پر کھڑی آپا خاتون پتھر کی مورت بنی فکر، فکر ظفر اور سمیرا کو دیکھ رہی تھیں۔ وہ کھلی آنکھوں سے حقیقت دیکھ رہی تھیں مگر اس پر یقین نہیں آرہا تھا۔ اور ظفری سے ایسے کسی اقدام کی ان کو بالکل امید نہ تھی۔ ظفری نے نہ صرف ان کے اعتبار کو ٹھیس پہنچائی تھی بلکہ ان کے مان کو بھی خاک میں ملا دیا تھا۔

ایک نئی جنگ، نیا محاذ کھل گیا تھا جس کا انجام بالکل بھی اچھا نظر نہیں آرہا تھا۔

''نکل جاؤ میرے گھر سے..... دفع ہو جاؤ یہاں سے اپنی شکل لے کر.....'' وہ زخمی شیرنی کی طرح غرائیں۔

انہیں کسی سے فیصلہ لینے کی اور کسی کی مرضی جاننے کی ضرورت نہ تھی کہ وہ اس گھر پر بے تاج حکمرانی کرتی آئی تھیں۔ ان کے ہر فیصلے پر سر خم کر دیا جاتا تھا اور آج ان کی اولاد سر اٹھائے باغی بنی ان کے سامنے ڈٹی کھڑی تھی۔

''اس گھر میں قانونی حصے دار ہوں میں، آپ کو کوئی حق نہیں کہ مجھے اس گھر سے نکالیں۔'' اس نے تن کر جواب دیا۔

اس کے یوں بولنے پر آپا خاتون ایک لمحے کو سناٹے میں آگئیں۔ دل میں کہیں تیز ٹیس سی اٹھی۔ ظفر اپنی غلطی پر نادم تھا نہ پچھتاوے کا شکار۔ اس نے تو کوئی صفائی دینے کی کوشش بھی نہیں کی تھی۔

''یہ کیا حرکت ہے ظفر..... بند کرو یہ ڈراما، اور جو سچ ہے وہ بتاؤ۔'' بیوی کی غیر ہوتی حالت دیکھ کر وکیل صاحب گرج پڑے۔

''ابا..... یہ ڈراما نہیں حقیقت ہے..... سمیرا میری قانونی بیوی ہے اور شرع نے مجھے پورا حق دیا ہے کہ میں اپنی مرضی سے شادی کروں۔'' اس نے بہت بے خوفی سے ان کی آنکھوں میں دیکھ کر کہا۔

''مگر یہ کوئی طریقہ نہیں ہے شادی کرنے کا۔ تمہیں گھر میں بتانا چاہیے تھا۔'' محب نے بھی اسے لتاڑا۔

''والدہ محترمہ سنتی کب ہیں؟ کچھ کہنا بیکار ہی تھا۔ مجھے جو ٹھیک لگا میں نے وہی کیا۔'' اس نے دوبدو

غزل

بات کرتی ہوں میں محبت سے
ملنا پڑتا ہے مجھ کو چاہت سے

یہ چلن عام ہے زمانے میں
لوگ ملتے ہیں سب ضرورت سے

اس کے انداز ہی نرالے ہیں
مجھ سے ملتا ہے اک ندرت سے

یہ تو نیندیں اُڑا کے رہتی ہے
کون واقف نہیں محبت سے

میں بھی تائید اس کی کرتی ہوں
وہ مجھے دیکھتا ہے چاہت سے

اس نے پھر مجھ سے روٹھ جانا ہے
دل ہے آگاہ اسی روایت سے

جس کو جلنا ہو وہ جلے ہر دم
جی رہی ہوں بڑی سہولت سے

ابھی کچھ کام گھر کا باقی ہے
اس کو سوچوں گی میں تو فرصت سے

خوب آتا ہے سب کی باتوں میں
وہ ہے مجبور اپنی عادت سے

اس کی قیمت بہت ہی زیادہ ہے
باز آئی شگفتہ شہرت سے

کلام: شگفتہ شفیق

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

جواب دیا۔

کومل اور حورعین کو سانپ سونگھ گیا تھا۔ سب سے بڑا خوف یہ تھا کہ کہیں ظفر ان کا نام نہ لے لے مگر اس نے ایسا کچھ نہ کیا بس سمیرا کا ہاتھ تھام کر پورے اعتماد اور کمال ڈھٹائی سے اندر کی طرف بڑھ گیا۔

''مجھے یہاں رہنے سے کوئی نہیں روک سکتا..... آؤ سمیرا۔'' وہ سمیرا کو لے کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

پیچھے گہرا سکوت، افسردگی اور ملال بھری دھند پھیل گئی۔ اس سے پہلے کہ آپا خاتون لڑکھڑا کر گر پڑتیں جوجی نے آگے بڑھ کر انہیں سنبھال لیا..... وہ بے ہوش ہوگئی تھیں۔

بڑے کمرے میں سب جمع تھے۔ آپا خاتون کے چہرے پر پانی کے چھینٹے مارے گئے مگر وہ ہنوز بے سدھ تھیں۔ کومل کو کچھ خیال آیا تو ان کی ناک پکڑ کر دبائی۔ ایک دو بار کرنے سے بالآخر ان کے ساکت وجود میں غیر محسوس سی حرکت ہوئی سب کے چہروں پر سکون در آیا۔ وکیل صاحب جو بے دم سے کرسی پر سر گرائے بیٹھے تھے وہ بھی سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔ انہوں نے زیر لب کچھ آیات پڑھیں اور آپا خاتون پر دم کیا۔ سب آپا خاتون کے گرد جمع تھے اور حرمین بھی وہیں ایک کونے میں کھڑی ششدر سی یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ دراصل حالات کچھ اس تیزی سے بدلے کہ وہ کچھ سہم سی گئی تھی۔

سمیرا کو ایک، ایک پل کی رپورٹ وہی دے رہی تھی۔ جس وقت ظفر گھر سے نکلا تھا اس سے کچھ دیر پہلے ہی سمیرا نے اسے ٹیسکٹ کیا تھا کہ وہ اس کے گھر کے قریب پہنچ رہی ہے۔ ظفر سے کہو باہر آ کر اس سے مل لے اور وہ سمیرا کے اس مطالبے پر چیں بہ جبیں سی بیٹھی تھی۔ اسے ڈر تھا کہ ظفر چاچو اسے ڈانٹیں گے کہ اس نے ہر بات سمیرا کو کیوں بتائی، اِدھر یہ خوف بھی تھا کہ کہیں سمیرا بیچ سڑک پر کوئی تماشا کھڑا نہ کر دے ابھی وہ اسی شش و پنج میں تھی کہ اس نے ظفر کو کمرے سے نکلتا دیکھا اور جب وہ گھر سے باہر نکلا تو اس نے سمیرا کو بھی بتا دیا کہ چاچو گھر سے باہر جا رہے ہیں اس کے بعد کیا ہوا یہ وہ نہیں جانتی تھی بس اسے ایک اطمینان تھا کہ ظفر اور سمیرا مل کر شاید مسئلے کا کوئی حل نکال لیں۔

اُدھر ظفر جب حالتِ خود فراموشی میں گھر سے نکلا تو پیدل ہی بے سوچے چل پڑا۔ سمیرا حیران سی اس کا پیچھا گاڑی میں کرتی رہی۔ اسے وہ ٹھیک نہیں لگ رہا تھا۔ اس کی چال غیر متوازن سی تھی جیسے مدہوشی میں ہو۔ وہ سڑک پر چلتے تیز ٹریفک کی پروا نہ کرتے ہوئے کسی دیوانے کی طرح جھومتا سا گاڑیوں کے درمیان پہنچ گیا۔ سمیرا کی سانس اوپر کی اوپر اور نیچے کی نیچے رہ گئی۔ دو تین گاڑیوں کے بریک چرچرانے کی آواز فضا میں گونج اٹھی۔ ایک گاڑی کٹ مار کر تھوڑا لہراتی آگے نکل گئی اور ظفر معجزانہ طور پر بچ گیا۔ گاڑیوں میں بیٹھے لوگ ہارن بجا کر اسے متوجہ کرنے لگے اور ساتھ ہی برا بھلا بھی کہتے رہے۔ وہ بدحواس ہو کر ان کو دیکھنے لگا جیسے ابھی خواب سے جاگا ہو۔ پھر تیزی سے کنارے کی طرف آ گیا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔ وہ ارد گرد ایسے دیکھ رہا تھا جیسے اسے کچھ سمجھ نہ آ رہا ہو۔ وہ سر جھکائے بے سمت چلے جا رہا تھا کہ دفعتاً سمیرا کی گاڑی اس کے قریب رکی۔

''ظفر..... ظفری..... ظفری.....'' سمیرا نے اسے پکارا۔

''آؤ..... اندر بیٹھو۔'' اس نے فرنٹ ڈور کھول دیا۔

ظفر کسی روبوٹ کی طرح گاڑی میں بیٹھ گیا۔ وہ اسے سیدھا گھر لے گئی۔ جہاں شافعہ ناز اس کی بری حالت دیکھ کر حیران رہ گئیں۔ سمیرا نے ان کو ساری صورتِ حال تفصیل سے بتا دی۔ ظفر کی حالت ان کے سامنے تھی چائے پی کر اس کے اوسان کچھ بحال ہوئے تھے۔

''تم دونوں کو یہ قدم پہلے اٹھانا تھا کہ منگنی کی نوبت ہی نہ آتی۔'' انہوں نے دونوں ہی کو لتاڑا۔

''امی..... یہ ظفری ہی منع کر رہے تھے کیونکہ ابھی انہوں نے گھر میں ذکر ہی نہیں کیا تھا۔'' سمیرا نے سارا الزام اسی پر دھر دیا اور یہی سچ بھی تھا۔

''میم..... میں اماں کے سامنے اسٹینڈ نہیں لے

Waqar Azeem
Pakistanipoint.Com

سکتا۔ میں ڈرتا ہوں کہ اگر انہوں نے ایک بار نہ کردی تو پھر کبھی وہ ہاں میں نہیں بدلے گی۔ میں کوئی ایسا طریقہ سوچ رہا تھا کہ اماں کو منالوں۔'' وہ بیچارگی سے بولا۔

''تم کو اپنے کسی بھائی، بہن کو اس راز میں شریک کرکے ان سے مشورہ کرنا چاہیے تھا۔'' شافعہ ناز نے اس کی بے عقلی پر سر پیٹ لیا۔

''لیکن اب سر پر آگئی ہے..... وہ میری منگنی کررہی ہیں اور میں سمیرا کے بغیر..... مطلب سمیرا اور میں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔'' وہ بچوں کی طرح رونکھا سا ہورہا تھا۔

''مگر ظفری میری بیٹی گری پڑی نہیں کہ میں ان چاہی بہو بنا کر اسے وہاں بھیج دوں، میری اپنی بھی ایک عزت ہے۔'' معاملے کی گہرائی کو سمجھنے کے باوجود وہ خود پر آنچ نہیں آنے دینا چاہتی تھیں۔

''میم..... صرف ایک بار ہی ہوگا جو ہوگا اس کے بعد سب معاملہ ٹھنڈا ہوجائے گا..... میں چاہتا ہوں کہ سمیرا اور میرا نکاح ہوجائے۔'' اس نے بچکانا سی تجویز دی۔

''یہ کوئی گڈے گڑیا کا کھیل نہیں ہے۔ رشتے ایسے نہیں بنتے۔ تمہاری ماں راضی نہیں مگر کوئی دوسرا تو سرپرستی کرے۔ یہ بالکل مناسب نہیں۔ امپاسیبل۔'' میم نے صاف انکار کردیا۔

''مگر امی ہمیں اس منگنی کو روکنا ہے۔'' سمیرا نے بلک کر ان سے درخواست کی۔

''تو یہ کوئی طریقہ نہیں..... اور میرا خیال ہے کہ منگنی ہونے دو۔ منگنی کی قانونی و شرعی کوئی حیثیت نہیں۔ منگنی ٹوٹ بھی سکتی ہے بعد میں دیکھتے ہیں اور کرتے ہیں کچھ۔'' انہوں نے اس بات کو خاص اہمیت نہ دی تھی۔

''مگر میم..... اگر منگنی ہوگئی تو پھر یہ بات پتھر پر لکیر ہوجائے گی اماں..... اماں اسے اپنی انا کا مسئلہ بنا لیں گی۔'' اس نے تڑپ کر ان کی بات رد کی۔

''مسئلہ تو آل ریڈی ہے ہی..... جب ماں راضی نہیں تو پھر مسئلہ تو بنے گا ہی۔'' ان دونوں کی جذباتی باتوں کو وہ سمجھ نہیں پارہی تھیں۔

''مگر امی جو مسئلہ ابھی ہے وہ بھی تو حل کرنا ہے ناں۔'' سمیرا نے زور دے کر کہا۔

''کیسے حل کروں؟ کیا بیٹی کو گھر سے بھگا دوں راتوں رات..... بیکار باتیں مت کرو سمیرا۔'' انہیں غصہ آگیا۔

''غلطی ظفر کی ہے۔ اسے یہ ایشو پہلے اٹھا لینا چاہیے تھا اب کچھ نہیں ہوسکتا۔'' انہوں نے سختی سے مخالفت کی۔

''مگر ڈراما تو ہوسکتا ہے ناں..... ونڈرفل..... آ گریٹ آئیڈیا۔'' کہتے، کہتے سمیرا کی آنکھیں چمکنے لگیں اور وہ صوفے سے اٹھ کر خوشی کے مارے ایک گول چکر لگا کر انہیں دیکھنے لگی۔

''کیا مطلب؟'' انہوں نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''نکاح نامہ کون دیکھے گا امی..... میں ابھی ظفر کے ساتھ چلی جاتی ہوں اس کے گھر۔ ہم یہ ظاہر کریں گے کہ ہم نے شادی کرلی۔'' سمیرا نے تجویز دی۔

شافعہ ناز کا چہرہ خجالت اور غصے سے سرخ ہوگیا۔

''یہ کیا بک رہی ہو الٹا سیدھا..... نکاح کا مطلب سمجھتی ہو؟'' انہوں نے درشتی سے سوال کیا۔

ایک لمحے کو اس کی چلتی زبان رک گئی۔ بات کی گہرائی میں گئے بغیر اس نے تجویز دے دی تھی اور اب شرمساری سر جھکائے بیٹھ گئی۔

''میم..... انٹروڈکشن کی حد تک یہ ڈراما سپرہٹ ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ اس بات پر بڑا ہنگامہ ہوگا۔ میں سمیرا کو کچھ ہی دیر میں یہ کہہ کر واپس لے آؤں گا کہ وہ برا مان کر جارہی ہے اور پھر آگے.....'' اس نے چٹکی بجائی، نت نئے خیالات سے اس کا چہرہ روشن ہوگیا۔

''آگے میں سب سنبھال لوں گا۔ بات بن جائے گی لیکن آپ کی سرپرستی اور رضامندی کے بغیر ہم کچھ نہیں کریں گے۔'' ظفر نے ایک پل میں جانے کیا، کیا سوچ لیا تھا۔

''امی پلیز.....'' سمیرا ان کے گلے میں جھول گئی۔

''چچ..... تم دونوں خود بھی بچکانا باتیں کررہے ہو

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

اور مجھے بھی اس احمقانہ کام میں شامل ہونے پر مجبور کررہے ہو جبکہ میرے نزدیک یہ بالکل بھی درست نہیں۔'' وہ کچھ کمزور پڑیں مگر تذبذب میں مبتلا تھیں۔

''میم، ساری زندگی آپ کا احسان مند رہوں گا۔'' ظفر نے عاجزانہ انداز اپنالیا۔

''یہی تو میں بتانا چاہ رہی ہوں تم لوگوں کو..... یہ ساری زندگی کا معاملہ ہے ساری عمر بھگتان، بھگتنا پڑتا ہے پھر..... اگر ذرا بھی چوک ہو جائے تو ہمارے حصے میں خسارہ آتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ پہلے تم اپنی اماں کو مناؤ۔''

وہ اب بھی سوچ بچار میں تھیں اور ٹال مٹول کررہی تھیں۔

''امی..... کسی کی مدد کرنا بھی نیکی ہوتی ہے..... ساری عمر دعائیں دیں گے ہم آپ کو..... تھوڑا سا ساتھ دے دیں..... صرف تھوڑا سا ساتھ..... میرا وعدہ ہے اگر کہیں کچھ غلط ہوا تو میں خود پیچھے ہٹ جاؤں گی۔'' سمیرا نے منت سماجت شروع کردی۔

یوں شافعہ ناز کو بیٹی کی محبت سے مجبور ہوکر ہتھیار ڈالنے پڑے۔

صورتِ حال غیر متوقع نہ تھی۔ ظفر کو معلوم تھا کہ اماں بہت ناراض ہوں گی مگر بے ہوشی کا سن کر اس کے ہاتھ پیر بھول گئے۔ وہ بھاگم بھاگ ان کے کمرے میں پہنچا، ساتھ میں سمیرا بھی تھی۔ تب تک ان کو ہوش آگیا تھا۔

''دفع ہو جاؤ یہاں سے..... مت دکھاؤ مجھے اپنی شکل۔'' اسے دیکھ کر وہ ہذیانی سے انداز میں چیخنے لگیں۔

سب نے ناپسندیدہ نظروں سے ان دونوں کو دیکھا۔

''چلے جاؤ ظفری یہاں سے..... ہٹو یہاں سے۔'' وکیل صاحب نے برہمی سے کہا۔

''مجھے امید نہ تھی کہ آپ لوگ مجھ سے یہ سلوک کریں گے..... ٹھیک ہے پھر اس طرح میں بھی یہاں نہیں رہوں گا۔ چلو سمیرا.....'' وہ سمیرا کا ہاتھ تھام کر اکڑتا ہوا آگے بڑھا۔

اس کا خیال تھا کہ ابھی شاید کوئی اسے آواز دے کر روکے گا مگر ایسا کچھ نہ ہوا۔ گھر سے باہر آکر ایک لمحے کو وہ سناٹے میں آگیا۔ اس فوری فیصلے نے اسے... فی الحال بے گھر کردیا تھا۔ اس وقت صورتِ حال یہ تھی کہ وہ دھوبی کا کتا بن کر گھر کا رہا نہ گھاٹ کا۔

ابھی سمیرا کا اس سے کئی رشتہ نہیں بنا تھا اور گھر بھی وہ چھوڑ آیا تھا۔ سمیرا کے گھر رکنا اس کی شان کے خلاف تھا۔ زندگی میں پہلی بار وہ کوچنگ میں میٹرس بچھا کر تن تنہا سویا۔ میٹرس بھی سمیرا کی مہربانی سے ملا تھا۔ وہ ساری رات کانٹوں پر بسر ہوئی۔ اسے ٹھیک سے نیند نہ آئی۔ مستقبل کے اندیشوں کے علاوہ رات کی تنہائی کا احساس اور مچھروں کی موسیقی نے اسے بے چین کیے رکھا۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ آگے کیا ہوگا۔

دو دن سخت افراتفری اور ہنگامی انداز میں گزر گئے۔ آپا خاتون اس صدمے سے سنبھل ہی نہیں پارہی تھیں۔ ان کا بی پی خطرناک حد تک بڑھ گیا تھا اور مزاج بھی چڑچڑا ہورہا تھا۔ روزمرہ کی عام باتوں کا جواب بھی وہ اتنی تلخی سے دے رہی تھیں کہ ظفری کا ذکر کرنے کی کسی میں بھی ہمت نہ تھی۔ متوقع منگنی ٹل چکی تھی مگر اس کے اثرات کافی عرصے تک زائل ہوتے نظر نہیں آرہے تھے۔

''کیسی بکی کرائی ہے میری..... لڑکی والے بھی کیا سوچتے ہوں گے میرے بارے میں۔'' انہیں رہ، رہ کر ملال ہورہا تھا۔ آج دو دن بعد وہ کچھ بہتر نظر آرہی تھیں۔

''بیگم..... جو ہوا بہتر ہوا..... آپ پریشان نہ ہوں۔'' وکیل صاحب نے دھیرے سے سمجھانے کی کوشش کی۔

''ارے واہ، یہ اچھی کہی آپ نے..... بہت اچھی حرکت کی ظفری نے جو آپ یوں اچھا کہہ رہے ہیں۔ یہ آپ ہی کی ڈھیل ہے کہ ظفری ہاتھ سے نکل گیا۔ جوان لڑکے کو بے لگام چھوڑ دیا۔ ارے سایہ بن کر چلتے اس کے ساتھ.....'' ان کی چڑچڑاہٹ عود کر آئی اور وہ ان پر برس پڑیں۔

''ارے..... اچھا..... اچھا بھئی آپ اپنی جگہ درست ہیں مگر میرے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ خدا نہ

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

کرے منگنی کے بعد وہ کچھ ایسی حرکت کرتا تو بات اور خراب ہو جاتی یا پھر شادی کی نوبت آ گئی ہوتی تو پھر کیا ہوتا؟'' وہ آہستگی سے انہیں سمجھانے لگے۔

''مگر اپنا قصور تو ماننا پڑے گا آپ کو..... آپ نے اس پر توجہ نہ کی۔ میں نے کتنا کہا کہ اس پر نظر رکھیں۔ اس سے پوچھ گچھ کریں۔'' وہ انہی کو موردِ الزام ٹھہرانے پر تلی ہوئی تھیں۔

''ایک حد تک شاید میں قصوروار ہوں مگر یہ بھی تو دیکھو کہ جوان اولاد پر سختی سے بات خراب ہوتی ہے..... میں چاہ رہا تھا کہ مکمل اعتماد اور بھروسے کے ساتھ اسے موقع دوں اور ویسے بھی آپ تو کاروبار کی دیکھ بھال کا کہہ رہی تھیں، اب یہ دوستیاں کہاں پالیں، یہ ہمیں کیا پتا۔ یہ تو ماں کا کام ہوتا ہے کہ وہ بیٹے کی چال ڈھال پر نظر رکھے۔'' صفائی دیتے، دیتے وہ یک دم ہی ان کو قصوروار ٹھہرا گئے۔

''ہاں، یہ سارا میرا کیا دھرا ہے۔ نہ میں آپ پر اعتبار کرتی نہ آپ کے بھروسے اس کو چھوڑتی..... خود لگی رہتی اس کے ساتھ۔'' ان کا غصہ ہی ختم نہ ہو رہا تھا۔

''خیر قصور کسی کا بھی ہو مگر اب جو یہ چاند چڑھایا ہے اس کا کیا کرنا ہے؟'' پہلی بار ان کے چہرے پر کوئی حل نکالنے کی امید کی کرن چمکی۔

''اور یہ ظفری ہے کہاں؟'' دو دن بعد پہلی مرتبہ انہیں ظفری کا خیال آیا۔

''وہ تو اس روز سے غائب ہے گھر ہی نہیں آیا۔'' انہوں نے کمال اطمینان سے ان کے اعصاب پر بجلی گرائی۔

''کیا.....! غضب خدا کا..... آپ یوں آرام سے بیٹھے ہیں پتا کریں اس کا، کہاں لے گئی وہ چڑیل اس کو۔'' غصے سے ان کا منہ سرخ ہو گیا۔

''اپنے ساتھ اپنے گھر ہی لے گئی ہو گی۔'' انہوں نے قیافہ لگایا۔

''ارے واہ، جوان جہان بیٹا یوں آنکھوں میں مرچیں جھونک کر وہ لے گئی اور آپ آرام سے ہیں..... میں کہتی ہوں فوراً اس کا پتا کریں اور پیچھا چھڑوائیں اس بلا سے۔ آپ نہیں جانتے یہ راہ چلتی لڑکیاں کس قدر بے باک اور چلتی پرزہ ہوتی ہیں۔ پوری زندگی تباہ کر دے گی ظفری کی۔'' ایک بار پھر ان کا مزاج تیز ہو گیا اور تنفس بے قابو ہونے لگا۔ حالانکہ دو دن سے وہ مستقل یہی گردان کر رہی تھیں کہ میں ظفری کی شکل نہیں دیکھنا چاہتی مگر جب اعصاب کچھ قابو میں آئے تو انہیں بیٹے کی یاد ستانے لگی۔

''صبر کریں بیگم..... حوصلہ رکھیں اللہ بہتر کرے گا۔ آپ اس سے بہتری کی دعا مانگیں۔'' وکیل صاحب نے تسلی دی۔

''ہائے..... کیسا میرے کلیجے پر وار کیا اس ڈائن نے..... کیسے میری ممتا کو قرار آئے گا۔ کچھ کریں وکیل صاحب..... کچھ کریں۔ چھٹکارا دلوائیں اسے، عزت دار لڑکیاں یوں ہر کسی کے پلے نہیں پڑ جاتیں۔'' وہ دہائیاں دینے لگیں۔ اسی وقت کومل کمرے میں داخل ہوئی۔ ان کی بگڑتی حالت دیکھ کر تیزی سے ان کی طرف بڑھی۔ دو دن سے وہ یہیں رکی ہوئی تھی۔

''اماں..... حوصلہ کریں..... سب ٹھیک ہو جائے گا۔ میں بات کروں گی ظفری سے۔'' اس نے کھوکھلی سی تسلی دی۔

''ہائے..... کوئی اسے سمجھائے..... کوئی تو اسے بتائے کہ کیسا ظلم کر ڈالا اس نے مجھ پر۔'' وہ اب باقاعدہ ہائے ویلا کرنے لگیں۔

''آخر یہ ظفری ہے کہاں..... اسے ماں کی ذرا بھی پروا نہ رہی..... ہائے اتنے برسوں کا کیا کرایا سب پر مٹی ڈال دی اس نے۔'' وہ اب باقاعدہ رو رہی تھیں۔

کومل ان کو سنبھالنے میں خود بے حال ہو رہی تھی۔ وکیل صاحب سر جھکائے گہری سوچوں میں گم تھے۔ ظفری کی اس حرکت سے انہیں بھی جھٹکا لگا تھا۔ انہیں معلوم تھا کہ ظفری دو دن سے کہاں رہ رہا ہے۔ محبت نے پتا کر لیا تھا مگر ابھی یہ بات آپا خاتون کو نہیں بتائی تھی۔ ان کی خود سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ گتھی کیسے سلجھے گی۔

(باقی آئندہ)

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

دعاؤں کا ثمر

فوزیہ سرور

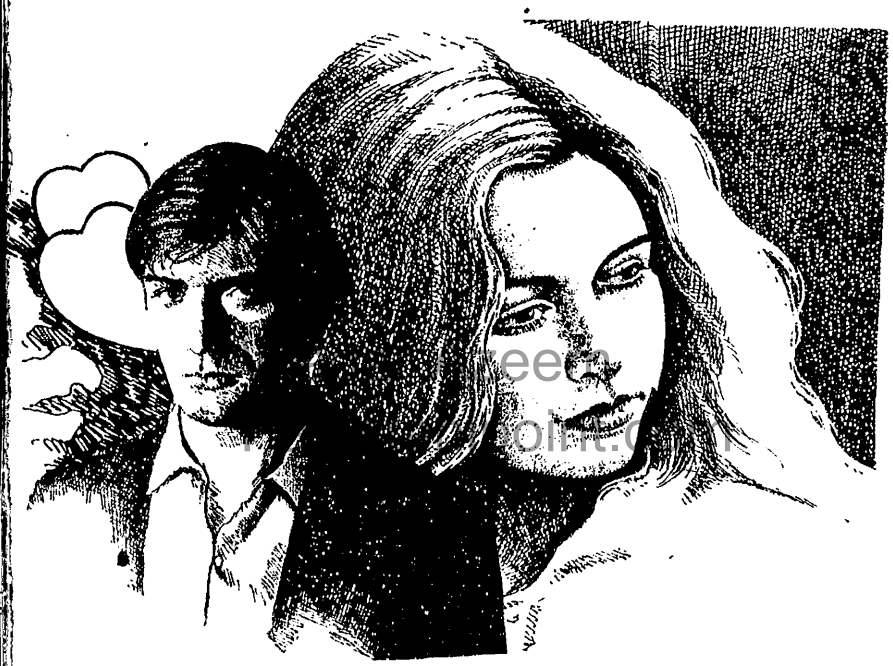

''کیا ہوا نیک بخت، کچھ پریشان لگ رہی ہو، خیر تو ہے؟'' وقاص احمد نے بیوی کے چہرے پر چھائے تفکر کے بادل دیکھتے ہوئے استفسار کیا۔ سعیدہ نے چونک کر شوہر کو دیکھا جو رات کا کھانا کھانے کے بعد اب کھلے آسمان تلے صحن میں بچھی چارپائی پر تکیے سے ٹیک لگائے کب سے اسی کا جائزہ لے رہا تھا جو قریب ہی صحن کے کونے میں بنے بنا چھت اور بنا دیواروں والے باورچی خانے میں چوکی پر بیٹھی چولھے کی راکھ کرید رہی تھی۔

''ک..... کچھ نہیں بس یونہی سوچ رہی تھی اب پھر سردیوں کی آمد ہے تو کھانا کہاں پکائیں گے؟'' حالانکہ ہر سال سردیوں میں وہ چولھا کمرے میں لے آتے تھے اور ان کا سونے والا کمرا باورچی خانہ بھی بن جایا کرتا تھا۔

''بھئی اس میں سوچنے والی کیا بات ہے۔ کمرا ہے ناں ہر سال کی طرح اب بھی چولھا وہیں رکھ لیں گے۔'' وقاص احمد نے گھر میں سالوں سے رائج طریقہ دُہرایا۔

''جی بس یونہی ذہن سے نکل گیا۔ کیا آپ چائے

پئیں گے؟'' سعیدہ نے شاید اپنا دھیان بٹانا چاہا تھا۔

''ہاں، ہاں کیوں نہیں، نیکی اور پوچھ، پوچھ۔ مجھے اس وقت چائے کی شدید طلب ہو رہی ہے۔'' وقاص احمد خوش دلی سے بولے۔ سعیدہ اثبات میں سر ہلا کر چولھے میں لکڑیاں جوڑنے لگی تاکہ آگ دوبارہ جلا سکے۔

''سلمٰی کے رشتے کی بات کہاں تک پہنچی؟'' وقاص احمد کو اچانک یاد آیا تو پوچھ ڈالا۔

''اماں حمیدہ کہہ تو رہی تھی لوگ بہت اچھے اور کھاتے پیتے ہیں۔ انہیں صرف لڑکی سے غرض ہے۔ لڑکی خوب صورت اور پڑھی لکھی ہونی چاہیے۔ غریب ہو یا امیر... انہیں اس سے کوئی سروکار نہیں ہے۔'' سعیدہ نے شوہر کو تفصیل سے جواب دیا۔

''صد شکر سلمٰی نے بی ایس سی کر لیا۔ اب اسکول میں بھی پڑھا رہی ہے۔ تنخواہ بھی اچھی ہے۔ جہیز بھی اللہ کی مدد سے بن جائے گا۔'' وقاص احمد بیوی کی تھمائی چائے کی پیالی سے چسکی لے کر بولے۔ ان کی باتوں کے دوران چائے تیار ہو چکی تھی۔ سعیدہ کے دل و دماغ پر پھر تفکر اور اضطراب کے جھکڑ چلنے لگے۔ وہ خاموشی سے بس شوہر کو دیکھ کر رہ گئی۔

☆☆☆

وقاص احمد اور سعیدہ کے دو بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں۔ سات مرلے کے کچے پکے گھر میں ان کی فیملی خوش و خرم زندگی گزار رہی تھی۔ سلمٰی ان کی سب سے بڑی بیٹی بی ایس سی کر کے ایک اسکول میں جاب کرتی تھی۔ بھائیوں کے ساتھ جاتی تھی واپسی پر آدھا راستہ ماسی ٹیچرز ہوتیں باقی کا آدھا راستہ اکیلے ہی طے کرتی۔ اسکول بیس منٹ کی مسافت پر تھا۔ سو کرایے کی بچت کرتے ہوئے پیدل ہی آتی جاتی۔ سلمٰی سے چھوٹی نبیلہ ایف ایس سی کی طالبہ تھی۔ دونوں بھائی بلال اور عمزہ میٹرک اور آٹھویں کلاس میں زیر تعلیم تھے۔ وقاص احمد کی گاڑیاں ٹھیک کرنے کی چھوٹی سی ورکشاپ تھی۔ گزر بسر آسانی سے ہو جاتی تھی۔ ایک ماہ سے سعیدہ کو سلمٰی کے رنگ ڈھنگ کچھ عجیب لگنے لگے تھے۔ خود ہی منہ ہاتھ لگتی، کھوئی کھوئی سی رہنے لگی۔ سوال کچھ ہوتا جواب کچھ دیتی۔ سعیدہ کو اپنی تربیت پر ناز تھا لیکن بیٹی کی حرکتیں اسے تفکر میں مبتلا کر رہی تھیں۔ سعیدہ نے اماں حمیدہ کو رشتہ ڈھونڈنے کا کہہ دیا۔ اس نے رشتہ ڈھونڈ بھی دیا تھا۔ آج کل میں وہ سلمٰی کو دیکھنے آنے والے تھے لیکن جونہی سعیدہ نے سلمٰی کے سامنے رشتے کا ذکر کیا وہ اسے خوش ہونے کے بجائے پریشان لگی۔ سعیدہ کے استفسار پر وہ بات بدل گئی۔ سعیدہ مطمئن نہ تھی کچھ غلط تھا، اس کی بیٹی اس سے کچھ چھپا رہی تھی۔ پھر ایک دن سلمٰی کی پریشانی کا عقدہ بھی کھل ہی گیا۔ تب سعیدہ کا رہا سہا سکون بھی تباہ ہو گیا۔

''دیکھو سلیمان تم سمجھتے کیوں نہیں ہو۔ میرا رشتہ طے ہونے والا ہے۔ اپنی امی کو جلد از جلد بھیجو۔'' سلمٰی کی جھنجلائی ہوئی آواز سعیدہ کی سماعتوں سے ٹکرائی تو گویا اس کی سماعتوں میں زلزلہ سا آ گیا۔ سلمٰی کی آواز کوٹھڑی میں رکھے گندم کے بھڑولے کے پیچھے سے آ رہی تھی۔ کوٹھڑی میں اناج اور پرانا کاٹھ کباڑ رکھا جاتا تھا۔ سلمٰی نے چھپ کر جگہ کا انتخاب کیا تھا جہاں گھر کے افراد کا آنا جانا نہ ہونے کے برابر تھا۔ اس وقت سعیدہ کو بھی تقدیر ہی کھینچ لائی تھی ورنہ وہ تو سونے جا رہی تھی کہ اچانک اسے خیال آیا کہ کوٹھڑی میں لکڑیاں رکھ آؤں، بارش نہ آ جائے۔ سلمٰی نے آج اسکول سے چھٹی کی تھی۔ سعیدہ کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا وہ یوں چھپ کر کسی سے موبائل پر بات بھی کر سکتی ہے۔ موبائل بھی یقیناً لڑکے نے دیا تھا کیونکہ ان کے گھر میں موبائل تو صرف وقاص احمد کے پاس ہی تھا۔ وہ دم سادھے وہاں تب تک اک لاش بن کر کھڑی رہی جب تک سلمٰی نے بات ختم نہ کر لی۔ پھر سلمٰی بھڑولے کے پیچھے سے نکلی تو گویا کوٹھڑی کی چھت اس پر آ گری ہو۔

''کس سے یوں چھپ، چھپ کر بات کر رہی تھیں اور یہ موبائل کہاں سے آیا تمہارے پاس؟'' اس کا لہجہ آگ برساتا ہوا تھا۔ سلمٰی کا وجود جھلس کر رہ گیا۔ شرمندگی سے نگاہیں اٹھانا محال ہو گیا تھا۔

''تم نے اپنے والدین کی عزت کا یہ پاس کیا ہے۔ چند دن بعد تمہیں لوگ دیکھنے آ رہے ہیں اور تم.....؟''

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

سعیدہ نے تنفر سے کہتے بات ادھوری چھوڑ دی۔

''امی میں نے کچھ غلط نہیں کیا۔ بس محبت کی ہے۔ سلیمان سے میری ملاقات اسکول جانے والے راستے میں ہوئی تھی۔ وہ بھی مجھ سے محبت کرتا ہے۔ وہ اپنی امی کو ضرور بھیجے گا۔'' سلمٰی نے ماں کے اندازوں پر مہر ثبت کر دی تھی۔

''یعنی ہماری بیٹی کو راہ چلتا لڑکا پسند آیا اور وہ اس کی ہمراہی کے خواب بھی دیکھنے لگیں، یہ جانے بغیر کہ وہ کس خاندان کا ہے، کیا قابلیت ہے اس کی۔ ارے شریف لوگ اگر محبت کرتے ہیں تو عزت کا بھی پاس رکھتے ہیں۔ اگر اسے تم سے واقعی محبت ہوتی تو سیدھا راستہ اختیار کرتا اپنی ماں کو بھیجتا۔ یوں راہ روک کر کھڑا کر کے تمہاری عزت نہ رولتا۔'' سعیدہ کا بس نہیں چل رہا تھا بیٹی کا منہ تھپڑوں سے لال کر دے۔ ماں کی باتیں اس کے دل پر لگی تھیں۔ انہوں نے کچھ غلط بھی نہیں کہا تھا۔ سلیمان صرف باہر ملنے کے لیے بلاتا تھا، کبھی ماں کو گھر بھیجنے کی بات نہیں کی تھی لیکن وہ اس محبت کا کیا کرتی جو اسے سلیمان سے ہو چکی تھی۔ وہ اب سلیمان کے سوا کچھ سوچنے نہ دیتی۔

''امی، سلیمان کو مجھ سے واقعی محبت ہے۔ وہ بھیجے گا اپنی امی کو۔ پلیز آپ اس کے حق میں فیصلہ دیجیے گا۔'' وہ ملتجی لہجے میں بولی۔

''بکواس بند کرو اپنی، تمہاری بہتری جہاں دیکھوں گی وہیں فیصلہ کروں گی۔ اِدھر دو موبائل مجھے۔'' سعیدہ چنگھاڑ کر بولی۔ سلمٰی نے ماں کا اتنا برہم روپ کب دیکھا تھا۔ جھٹ ماں کو موبائل تھما دیا۔ جو سعیدہ نے اسی وقت اس کے سامنے باہر سے اینٹ لا کر اوپر مار کر چکنا چور کر دیا۔ سلمٰی کا دل ڈوب سا گیا۔

''کل سے تمہارا اسکول جانا بند۔ میں خود استعفیٰ دے کر آؤں گی۔ اب تمہارا گھر سے نکلنا بھی بند۔ آؤ میرے ساتھ۔'' وہ غرا کر کہتی اس کا ہاتھ تھام کر کوٹھری سے نکل گئی۔

☆☆☆

دو دن گزر چکے تھے۔ سلمٰی کو اسکول چھوڑے ہوئے۔ عجیب بے کلی سی چھائی تھی اس کے وجود پر۔ سعیدہ نے رشتہ دیکھنے آنے والوں کو اماں حمیدہ کے ذریعے پیغام پہنچا دیا تھا کہ اگلے ہفتے تشریف لائیں۔ سعیدہ اور وقاص احمد لڑکے کو اور اس کا گھر بار دیکھ آئے تھے۔ لڑکا بے حد خوب صورت، پڑھا لکھا گورنمنٹ آفیسر تھا۔ گھر بھی شاندار تھا۔ ہر چیز بہترین تھی۔ اب لڑکے والوں نے سلمٰی کو دیکھنے آنا تھا جو اداس بلبل بنی ہوئی تھی۔ محبت بھی عجیب چیز ہے۔ اچھی بھلی بہترین چیزوں کو چھوڑ کر گند پھانکنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ اللہ اپنے بندے کے لیے بہترین کر رہا ہوتا ہے اور بندہ بدترین کے پیچھے بھاگ رہا ہوتا ہے۔

ایک دن سلمٰی کام کاج سے فارغ ہو کر صحن میں دیوار کے ساتھ لگے شہتوت کے درخت کی چھاؤں میں بیٹھی تھی۔ لایعنی پریشان کن سوچوں نے اسے گھیر رکھا تھا۔ اس کا دل سلیمان، سلیمان کا راگ الاپ رہا تھا۔ بہن بھائی اسکول گئے تھے۔ ماں بیرونی دروازے کو تالا لگا کر اندر کمرے میں آرام کر رہی تھی۔ سلمٰی کے ساتھ ہونے والی آخری ملاقات یاد آ رہی تھی۔ تبھی ایک کاغذ کا گولا اس کے قدموں میں آ گرا۔ اس نے چونک کر دیوار کی جانب دیکھا۔ اس دیوار کے دوسری طرف خالی میدان تھا۔ کاغذ اُدھر سے آیا تھا۔ سلمٰی نے جھٹ کھولا تو سلیمان کا محبت نامہ تھا جس میں اپنی بے قراریوں اور تڑپ کا اس شدت سے ذکر کیا تھا کہ سلمٰی کا دل تڑپ اٹھا۔ خط میں نیند کی گولیاں بھی تھیں۔ اس میں لکھا تھا۔

''رات کو مجھے باہر ملو۔ گھر والوں کو کھانے میں نیند کی گولیاں ملا دینا۔ بس ان کے سونے کے بعد ملنے چلی آنا۔ خوب باتیں کریں گے۔'' سلمٰی کو یہ بات بہت بری لگی۔ اس نے اپنی ماں کو بھیجنے کا کوئی ذکر تک نہیں کیا تھا۔ بس باہر ملنا تھا۔ وہ سوچ میں پڑ گئی۔ ایک طرف محبت تھی تو دوسری طرف ماں کی تربیت..... محبت اگرچہ بے اختیار جذبہ تھا لیکن وہ غلط باتوں کو غلط ہی گردانتی تھی۔ محبت کا خمار بھی چھایا تھا۔ رات ہوئی تو ایک لمحے کے لیے دل چاہا سلیمان کی بات پر عمل کر ڈالے لیکن پھر دماغ نے سختی سے سرزنش کی۔

پھر اسی طرح اگلے دن بھی ایک خط آ گرا۔ سلمٰی کو

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

کے لیے بلایا گیا تھا۔ اس نے خاموشی اختیار کر لی اور سب کچھ اللہ کے سپرد کر دیا۔ دل ہمکتا تھا سلیمان کے لیے لیکن نہ جانے کون سی طاقت تھی جو اس کے دل کے اندر پیدا ہونے والے ارادے کو ختم کر ڈالتی تھی۔

☆☆☆

''اماں..... تو جانتی میرا رشتہ مانگنے۔ سلمٰی بہت اچھی اور پڑھی لکھی ہے۔ وہ کما کر بھی لائے گی۔''

سلیمان، سلمٰی کی جانب سے خاموشی پا کر اب ماں کے سر ہو گیا تھا۔ جو بیٹے کی شادی اپنی بھانجی سے کرنا چاہتی تھی۔

''سلیمان وہ لوگ رشتہ نہیں دیں گے۔ لکھ لے میری بات۔ تو کون سا کوئی کام کرتا ہے۔ شکل صورت تیری رج کے سوہنی ہے اسی پر کڑیوں کو پیچھے لگا لیتا ہے۔ یہ کوئی اور کڑی ہے جو تجھے پسند آئی ہے۔ میٹرک فیل ہے تو۔'' سلیمان کی اماں نے اسے آئینہ دکھا دیا۔

''اماں وہ لوگ انکار نہیں کریں گے۔ سلمٰی مجھ پر مرتی ہے۔ ویسے بھی میں نے اس کو بتایا ہوا ہے کہ میں ایم بی اے ہوں۔ ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں جاب کرتا ہوں۔ تمہاری خاطر چھٹیاں کر کے راستے میں کھڑا ہو جاتا ہوں۔ محبت نے کسی کام جوگا نہیں چھوڑا۔'' سلیمان نے شوخی سے ماں کو بتایا۔

''اچھا تو، تو نے یہ بتا رکھا ہے۔ فیر تو میں ضرور جاواں گی۔ اس گھر کو کمانے والی لڑکی کی زیادہ ضرورت ہے۔ تو فکر نہ کر۔'' اماں نے اطمینان دلایا تو سلیمان کی باچھیں خوشی سے کھل گئیں۔

سلمٰی کا دل بہت اداس تھا۔ اسے اپنا پیار شدت سے یاد آ رہا تھا۔

☆☆☆

ماں کو سلیمان کی قابلیت اور جاب کے بارے میں بتا چکی تھی۔ سعیدہ محض بیٹی کو دیکھ کر رہ گئیں لیکن اپنا فیصلہ نہ بدلا۔ آج لڑکے والوں نے سلمٰی کو دیکھنے آنا تھا لڑکے والے آئے تو سلمٰی کو لڑکے کی ماں اور بہنوں نے سلجھے ہوئے اور محبت بھرے لب و لہجے بہت اچھے لگے۔ سلیمان سے محبت نہ ہوتی تو وہ اس رشتے کو اپنی خوش قسمتی گردانتی لیکن وہ دل میں تہیہ کر چکی تھی شادی وہ سلیمان سے ہی کرے گی۔ وہ ضرور اپنی اماں کو بھیجے گا۔ لڑکے والے اسے پسند کر چکے تھے۔ انہیں نازک سی خوب صورت سلمٰی بہت پسند آئی تھی۔ وہ انہیں اپنے گھر آنے کی دعوت دے کر رخصت ہوئے تھے۔

دونوں میاں بیوی بہت خوش تھے۔ وقاص احمد اپنی ورکشاپ پر چلے گئے۔ سعیدہ، سلمٰی کے ساتھ مل کر سبزی بنانے لگیں۔ سلمٰی کچھ چپ چپ تھی۔ سعیدہ جانتی تھی وقت لگے گا لیکن سلمٰی ماں باپ کا فیصلہ قبول کر لے گی۔ اِدھر سلمٰی سلیمان سے ملنے کے دل ہی دل میں منصوبے بنا رہی تھی۔ بیرونی دروازہ زوردار آواز کے ساتھ کھلا۔ دونوں ماں بیٹی نے چونک کر آنے والی دو عدد اوباش ٹائپ خواتین کو دیکھا جو بڑے مزے سے آ کر صحن میں بچھی چارپائی پر بیٹھ چکی تھیں۔ دونوں ماں بیٹی حیران تھیں، یہ کون ہیں جو بنا اجازت طلب کیے اندر چلی آئیں۔

''کون ہیں آپ اور کس سے ملنا ہے آپ کو؟''

سعیدہ نے لہجے کو حتی المقدور شائستہ اور نرم رکھا تھا۔

''لو جی کر لو گل، سلیمان مجھے بھیجنے کے لیے اتاؤلا ہوا جا رہا تھا۔ یہاں لڑکی نے گھر میں ذکر ہی نہیں کیا۔ میں سلیمان کی ماں۔ سلمٰی کا رشتہ مانگنے آئی ہوں۔ یہ سلمٰی ہے ناں۔ واہ بہت سوہنی ہے۔ سلیمان ایویں ہی تو نہیں مرمٹا۔ چل اِدھر آ میرے پاس۔'' عورت جو یقیناً سلیمان کی ماں تھی نے سلمٰی کو اپنے پاس بلایا۔ وہ ہونقوں کی طرح سلیمان کی ماں کو دیکھنے لگی۔ سلیمان تو بہت پڑھا لکھا ڈیسنٹ لگتا تھا اس کی اماں..... وہ ابھی تک بے یقین تھی۔ سعیدہ کی نگاہیں بیٹی کے چہرے کے اتار چڑھاؤ پر مرکوز تھیں۔

''ایسے کیا دیکھ رہی ہو۔ سلیمان کو تو فون کر کر کے پاگل کر رکھا تھا، اپنی اماں کو بھیجو۔ اپنی اماں کو بھیجو، لو آ گئی اماں۔ میں تو رشتہ آج ہی پکا کر کے جاؤں گی۔ تم تو شہزادی ہو۔ رج کے سوہنی میرے سلیمان کے ساتھ تیری جوڑی خوب جچے گی۔ کیوں رشیدہ؟'' سلیمان کی اماں نے اپنے ساتھ آئی اپنی پڑوسن کی ران پر زوردار ہاتھ مار کر تائید چاہی۔

''ٹھیک کہا تو نے اپنا سلیمان بھی تو ہیرو ہے

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

ہیرو۔'' پڑوسن رشیدہ نے آنکھ مارتے ہوئے قہقہہ لگایا۔ دونوں عورتوں نے بازو میں عجیب طرح کے بڑے، بڑے کڑے پہن رکھے تھے اور تو اور ایک پاؤں میں بھی کڑے ڈال رکھے تھے۔ عجیب حلیہ تھا ان کا۔ بات چیت کا عامیانہ انداز ان کے گھر کے ماحول کو چیخ، چیخ کر بیان کر رہا تھا۔

''ہاں بھئی سمدھن..... پھر بات پکی۔'' سلیمان کی اماں نے سعیدہ کو مخاطب کیا۔

سعیدہ نے کچھ جتاتی نگاہوں سے سلمٰی کو دیکھا اور شائستگی سے بولی۔

''دیکھیں بہن آپ کو شدید غلط فہمی ہوئی ہے۔ میری بیٹی کی تو بات طے ہو چکی ہے۔ آپ غلط گھر میں آ گئی ہیں۔''

''یہی گھر سلیمان نے بتایا تھا۔ پہلے کڑی کو پیچھے لگاتی ہو پھر مکرتی ہو۔'' اس نے سعیدہ کی تربیت کو گویا گالی دی تھی۔ سعیدہ نے تڑپ کر بیٹی کو دیکھا۔ اسی پل سلمٰی کا دل سلیمان کی محبت سے خالی ہو گیا۔ اتنے جاہل خاندان میں وہ جانے کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ سلیمان سے محبت شاید محبت نہیں محض پسندیدگی تھی جو اس کی اصلیت جان کر پھر سے اڑ گئی تھی۔

''آپ دونوں فوراً یہاں سے چلتی بنیں۔ بات تک کرنے کی تمیز نہیں ہے اور ہاں اپنے گھٹیا بیٹے سلیمان سے کہہ دیجیے گا اپنی جیسی لڑکی ڈھونڈ کر شادی کر لے۔ گدھا نہ ہو تو۔'' سلمٰی پھٹ پڑی تھی۔ سلیمان کی اماں اور پڑوسن نے کینہ توز نگاہوں سے سلمٰی کا غصے سے سرخ پڑتا چہرہ دیکھا اور تن فن کرتی گھر سے نکل گئیں۔

''سلمٰی میں نے تمہیں بڑوں سے ایسے بات کرنے کی تربیت تو نہیں دی۔ تم تو میری تربیت پر سوالیہ نشان لگا رہی ہو۔'' سعیدہ کے لہجے میں دکھ تھا۔

''سوری امی، وہ بہت برے طریقے سے بات کر رہی تھیں آپ سے مجھ سے..... رہا نہیں گیا۔'' سلمٰی بے حد شرمندہ تھی۔

''ان کا طریقہ برا تھا تو تمہیں تو اچھے طریقے سے بات کرنا آتی تھی ناں۔ اور ہاں اب بتاؤ اب تمہاری کیا رائے ہے اس رشتے کے متعلق؟'' سعیدہ خوش تھی اس کی بیٹی بنا ٹھوکر کھائے سدھر گئی تھی۔

''مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے امی۔ میں خوش ہوں۔'' سلمٰی اپنی ماں کے سینے میں منہ چھپا گئی تھی۔ سعیدہ نے اسے اپنی آغوش میں چھپا لیا تھا اور اس کے ریشمی بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے دھیمے سرگوشیانہ انداز میں بولی۔

''کوئی ماں اپنی بیٹی کی خوشیوں کی دشمن نہیں ہوتی۔ تمہاری پسندیدگی جان کر میں نے محتاط طریقے سے سلیمان اور اس کی فیملی کا پتا کروایا تھا۔ اگر وہ مجھے تمہارے قابل لگتے تو تمہاری خوشی سے بڑھ کر مجھے کچھ عزیز نہ ہوتا۔ اب تو تم نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ناں، اگر میں تمہیں بتاتی تو تم کبھی یقین نہ کرتیں۔ اسی لیے میں نے یہ رشتہ تمہارے لیے پسند کر لیا تھا۔ میں نے جب تمہاری بے چینیاں اور بے قراریاں دیکھیں تو اپنی دعائیں بڑھا دیں تاکہ میری بیٹی کے دل میں کوئی غلط قدم اٹھانے کا ارادہ پیدا بھی ہو تو میری دعا رکاوٹ بن کر کھڑی ہو جائے اور میرے بیٹی کو صراط مستقیم سے بھٹکنے سے بچا لے۔''

سلمٰی نے ڈبڈبائی آنکھوں سے ماں کا محبت بھرا چہرہ دیکھا جس کی دعاؤں سے پھوٹنے والی روشنیوں نے اس کے غلط ارادوں کے باعث آنے والی تاریکیوں کو اجالوں میں بدل دیا تھا۔

''امی مجھے آپ کی محبت پر فخر ہے، میں غلط تھی۔ مجھے معاف کر دیں۔'' سلمٰی نے اپنے نرم و نازک ہاتھ ماں کے آگے جوڑ دیے۔ سعیدہ نے بیٹی کی پیشانی چوم لی اور محبت سے گویا ہوئی۔

''سلمٰی یاد رکھنا، ماں کی محبت پر کبھی شک نہ کرنا اور نہ اپنے رب کی محبت پر شک کرنا وہ کبھی ہمارے حق میں برا نہیں کرتا بلکہ ہمیں ہمارے برے ارادوں کے انجام سے بچا لیتا ہے۔ بس ہمیں اپنے قدم اپنے رب کے بتائے ہوئے راستوں پر رکھنے ہیں۔'' سعیدہ کی روشنی بکھیرتی باتوں میں سلمٰی کو اپنا آپ پہلی بار روشن اور پاکیزہ لگا تھا۔

WaqarAzeem
Pakistanipoint.com

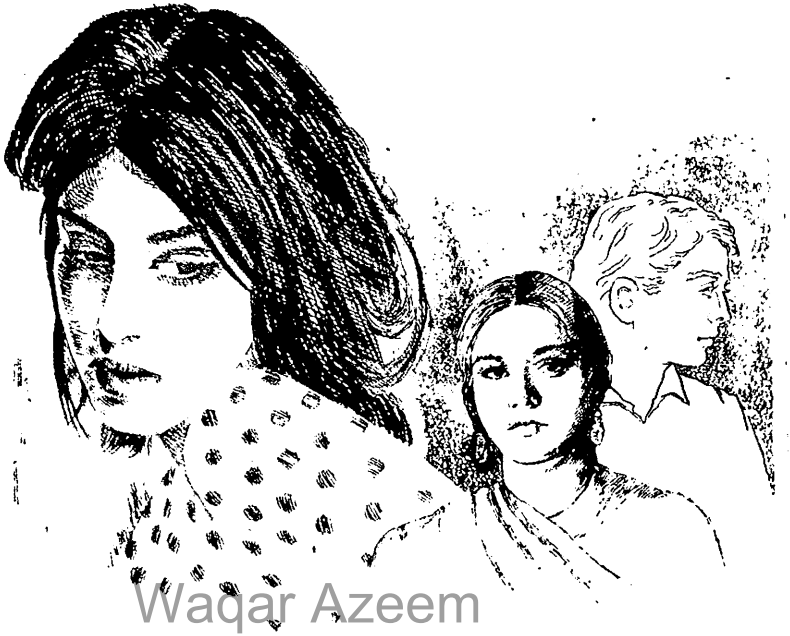

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

عورت غلطی

ایک عام تاثر یہی ہے کہ عورت ایک کمزور اور کم تر ہستی ہے... مگر یہی کمزور اور کم تر ہستی صنف مخالف پر کس، کس طرح اثر انداز ہوتی اور وقت پڑنے پر چٹان جیسی مضبوطی بھی دکھاتی ہے۔ حروف تہجی کے اعتبار سے شروع ہونے والے اس نئے سلسلے عورت کہانی میں ہماری معروف قلم کار فرحین اظفر نے یہی بتانے کی کوشش کی ہے۔

جداگانہ موضوعات لیے کہانیوں کا نیا سلسلہ آپ جیسے باذوق قارئین کی نذر

ہاجرہ بیگم نے جب سے وہ خبر سنی تھی انہیں ایک پل کو چین نہیں تھا۔ انسان کی اپنی سوچیں ایک اچھی خبر کو بری میں بدل کر جینا حرام کر دیتی ہیں اور بیوقوف حضرتِ انسان کو پتا ہی نہیں چلتا۔

یاور جو کہ اُن کا بڑا بیٹا اور خیر سے تین بچوں کا باپ تھا، آج شام ہی ان کو یہ بتا کر گیا تھا کہ وہ اپنے بیوی بچوں کے ساتھ شمالی علاقہ جات کی سیر کو جانے کا ارادہ رکھتا ہے۔

یہ بات سنتے ہوئے جہاں پل کی پل میں ان کے چہرے سے مسکراہٹ غائب ہوئی تھی وہیں، لبنیٰ کی شکل بھی دیکھنے لائق تھی۔

ہاجرہ بیگم نے اپنی بے چینی اور اپنی بیٹی کا پھیکا پڑتا منہ بڑی شدت سے محسوس کیا۔ فوری طور پر ان کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا ردِعمل دیں۔ حالانکہ بات تو خوش ہونے والی ہی تھی کیونکہ شادی کے بارہ سال بعد وہ پہلی بار شہر سے باہر جا رہا تھا، وہ بھی بیوی بچوں کے ساتھ.....

لیکن وہ خوشی میں خوش ہونے والوں میں سے نہیں تھیں۔ حتیٰ کہ بچوں کی خوشی میں بھی نہیں.....

اگر یہی خبر ان کو اپنے داماد سے ملی ہوتی تو بات کچھ اور ہوتی.....

''لیکن بڑے بھیا، ابھی پچھلے مہینے تو آپ کہہ رہے تھے کہ ہاتھ تنگ ہے بچوں کی فیس کے بھی پیسے نہیں۔'' لبنیٰ سے آخر برداشت نہ ہوسکا، اور بالآخر پہلو بدل، بدل کے وہ بھی بول ہی پڑی۔

''ہاں وہ بس..... اللہ نے سبب بنا دیا ورنہ ارادہ تو کوئی نہیں تھا۔'' یاور کے چہرے سے خوشی اور اطمینان کی سادہ مسکراہٹ جدا نہیں ہو رہی تھی اور یہی چیز ہاجرہ بیگم اور لبنیٰ کو سخت کھٹک رہی تھی۔

''ایسا بھی کیا انتظام ہو گیا پتا تو چلے آخر..... کیا رات و رات بارش کی طرح ہن برس گیا۔''

لبنیٰ زیادہ سوال نہیں کر سکتی تھی اس لیے جب وہ منہ بنا کے کمرے سے باہر نکلی تو نہ چاہتے ہوئے بھی ان کا لہجہ سخت ہو گیا۔

''ہاں وہ.....'' یاور تھوڑا گڑبڑا گئے۔

یہی وہ موقع اور مقام تھا جس سے بچنے کے لیے انہوں نے بڑی دعائیں کی تھیں لیکن ان کو پتا تھا۔ جب تک ہاجرہ بیگم ان سے تفصیل نہیں سن لیں گی ان کو چین نہیں ملے گا۔ خود وہ بھی اتنے پکے کب تھے کہ ماں کو ٹال سکتے۔

''ایک کمیٹی نکل آئی تو سوچا بچوں کو گھما پھرا دوں۔ اتنے عرصے سے کہہ رہے تھے۔'' ان کی آواز خود بخود دھیمی اور لجاجت آمیز ہو گئی۔

''لو..... ابھی پچھلے مہینے عید کے موقع پر تم نے سب کو ہزار، ہزار میں ٹرخا دیا تھا۔ حالانکہ بہنوں کے لیے عیدی میں ایک، ایک سوٹ تو لازمی ہونا چاہیے لیکن اس وقت تو تمہارے پاس ایک دھیلا نہیں تھا.....'' ہاجرہ بیگم کمیٹی کا سن کے شدید غصے میں آ گئیں۔ جانے کیوں.....

☆☆☆

آمنہ مسلسل درود شریف پڑھتے ہوئے دیگچی میں چمچہ ہلا رہی تھی۔ آلو گوشت کا سالن بھنائی کے آخری مرحلے میں تھا۔ اس کا آدھا دھیان کھانے اور آدھا یاور کی طرف اٹکا ہوا تھا۔ وہ تھوڑی دیر پہلے ہی اپنی اماں کی طرف گئے تھے ان کو اپنے پروگرام کی بابت بتانے کے لیے۔

''میں نے کتنا کہا تھا کہ ابھی رہنے دیں..... جانے سے دو دن پہلے بتا دیں گے لیکن ان کو بھی مروڑ ہی اٹھتے رہتے ہیں جب تک اپنی اماں کو ایک، ایک بات الف سے یے تک سنا کے نہ آ جائیں چین سے نہیں بیٹھیں گے.....'' اس کے دل میں رہ رہ کے خدشے سر اٹھا رہے تھے۔

''امی..... بابا کیا دادی کی طرف گئے ہیں؟''

وہ چونک گئی۔ کچن کے دروازے پر بڑی بیٹی کھڑی سوالیہ نظروں سے اسی کو دیکھ رہی تھی۔ اس نے گہری سانس لے کے بس اثبات میں سر ہلا دیا۔

''کیا ہوا آپ پریشان ہیں؟'' رد اماں کا انداز دیکھ کے سمجھ گئی۔

اس نے بیچارگی سے اپنی حساس بیٹی کو دیکھا۔

''ظاہر ہے پریشان نہ ہوؤں تو کیا کروں۔ تمہارے بابا کو کہا تھا جب سب کچھ کنفرم ہو جائے تب بتایئے گا لیکن نہیں..... بہت جلدی لگی رہتی ہیں ان کو ہر بات بتانے کی..... بس۔'' اس نے بات ادھوری چھوڑ کر رخ پھیرا اور سالن میں شوربہ کر دیا۔

''تو کیا ہو گیا..... آپ خواہ مخواہ میں ٹینس ہو رہی ہیں۔ زیادہ سے زیادہ کیا ہو گا۔ شکوہ کریں گی ناں دادی کہ پہلے سے کیوں نہیں بتایا بس۔''

''صرف شکوے گلے تک بات ہوتی تو بات ہی کیا تھی۔ زبانی جمع خرچ میں تو تمہارا دھیال ویسے ہی

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

بڑا تیز ہے۔ عملی مظاہرے تو ہمارے حصے میں آتے ہیں۔'' وہ نہ چاہتے ہوئے بھی تلخ ہوگئی۔

رداخاموشی سے ماں کا الجھا، الجھا انداز دیکھتی رہی۔

اسے معلوم تھا وہ کیوں پریشان تھیں ان کی پریشانی بے جا نہ تھی۔

جب بھی ان کو لگی بندھی مخصوص آمدنی کے علاوہ کچھ بھی رقم ہاتھ آتی۔ یاور سیدھے ماں کو بتانے جاتے اور پھر ہاجرہ بیگم کے جانے کون، کون سے رکے ہوئے خرچے جاگ پڑتے نتیجہ..... جس کام کے لیے رقم جمع کی گئی ہوتی وہ یا تو ادھورا رہ جاتا یا اتنے بے ڈھنگے طریقے سے پورا کیا جاتا کہ کچھ نہ کچھ رقم ادھار لینی پڑ جاتی۔

اس بار بھی کچھ ایسا ہی معاملہ لگ رہا تھا۔

رداکیا کرسکتی تھی۔ جب اس معاملے میں گھر کے بڑے ہی بے بس تھے۔

''اچھا سنو..... کچھ نہ کچھ پڑھتی رہو مسلسل..... سالوں میں پہلی بار سیر و تفریح کا پروگرام بن رہا ہے، دعا کرو ہم چلے ہی جائیں۔ ایسا نہ ہو کہ پہلے کی طرح.....''

اس نے باہر جاتی ہوئی بیٹی کو روک کر ہدایت کی پھر بات ادھوری چھوڑ کے بڑبڑ کرنے لگی۔ اس کی آدھی ادھوری باتیں اور بڑبڑاہٹ ذہنی خلفشار کا آئینہ تھیں۔

☆☆☆

یاور ماں کی بات سن کر بے بسی سے ہنس دیے۔

''قرعہ اندازی میں نام نکل آیا تو مل گئی۔ ورنہ پچھلے مہینے تک تو واقعی میرے پاس فیس تک کے پیسے نہیں تھے۔''

''رہنے دو بس میاں..... بیوقوف کسی اور کو بنانا۔ جیسے ہم نے تو کبھی بیسیاں ڈالی نہیں..... سب کو پتا ہوتا ہے کس مہینے کس کا نام نکلے گا۔ یہ تو آج کل کی اولاد کے بہانے ہیں ماں باپ سے باتیں چھپانے کے، کہیں ایسا نہ ہو ماں باپ اپنی کمائی میں سے کچھ مانگ لیں..... حالانکہ والدین پر خرچ کرنے سے برکت ہی ہوتی ہے.....''

ان کی مخصوص ڈائیلاگ ڈلیوری اسٹارٹ ہوچکی تھی۔ یاور اس الزام پر تڑپ ہی تو گئے۔

''ارے اماں کیسی باتیں کرتی ہیں۔ کیا میں آپ کو اتنا نافرمان لگتا ہوں کہ آپ سے کوئی بات چھپاؤں گا۔ یا آپ کے خرچوں سے جان چھڑاؤں گا۔ آپ کو کوئی کام ہے تو بتائیں۔ میں نے آپ کو کب منع کیا ہے.....'' دل ہی دل میں پیچ و تاب کھاتے ہوئے وہ بظاہر بڑے مان سے بول رہے تھے۔

''ارے نہیں، مجھے کیا کام ہوگا..... میں تو اکیلی جان کمرے میں پڑی رہتی ہوں۔ اب میں کیا اور میرے کام کیا۔ تم جاؤ ساتھ خیریت کے..... اللہ برکت دے..... خوشیاں دے۔'' یاور نے دل ہی دل میں ان کی بات پر شکر ادا کیا۔

لبنیٰ چائے لے کر آئی تب تک موضوع گفتگو، وہاں سے آگے بڑھ کے خاندان میں ہوئی فوتگی تک جا پہنچا تھا۔

''اماں..... کچن کی لائٹ نہیں جل رہی ہے۔ بٹن ٹوٹ گیا ہے۔'' اس نے بھائی کو چائے پکڑاتے ہوئے ماں سے کہا۔ یاور کچھ کہنے ہی والے تھے کہ لب دبا کے چپ کر گئے۔

''ارے ہاں یاور یاد آیا مجھے..... پورے گھر کے سوئچ بورڈ اور نلکے مرمت مانگ رہے ہیں۔ کب کرواؤ گے یہ کام۔ میں نے پہلے بھی تم سے کہا تھا۔''

یاور کے حلق میں چائے کا پھندا لگنے لگا۔

☆☆☆

آمنہ شدید بے چینی سے یاور کی واپسی کی منتظر تھی۔ یاور واپس آئے تو ہمیشہ کی طرح نیا خرچہ ان کی جیب میں رکھا ہوا تھا۔

''میں نے کہا بھی تھا آپ سے کہ ابھی مت بتائیں کسی کو لیکن آپ میری سنتے تب ناں.....''

وہ خاموشی سے سنتے رہے آمنہ بولتی رہی۔ یہ سچ ہے کہ وہ ماں کی فرمانبرداری میں کوئی کسر نہیں چھوڑنا چاہتے تھے لیکن ان کا جانبدار رویہ کبھی، کبھی یاور کو بہت دل برداشتہ کر دیتا تھا۔

ٹھیک ہے ان کو اپنے بیٹے پر مان تھا لیکن جس طرح تفتیشی افسروں کی طرح وہ ان سے ایک، ایک

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

پائی کی آمدن کا حساب مانگتیں اور پھر بے وقت کے مطالبے کرتی تھیں اس سے وہ خود بھی اکثر اوقات پریشان ہو جاتے تھے۔ ماں کو انکار نہیں کر سکتے تھے نہ کرنا چاہتے تھے۔ جبکہ ہاتھ میں موجود رقم ناکافی تھی۔

''پھر آپ نے کیا کہا..... کہیں دے تو نہیں آئے پیسے؟''

آمنہ ان کی مسلسل خاموشی سے جھلا گئی۔ وہ پہلے ہی الجھے ہوئے تھے۔ ناگواری سے بولے۔

''گنوار عورتوں کی طرح جرح مت کرو۔ دیے ہوں یا نہ دیے ہوں۔ تمہارا پروگرام خراب نہیں ہوگا۔ کوئی کمی نہیں ہوگی۔''

آمنہ سلگ ہی تو گئی۔

''اچھا تو میری دودھ اور شہد کی نہریں سوکھ تو نہیں جائیں گی۔ اونہہ..... بول ایسے رہے ہیں جیسے پہلے پتا نہیں کون سے ورلڈ ٹور کروائے ہیں۔'' یاور اٹھ کے واش روم چلے گئے۔

''اب پکڑا دیں گے ان کو ہزاروں روپے۔ پہلے ہی کتنے فکس پیسے ہیں۔ نہ کھل کے شاپنگ ہو سکتی ہے نہ مرضی سے دو چار دن زیادہ رک سکتے ہیں۔ پہلی بار شہر سے باہر نکل رہے ہیں۔ انسان ایکسٹرا رقم لے کے چلتا ہے یا جو ہے وہ بھی بانٹ دیتا ہے۔''

شدید غصے میں یاور کی خاموشی اس پر بے بسی سے رنج کی سی کیفیت طاری کر دیتی تھی۔ اس وقت بھی یاور کو اطمینان میں دیکھ کر اس کی آنکھیں جلنے لگیں، جو واش روم سے نکل کر اب سونے کی تیاریوں میں تھے۔

''اب منہ لٹکا کے کیوں بیٹھ گئیں۔ کہہ تو دیا ہم جائیں گے ضرور.....''

''میں نہیں جاؤں گی۔'' اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا اور ان کو دیکھے بغیر باہر نکل گئی۔ پیچھے یاور گہری سوچ میں ڈوب گئے۔

آمنہ نے غصے اور جذباتیت میں کہہ تو دیا تھا لیکن ان دونوں کو پتا تھا کہ بچوں کی وجہ سے وہ لوگ، اب پروگرام کینسل نہیں کر سکتے تھے۔ بچے بہت خوش تھے ان کا دل ٹوٹ جاتا۔ آمنہ سے کچھ بعید نہیں تھی وہ ان کو ایسی کوئی بات کہہ دیتی جس سے ان کا دل دادی یا دودھیال کی طرف سے خراب ہو جاتا۔

''تھوڑا لون لے لوں گا آفس سے.....''

یہ فیصلہ نیا تھا نہ پہلی بار کیا جا رہا تھا۔

''آمنہ دل کی بہت اچھی ہے۔ مان جائے گی۔'' سوچتے ہوئے وہ نیند کی وادیوں میں چلے گئے۔

☆☆☆

رات بہت دیر تک جاگنے کی وجہ سے صبح سر میں درد اور آنکھیں سوجی ہوئی تھیں۔ وہ یاور سے روٹھی، روٹھی تھی، حالانکہ جانتی تھی اس کا کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔

یاور ہمیشہ کی طرح فریش، آفس کے لیے اور اس کی دل جوئی کے لیے تیار تھے۔

''اللہ تعالیٰ سے اچھے کی امید رکھنی چاہیے۔ مایوسی تو ہے ہی گناہ..... شکر ادا کرو اپنے سب فرائض سے بھی نمٹ رہے ہیں۔ اللہ نے کوئی کمی نہیں کر رکھی۔ رشتے ناتے تو زندگی کا حسن ہے۔ انسان کو سب سے نبھانا پڑتا ہے۔ ہم خوش نصیب ہیں کہ ماں کی خدمت کا سب سے زیادہ موقع ہم ہی کو ملتا ہے۔ کیوں سوچ، سوچ کے پریشان ہوتی ہو۔ اللہ سبب بنانے والا ہے۔ ہماری کیا اوقات ہے..... چلو موڈ ٹھیک کرو۔ شاباش.....''

آمنہ گہری سانس لے کے بیچارگی سے مسکرائی۔ خدشات پالنے سے ملنا بھی کیا تھا سوائے نت نئی بیماریوں کے..... یاور کی تسلی نے اس کو بھی شانت کیا۔ حالانکہ دل ہی دل میں اندر کہیں ایک نئی پریشانی سر اٹھا رہی تھی۔ اسے پتا تھا وہ لوگ جائیں گے بھی اور یاور گھر کا کام بھی کروائیں گے۔ اسی گھر کا..... جہاں سے جگہ کی تنگی کے باعث ان کو نکل کے کرایے پر دھکے کھانے پڑ رہے تھے۔

یاور کے جانے کے بعد وہ فرصت سے چائے کا کپ لے کے اپنے کمرے میں آ بیٹھی۔

بچے سو رہے تھے۔ اس لیے ماضی کو یاد کر کے کڑھنے کے لیے اس کے پاس ابھی وقت ہی وقت تھا۔

☆☆☆

ہاجرہ بیگم ادھیڑ عمری میں بیوہ ہو گئی تھیں۔ شوہر کی زندگی میں بھی گھر پر ان ہی کا راج تھا۔ ان کے انتقال کے بعد تو حکومت ہی ہو گئی۔ ترکہ ورکہ کچھ تھا نہیں لہٰذا

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

بڑے صبر سے سلائیاں کر، کر کے وقت کاٹا۔ کچھ خدا ترس رشتے داروں، میکے، سسرال والوں کی مدد سے بچے مناسب پڑھ لکھ گئے تو اُن کو بھی سکون ہوا۔

لیکن اس دوران بچوں خصوصاً لڑکیوں میں جو ایک خود ترسی کا احساس ہمیشہ کے لیے بیٹھ گیا، اسے ہاجرہ بیگم نے اپنی آہوں اور باتوں سے خوب، خوب پانی ڈال کے تناور درخت بنا دیا۔

تین بیٹیوں اور دو بیٹوں میں یاور سب سے بڑے تھے۔ پھر انمول اور سنبل اور آخر والی لبنیٰ سے بڑا خاور تھا۔

انمول اور سنبل کی شادیوں تک تو ہاجرہ نے یاور کو شادی سے سختی سے روکے رکھا۔ وہ خود بھی ذمے داریوں میں اتنا گھرے ہوئے تھے کہ اس طرف دھیان جاتا بھی تو زیادہ سوچنے کا وقت نہیں ملتا تھا۔

ہاجرہ تو لبنیٰ کو بھی پہلے ہی نمٹانے کا سوچنے لگی تھیں لیکن یاور کو اکتیسواں برس لگ چکا تھا جب خاندان والوں نے دبے، دبے الفاظ میں ان کو بیٹے کی شادی کے لیے کہنا شروع کر دیا۔

وہ تو سب کو یہی کہتی تھیں کہ میرا بیٹا میرا فرمانبردار ہے جب اسے کوئی تکلیف نہیں تو کوئی اور کیوں بولے..... اڑتے پڑتے یاور کے کانوں میں بات پڑی تو ان کو خود بھی کسی رفیق کی ضرورت محسوس ہونے لگی۔ دن بھر کے تھکے ہارے رات میں گھر لوٹتے تو... ہاجرہ بیگم روز کوئی نہ کوئی خرچہ لیے ان کی راہ تک رہی ہوتیں۔

یہ وہ دن تھے جب یاور کو ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں اچھی نوکری مل گئی تھی گو کہ نوکری نئی تھی لیکن ترقی کے چانسز بہت تھے۔ وہ اپنے مستقبل کے لیے پُرامید تھے اور محنت کرنے کو تیار بھی لیکن آنے والے دنوں میں ان کو اندازہ ہوا جیسے وہ خالی ہواؤں میں محل تعمیر کر رہے ہیں۔ گھر میں عرصے بعد خوش حالی کی ہلکی سی جھلک آئی تو ہاجرہ بیگم اور دونوں چھوٹے بہن بھائیوں کو پر لگ گئے۔

پہلے جو گھرانہ کھینچ تان کے چند ہزار میں گزارہ کر کے فخر محسوس کرتا تھا۔ اب ہزاروں اڑا کے بھی بے چین رہنے لگا۔ سب سے زیادہ غافلانہ رویہ خود ہاجرہ بیگم کا تھا۔ ہر ہفتے دونوں بیٹی دامادوں کو بلا کے دعوت کا سا سماں باندھ دیا جاتا۔ ڈھیروں ڈھیر کھانے پکتے۔ ساتھ روانہ بھی کیے جاتے۔ بہنیں خوش، بھائی خوش، ماں خوش سو یاور کو بھی خوش ہونا چاہیے تھا۔ لیکن مستقبل کا سوچ، سوچ کے ان کی خوشی کرکری ہو جاتی تھی۔ وجہ یہ تھی کہ ان کی نوکری پکی نہیں تھی۔ اور کانٹریکٹ ختم ہونے..... سے پہلے، پہلے وہ کچھ رقم جمع کر لینا چاہتے تھے۔

ماں سے اس بارے میں بات کرنا بے سود تھا کہ وہ دیکھ رہے تھے کا ان کا حال کس قدر بے پروا ہو چلا تھا۔ پوری تنخواہ یاور سے ہتھیانے کے بعد بھی وہ ایک، ایک خرچے کے لیے ان سے کہتیں اور ان کے خالی جواب پر چڑ سی جاتیں۔

''اماں میں پوری تنخواہ آپ کو ہی تو دیتا ہوں۔ میں تو خود روز آپ سے کرایے اور کھانے کے پیسے لے کے نکلتا ہوں میرے پاس کوئی فالتو رقم تھوڑی ہوتی ہے.....'' کبھی، کبھی زچ ہو کے انہیں کہنا ہی پڑتا۔

''اوفوہ تو تم بھی کچھ جمع کرنے کی عادت ڈالو۔ سو پچاس روپیہ ایک ڈبے میں روز ڈال دیا کرو تو وقت پر کام تو آ جائیں۔''

وہ اپنی ماں کا منہ دیکھتے رہ جاتے۔ بسوں میں دھکے کھانے سے بہتر ان کو لگا کہ بائیک خرید لیں۔ تاکہ وقت پر دفتر پہنچنے میں آسانی رہے۔ جب پہلی بار ماں سے انہوں نے بھی کچھ ہاتھ روک کے خرچ کرنے کی بات کی۔

''لو بھئی..... جمعہ، جمعہ آٹھ دن ہوئے نہیں خرچہ کرتے کہ اب ہمیں سکھاؤ گے تم..... اگر اتنا ہی گراں گزرتا ہے تو اپنے پیسے اٹھا لو ہمیں نہیں نہیں چاہئیں.....''

یاور کے ہاتھ پیر پھول گئے۔

''اماں آپ ناراض مت ہوں۔ میں بائیک لینے کا سوچ رہا ہوں آپ ہی جمع کر سکتی ہیں اور کس سے کہوں۔''

کافی دیر تک معافی تلافی کے بعد بالآخر ہاجرہ بیگم نے تنخواہ واپس رکھی جو کہ انہیں رکھنی ہی تھی لیکن دل میں بیٹے کی جیسے کمزوری ہاتھ لگ گئی۔

یاور بدستور بسوں میں دھکے کھا کے آفس جاتے

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

رہے اور ہاجرہ بیگم کا ہاتھ روز بروز تنگ ہوتا چلا گیا۔

خاور اپنی پڑھائی سے بالکل غافل سارا، سارا دن دوستوں کے ساتھ آوارہ گردی کرنے لگا۔ اس کا جیب خرچ بھی یاور سے ہی لیا جاتا کہ وہ گھر کے اکیلے کماؤ پوت تھے۔

انمول اور سنبل کی زچگی کا پورا، پورا خرچہ انہوں نے خود اٹھا کے دامادوں کو فری ہینڈ دیا۔ پورے اسپتال میں مٹھائیاں بٹوائی گئیں اور سوا مہینے کے دن دونوں بہنوں نے میکے میں آرام کرتے ہوئے گزارے۔

ان ہی حالات کو دیکھتے ہوئے یاور نے جب اپنا کانٹریکٹ ری نیو کروایا تو تنخواہ کے بڑھنے کے بارے میں ہاجرہ کو نہیں بتایا۔ یہ وہ پہلی بات تھی جو انہوں نے ماں سے چھپائی اور یہی وہ احساس ندامت تھا جسے کسی کے ساتھ شیئر کرنے کے لیے انہیں، ایک ساتھ کی ضرورت محسوس ہونے لگی پھر یہ احساس بڑھ کے خواہش اور بالآخر شدید ضرورت بن گیا تو ان کو خود ہی ماں کے سامنے اپنی شادی کے لیے منہ کھولنا پڑا۔

ہاجرہ جہاندیدہ عورت تھیں۔ انہوں نے بھانپ لیا کہ اب اگر وہ بیٹے کی بات رد کریں گی تو شاید بیٹا بددل ہو جائے چنانچہ فوری طور پر لڑکی کی تلاش شروع کی گئی۔

''لڑکی میں نے دیکھ لی ہے آپ وہیں جا کے بات کرلیں تو بہتر ہے.....''

ابھی وہ بیٹیوں سے صلح مشورے کے بعد کسی غریب گھرانے کی دبی دبائی لڑکی کو بہو بنانے کا سوچ ہی رہی تھیں تاکہ مستقبل میں وہ ان کے بیٹے کو اپنا بنا کے ان سے الگ نہ کردے کہ یاور کی بات پر سق دق رہ گئیں۔

''اچھا تو بات یہاں تک پہنچ گئی۔ میں بھی کہوں میرے سیدھے سادے بیٹے کو آخر کس نے یہ پٹیاں پڑھا دیں۔''

اب کی باری یاور کی تھی۔ وہ منہ کھولے ماں کو دیکھنے لگے۔

''ارے کس نے پھنسا لیا تمہیں۔ کہیں کوئی آفس میں کام کرنے والی تو نہیں۔ میں ابھی بتا رہی ہوں۔ نوکری پیشہ بہو نہیں آئے گی میرے گھر۔ تمہیں نہیں پتا کیسی چنڈال ہوتی ہیں یہ۔ پہلے دن سے بیٹوں کو گھر والوں سے الگ کردیتی ہیں.....''

یاور کا خود سے شادی کی بات کرنا کیا کم تھا جو انہوں نے لڑکی کا نام بھی لے دیا، وہ اپنا سر پکڑ کے بیٹھ گئے۔

''ارے اماں کچھ نہیں ہے ایسا..... میں نے بھی ایک آدھ بار اسے دیکھا ہے۔ اچھی لگی تو آپ کو بتا دیا۔ آگے آپ کی مرضی، اور وہ کوئی نوکری ووکری نہیں کرتی۔ میرے دوست کی کزن ہے۔''

ہاجرہ بیگم کا دل کسی طور مان کے نہ دیتا تھا۔ انکار تو انہیں ہر حال میں ہی کرنا تھا۔ سو دل رکھنے کے لیے آمنہ کے گھر چلی گئیں۔

آمنہ کے گھر کیا گئیں ان کی تو دلی مراد بر آئی۔

آمنہ شکل صورت کی مناسب...اور حالات کی ستائی ہوئی بالکل ویسی ہی لڑکی تھی جیسی ان کو تلاش تھی۔ یتیم، غریب گھرانے کی کم پڑھی لکھی.....

''ارے اپنا تو فائدہ ہی فائدہ ہے..... چھوٹی فیملی ہے۔ باپ ہے نہیں۔ پیسہ ہے نہیں۔ جو ہم کہیں گے مان جائیں گے اور یاور بھی خوش ہوگا کہ ماں بہنوں نے اس کی بات مان لی.....''

مستقبل کی منصوبہ بندی تو سب کرتے ہیں لیکن اس میں اگر خود غرضی کا عنصر حد سے بڑھ جائے تو پھر ایسا ہی ہوتا ہے جیسا ہاجرہ بیگم کے ساتھ ہوا۔ کیونکہ سب سے بڑا ماسٹر پلان میکر تو وہ ہے، جسے ہم اکثر بھولے رہتے ہیں۔

☆☆☆

آمنہ کی آمد ان کی زندگی میں بہار کا جھونکا ثابت ہوئی لیکن بہت مختصر وقت کے لیے.....

جیسے ہی اس نے گھر کے کاموں میں ہاتھ ڈالا۔ ہاجرہ اور زینی کو مکمل استثنیٰ حاصل ہوگیا۔ یہاں تک کہ پہلے بچے کی پیدائش سے پہلے تک اس کی مصروفیت اور کاموں کا بوجھ اتنا بڑھ گیا کہ اس کے پاس یاور سے بات کرنے کا وقت بھی نہ رہا۔ وہ سارا دن کچن میں پائی جاتی یا پھر صفائیوں اور کپڑوں کی دھلائیوں میں لگی رہتی..... پریگنینسی میں ہونے والی طرح طرح کی تکالیف نے اسے حد درجہ چڑچڑا کردیا۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

ملک بھر میں جاسوسی ڈائجسٹ پبلی کیشنز کے

جاسوسی ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، ماہنامہ پاکیزہ، ماہنامہ سرگزشت
ملنے میں اگر دشواری ہے تو مندرجہ ذیل نمبرز پر ہمارے نمائندوں سے رابطہ کیجیے۔

کراچی	03002680248	گجرات	03016215229	منڈی بہاؤالدین	03460827027
لاہور	03004009578	وزیرآباد	03456892591	سیالکوٹ	0524568440
ملتان	03006301461	لالہ موسیٰ	03216203640	میرپور AK	03460397119
حیدرآباد	03213060477	خان پور	03337472654	اٹک سٹی	057210003
سرگودھا	03447475344	کوہاٹ	03325465062	دیپالپور	03004059957
پشاور	03005930230	ساہیوال	03446804050	لیہ	03002373988
کوئٹہ	03337805247	پاک پتن	03006694678	قصبہ ڈنگہ	03083360600
فیصل آباد	03006698022	مظفرآباد	03469616224	عارف والا	03008758799
راولپنڈی	03335205014	بوروالہ	03347193958	لورالائی	03023844266
نواب شاہ	03003223414	وہاڑی	03136844650	کوٹلہ ارب علی خان	03016299433
سکھر	03009313528	تونسہ شریف	03346712400	جلالپور پیروالا	03338303131
رحیم یار خان	03009672096	ڈیرہ غازی خان	03336481953	ہری پور	03321905703
بہاولپور	0622730455	بہاولنگر	03336320766	چکوال	03348761952
گوجرانوالہ	03316667828	بنوں شہر	03329776400	وہوا	03346383400
جہلم	03235777931	رائے ونڈ	03004719056	حافظ آباد	03006885976
سیالکوٹ	03008711949	ہڑپہ	03317400678	کوہاٹ	03325465062
میانوالی	0477626420	ڈیرہ اسماعیل خان	03349738040	ایبٹ آباد	0992335847
ٹنڈو الہ یار	03337979701	چشتیاں	03348761952	پتوکی	03454678832
منڈی بہاؤالدین	0331-7619788	مغل آباد	0301-7681279	مانسہرہ	0333-5021421
ڈسکہ	0300-9463975	سمبڑیال	0333-8604306	کوٹ رادھا کشن	03004992290

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

جاسوسی ڈائجسٹ پبلی کیشنز
C-63 فیز II ایکسٹینشن ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی مین کورنگی روڈ، کراچی فون: 35895313
E-mail:jdpgroup@hotmail.com

ایک آدھ بار یاور نے اس سے گلہ بھی کیا کہ وہ اتنی اجاڑ حالت میں پھرتی ہے۔ ان سے ڈھنگ سے بات تک نہیں کرتی لیکن جواب میں آمنہ نے ان سے اتنے اکتاہٹ بھرے انداز میں بات کی کہ وہ دوبارہ کچھ بولے ہی نہیں۔

وہی شادی جو پسند سے کی گئی تھی اور محبت میں بدلنے لگی تھی۔ اب اس میں بیزاری اور اکتاہٹ بھرنے لگی۔

آمنہ غریب گھر سے آئی تھی۔ یہاں ریل پیل جتنی دکھائی دیتی تھی، حقیقت میں اتنی تھی نہیں۔ یاور کی نوکری بھی کانٹریکٹ پر تھی۔ اگر وہ ختم ہونے کے بعد دوبارہ نہ کیا جاتا تو وہ بالکل فارغ ہوتے اور گھر والوں کا یہ عالم تھا کہ گھر میں کوئی چیز ایسی نہیں آتی تھی جو بیاہی بہنوں کو نہ دی جائے۔ چاہے وہ پھل ہوں، کوئی اچھا کھانا ہو، کپڑے ہوں، کسی قسم کی مشینری ہو یا کراکری..... یا چاہے اچار، چٹنیوں کی معمولی شیشیاں..... ہر، ہر چیز میں بہنوں کا حصہ ضرور ہوتا تھا۔

ساسو ماں ہر دو چار مہینے بعد بازار کا ایک تفصیلی چکر لگاتیں اور گھر کے لیے عام سے چائے پینے کے کپ بھی لاتیں تو دو سیٹ خریدتیں..... ایک گھر کے لیے اور ایک انمول یا سنبل کو دینے کے لیے۔

''میں تو شادی کے بعد بھی بیٹیوں کا اسی طرح خیال رکھتی ہوں کہیں ان کے دل میں یہ خیال نہ آجائے کہ ہمارے بھائی اور ماں تو عیش کر رہے ہیں اور ہمیں پوچھتے تک نہیں..... کیا کروں ماں ہوں ناں..... بچپن سے ہی محرومی دیکھی ہے میری بیٹیوں نے..... صرف اپنے لیے کچھ لینے کو میرا دل نہیں مانتا۔''

شروع، شروع میں بیٹیوں سے ان کی محبت سے متاثر ہونے والی آمنہ ان کا کھیل بہت جلد سمجھ گئی۔

اس نے دبے لفظوں میں ایک دو بار ان سے کہنا چاہا کہ گھر کا خرچہ آؤٹ آف بجٹ ہو جاتا ہے۔ لیکن جواب میں اسے اتنا کچھ سننے کو ملا کہ وہ بھرے دل سے، چپ کی چپ ہی رہ گئی۔

یاور سے بات کرنے کا بھی کچھ فائدہ نہ ہوا۔

''وہ ایسی ہی ہیں۔ ان کو کوئی نہیں سمجھا سکتا۔''

شوہر کو پہلے ہی ہتھیار ڈالے دیکھ کر اس نے اپنا ہی سر پیٹ لیا۔

ہاجرہ بیگم اپنی روش پر قائم رہیں۔ آمنہ خاموشی سے ان کی فضول خرچیاں یا شاہ خرچیاں دیکھتی رہتی۔ وہ اب بھی یاور سے مستقل ماہانہ خرچہ بڑھانے کی بات کرتیں۔ یاور بڑے ٹھنڈے انداز میں ان کو یا تو انکار کر دیتے یا اگر گنجائش ہوتی تو ہزار دو ہزار نکال کے ماں کے ہاتھ پر رکھ دیتے۔ آمنہ کا دل جل کے رہ جاتا۔

وہ خود پابندی سے نہ دوائیں لے پاتی نہ دودھ اور پھل..... جیسے، جیسے حالات بہتر ہوتے گئے، بہنوں نے مستقل گھر کی راہ دیکھ لی۔

ایک ہفتہ ایک بہن آ کے رہتی دوسرے ہفتے دوسری..... اس دوران اس پر کاموں کا بوجھ اور بے آرامی بڑھتی چلی جاتی۔

لبنیٰ اپنی بڑی بہنوں اور اماں کے ساتھ کبھی بازار چلی جاتی، یہ وقت اور بھی مشکل ہوتا کیونکہ سنبل اپنے بچے بھی گھر چھوڑ جاتی۔ جو شرارتیں اور بھوک، بھوک کا شور مچا کے آمنہ کا ناک میں دم کیے رکھتے۔ اسے آرام صرف ان ہی دنوں میں ملتا جب وہ اپنے میکے جا کے رہتی۔ اس کی نوبت بھی کم ہی آتی تھی کیونکہ شادی کو ابھی ایک سال بھی نہیں گزرا تھا اور یاور کا آمنہ کے بغیر گھر میں دل بھی نہیں لگتا تھا۔

ایسے ہی ایک بار جب کہ وہ میکے میں دو دن کے لیے ٹھہری تھی اور اپنی ماں سے کہہ سن کے دل کا بوجھ ہلکا کر بیٹھی تھی۔ یاور نے فون کیا کہ وہ اسے لینے آرہے ہیں۔ حالانکہ وہ محض دو دن ہی رکنے کے لیے آئی تھی اور ابھی پہلا دن ہی گزرا تھا۔ تب بے انتہا ضبط کے ساتھ اس نے گھر جانے سے منع کر دیا۔

''آپ کو مجھ سے ملنا ہے ناں... تو آ کے مل جائیں لیکن میں نے سوچ لیا ہے کہ میں ڈلیوری تک امی کے گھر ہی رہوں گی.....''

یاور اس کی بات سن کے شدید حیران رہ گئے۔ گھر میں تو اس نے ایسی کوئی بات نہیں کی تھی۔ بلکہ آج سے پہلے اس نے کبھی ایسا ارادہ ظاہر تک نہ کیا تھا۔

''آپ کو جو بھی بات کرنی ہو آپ گھر آ کے کیجیے گا۔''

WaqarAzeem
Pakistanipoint.com

اس نے یاور کی کوئی بات سنی ہی نہیں اور ان کو ہکا بکا چھوڑ کے فون بند کر دیا۔

دراصل یہ مشورہ اسے اس کی ماں نے ہی دیا تھا یاور سے اکیلے میں بیٹھ کے تسلی سے بات کرو اور خاندیا تمہارے دل میں جو بھی بات ہے آپس میں کہہ الو۔ (وہ اسے غلط پٹی نہیں پڑھا رہی تھیں بلکہ میاں بیوی آپس میں ذہنی ہم آہنگی بڑھانا چاہتی تھیں)

وہ خود بھی شوہر کی طرف سے بھری بیٹھی تھی۔ اس اور یاور کے درمیان جیسی دوری پنپ رہی تھی وہ اس کی برداشت سے باہر تھی اور یہ سب کیا دھرا ہاجرہ بیگم اور ان کے بے ڈھنگے پن کا تھا۔ جنہوں نے گھر کا پورا سسٹم ان کے چاؤ میں بگاڑا تھا۔ کاموں اور خرچوں کو اس حد تک بڑھا لیا تھا کہ اچھا خاصا کمانے والے یاور خود تنگ پڑنے لگے تھے۔ اور آمنہ کو ان کی بیوی ہونے کے باوجود وہ آرام میسر نہ تھا جو اس کا حق تھا۔ جسمانی نہ ذہنی۔

ہاجرہ بیگم اس سے اکثر اوقات تلخ ہوئی رہتیں۔ اس ابا اکثر کے پاس جانے میں بھی روڑے اٹکاتی رہتیں۔

اس روز یاور گھر آئے تو آمنہ نے اپنا دل کھول کے رکھ دیا۔ امی نے جان بوجھ کر ان دونوں کو اکیلا چھوڑا تھا اور خود کسی رشتے دار کے یہاں چلی گئی تھیں۔ آمنہ کا چھوٹا بھائی بھی اپنے کسی دوست سے ملنے گیا ہوا تھا۔

”سمجھ نہیں آتا..... آخر وہ چاہتی کیا ہیں۔ آخری نہیں چل رہا ہے میرا اور کام ہے کہ بڑھتا ہی جا رہا ہے۔ سارا دن گدھوں کی طرح کام کر کے میرے اندر اتنی ہمت نہیں بچتی کہ میں منہ ہاتھ ہی دھو لوں۔ اس پر بھی آپ مجھ ہی سے شکایت کرتے ہیں کہ میں آپ کو وقت نہیں دے پا رہی۔ میں آپ کو وقت کیسے دوں۔ مجھے تو اپنے آرام کا ٹائم نہیں مل رہا۔ ایسے دنوں میں عورت کو اچھے کھانے اور دواؤں کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ بھی میں آپ کو کہہ کہ میرے پاس نہ دوا کے پیسے ہوتے ہیں نہ میں دل چاہنے پر اپنے لیے الگ سے کچھ بنا سکتی ہوں اوپر سے نماز کی رہی نہ قرآن کی..... سارا وقت کچن میں گھسی رہوں یا فرش رگڑتی رہوں..... سیر کرنے کیا آپ کی بہنیں اور ان کے بچوں کی رکھوالی کروں میں..... اور جب آپ گھر پر آئیں تو آپ کو ہنس، ہنس کے ویلکم کروں..... میں انسان ہوں یا مشین..... مشین کو بھی حد سے زیادہ استعمال کیا جائے تو اس کے پرزے گھس جاتے ہیں۔ مجھے چکر آتے ہیں، نقاہت ہوتی ہے۔ چلا نہیں جاتا۔ بتائیں میں کیا کروں.....“

وہ بری طرح سے رو پڑی..... یاور کا سر ندامت سے جھک گیا۔ وہ اس معاملے میں بے بس تھے۔ ماں کو سمجھا سکتے تھے نہ الگ ہو سکتے تھے کیونکہ ماں نے اس قابل ہی نہیں چھوڑا تھا کہ اپنے لیے یا اپنے بچے کے لیے کچھ پس انداز کر لیتے.....

اس رات اور تو کچھ بھی نہ بدلا۔ ہاں ان کی آپس کی محبت کی تجدید ضرور ہو گئی۔

☆☆☆

آنے والا وقت اور بھی کٹھن تھا۔ ہاجرہ بیگم کی فضول خرچیاں عروج پر تھیں۔

جب یاور کے یہاں بیٹی کی پیدائش ہوئی تو نہ صرف پورے اسپتال بلکہ بیٹیوں کی سسرال تک میں مٹھائیاں بانٹی گئیں۔

جب بہو کی کھلائی پلائی کا وقت آیا تو اماں نے سب کچھ میکے پر ڈال دیا۔ اسپتال اور دیگر غیر ضروری اخراجات کے دباؤ سے یاور کو قرض لینا پڑا۔ پھر بھی وہ قریب قریب خالی ہاتھ تھے۔ بمشکل انتظام کر کے انہوں نے آمنہ کے ہاتھ پر کچھ رقم رکھی۔

آمنہ کے میکے میں اس کی خوب آؤ بھگت ہوئی لیکن غریب کی آؤ بھگت بھی کیا ہوتی ہے۔ ہفتہ، پندرہ دن دودھ فروٹ، جوس، سٹورا (سوجی اور میوہ) اچھوانی بنا کے امی ہانپ گئیں لیکن داماد کے خلاف ایک حرفِ شکایت ان کے لبوں پر نہیں آیا۔

پہلی، پہلی نواسی تھی۔ جتنا ہو سکا تھا اس کے استقبال کی تیاری کی تھی لیکن وہ خود اور آمنہ بھی جانتی تھی کہ ہاجرہ کی ناک کو کچھ نہیں لگنے والا..... اس نے چپکے سے یاور کی دی ہوئی رقم امی کی مٹھی میں دبا دی۔

امی چاہتے ہوئے بھی کچھ نہ کہہ سکیں۔

”مجھ ہی پر خرچ کرنے ہیں ناں تو کر لیں۔ اسی

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

لیے دیے ہیں انہوں نے.....''

امی کو تسلی دیتے وقت شوہر کے احساس ذمے داری کے خیال سے اس کے دل میں اک اطمینان اُتر گیا۔

☆☆☆

زندگی اسی طرح آگے ہی آگے بڑھتی چلی گئی۔ فرق پڑا تو اتنا کہ یاور اور آمنہ کی قربت بڑھتی گئی۔ وہ ایک دوسرے کا اٹوٹ انگ بنتے چلے گئے۔ سچ یہ تھا کہ مسلسل انتھک محنت کے بعد، گھر والوں کی بے پروائیوں نے ان کو اندر سے تھکانا شروع کر دیا تھا۔

وہ چاہتے تھے پیسے جمع کر کے اپنے لیے اوپر پورشن بنوائیں تاکہ وہ اوپر شفٹ ہو جائیں۔ اب بچے بڑے ہو رہے تھے۔ لبنیٰ اور خاور کو بھی الگ کمروں کی ضرورت تھی۔ جبکہ وہ خود دو بچوں کے بعد بھی اسی ایک کمرے میں رہ رہے تھے۔

میکے آنا اور تین، تین، چار، چار دن کا پڑاؤ ڈالنے کا رواج جوں کا توں تھا۔ ایسے میں گھر ہر وقت کھچا کھچ بھرا رہتا۔ بچوں کی چیخ و پکار اور ماؤں کی جوتم پیزار جاری رہتی۔

یاور کے ڈیوٹی آورز بڑھ گئے تھے۔ کبھی اوور ٹائم کے لیے رکنا پڑتا۔ گھر آتے تو سکون نام کو نہیں۔ کوئی ویک اینڈ ایسا نہیں گزرتا تھا جب وہ اور ان کے بیوی بچے سکون سے گھر میں ہوں اور دو گھڑی بیٹھ کے دکھ سکھ کر سکیں۔

اپنے اور بہنوں کے بچے سارا، سارا دن کمروں میں گھسے رہتے۔ پرائیویسی نام کی چڑیا کو تو انہوں نے دیکھا تک نہیں تھا۔

ہر آنے والا دن ان کے ذہنی دباؤ میں اضافہ کر رہا تھا۔ ان ہی حالات کو دیکھتے ہوئے ایک بار پھر آمنہ نے اماں کے گھر میں میٹنگ رکھی اور ان کے سامنے الگ گھر کا مطالبہ رکھ دیا۔

الگ گھر لینا ممکن نہیں تھا۔ یاور کو پتا تھا اماں کبھی اجازت نہیں دیں گی۔ لیکن جگہ کی تنگی کے باعث انہوں نے اوپری پورشن بنوانے کے سلسلے میں مشورہ کرنا چاہا تو۔

''ہاں، ہاں بہت اچھا ہے۔ سنبل بھی اپنی سسرال میں ایک ہی کمرے میں رہ رہی ہے۔ تھوڑی جگہ کھلے تو اس کو بھی ساتھ ہی بلا لوں.....''

پہلی بار ایسا ہوا کہ یاور دل ہی دل میں بری طرح تاؤ کھا گئے۔ اور کسی سے کچھ بھی کہے بغیر خاموشی سے اسی طرح ایک کمرے میں رہتے رہے۔

زندگی میں پہلی بار انہیں اپنا مستقبل ایک خلا دکھائی دے رہا تھا۔ دو بچے دنیا میں آ چکے تھے، تیسرا بھی آ ہی جاتا لیکن گھر میں ان کے لیے اس ایک کمرے کے سوا مزید جگہ نہیں تھی۔

انہیں پہلی بار آمنہ کی بات ٹھیک لگی۔

''اگر ذہنی سکون چاہتے ہیں تو الگ گھر لیں..... یہی بہتر ہے سب کے لیے۔''

پہلی بار انہوں نے دل سے ماں کے بجائے آمنہ کی بات کی تائید کی اور پہلی ہی بار اپنی ملازمت کے مستقل ہو جانے اور ترقی کی بڑی خوش خبری کو گھر والوں سے چھپا لیا۔

☆☆☆

دن پر دن گزرتے گئے۔ جیسے جیسے ملازمت بڑھتی گئی، یاور کی تنخواہ میں اضافہ ہوا وہیں مہنگائی بھی بڑھتی گئی اور گھر کے فالتو اخراجات بھی۔

یاور نے جب بھی ماں کو سمجھانا چاہا۔ وہ بری طرح بگڑ گئیں۔ اکثر ایسا ہوا کہ لاکر میں سے پیسے نکال کے یاور کے سامنے پھینک دیے۔

''ارے لے جاؤ اپنے پیسے..... ہم کوئی بھوکے نہیں مر جائیں گے۔'' ان کا طرزِ عمل بالکل نہ سمجھ میں آنے والا تھا۔

آمنہ گھر کے کام کر کر کے ادھ مری ہو جاتی لیکن گھر سمیٹنے میں نہ آتا۔ اس کا دیور خاور پڑھائی میں سنجیدہ نہ تھا۔ گریجویشن کے آخری سال تک ماں سے جیب خرچ اور دوسرے اخراجات بٹورتا اور دن بھر سو تا رات بھر فلمیں دیکھتا یا آوارہ گردی کرتا رہتا۔

لبنیٰ کی پڑھائی ابھی جاری تھی جب ایک دن اچانک یاور نے اپنے کرایے کے گھر منتقلی کا فیصلہ سنایا۔

ہاجرہ بیگم کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ ہمیشہ کی طرح انمول اماں کے پاس آئی ہوئی تھی۔ اس سے پہلے کہ ہاجرہ بیگم کوئی ہنگامہ کرتیں..... اس نے چپکے سے ماں کا

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

نھ دبا کے خاموش رہنے کا اشارہ دیا۔

یاور نے ہاجرہ بیگم کو خوب خوب تسلی دی۔

''آپ کے تمام اخراجات میرے ذمے ہوں
ے اماں، اس کے علاوہ میں ایک مناسب رقم گھر کے
چ کے لیے بھی دیا کروں گا..... لیکن اب اخراجات
رے بس سے باہر ہو چکے ہیں۔ اس لیے مجھے اور
ور، ہم دونوں کو مل کے یہ ذمے داری اٹھانی
ی..... خاور ماشاءاللہ سے اس قابل ہو گیا ہے کہ اپنے
وں پر کھڑا ہو سکے۔ میں نے ایک جگہ اس کی نوکری
بات کی ہے۔ ان شاءاللہ ہو جائے گی.....''

ہاجرہ بیگم چیں بہ جبیں ہوتی رہیں لیکن بیٹی نے
ی انداز میں ان کو چپ کرایا تھا۔ بہت خواہش
نے کے باوجود وہ کچھ کہہ نہ سکیں..... البتہ یاور کے
تے ہی انمول پہ برس پڑیں۔

''تم نے مجھے کچھ بولنے ہی نہیں دیا..... زیادہ پر
آئے ہیں۔ ایسا سبق سناتی کہ یاد رکھتا۔''

''اوفوہ اماں..... ہر مسئلہ سبق سکھانے سے حل
ی ہوتا..... اس کے بعد کیا ہوتا۔ اگر وہ خرچہ دینے
بھی منع کر دیتا تو کیا کر لیتیں آپ..... اچھا ہے
نے دیں اسے..... کیا کرنا ہے ہمیں رکھ کے..... خرچا
دے گا ناں بس ٹھیک ہے۔ ویسے بھی سنبل کو سسرال
بہت مشکل ہو رہی ہے۔ اسے اپنے پاس بلا
..... اس نے اپنے میاں سے بات کر لی ہے اسے
وئی اعتراض نہیں.....''

انمول تو بڑی مطمئن تھی۔

''ویسے بھی گھر کو چڑیا گھر بنا کے رکھا ہوا ہے اس
وں نے۔''

ہاجرہ بیگم کو چند دن تو بہت تکلیف ہوئی۔ آخر کو
بیٹی لیکن یاور نے ان کی خوب، خوب تسلی کروائی۔
ن کو بیٹے کے الگ ہونے سے ان کے چھوڑ جانے
اس نہ ہو۔

الگ گھر میں شفٹ ہونے کا مرحلہ اتنی آسانی
طے ہو جائے گا آمنہ کو اس کا اندازہ نہ تھا۔ لیکن آنے
دنوں میں اس کے لیے کیا مسئلہ کھڑا ہونے والا

بہترین تحریریں، لاجواب روداد اور
اعلیٰ داستانیں پڑھنے والوں کے لیے
سرگزشت کا مطالعہ ضروری ہے

ماہنامہ سرگزشت کراچی

شمارہ جون، جولائی 2020ء
کی جھلکیاں

ملکہ کی پینٹنگ
زرین قمر کے قلم کا شاہکار، اس ملکہ نے انگریزوں کے خلاف عورتوں کی فوج بنا کر تکنی کا ناچ نچایا تھا

کوپ کی مالا
عقیل عباس جعفری کی تلاش، اس کیمیں بدن کا تذکرہ جو پاکستانی ٹیم کی صحت کی ضمان تھی

پہلا پہلا
عامر گرت بٹ کی لکھی گئی ایک سفر کہانی جس کا لطف رہ قاری کو رہتا ہے

خوشی
ٹوٹتے بکھرتے گھر کو جوڑنے والی ایک باہمت دوشیزہ کی سچ بیانی

اور بھی بہت سی سچ بیانیاں، سچے قصے سچی داستانیں

بس ایک بار سرگزشت پڑھ کر دیکھیں
آپ خود گرویدہ ہو جائیں گے

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

ہے اس کو اس کا بھی اندازہ نہ تھا.....

☆☆☆

گزرے ہوئے وقت کو سوچ سوچ کر جب وہ خوب تھک چکی تو محض بچوں کا دل بہلانے کی خاطر اٹھ کر تیاریوں میں لگ گئی۔

نہیں جانے کے لیے کرایے سے زیادہ خرچہ تو تیاریوں اور واپسی میں تحفے تحائف خریدنے میں ہو جاتا ہے۔

اس کا دل و دماغ اتنا تھک چکا تھا کہ جب یاور واپس آئے تو اس کے اندر کچھ پوچھنے بتانے کی بھی ہمت نہیں بچی تھی۔

یاور نے نہ صرف ہاجرہ بیگم کی ضرورت کے پیسے ان کو دیے بلکہ اپنی ضرورت کے لیے بھی کچھ رقم آفس سے ادھار لی۔

ہمیشہ کی طرح بے وقت سر اٹھانے والے خرچے نے یاور کو مقروض کر دیا اور آمنہ الگ سیخ پا ہو گئی.....

یہی ان کے گھر کا طریقہ تھا اور یہی بے ڈھنگا پن تھا جس کی وجہ سے یاور کئی سال گزر جانے کے باوجود اپنے گھر کی بنیاد تک نہیں ڈال سکے تھے اور اب آمنہ کا خیال تھا کہ اگلے چند سالوں میں وہ بیٹی کا رشتہ ڈھونڈیں گے یا گھر.....

ہر سال عید بقر عید کے بونس بھی گھر کے اوندھے سیدھے اخراجات، دعوتوں اور بیٹیوں کی عیدیوں میں گزر جاتے۔

خاندان میں کسی کی بھی شادی ہوتی پہلی دعوت ہاجرہ بیگم کے گھر کی جاتی جس میں یاور کے ساتھ، ساتھ دونوں شادی شدہ بہنیں بھی لازماً شریک ہوتیں۔ جو لامحالہ یاور کو ہی نمٹانی ہوتی۔ یوں بظاہر وہ بڑے رکھ رکھاؤ اور خوشحالی والی دکھتی تھیں لیکن اس خوشحال کے پیچھے جس طرح بیٹے کا تیل نکل رہا تھا وہ، وہ خود ہی جانتے تھے۔

بظاہر اگر دیکھا جاتا تو ہاجرہ بیگم اور ان کے دو بچوں کے ساتھ ان کے گھر کے اخراجات اتنے زیادہ نہیں تھے کہ خاور کی تنخواہ میں پورے نہ ہو سکتے۔ لیکن ان ہی خرچوں کو انہوں نے جس کمال خوب صورتی سے بڑھا چڑھا کے آسمان تک پہنچایا تھا۔ ایسا لگتا تھا محض تین کے بجائے دس افراد کا کنبہ ہے۔ جو بڑی مشکل سے کھینچ تان کے گزارہ کرتا ہے۔

شمالی علاقہ جات کا ٹور اچھا رہا۔ سب ہی نے خوب انجوائے کیا۔ سوائے ایک آمنہ کے۔ اسے فکر تھی کہ آنے سے پہلے جو پیسے ادھار لیے گئے وہ کب اور کیسے اتریں گے۔ یقیناً تنخواہ میں سے کٹوتی کی جائے گی۔ جس کی تنگی بھی ان ہی گھر والوں کو بھگتنی تھی۔

اسے سوچ، سوچ کے کڑھنے کی اتنی عادت ہو گئی تھی کہ اب وہ کھل کے خوش بھی نہیں ہو پاتی تھی۔ حالانکہ یاور اسے اتنا سمجھاتے تھے کہ ہم سے ہمارا رزق کوئی چھین نہیں سکتا۔ جو نصیب میں ہے وہ ہر حال میں مل کے رہے گا لیکن اس کا پاگل دل اسے مستقل پریشان ہی کیے رہتا۔

☆☆☆

ہاجرہ بیگم کا کچھ پتا نہیں چلتا تھا کب کیا بات کر ڈالیں۔

اسلام آباد، مری سے واپسی پر بچے اور آمنہ جس قدر خوش تھے، وہ ان کے چہروں سے پتا چل رہا تھا۔

خوشی، خوشی سب میں تحائف بانٹے گئے۔ جو وہیں سے بطورِ خاص خرید کر لائے گئے اور حسبِ توقع کسی کو بھی خاص پسند نہ آئے۔

آمنہ کو ان کے انداز سے معلوم ہو رہا تھا کہ یہ ننھی منی جیولری اور میوہ جات جسے خریدنے میں ہزاروں روپے پھونکے گئے تھے۔ کسی کی ناک کو نہیں لگے تھے۔ شاید وہاں قیمتی شالوں یا نفیس سوٹوں کا انتظار ہو رہا تھا۔ وہ لوگ گئے بھی پہلی بار تھے تو سب ہی منتظر بیٹھے تھے۔

''ہم گھومنے گئے تھے یا آپ کے گھر والوں کے لیے شاپنگ کرنے۔'' گھر آ کے آمنہ روہانسی ہو کے بول اٹھی۔ یاور ہمیشہ کی طرح چپ تھے۔

آمنہ کا اس بات سے بہت دل جلتا تھا لیکن یاور کی خاموشی کے پیچھے ایک وجہ اور بھی تھی۔

''لبنیٰ کے سسرال والے رسم کرنا چاہ رہے ہیں۔''

رات میں سونے سے پہلے انہوں نے آمنہ کو بتایا کیا بلکہ اس کے کانوں میں صور پھونک دیا۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

''اوفوہ..... اب یہ ایک اور نیا خرچہ..... ابھی جانے سے پہلے آپ نے آفس سے لون لیا تھا۔ ابھی وہ بھی واپس نہیں کیا ہے۔ بقر عید پر اماں کو قربانی بھی ضرور کرنی ہوتی ہے۔ اوپر سے یہ رسم..... ان کو اچانک یہ بھی کیا بیٹھے بٹھائے۔''

اس نے اپنا سر پکڑ لیا۔

''وہ سلیم جا رہا ہے دو سال کے لیے کانٹریکٹ پر تو وہ لوگ چاہ رہے ہیں کہ اس کے جانے سے پہلے کوئی رسم وسم کر لیں.....'' یاور خود بھی اس اچانک اور بے وقت کے خرچے سے پریشان ہو اٹھے تھے۔

اگر اماں پہلے ذکر کر دیتیں تو وہ اپنا سیر و تفریح کا پروگرام منسوخ کر کے یہ منگنی کی رسم ادا کر دیتے۔ انہیں اپنی بیوی بچوں پر اعتماد تھا وہ لوگ ضرور مان جاتے۔ لیکن اب جبکہ ہاتھ میں کچھ بھی نہ تھا۔ عید کچھ دن پہلے گزری تھی تو سالانہ بونس بھی پچھلے قرضوں کی... نہ صرف نذر ہو گیا تھا بلکہ دوبارہ مزید قرضہ سر پر چڑھ چکا تھا۔

وہ جانتے تھے اب جبکہ تقریب کا ارادہ ہے تو سو ڈیڑھ سو لوگوں سے کم کی کیا تقریب ہو گی۔

لبنیٰ کے سسرال والوں نے کچھ دن پہلے تک تو ایسی کوئی بات نہیں کی تھی۔ اب ان کو اچانک کیا سوجھی۔

انہوں نے سوچا اماں کو بتائیں گے کہ وہ اس وقت خرچہ بالکل افورڈ نہیں کر سکتے..... لیکن اماں کے پاس تو ایک اور ہی نئی بات تھی۔

''ارے لڑکے والے تو پتا نہیں کیا، کیا ڈیمانڈ کرتے ہیں۔ انہوں نے تو صرف ایک فنکشن کا ہی تو بولا ہے۔'' گویا ان کے لیے تقریب کا اہتمام کرنا کوئی مسئلہ ہی نہیں تھا۔

''انمول کی بیٹی کی بھی بات چل رہی ہے۔ لگے ہاتھوں اس کو بھی نمٹا دیں گے تو دو بار کا خرچہ ایک ہی دفعہ میں نمٹ جائے گا۔ بتاؤ اس میں برائی کیا ہے۔''

یاور تو اپنی جگہ سے اچھلتے، اچھلتے بچے۔

''ہو نہ ہو اصل کہانی یہی ہے۔ انمول کا خرچہ بچانے کے لیے اماں نے یہ پورا کھڑاگ پھیلایا ہے.....'' آمنہ نے پہلے فتویٰ دیا۔ یاور کے چہرے کے تاثرات بتا رہے تھے کہ وہ آمنہ سے متفق ہیں لیکن اماں سے کچھ نہیں کہا۔ ان کی ناراضی کا خیال بس انہیں کچھ کہنے سے روک دیتا تھا۔ لیکن کوئی آخر کب تک چپ رہ سکتا ہے۔

ایک بہن کی خوشی اور دوسری بھانجی کی بات لگنے کا سلسلہ نمٹانے میں وہ پچھلا قرض چکائے بغیر ایک بار پھر مقروض ہونے جا رہے تھے۔

ان کا اپنا گھر کرایے کا تھا جس کا آدھا کرایہ کمپنی بھرتی تھی اور آدھا وہ خود اپنی جیب سے..... صرف اتنی سی بات تھی جس کی وجہ سے ان کو اپنے ہی بہن بھائیوں میں ایک عجیب ممتاز حیثیت حاصل تھی۔

اماں چاہتی تھیں، بہنوں کے لیے وہ باپ بن کے سب کچھ کریں۔ جبکہ اب دو بہنیں شادی شدہ اور جوان بچوں والی ہو چکی تھیں۔ خود یاور کی اپنی بیٹی جوانی کی سرحد سے فقط ایک ہی قدم کی دوری پر تھی لیکن وہ اول روز سے جس جگہ کھڑے تھے وہیں کھڑے تھے۔

مستقبل کے بارے میں کوئی خوش آئند بات کم از کم ان کو دکھائی نہیں دیتی تھی۔ اس پر ماں کا اس قدر جانبدارانہ رویہ، ان کے دل کی رنجیدگی کا سبب بنتا تھا۔ لیکن وہ کسی سے کوئی بھی بات کرنے کے قابل نہیں تھے۔

انہوں نے قرض بھی لیا اور انمول کی بیٹی اور لبنیٰ کی منگنی کی تقریب بھی ہوئی لیکن یاور کے دل میں ماں کے خلاف غبار سا بھر گیا۔

رہی سہی کسر لبنیٰ کے ہونے والے سسر نے پوری کی۔ جن کی بات سن کر یاور کے سر میں دھماکے سے ہونے لگے۔

''آپ کی والدہ کی یہ بے وقت کی ضد سمجھ نہیں آ سکی۔ جب بڑوں میں بات طے ہو چکی ہے تو پھر اچانک اس سب پھیلاوے کی کیا ضرورت تھی۔''

☆☆☆

''آپ کو پتا تھا مجھے قرض لینا پڑے گا پھر بھی آپ نے..... کیا میں یہ سمجھوں کہ آپ نے یہ ساری بات اس لیے پھیلائی تاکہ انمول کے اوپر بار نہ پڑے۔ آخر آپ کو جھوٹ بولنے کی ضرورت، ہی کیا تھی۔'' وہ چیخ چلا نہیں رہے تھے۔ ان کی آواز ٹھنڈی لیکن لہجہ بے حد سخت تھا۔

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

''آپ اچھی طرح جانتی ہیں کہ عید پر لبنیٰ کے سسرال والوں کو عیدی بھیجی گئی۔ اس میں میرا کتنا خرچہ ہوا۔ بے وقت کی دعوتیں اور اب جبکہ انہوں نے کچھ کہا ہی نہیں تھا تو آپ نے کیوں زبردستی میں اتنا اصراف کروایا۔ مجھے مزید قرضہ لینا پڑا۔ آفس والے بھی باتیں بنانے لگے ہیں۔ میرا آدھے سے زیادہ بونس ان ہی قرضوں میں چلا جاتا ہے۔ اگر انمول کو بیٹی کی بات ہی طے کرنی تھی تو وہ بھی سادگی سے کرسکتی تھی جیسے ہم نے لبنیٰ کی، کی تھی۔''

''واہ..... کیا عزت رہ جاتی اس کی سمدھیانے میں۔ پہلے پہل کی نواسی ہے میری۔ ایسے ٹٹ پونجیوں کی طرح پاؤ بھر مٹھائی بھیج دیتے تو کیا سوچتے وہ لوگ ہمارے بارے میں.....''

''ہمارے بارے میں وہ کچھ کیوں سوچنے لگے، لڑکی کا باپ زندہ ہے یہ اس کے کرنے کے کام ہیں یا میرے؟'' یاور اس وقت شدید تپے ہوئے تھے۔ یہ پہلی بار ہوا تھا کہ وہ ماں سے یوں دوبدو سوال پر اتر آئے تھے۔ اور یہ نوبت ہاجرہ بیگم کی اپنی لائی ہوئی تھی لیکن ان کو ذرہ برابر اس کا احساس نہیں تھا۔

''ہاں تمہارا کام تو صرف بیوی بچوں کو سیر سپاٹے کروانا ہے ناں.....''

وہ جس قدر چمک کے بولیں یاور اتنا ہی جل بھنے۔

''خدا کے لیے اماں۔ کون سے سیر سپاٹے کروالیے میں نے۔ بارہ سال میں پہلی بار اگر میں ان کو کہیں شہر سے باہر لے گیا تو۔ آپ کیا اس کا بدلہ لے رہی ہیں مجھ سے.....؟''

ہاجرہ بیگم کا منہ کھل گیا۔ انہیں بیٹے سے اس صاف گوئی کی امید نہیں تھی۔

آمنہ بھی وہیں موجود تھی اور یاور کا انداز دیکھ، دیکھ کر سہمی جارہی تھی۔

''کیا عزت رہ جاتی اگر میں وہیں انکل سے یہ پوچھنے بیٹھ جاتا کہ اس فنکشن کی ضد تو آپ نے کی تھی۔ اس میں میری ماں کا کیا قصور..... اماں آپ سے مجھے اس بے پروائی کی امید نہیں تھی۔''

ہاجرہ بیگم نے ہمیشہ کی طرح اپنی ناراضی کو بطور ہتھیار استعمال کرتے ہوئے کچھ کہنا چاہا۔ لیکن یاور نے ان کی بات کاٹ دی۔

''ساری بات یہ ہے کہ آپ نے خود انمول کو یہ راستہ دکھایا کہ اس طرح اس پر بار نہیں پڑے گا اور اس کا نام بھی نہیں ہوگا۔ میں پوچھتا ہوں آخر ضرورت کیا تھی۔ مجھ سے جھوٹ بولنے کی۔ میں نے پہلے کب آپ کی کسی بات سے انکار کیا ہے۔ لیکن ہر بات کی، ہر چیز کی کوئی حد ہوتی ہے۔ میں کہاں تک اور کتنا کرسکتا ہوں، میری استطاعت بھی تو دیکھیں آپ..... ابھی بقرعید پر آپ کو قربانی میں حصہ بھی ضرور چاہیے۔ وہ میں ضرور کروں گا میرے لیے سعادت کی بات ہے۔ لیکن اس کو میرے لیے آزمائش تو نہ بنائیں آپ..... آپ کو اندازہ بھی ہے میں کتنا پریشان ہو چکا ہوں۔ آج اگر کمپنی کی پالیسی بدل جائے۔ وہ مجھے رینٹ دینا بند کردیں تو یہ گھر میری اوقات سے باہر ہو جائے گا۔ پھر کہاں در، در کی ٹھوکریں کھاؤں گا میں۔''

''اللہ نہ کرے، تم کیوں ٹھوکریں کھانے لگے۔ جو بچے ماں، باپ کے فرمانبردار ہوتے ہیں ان کی دعائیں لیتے ہیں..... وہی تو کامیاب ہوتے ہیں۔''

آمنہ ان کے پینترا بدلنے پر اش، اش کر اٹھی لیکن آج یاور پر ہر وار خالی گیا۔

''لیکن ماں باپ بھی تو سمجھیں اس بات کو..... اللہ کسی کے ساتھ برا نہیں کرتا۔ بندوں کو بھی چادر دیکھ کے پیر پھیلانے چاہئیں کہ نہیں۔'' وہ ترشی سے نہیں بیچارگی کے سے انداز میں کہہ رہے تھے۔

چند لمحے تک کمرے میں بڑی تکلیف دہ خاموشی رہی۔

''بس..... اب میں مزید خرچہ نہیں کرسکتا خاور سے کہیں وہ بھی گھر میں ہاتھ بٹائے۔ آئندہ سے میں صرف آپ کا ذاتی خرچ دوں گا۔ اس کے علاوہ کوئی مجھ سے کسی چیز کے لیے پیسے نہ مانگیں۔''

ہاجرہ تو ہاجرہ، آمنہ بھی اس بدلحاظی پر یاور کا منہ تکنے لگی۔

''تو ہمارا خرچہ اٹھا کے احسان دھرنے کی ضرورت نہیں۔ اللہ پالنے والا ہے۔ تم نہیں کروگے تو

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

بھوکے نہیں مرجائیں گے۔''

انہوں نے ہمیشہ کی طرح منہ بنالیا۔اس مقام پر یاور ہمیشہ سے پسپا ہوتے آئے تھے۔ آمنہ جانتی تھی اب معافی تلافی کا سلسلہ شروع ہوا ہی چاہتا تھا۔

''اچھا ہوا آپ نے مجھے میری اوقات یاد دلا دی۔ جو میرا فرض ہے۔ وہ میں ضرور پورا کروں گا۔ آگے آپ کی مرضی۔''

آناً فاناً وہ اٹھے۔اور سیدھے کمرے سے باہر نکلتے چلے گئے۔

ہاجرہ بیگم پہلے تو ہق دق رہ گئیں لیکن ان کو باہر نکلتا دیکھ کے جیسے ان کو بھی حالات کی سنگینی کا احساس ہوگیا۔

لیکن یاور کے پیچھے جانے کے بجائے۔وہ آمنہ پر الٹ گئیں۔

''بس مل گیا سکون بیٹے کو مجھ سے متنفر کر کے؟ یہ سب تمہاری پڑھائی ہوئی پٹیاں ہیں۔ کہاں تو وہ کل تک میرے سامنے نظر نہیں اٹھاتا تھا اور کہاں یہ کہ آج زبان چلا کے نکل گیا.....''

انہوں نے تیزی سے چپل پیروں میں اڑسی اور یاور کے پیچھے بھاگیں۔

☆☆☆

گاڑی تیزی سے گھر کی طرف رواں دواں تھی۔ آمنہ چپکی بیٹھی گاہے بہ گاہے ایک نظر یاور کے چہرے پر چپکے سے ڈال لیتی۔

یاور کے ہونٹ بھنچے ہوئے اور ماتھے پر گہری سلوٹیں تھیں۔ان کے اندر کے دکھ کا اندازہ چہرہ دیکھ کر بہ آسانی لگایا جاسکتا تھا۔

آمنہ نے دھیرے سے ان کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا۔ یاور نے کب کی سینے میں رکی ہوی سانس خارج کی۔

''پتا نہیں اماں کے اندر اتنا احساسِ محرومی کیوں اور کس طرح بھر گیا۔ انہوں نے صرف اپنی بات منوانے کے لیے مجھ سے جھوٹ بولا۔ حالانکہ میں تو ویسے ہی ان کا کہا پورا کر دیتا ہوں۔لیکن ان کو بھی اندازہ تھا ناں۔۔کہ یہ میرے ساتھ زیادتی ہے کہ ذمے داری داماد کی اور صرف ان کو ریلیف دینے کے لیے۔ ہم پر زبردستی بوجھ لادے چلے جانا۔ہم کیا انسان نہیں ہیں۔ ہمارا دل نہیں ہے۔اور ہم گھومنے کیا چلے گئے۔ کیا اس بات کا بدلہ لیا انہوں نے.....''

''اچھا بس اب ، بس کر جائیں۔ اتنا مت سوچیں۔ ماں ہیں وہ..... مان ہیں انہیں آپ پر..... اس لیے کہہ دیتی ہیں۔''

''ماں باپ اپنے مان کو بوجھ کیوں بنا دیتے ہیں اور سارا بوجھ ایک ہی بچے پر کیوں ڈال دیتے ہیں۔ماں، باپ کسی ایک کے ساتھ زیادتی اور دوسرے کی طرفداری کرتے ہوئے اپنے آپ کو غلطی پروف کیوں سمجھنے لگتے ہیں۔ اماں کو ابھی یہ احساس نہیں کہ ان کا رویہ میرے لیے کتنا مسئلہ بن رہا ہے۔ مہنگائی بڑھ رہی ہے۔ بچے بڑے ہورہے ہیں۔تعلیم ہے،شادیاں ہیں۔ مجھے اپنے بچوں کے لیے بھی ابھی یہ سب کرنا ہے تو پھر اپنے دامادوں پر ذمے داری کا بار ڈالنے کے بجائے وہ اب بھی چاہتی ہیں کہ دوسروں کی ذمے داریاں بھی میں پوری کرتا رہوں۔تو جب میرے اپنے بچوں کی باری آئے گی تب کیا میں کچھ کرسکنے کے قابل بچوں گا؟''

آمنہ کے پاس ان کے سوالوں کا کوئی جواب نہیں تھا۔یاور کو اپنے رویے کی غلطی کا احساس تھا۔لیکن اگر وہ غلط تھے تو صحیح اماں بھی نہیں تھیں۔لیکن سوال یہ تھا کہ کیا کبھی ان کو اپنی غلطی کا احساس ہونا تھا یا نہیں یاور نے تو کبھی ماں کی حکم عدولی نہیں کی تھی مگر.....

سچ ہے دنیا میں ہر رشتے کے کچھ حقوق ہیں کچھ فرائض..... غلطی تب ہوتی ہے جب ہم ان ہی حقوق کا... ناجائز فائدہ اٹھا کر رشتوں میں عدم توازن پیدا کرتے ہیں اور خود کو ہمیشہ حق بجانب سمجھتے ہیں۔دوسروں کی کمزوری کو ہتھیار بنا کر استعمال کرتے ہیں اور اپنی غلطی نہیں مانتے۔

اس نے گہری سانس لی اور تسلی آمیز انداز میں یاور کا ہاتھ تھپتھپا کے باہر دیکھنے لگی

رویّوں میں عدم توازن اور غلطی در غلطی ایک نہ تھمنے والا سلسلہ..... جسے اللہ جانے کب اختتام پزیر ہونا ہے۔کبھی ہونا بھی ہے کہ نہیں.....

سلسلے وار ناول

میں عشق ہوں

نایاب جیلانی

عشق، محبت، الفت، چاہت، انسیت، لگاؤ، پیار، اپنائیت... اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ حسین جذبے... کہیں یہ پھولوں پر ساتے ہیں، زندگی مہکاتے ہیں، سانسوں کو معطر کرتے ہیں، لبوں کو ترنم بخشتے ہیں، تاریک راہوں کو منور کرتے ہیں اور کبھی، کبھی یہ مردہ ہوتے وجود میں زندگی کی نئی لہر بھی دوڑاتے ہیں... غرضیکہ انسانی حیات انہی جذبوں کی سرپونِ منت ہے... لیکن یہی جذبے کبھی عمر بھر کی تلاش کا حاصل ہوتے ہیں اور کبھی ریت کے ذروں کی طرح ہاتھ سے پھسلتے چلے جاتے ہیں اور انسان تہی داماں رہ جاتا ہے... اسی حاصل اور لاحاصل کے گرد گھومتی حساس جذبوں کی آئینہ دار ایک دلکش و دل پزیر تحریر

ابھی تو عشق میں ایسا بھی حال ہونا ہے
کہ اشک روکنا تم سے محال ہونا ہے

ملیں گی ہم کو بھی اپنے نصیب کی خوشیاں
بس انتظار ہے کب یہ کمال ہونا ہے

ہر ایک شخص چلے گا ہماری راہوں پر
محبتوں میں ہمیں وہ مثال ہونا ہے

وثنی یقین ہے مجھ کو وہ لوٹ آئے گا
اسے بھی اپنے کیے کا ملال ہونا ہے

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

عمائم عالمہ بن رہی تھی، وہ اور عالی جامعہ میں ایک ساتھ پڑھتی تھیں عالی کی باتوں میں ہمیشہ ''وہ'' موجود ہوتا۔ وہ ایسا ہے..... وہ ایسا ہے لیکن عمائم نے کبھی اس کا نام بھی نہیں پوچھا تھا۔ عالی بہت حسن پرست تھی شاید اسی لیے وہ عمائم کے ساتھ تھی۔ عمائم کے جانے کے بعد عالی کے پاس ایک میسج آتا ہے، رپورٹ دو۔ عالی میسج کرتی ہے اور اس کے دل پر ایک بوجھ سا ہو جاتا ہے۔ عمائم، حریم سے لیپ ٹاپ مانگتی ہے تو ایمان وہیں کھڑا تھا اور احتشام باہر سے آیا تھا جب حریم واپس لیپ ٹاپ لینے آتی ہے تو عمائم کہتی ہے کہ ایمان کو شکریہ کہنا تو وہ بتاتی ہے کہ لیپ ٹاپ احتشام کا ہے اس پر عمائم حیرت زدہ رہ جاتی ہے، عمائم کو آج کل کچھ کال اور ایس ایم ایس آرہے تھے جو اس کی زندگی میں آنے والے ہر حادثے کی پیشگی اطلاع دے دیتے تھے، عمائم بچپن سے دیکھتی آئی تھی اُسے دو لوگوں سے چھپایا جاتا تھا۔ بابا صاحب اور اموجان اور تیسری شخصیت دادی پھپو۔ وہ بچپن سے اپنے ساتھ ایسا سلوک ہوتے دیکھ رہی تھی مگر حیران کن بات تھی کہ وہ اس بات کی وجہ سے ناواقف تھی۔ بابا صاحب کا گھرانا مشترکہ خاندانی نظام کے تحت چل رہا تھا ان کی بہوؤں میں بہت اتفاق تھا۔ عمائم آج جامعہ سے آئی تو گھر میں بہت سناٹا تھا اس نے امی سے پوچھا تو انہوں نے بات ٹال دی لیکن جب وہ کھانا کھا رہی تھی تو حرم نے آکر بتایا کہ ایمان نے ماما سے کہا ہے کہ تائی امی سے عمائم کا رشتہ مانگیں۔ ایمان، عمائم سے کہتا ہے کہ وہ اموکو راضی کرے گا تو عمائم کہتی ہے کہ یہ بات تاریخ میں سنہرے حرفوں سے لکھی جائے گی۔ عالی، عمائم کو میسج کرتی ہے کہ وہ عالی سے ملنا چاہتا ہے تو وہ اس کے ساتھ چلے تو عمائم انکار کر دیتی ہے۔ ثریم، عمائم کو اپنی بہن کی شادی پر بلاتی ہے، نورس، عمائم کے ذمے نمائش کا کام کرتی ہے اس کی کامیابی سے ملنے والے پیسے سے یتیم لڑکیوں کی شادی ہوگی۔ عمائم کے پاس میسج آتا ہے کہ ثریم کے گھر شادی پر مت جانا تمہارے لیے اچھا نہیں ہوگا، عمائم کو یہ میسج پڑھ کر خوف محسوس ہوتا ہے۔ اموعمائم سے کہتی ہیں کہ ایمان کبھی اس کا نہیں ہوگا۔ عمائم، دادی، پھپو کے پورشن کی طرف آتی ہے تو اچانک احتشام اس کے پیچھے آکھڑا ہوتا ہے۔ امی، احتشام اور اذان میں دوریاں چاہتی تھیں لیکن وہ دونوں ایک دوسرے کے بہت قریب تھے۔ وہ چاہتی ہیں کہ ماہم کا رشتہ احتشام کے لیے مانگ لیں لیکن وہ کہتا ہے کہ ضرور مانگیں مگر اذان کے لیے۔ بسمہ چاچی، عمائم کو کہتی ہیں کہ تمہیں دیکھ کر اپنے خسارے یاد آتے ہیں۔ بسمہ چاچی بعد میں عمائم سے معافی مانگتی ہیں کہ یہ دن ہی ایسا ہے شاید تو وہ پوچھتی ہے آج کیا دن ہے تو بسمہ چاچی کہتی ہیں جیل والوں کی ملاقات کا دن۔ جس پر عمائم دنگ رہ جاتی ہے کیونکہ وہ نہیں جانتی تھی کہ جیل میں کون ہے۔ عمائم، نورس کے ساتھ ثریم کے گھر تقریب میں جاتی ہے تو نورس اسے چھوڑ کر چلی جاتی ہے اور عالی کہتی ہے کہ تم چلی جاؤ میں ایک کام میں پھنس گئی ہوں۔ نورس اپنی گاڑی چھوڑ کر گئی تھی۔ ایک لڑکی عمائم کو ایک پارسل دیتی ہے کہ یہ نوٹس ہیں تم نورس کو دے دینا۔ پولیس راستے میں گاڑی روکتی ہے تو وہ کہتی ہے کہ میں ایس پی اذان کی کزن ہوں تو آفیسر اس سے معذرت کر لیتے ہیں۔ گھر واپس آتی ہے تو اس کے پاس میسج آتا ہے کہ منع کیا تھا ناں جانے سے۔ صبح عمائم کے کمرے سے وہ پیکٹ غائب تھا۔ صبح وہ امی کو بتاتی ہے کہ میرے ڈاکومنٹس چوری ہوئے ہیں جو امانت تھے۔ ثریم، عمائم سے پیکٹ کا پوچھتی ہے تو بتاتی ہے کہ پیکٹ چوری ہوگیا ہے۔ ثریم، عمائم کو بتاتی ہے کہ پیکٹ میں نوٹس نہیں تھے کچھ اور تھا اور اگر وہ نہ ملا تو تمہارے اور میرے لیے تباہی ہے۔ عمائم، جامعہ جانے لگتی ہے تو اس کے پاس میسج آتا ہے جہاں جارہی ہو بے فائدہ ہے واپس آجاؤ۔ عالی کا اس کے پاس میسج آتا ہے کہ نورس نے اسے اسٹرک آف کر دیا ہے۔ گھر واپس آکر عمائم امی کو بتاتی ہے تو وہ کہتی ہیں کہ میں خود بابا صاحب سے بات کرلوں گی۔ ماہم یہ بات سن کر تایا ابو کو بتا دیتی ہے جب وہ پوچھتے ہیں کہ یونیورسٹی کیوں نہیں جارہیں تو عمائم کہتی ہے میں چھٹی پر ہوں۔ عمائم، نورس کو کال کرتی ہے تو وہ اٹینڈ نہیں کرتی میسج کرنے پر کال کرتی ہے تو کہتی ہے مجھے وہ پیکٹ ہر صورت میں چاہیے۔ عالی، احتشام کو دیکھ کر حیرت زدہ رہ جاتی ہے۔ عالی کہتی ہے کہ اس نے احتشام سے بات کی ہے اس کی اپروچ بہت اوپر تک ہے، بات بڑھ گئی تو نورس نہیں چھوڑے گی۔ عمائم، امی سے پوچھتی ہے تو وہ کہتی ہیں کہ انہیں عالی بالکل بھی اچھی نہیں لگی۔ پہلی ملاقات میں موبائل کے تبادلے ہوگئے تو وہ حیران رہ جاتی ہے، وہ احتشام سے کہتی ہے کہ میں نے فیور نہیں مانگی، عالی نے جو کہا ہے وہ خود کہا ہے۔ عمائم کے پاس میسج آتا ہے احتشام اور عالی کے ڈرامائی ملاپ سے پریشان ہو تو وہ حیران رہ گئی۔ حریم اس کے کپڑے لے کر آتی ہے تو وہ شادی میں جانے سے منع کر دیتی ہے، امی اسے تیار ہونے کا کہتی ہیں جب وہ تیار ہو کر نکلتی ہے تو سب جا چکے ہوتے ہیں وہ لاؤنج میں بیٹھ کر ٹی وی دیکھنے لگتی ہے۔ امی، احتشام کو اسے لینے بھیجتی ہیں وہ راستے میں کچھ باتیں کرتا ہے تو وہ حیران ہوتی ہے پھر دیکھتی ہے کہ اس کے ائرفون لگا تھا۔ عمائم جامعہ جاتی

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

ہے تو گارڈ عمائم کو روک لیتا ہے۔ڈھائی گھنٹے بعد وہ اسے اندر جانے دیتا ہے، نورس کہتی ہے وہ پیکٹ تمہارے گھر سے غائب ہوا ہے تم کو وہ پیکٹ گم ہونے کی سزا بھگتنی ہوگی۔ دو دن اس دفتر میں رہو اور سو چو اور عمائم کو اپنے دفتر میں بند کر دیتی ہے۔ نورس کو ہر صورت وہ پیکٹ چاہیے تھا، وہ عمائم کو معاف کرنے کا ارادہ نہیں رکھتی تھی۔ اس نے عمائم کے گھر فون کر دیا تھا کہ وہ آج جامعہ میں رہے گی۔ عمائم سے اصلی بات جاننے کے لیے نورس، ثریم کو عمائم کے پاس بھیجتی ہے۔ انتظامیہ کی ہیڈ اسے کھانے کی ٹرے میں چھپا کر ایک پرچہ بھی دیتی ہے جس پر محمد غوری کا تاریخی واقعہ لکھا تھا۔ عمائم کو اس کی کچھ سمجھ نہیں آئی۔ کرن، عمائم کو بتاتی ہے کہ جب وہ مہندی کی رات عمائم کو پیکٹ دے کر واپس آئی تو ٹیرس پر اس نے نورس کو دیکھا تھا وہ کسی ضروری کام سے نہیں گئی تھی۔ اذان کی کسی غلطی سے ان کے کوڈ ڈی کوڈ ہو جاتے ہیں تو احتشام اس پر بہت غصہ کرتا ہے۔ امو، حریم کو بتاتی ہیں کہ عمائم کی وجہ سے ایمان ان سے بات نہیں کر رہا، ان کی یہ بات ماہم سن لیتی ہے اور کہتی ہے کہ آج ایمان تو کل کوئی اور بھی عمائم کے لیے کھڑا ہوگا، دادی، ماہم سے کہتی ہیں کہ ہر چیز کو عزت کے ساتھ رہنے دیں تو اپنی عزت بھی رہتی ہے۔ ماما کمرے سے نکل کر ماہم کی سائڈ لیتی ہیں اور دادی سے کہتی ہیں کہ ہم اسے ایک سزا کی طرح جھیل رہے ہیں، عمائم اپنے گھر میں کہہ دیتی ہے کہ جب کام ختم ہوگا تو وہ واپس آجائے گی۔ ثریم اسے کہتی ہے کہ وہ اپنے گھر والوں کو بتا دے پوری بات..... وہ بتاتی ہے کہ کرن اغوا ہوگئی ہے، عمائم، نورس سے کہتی ہے کہ کرن اغوا ہوگئی وہ بے قصور تھی تو نورس کہتی ہے کہ تمہیں کیا پتا کہ وہ بے قصور تھی یا گناہ گار..... احتشام، روشان کو بتاتا ہے کہ کوڈ ڈی کوڈ ہو گئے ہیں اب محتاط رہنا ہوگا۔ صوفی صالح کے چھ بیٹے اور ایک بیٹی تھی جس میں سے دو بیٹے اور ایک بیٹی حافظ قرآن تھی۔ ماں، عمامہ کو کہتی ہیں کہ ان کی وجہ سے انہیں بہوؤں سے شرمندگی کا سامنا کرنا پڑا۔ عمامہ، شام سے ملنے آتی ہے تو وہ اسے واپس جانے کو کہتا ہے صوفی صاحب اسے دیکھ کر سوچتے ہیں کہ کہیں جانے کے لیے شام کو کہنے گئی ہوگی۔ شام، عمامہ کو کہتا ہے کہ اسے صرف عزت پیاری ہے۔ طاہرہ، ساس کے پوچھنے پر کہتی ہیں کہ وہ چاہتی ہیں کہ عمامہ ان کی نظروں کے سامنے رہے جس پر وہ کہتی ہیں کہ شام کا رشتہ ان کی بہن نے فیقہ کے لیے دیا تھا۔ لیکن عمامہ اپنی پسند سے پیچھے ہٹنے کو تیار نہ تھی۔ شام کی غیر موجودگی میں اس کا رشتہ فیقہ سے طے پا کر کارڈ بھی چھپوا کر بانٹ دیے اس پر عمامہ، شام کو طیش دلانے کی کوشش کرتی ہے مگر وہ کہتا ہے کہ مجھے تمہارے باپ کے سر پر رکھے عمامے اور اپنی عزت سے بہت پیار ہے۔ تم واپس لوٹ جاؤ۔ فیقہ اور عمامہ کی رخصتی ایک ساتھ طے کر دی گئی۔ طابہ (بھاوج) عمامہ کو کہتی ہے کہ شام بھی تمہیں بہت چاہتا ہے، وہ اسے مجبور کرے گی تو وہ ضرور بولے گا۔ عمامہ کہتی ہے کیا وہ سول میرج کے لیے مان جائے گا اور کیا وہ عمامہ کا ساتھ دے گی تو طابہ معذوری ظاہر کرتی ہے اور کہتی ہے میں تقی سے بات کروں گی۔ عمامہ انکار کر دیتی ہے رشتے سے اور شام کے پاس جاتی ہے تو وہ کہتا ہے یہ تمہارے الفاظ نہیں ہیں تم نے اس معاملے میں کسی اور کو بھی شامل کر لیا ہے۔ طابہ نے شام کے منہ سے عمامہ کے لیے اظہار محبت کے الفاظ دادی اور فیقہ تک پہنچا دیے۔ عمامہ، طابہ کے ذریعے شام کو بلاتی ہے اور اس کو سول میرج کے لیے راضی کرتی ہے ساری بات فیقہ سن لیتی ہے۔ عمامہ فون پر کہتی ہے صوفی صالح کی بیٹی عمامہ حادثاتی موت کا شکار ہوگئی ہے۔ آپ بارات مت لائیے گا۔ عمامہ کو یہ بات کرتے طاہرہ سن لیتی ہیں وہ اس پر غصہ کرتی ہیں وہ صوفی صالح سے کہتی ہیں ہم نے جلد بازی کر لی۔ فرخ (منگیتر عمامہ) اور اس کے بہنوئی کا ایکسیڈنٹ ہو جاتا ہے جس میں بہنوئی کی ڈیتھ ہو جاتی ہے، دونوں شادیاں نامعلوم مدت کے لیے کینسل ہوگئیں شام کہتا ہے شادی ٹلنے کی نہیں رکنے کی دعا مانگ لیتیں عمامہ اسے بزدل کہتی ہے تو شام کہتا ہے میں احسان فراموش نہیں۔ طابہ، عمامہ کو کہتی ہے کہ وہ اماں سے بات کرے گی وہ آگے پڑھنے کے بارے میں سوچے، عمامہ ہامی بھر لیتی ہے۔ شمسہ بھابی، عمامہ کو کہتی ہیں کہ طابہ سے دور رہو وہ تمہیں نقصان پہنچائے گی۔ عمامہ کا کالج میں ایڈمیشن ہوتا ہے تو دادی کہتی ہیں کہ وہ کوئی چاند چڑھائے گی۔ طابہ اپنے شوہر تقی سے کہتی ہے کہ فیقہ پھپھو کو شام اور عمامہ کے حوالے سے کچھ شبہات ہیں تو تقی کہتا ہے کہ شام جس سے بھی بات کرے وہ اسے شک کی نگاہ سے دیکھیں گی۔ عمامہ کو کالج چھوڑنے شام جاتا ہے تو گاڑی کا ٹائر پنکچر ہو جاتا ہے اور ایک آدمی ملتا ہے جو عمامہ کے لیے گھٹیا الفاظ استعمال کرتا ہے اور شام کے پوچھنے پر خود کو اس کا باپ منصور سیال بتاتا ہے۔

اب آگے پڑھیے.....

قسط نمبر 8

دروازہ کھلا اور پھر بند ہوا تھا۔ عمائم نے گردن موڑ کر نہیں دیکھا۔ آنے والی انتظامیہ کی ہیڈ نہیں تھی۔ عمائم نے

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

ایک کورا سٹوری ذہن میں ترتیب دے لی تھی جب وہ کھانے کی ٹرے رکھ کر جانے لگی تب عمائم نے بے ساختہ اسے آواز دے کر روکا تھا۔

''اُمِّ رومان؟'' اس کی آواز پر اُمِّ رومان رک گئی تھی۔ عمائم نے باتھ کی طرف اشارہ کر کے کہا تھا۔ ''نل میں پانی نہیں آرہا۔ وضو کیسے کروں؟ نماز قضا ہو رہی ہے۔'' اس نے بے چین سے انداز میں بات مکمل کی تھی۔ اُمِّ رومان جانتی تھی جامعہ کی بہت کم لڑکیاں نماز قضا کرتی تھیں اور وضو کے لیے پانی کا ہونا ضروری تھا۔ نہ جانے نل میں کیا خرابی تھی؟ پانی کیوں نہیں آرہا تھا؟ ام رومان نے کچھ دیر کے لیے سوچا پھر باتھ روم کی طرف بڑھ گئی۔ اُمِّ رومان کے باتھ روم کی طرف جاتے ہی عمائم اپنی جگہ سے اٹھی تھی پھر اس کے اندر گھستے ہی اس نے دروازہ باہر سے لاک کر دیا تھا۔ اُمِّ رومان باتھ روم کے اندر رہ گئی تھی۔

''سوری ام رومان! اس تکلیف کے لیے سوری۔'' عمائم نے اونچی آواز میں معذرت کی تھی پھر اپنا گاؤن اور حجاب لے کر باہر نکل گئی۔ اب وہ طویل کاریڈور سے گزر رہی تھی۔ اسے اکیڈمک بلاک جانا تھا۔ یہ ایڈمن آفسز کی بلڈنگ تھی۔ بیچ میں وسیع گراؤنڈ تھا۔ وہ بہ مشکل بچتی بچاتی اکیڈمک بلاک کی بلڈنگ میں گھس آئی تھی۔ اب وہ ماربل کے طویل گلیاروں سے گزر رہی تھی۔ جامعہ کی غلام گردشوں میں گھوم رہی تھی۔ کاریڈور سے گزر کر اس نے ہال کی طرف رخ کیا تھا۔ یہ مقامی لڑکیوں کا ہال تھا۔ اس وقت غول کے غول گھر جانے کے لیے تیار تھے۔ عمائم نے ایک لڑکی کا بازو دبوچ لیا تھا۔

''ارے فاطمہ تم.....'' عمائم نے جوش کا مظاہرہ کیا تھا۔ وہ لڑکی کچھ حیران ہوئی تھی پھر اسے پہچاننے کی کوشش کرنے لگی۔ اس کام میں ناکام ہو کر اس نے بے بسی سے کہا تھا جیسے کچھ نادم بھی ہو۔

''فاطمہ نہیں نور، معاف کیجیے گا پہچان نہیں سکی۔'' نور نے قدرے شرمندگی سے سر جھکا کر کہا تھا۔ عمائم نے نرمی سے سمجھ کر سر ہلایا تھا۔ پھر نور کا ہاتھ تھام کر بولی۔

''آپ کی بہن میرے ساتھ یونیورسٹی میں تھیں۔ بس آپ کی شکل دیکھ کر اس کی یاد آگئی۔'' عمائم پرانا وقت یاد کر کے آبدیدہ سی ہو گئی۔ جیسے خدانخواستہ نور کی بہن دنیا سے گزر چکی ہو مگر اس کی بہن دنیا میں تھی کہاں؟ ہکا بکا سی نور نے حیرانی سے کہا۔

''لیکن میری تو کوئی بہن ہے ہی نہیں۔'' نور کا منہ حیرت سے کھل گیا تھا۔ اب کے عمائم گڑبڑا گئی تھی۔ لمحہ بھر کے لیے اس کا ذہن خالی سا ہو گیا تھا پھر وہ مسکرا کر بڑے اعتماد سے بولی۔

''کیا خبر، مجھے غلط فہمی ہوئی ہو۔'' اس نے معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔ پھر اس سے اجازت لینی چاہی تھی مگر نور نے اس کا بازو پکڑ لیا۔ عمائم کچھ حیران ہوئی تھی۔ نور نے قدرے جوش سے کہا تھا۔

''قائداعظم یونیورسٹی میں میرا بھائی پڑھتا تھا اس کے نقوش مجھ سے ملتے ہیں۔'' نور کچھ غمگین ہو گئی تھی اس کا جوش بھی ذرا ماند پڑا تھا۔ آنکھوں کے فرش بھی گیلے سے تھے۔ کچھ دیر بعد وہ آنکھوں کے کونے پونچھ رہی تھی پھر بھرائی آواز میں بتانے لگی۔

''وہ لاہور گیا تھا۔ کزن کی شادی پر..... پھر واپس ہی نہ آیا۔ وہاں لاہور میں دھماکا ہوا تھا ناں۔'' نور کے آنسو ٹپ، ٹپ گرنے لگے تھے۔ وہ ہونٹ کاٹتے ہوئے شدید اذیت میں تھی۔ عمائم کو بے حد ندامت ہوئی۔ انجانے میں اِک انجان لڑکی کے دکھ چھیڑ دیے تھے۔ بیچاری کے زخم ہرے ہو گئے تھے۔

''دھماکے میں میرا باقی خاندان بھی ختم ہو گیا۔ امی، بابا، دادی.....'' وہ بے آواز روتی رہی تھی۔ عمائم کا دل

Waqar Azeem
Pakistanipoint

دکھ سے بھر گیا تھا۔ اس نے بے ساختہ نور کو سینے میں بھینچ لیا۔

''سوری نور! مجھے معاف کر دو۔'' اس نے ندامت سے کہا۔

''آپ کا کیا قصور؟'' نور سوں، سوں کرتی نفی میں سر ہلانے لگی۔ اس نے گال پونچھے پھر نرمی سے عمائم کی طرف دیکھا۔ ''میرا بھائی آپ کا کلاس فیلو ہوگا۔'' اس نے یقین سے کہا تھا۔ عمائم سے جھوٹ نہیں بولا گیا۔ اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''میں اسلامک یونیورسٹی میں تھی۔'' عمائم نے سر جھکا کر کہا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے اعتراف جرم کر رہی ہو۔

''او..... پھر تو یقیناً غلط فہمی ہوئی ہوگی۔'' نور اب کے مسکرا دی تھی۔ ''پھر بھی آپ سے بات کر کے اچھا لگا۔'' وہ با اخلاق لڑکی تھی۔ شائستگی سے مسکراتی رہی۔ عمائم کو اپنا مدعا کچھ آسان لگا۔ نور اس کی یقینی طور پر مدد کر سکتی تھی۔ کچھ دیر بعد عمائم نے گلا کھنکھار کے نور سے کہا۔

''نور! کیا آج کے لیے تم اپنا گاؤن مجھے دے سکتی ہو؟ ہم گاؤن بدل لیتے ہیں۔ صبح تم واپس لے لینا۔'' اس کو سوال کرنا ہمیشہ مشکل لگتا تھا۔ کسی سے چیز مانگنا اور بھی دشوار لگتا تھا۔ اب مجبوری تھی ورنہ وہ کبھی ہتھیلی نہ پھیلاتی۔ نور نے اس کی بات پر کچھ حیرت کا اظہار کیا تھا تاہم مزید سوال نہ کر سکی۔ اس نے بازو پر رکھا اپنا گاؤن عمائم کو دے دیا تھا اور عمائم کا گاؤن خود لے لیا۔ عمائم نے بے ساختہ اس کا شکریہ ادا کیا تھا۔ پھر سکون سے گاؤن پہن لیا۔ گرے کلر کے گاؤن میں وہ کوئی الگ عمائم لگ رہی تھی پھر اس نے آنکھوں پر گلاسز لگا لیے تھے۔ تھوڑی دیر تذبذب کے بعد عمائم نے نور سے کہا۔ ''کیا آج کے دن ہم کارڈ بدل لیں۔'' عمائم نے اپنا انٹری کارڈ نور کی طرف بڑھایا تھا۔ اب کے نور واقعی حیران رہ گئی تھی۔ آخر عمائم یہ سب کیا کر رہی تھی؟ جامعہ کے انٹری کارڈ بدلنے کا کیا مطلب تھا؟ یعنی تھوڑی دیر کے لیے دونوں اپنی شناخت بدل رہی تھیں۔ عمائم کارڈ بدلنے کا کیا جواز دے سکتی تھی؟ اس نے سوچنے کے لیے کچھ ٹائم لیا تھا۔

''ایکچوئیلی میں نے چھٹی کے لیے اپلائی کیا تھا لیکن مجھے چھٹی نہیں مل سکی۔ گھر میں والدہ پریشان ہیں۔ میں ان کی تسلی کے لیے گھر جانا چاہتی ہوں۔ مین گیٹ پر مجھے روک لیا جائے گا۔ تم تو یہیں رہتی ہو نور! تم سے انویسٹی گیشن نہیں ہوگی۔ تم اپنا کارڈ مجھے دے دو۔'' عمائم نے بہت لجاجت سے کہا تھا۔ جیسے اس سے زیادہ مجبور کوئی نہیں تھا۔ نور کیا جانتی تھی وہ تو واقعی بہت مجبور تھی۔ کچھ دیر بعد نور نے اپنا کارڈ عمائم کو پکڑا دیا تھا۔ وہ اس کی مجبوری سمجھ گئی تھی۔ جانے اس کی والدہ کتنی بیمار تھیں۔ نور کو سامنے کھڑی لڑکی پر ترس آیا تھا۔ نور کی اپنی ماں نہیں تھی۔ سو وہ عمائم کی ماں کے لیے دل میں نرم جذبہ رکھتی تھی۔

''کیا مجھے کل کارڈ مل جائے گا؟'' نور نے جانے کون سا یقین لینا چاہا تھا۔ اس نے بے ساختہ اثبات میں سر ہلایا تھا پھر نور کا ہاتھ پکڑ کر بولی۔

''میں وعدہ پورا کروں گی۔ صبح تمہاری دونوں چیزیں تمہیں مل جائیں گی۔'' اس نے نور کو یقین دہانی کرائی۔ نور نے اثبات میں سر ہلا دیا تھا جیسے اسے عمائم کی بات پر یقین آ گیا تھا۔ دنیا میں کتنے معصوم لوگ موجود ہوتے ہیں جو بغیر جرح کے دوسروں کی مدد کر دیا کرتے ہیں جن کی آنکھوں میں سوال نہیں ہوتے جو مجبوروں کو شک بھری نگاہ سے نہیں دیکھتے اور جو اپنی سادگی میں دوسرے کے حصے کا نقصان بھی خود اٹھا لیتے ہیں۔ عمائم نے اسے تشکر بھری نگاہ سے دیکھا۔ پھر ہال کا داخلی دروازہ بند کر کے تاریخ کے کھلے دروازے میں داخل ہو گئی تھی۔ اس نے ایک کھلا چٹیل میدان دیکھا تھا۔ دور دور مٹی کے کہیں ٹیلے بھی تھے۔ کچھ اونچی، اونچی جھاڑیاں بھی دکھائی دیتی تھیں۔ وہ بے اندازہ چلتی رہی۔ چلتے، چلتے ہانپ سی گئی۔ دور، دور کسی قدیم شہر کے محراب نظر آ رہے تھے۔ بلند و بالا مینار، پرانی قدیم

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

عمارتوں سے سجا شہر..... پھر اس کے کانوں نے گھوڑے کے ٹاپوں کی آواز سنی تھی۔ کئی ہزار گھوڑے بگٹٹ بھاگ رہے تھے۔ دور سے تلواروں، شمشیروں اور نیزے بازوں کی ہنکار سنائی دیتی تھی۔ عمائم خوف زدہ سی ایک ٹیلے پر چڑھ گئی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس نے گائیوں کا بہت بڑا گلہ آگے بڑھتے دیکھا۔ یہ ہر رنگ کی خوب صورت گائے تھی جو ڈکارتے ہوئے اسی قدیم شہر کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ شہر کے داخلی دروازوں میں چوہان کھڑے تھے جو اپنی تلواروں کو بند کیے پیچھے ہٹتے رہے۔ گائیوں کی آڑ میں فوج آگے بڑھتی رہی تھی۔ گھوڑے غدر مچاتے رہے اور اونچے محرابوں والے شہر میں داخل ہو گئے۔ چوہان گائیوں کو کاٹ کر ''ترکوں'' تک نہ پہنچ سکے۔ پھر کہیں طبل بجا اور منادی کرنے والے نے اعلان کر دیا۔ محمد غوری نے دلی فتح کر لیا۔ عمائم بھی حیران رہ گئی تھی۔ اس نے کسی فوج کے سپاہی سے پوچھا۔ ''یہ کون سا شہر ہے؟''

کسی بتانے والے نے عمائم کو بتا دیا۔ ''اے لڑکی! تمہیں خبر نہیں۔ یہ ''دلی'' شہر ہے۔ ترکوں نے دلی کو فتح کر لیا۔'' عمائم نے جوش سے آنکھیں مسل کر دیکھا۔ وہ جامعہ کے گراؤنڈ میں کھڑی تھی۔ پھر تیزی سے لڑکیوں کے غول میں شامل ہو گئی۔ انٹری کارڈ کی فرداً فرداً چیکنگ کے بعد عمائم کے سر سے تلوار ہٹ گئی تھی۔ اس نے لڑکیوں کی آڑ میں نورس کو ''ہرا'' دیا تھا۔ نورس اندر تھی۔ عمائم باہر تھی۔ اس نے کھلے آسمان کو محبت سے دیکھا۔ یہ اس کے حصے کا آسمان تھا۔ یہ عمائم کا اپنا آسمان تھا۔

☆☆☆

''چھتری بارش کو نہیں روک سکتی لیکن اس کی وجہ سے ہم بارش میں بغیر بھیگے کھڑے ہونے کے قابل ہوتے ہیں۔ اسی طرح اعتماد ہمیں کامیابی نہیں دلاتا لیکن یہ ہمیں وہ قوت دیتا ہے جس کے ذریعے ہم مشکلات کا سامنا کر سکتے ہیں۔'' کسی نے درست کہا تھا، عمائم نے گلابی چھتری پھیلا کر آسمان سے اترنے والی اکلوتی بوند کو سمیٹ لیا تھا۔ اب وہ فٹ پاتھ پر چل رہی تھی اور خود کو آسمان سے اترنے والی بوندوں سے بھی ہلکا تصور کر رہی تھی۔

وہ مصیبت کو اپنے پیچھے چھوڑ آئی تھی حالانکہ مصیبت اتنی آسانی سے پیچھا نہیں چھوڑتی۔ جامعہ سے نکل آنا کامیابی نہیں تھی۔ اصل کامیابی تو جامعہ میں دوبارہ داخل ہونا تھا اور وہ سوچ رہی تھی کہ کل کس طریقے سے واپسی کے راستوں پر چلے گی؟ بہر حال جامعہ سے اچھی کوئی منزل نہیں تھی پھر نور سے وعدے کا بار بھی اٹھا رکھا تھا۔ اب اسے اگلے لائحہ عمل پر غور کرنا تھا کیونکہ اب عمائم ذہن کی بند کھڑکیوں کے پار دیکھتی تھی۔ جالے کہیں، کہیں دکھائی تو دیتے تھے مگر جالے ہٹائے جا سکتے تھے۔

اس نے فٹ پاتھ سے اتر کر ٹیکسی پکڑ لی تھی پھر گھر سے کئی فرلانگ پیچھے ہی اتر گئی۔ اب وہ ایک مرتبہ پھر فٹ پاتھ پر چل رہی تھی جو ہلکا اضطراب وہ پیچھے چھوڑ آئی تھی پھر سے دل میں چٹکیاں سی بھرنے لگا۔ وہ سوچ رہی تھی کیا ہی اچھا ہو وہ اپنے منصب سے کچھ نیچے آ جائے، اپنی انا کے مینار سے جھانک کر دیکھ لے۔ تھوڑی سی خوشامد اور چاپلوسی کے ذریعے عالی کی بات مان کر احتشام سے فیور لے۔ وہ نورس کو اچھی طرح ہینڈل کر لے گا اتنا تو اسے یقین تھا۔ وہ سوچتی ہوئی کچھ آگے بڑھی۔ احتشام کے ساتھ اس کی بے تکلفی نہیں تھی۔ ان کے درمیان برائے نام بات چیت ہوتی تھی پھر کوئی خاص قسم کی فیور سے پہلے کم از کم ماحول تو سازگار کرنا تھا اور اچھا ''ماحول'' دوستی کی ابتدا سے بنتا ہے تو کیا عمائم کو احتشام کے ساتھ دوستی کی ابتدا کر لینی چاہیے؟ کم از کم اپنا کام نکالنے تک؟ مصیبت میں گدھے کو بھی..... اس میں حرج ہی کیا تھا؟ وہ ضمیر کے کچوکوں سے بچتی بچاتی کرنل خان کے فارم ہاؤس کے قریب رک گئی تھی پھر اس نے کرنل خان کے مالی سے چند پھول توڑنے کی اجازت لی تھی۔ ٹیولپ کے خوب صورت پھول ٹہنیوں اور پتوں سمیت توڑ کر اب وہ اپنے بالوں میں لگے ربن کو کھینچ کر نکال رہی تھی۔ کچھ دیر میں ٹیولپ کے پھول

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

ربن میں بندھ گئے تھے، ایک خوب صورت بُوکے تیار تھا۔ وہ کچھ مطمئن سی فٹ پاتھ پر چلنے لگی تھی۔ احتشام کا رویّہ کیا ہوگا؟ پھولوں کو کیسی پزیرائی ملے گی؟ وہ سوچتی ہوئی اٹک سی گئی۔ موڑ کے قریب کرنل خان کھڑے تھے۔ عمائم کی سانس رک سی گئی۔ اب نہ مالی کی خیر تھی نہ عمائم کی۔ کرنل خان اپنے باغیچے کے لیے بڑے خطرناک مشہور تھے۔ اتنے پھول دیکھ کر تو پھٹ ہی پڑتے۔ عمائم نے بے ساختہ بوکے پیچھے چھپایا تھا مگر کرنل خان کی عقابی نظریں.....؟ وہ... بے نیازی سے قریب آئی اور گزر گئی۔ کرنل خان آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھتے رہے تھے۔

''چور تو نہیں لگتی۔'' انہوں نے زیرِلب بڑبڑا کر کہا۔ پھر سر جھٹک کر آگے بڑھ گئے تھے۔ عمائم نے گردن موڑ کر دیکھا اور سر پر پیر رکھ کر بھاگ کھڑی ہوئی تھی۔

گیٹ کے قریب آ کر اس نے برابر والی عمارت پر نگاہ ڈالی۔ اب وہ سوچ میں پڑ گئی تھی کہ کیا کرے۔ گھر کے اندر جا کر پھول دینے کا رسک وہ لینا نہیں چاہتی تھی اور گھر سے باہر احتشام سے ٹکرانا ناممکن سی بات تھی۔ وہ گیٹ کے قریب ہی غور کرتی رہی۔ احتشام کے بیرونی لان میں خاموشی تھی۔ تاہم باڑ کے پار باتوں کی بھنبھناہٹ سی محسوس ہوئی تھی۔ عمائم نے غیر ارادتاً تھوڑا آگے ہو کر دیکھا تھا۔ سات سات فٹ کی باڑ کے اندر سفید پالش شدہ کرسی پر احتشام بیٹھا تھا۔ عمائم کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ دعائیں ایسے بھی قبول ہو جاتی ہیں۔ اتفاقات شاید اسی کو کہتے ہیں۔ وہ دل کڑا کر کے کچھ آگے بڑھی تھی۔ ذرا سی خوشامد سے کام بن جاتا تو.....؟

اس نے بیرونی لان کے داخلی دروازے کو دیکھا تھا جو سبز بیلوں سے چھپا ہوا تھا۔ وہ جی داری سے آگے بڑھی تھی۔ احتشام نے سرسراہٹ پر گردن موڑ کر دیکھا۔ حیرت کچھ ایسی شدید تھی کہ وہ بے ساختہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اس کی آنکھوں کا سرد تاثر بڑھ سا گیا تھا یا پھر عمائم کو ہی محسوس ہوا تھا۔ اس کی ساری بہادری ''ہوا'' ہو گئی تھی۔ وہ عمائم کو ہی دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں الجھن نہیں تھی جبکہ عمائم کی جیسے جان نکلنے لگی تھی۔

''کیسے آنا ہوا؟'' اسے خاموش، حواس باختہ دیکھ کر احتشام کو ہی پوچھنا پڑا تھا۔ عمائم کے سارے خوشامدی الفاظ غبارے میں سے ہوا کی طرح نکل گئے تھے۔

''ایسے ہی... عالی نے کہا تھا۔'' عمائم مسکرانے کے چکر میں ہونق سی بن گئی تھی۔ احتشام نے حیرت سے اسے دیکھا۔

''عالی نے کیا کہا تھا؟'' احتشام نے بے ساختہ پوچھا۔ وہ ایک مرتبہ پھر ہونق سی ہو گئی۔ سارے ترتیب دیے الفاظ ایک، ایک کر کے بکھر گئے تھے۔ وہ پچھتا رہی تھی کہ کیوں خوشامد کے چکر میں آ گئی۔ کم از کم احتشام کے سامنے بولنا آسان کام نہیں تھا۔ اس نے گویا تسلیم کر لیا تھا۔

''عالی نے کہا تھا آپ کو ٹیولپ کے پھول بہت پسند ہیں۔ یہ بلب کی شکل میں ہوتے ہیں۔'' عمائم نے ہونق پن سے پیچھے کیا ہاتھ آگے کر دیا تھا۔ اسے یاد نہیں پڑتا تھا کہ عالی نے کبھی اسے بتایا ہو کہ احتشام کو ٹیولپ کے پھول پسند ہیں بلکہ احتشام کے ٹاپک پر عمائم، عالی کی کوئی بات نہیں سنتی تھی۔ کاش سن ہی لیتی۔ کم از کم عالی کے ''احتشام نامہ'' سے کچھ معلومات ہی مل جاتیں۔

''یہ ٹیولپ کے پھول ہیں۔ بجلی کے بلب کی شیپ میں۔ ہالینڈ میں کاشت کیے جاتے ہیں۔ یہ چھوٹا سا ملک ٹیولپ کی کاشت سے ہی کروڑوں ڈالر کما لیتا ہے۔ یہاں ہماری کالونی میں صرف کرنل خان کے باغیچے میں نظر آتے ہیں۔ اگر وہاں سے چوری کر کے لائی ہو تو لاؤ میں انہیں واپس کر دیتا ہوں۔ اگر پوچھ کر لائی ہو تو بڑی کمال بات ہے۔ کرنل خان نے حاتم طائی کی قبر پر لات ماردی۔ ٹیولپ کے پھول اچھے ہیں پھر بھی عالی نے غلط انفارمیشن دی تمہیں..... مجھے تو تازہ سرخ گلاب پسند ہیں۔ خواہ مخواہ ڈکیتی کر کے ٹیولپ اٹھا لائیں۔ یہاں سے گلاب توڑ کر دے دیتیں۔'' احتشام نے مسکرا کر اپنی بات مکمل کی۔ عمائم کے ہاتھ سے پھول بھی پکڑ لیے پھر مسکرا کر اس کے چہرے کو

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

بغور دیکھا۔

''عالی نے اور کیا بتایا ہے؟'' اس کی آنکھوں میں شرارت تھی۔ عمائم سمجھ ہی نہ سکی۔ وہ تو آنکھوں سے مسکرا رہا تھا۔ جیسے عمائم کو دیکھ کر بہت محظوظ ہوا ہو۔

''کچھ نہیں۔'' عمائم نے نفی میں سر ہلایا۔ اب وہ یہاں سے بھاگنے کے لیے پر تول رہی تھی۔ اسے احتشام کا انداز اپنا مذاق اڑاتا محسوس ہو رہا تھا۔ وہ خود پر لعنت بھیج رہی تھی کہ خوشامد کے چکر میں یہاں آئی ہی کیوں؟

''پھولوں کے لیے شکریہ..... ویسے کس خوشی میں اتنا تردد کیا ہے۔'' احتشام نے مسکرا کر معصومیت سے پوچھا تھا۔

عمائم تن فن کرتی پلٹنے لگی تھی۔ پھر جاتے جاتے اس نے غصے میں جتایا۔

''یہ چوری کا مال نہیں۔'' وہ جیسے پھٹ پڑی تھی پھر غصے میں پلٹ گئی۔ جب وہ باڑ کے قریب سے گزر رہی تھی تب اسے احتشام کی آواز سنائی دی تھی۔ اس نے گردن موڑ کر دیکھا۔ وہ فون پر کسی کے ساتھ مصروف نظر آیا۔ اس کی آواز یہاں تک آ رہی تھی۔

''قدیم یونان کا فلسفی دیو جانس کلبی ایک دن بیٹھا مسور کی دال کھا رہا تھا، اتنے میں ایک اور فلسفی وہاں آ گیا جو شاہی دربار سے وابستہ تھا اور عیش و عشرت کی زندگی بسر کر رہا تھا۔ اس نے دیو جانس کلبی سے کہا۔ ''اگر تم بادشاہ کی تعریف اور خوشامد کرنا سیکھ لیتے تو مسور کی دال جیسی معمولی غذا کھانے پر مجبور نہ ہوتے۔'' دیو جانس بولا۔ ''اگر تم مسور کی دال جیسی غذا کھانا سیکھ لیتے تو بادشاہ کی تعریف اور خوشامد پر مجبور نہ ہوتے۔'' احتشام کی مسکراتی آواز نے عمائم کے تن من میں آگ لگا دی تھی۔ وہ لفظ ''خوشامد'' پر گرتے گرتے بچی تھی۔ تو کیا احتشام سمجھ گیا تھا۔ عمائم اس کی خوشامد کے لیے آئی تھی۔ اس نے گردن موڑ کر پھر دیکھا۔ وہ ٹیولپ کے پھولوں کو ہونٹوں سے چھو کر مسکرا رہا تھا۔ عمائم کی آنکھوں میں نمی اتر آئی۔

''کس قدر چالاک ہے یہ۔'' اس نے غصے میں سوچا تھا پھر تن فن کرتی گیٹ پار کر گئی۔ اس نے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا تھا۔ دیکھ لیتی تو حیران رہ جاتی۔ احتشام نے گلابی ربن کی گانٹھ کھول کر ربن احتیاط سے جیب میں رکھ لیا تھا جیسے محفوظ کر لیا تھا پھول اب بھی اس کے ہونٹوں کو چھو رہے تھے۔

☆☆☆

وہ بہت غصے میں اندر آئی تھی۔ صد شکر کہ تائی امی سے ملاقات نہیں ہوئی۔ ورنہ وہ غصے میں پھٹ پڑتی اور نتیجتاً انہیں ساری کارروائی کا علم ہو جاتا۔

اس نے روم میں آ کر گاؤن اتارا پھر حجاب کھول کر واش روم میں گھس گئی۔ ٹھنڈے پانی سے منہ دھو کر باہر آئی تھی جلتی آنکھوں کو سکون مل گیا تھا۔ پھر بیڈ پر رکھے موبائل فون کو دیکھ کر چونک گئی۔ ایک نیو میسج جگمگا رہا تھا۔

اس نے کلک کے ساتھ میسج اوپن کیا، لکھا تھا۔ ''زمین کی تہوں کو کھودیں تو کچھ نہ کچھ ضرور مل جاتا ہے۔ ہر کھدائی خزانوں کے سراغ نہیں بتاتی۔ تاہم کھدائی کے نیچے کوئی نہ کوئی سراغ ضرور دبا ہوتا ہے۔ چاہو تو آزما لو۔''

عمائم نے الجھن کے ساتھ میسج کو ایک بار، دو بار، سو بار پڑھا۔ پہلی مرتبہ آسانی کے ساتھ وہ کوئی بات نہیں سمجھ سکتی تھی۔ یہ اس کی بڑی مجبوری تھی کچھ دیر بعد ایک اور میسج آیا۔ عمائم نے بے تابی سے کھول کر دیکھا تھا۔

''کنویں عموماً پانی کے لیے ہوتے ہیں لیکن ہر کنواں پانی سے بھرا نہیں ہوتا۔ ایسے حالات میں پانی نکالنے کے لیے کنویں میں چھلانگ لگانا عقلمندی نہیں۔ آپ ڈول گرا کر پانی نکال سکتے ہو۔ ڈول نہ بھی ہو تو عقل ضرور ہو گی۔ عقل کی تہوں کو کھول کر دیکھنا۔ کوئی نہ کوئی حل ضرور دکھائی دے گا۔'' عمائم نے الجھ کر ایک مرتبہ پھر پڑھا۔ مشکل باتیں آسانی سے سمجھ نہیں آتی تھیں۔ وہ تھوڑا تھک سی گئی تھی۔ کچھ دیر بعد حریم نے کمرے میں جھانکا تھا۔ عمائم کو دیکھ

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

کر وہ اندر لپک آئی تھی۔

''تم آگئیں عمائم؟'' اس نے بے ساختہ جوش سے کہا۔ عمائم نے سادگی سے بتایا۔

''نہیں، رستے میں ہوں۔'' وہ ذرا سا مسکرا دی۔ اس کی مسکراہٹ پر حریم جھینپ سی گئی۔

''میں نے کیک بیک کیا تھا عمائم۔'' حریم نے خوشی، خوشی بتایا۔ عمائم اٹھ کر الماری کے قریب آ گئی۔

''تو میرا حصہ؟'' اس نے نرمی سے دریافت کیا۔ حریم کا منہ بن گیا۔

''نصیب میں نہیں تھا۔ ماما نے نظر لگا دی۔'' وہ دکھی صورت بنا کر تفصیل بتانے لگی۔ مزید اموکی کارروائی بھی بتا دی۔ ماما اور دادی کی جھڑپ بھی گوش گزار کر دی۔ اس کے ہلکے پیٹ میں کوئی بات رکتی نہیں تھی۔ عمائم کے چہرے کا رنگ بدل گیا تھا۔ حریم کو بعد میں احساس ہوا۔ اب اس سے بات نہیں بن رہی تھی۔

''دادی نے ماہم کو منہ توڑ جواب دیا۔ اسے خوب مزہ چکھایا۔'' حریم نے عمائم کو خوش کرنا چاہا تھا۔ لیکن یہ کوشش قطعاً بیکار تھی۔ وہ عمائم کو خوش نہیں کر سکی تھی۔ نہ اس کی آنکھ میں اتری نمی کو صاف کر سکی۔ حریم کا دل بوجھل ہوا تھا۔

''سوری عمائم۔'' حریم کی آنکھوں میں آنسو چلے آئے تھے۔ عمائم کو اپنا رویہ بدلنا پڑا تھا۔ حریم بمشکل مسکرا سکی تھی۔ پھر کمرے سے سر جھکا کر نکل گئی۔ ''زیادہ بولنا خسارہ ہے۔'' حریم کو یہ بات سمجھ میں آ گئی تھی۔ وہ روم سے نکل گئی۔

عمائم نے گہری سانس کھینچ کر الماری کھول لی۔ مگر یہ کیا؟ کپڑوں کا ڈھیر اس کے پیروں میں آ گرا تھا۔ اس کی ترتیب شدہ الماری کی حالت خراب تھی۔ استری شدہ سارے کپڑے گولوں کی شکل میں ٹھونسے گئے تھے۔ دوسری مرتبہ اس کی الماری پر کوئی ہاتھ صاف کر گیا تھا۔ عمائم کا ماتھا ٹھنکا۔ غصہ چڑھا، وہ کپڑوں کا ڈھیر کارپٹ پر رکھے سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔ کم از کم چار پانچ گھنٹے دوبارہ ترتیب کے لیے چاہیے تھے۔ اس کا سر چکرانے لگا۔ پھر مزید کپڑوں کا ڈھیر اٹھانے الماری میں گھس گئی تھی۔ گرم شالیں، جرسیاں، سویٹر..... اتنے پہاڑ کے نیچے بھی کچھ رکھا تھا۔ عمائم کے ہاتھ سے کوئی چیز ٹکرائی تھی۔ وہ قدرے چونک گئی۔ پھر اس نے کپڑوں کا ڈھیر اٹھا، اٹھا کر کارپٹ پر پٹخا تھا۔ اس کے ذہن میں کچھ کلک کر رہا تھا۔

''زمین کی تہوں کو کھودیں تو کچھ نہ کچھ ضرور مل جاتا ہے۔ ہر کھدائی خزانوں کے سراغ نہیں بتاتی۔ تاہم کھدائی کے نیچے کوئی نہ کوئی سراغ ضرور مل جاتا ہے۔'' عمائم کے ذہن سے ایک گرہ کلک کے ساتھ کھل گئی تھی۔ ''زمین کی تہوں کی نیچے'' وہ زیر لب بڑبڑائی تھی۔ ''کپڑوں کی تہوں کے نیچے۔'' وہ پھر سے بڑبڑائی تھی کچھ دیر بعد ڈھیر کے نیچے سے گم شدہ پیکٹ برآمد ہو گیا تھا۔

☆☆☆

سڑک کے اطراف میں درختوں کی دورویہ قطار تھی۔ اونچے، اونچے درختوں کے جھنڈ سڑک پر سایہ فگن تھے۔ یہ طویل شاہراہ بہت ٹھنڈی اور پرسکون تھی۔ گرمیوں میں ٹھنڈک کی تاثیر دیتی تھی۔ سرما میں سورج کی ایک کرن بھی نہ گرتی۔ درختوں نے سورج کے سامنے پردہ سا تان رکھا تھا۔

بہت پیاری رنگ برنگی شام چڑیوں کے گھونسلے، درختوں کی اونچائیوں میں گم تھے۔ کہیں پھرتیلی گلہریاں اٹکھیلیاں لر رہی تھیں۔ چڑیوں نے درختوں پر بسیرا کر رکھا تھا۔ وہ شاخوں سے لپٹ، لپٹ کر جھولا جھولتیں۔ بھوک لگتی تو درخت کے پھلوں کو ٹھونگنے لگتیں۔

یہی کچے پکے پھل لگاتار ایک تواتر سے گرتے، سڑک پر پھسلتے اور کہیں، کہیں گاڑیوں کے پہیے تلے بری طرح کچلے جاتے تھے۔ نیچے گرے پھلوں کو گلہریاں اٹھا لیتیں۔ کچلے ہوئے سڑک پر گرے پھل کہیں تو جنگلی بکریاں نگل

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

لیتیں اور کہیں اڑتے پرندوں کے پیٹ میں اتر جاتے۔ مالک نے سب کی ''روزی'' کا انتظام کر رکھا تھا۔

عمامہ نے الجھی نگاہ سے دور کھڑے اس خوش پوشاک ادھیڑ عمر آدمی کو دیکھا تھا جو اس کے لیے قطعاً انجان تھا۔ عمامہ نے اسے اپنی پوری زندگی میں نہیں دیکھا تھا۔ اور اب وہ شام کا باپ ہونے کا دعویٰ کر رہا تھا۔ شام نے پنکچر ٹائر کو چھوڑ کر اس آدمی کا بازو دبوچا اور دور بہت دور جا کھڑا ہوا تھا۔ عمامہ نے ایک مرتبہ پھر ان دونوں کی طرف دیکھا تھا۔ اب کے شام نے بھی عمامہ کی طرف نگاہ کی تھی۔ وہ آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے تسلی دے رہا تھا کہ وہ جلدی آ رہا ہے، عمامہ شکل سے بہت ناخوش لگ رہی تھی۔ آج اس کے کالج کا پہلا دن تھا۔ اور اس آدمی کی انٹری بہت بڑی بدشگونی لگ رہی تھی۔ وہ ناگواری سے ان دونوں کی طرف دیکھ رہی تھی۔ جن کے مذاکرات ختم ہونے میں نہیں آ رہے تھے۔ شام کے چہرے پر شدید بیزاریت تھی جبکہ وہ آدمی شام پر نثار ہوتا نظر آ رہا تھا۔ عمامہ دور کھڑی تھی۔ وہ ان کی گفتگو سن نہیں سکتی تھی۔ تاہم اسے اتنی خبر ضرور تھی کہ ماحول قطعاً خوشگوار نہیں ہے۔

''تم نے مجھے پہچاننے سے انکار کر دیا تھا۔ کچھ نہ پوچھو، کتنی تکلیف ہوئی تھی۔'' منصور نے لہجے میں رقت اور اذیت بھر لی تھی۔ آنکھوں میں کھینچ، گھسیٹ کر آنسو بھی بھر لایا تھا۔ وہ شام کا دل اپنے آنسوؤں سے پسیج لینا چاہتا تھا۔ شام اسے ناگواری سے دیکھتا رہا۔

''میں فیکٹری بھی گیا تھا۔ وہاں سے تقی نے مجھے باہر نکال دیا۔ اتنے دھکے دیے حد نہیں..... بہت کٹھور لوگوں میں رہتے ہو تم۔'' منصور نے بھیگی، بھرائی آواز میں شام کو پچھلے کسی دن کا حوالہ دیا تھا۔ جب وہ صوفی صالح کی فیکٹری میں گیا تھا۔ وہاں اپنا تعارف کرایا تو..... تقی نے آ کر اس کی ''دھنائی'' کر ڈالی تھی۔ اتنے ملازموں کے سامنے منصور کی درگت بنا ڈالی تھی۔ وہ شدید اہانت اور بے عزتی سے کٹ مرا تھا۔ حالانکہ اس کے لیے یہ ''بے عزتی'' بڑی معمولی قسم کی تھی۔ پھر بھی شام کے سامنے وہ اپنا بھونپو بجاتا رہا۔ شام کو اس واقعے کی اطلاع تقی کی زبانی مل چکی تھی سو اس نے کوئی نوٹس لینا ضروری نہیں سمجھا تھا۔ اسے یاد تھا، دو دن پہلے تقی نے اسے بتایا تھا۔ تقی نہ بھی بتاتا تب بھی شام فیکٹری کے مین آفس میں اوپر کھڑا دیکھ رہا تھا۔

وہ ایک زرد دھوپ میں اٹی دوپہر تھی۔ بوجھل اور اداس سی۔ فیکٹری کے ورکر کام میں مصروف تھے۔ شام ہول سیل کے ڈیلروں سے ڈیلنگ کے بعد فارغ ہوا تھا۔ ایسے ہی گلاس ونڈو کے پار بے خیالی میں دیکھتا ہوا وہ قدرے چونک گیا تھا۔ مین گیٹ سے ایک خوش لباس آدمی آتا دکھائی دیا تھا۔ سیاہ بال، گورا رنگ، خوب صورت نقوش، اونچا لمبا صحت مند ادھیڑ عمر آدمی تھا۔ چہرے پر عجیب سرخی اور حرص لیے وہ صوفی صالح کی فیکٹری کو ناپسندیدگی اور لالچ سے دیکھ رہا تھا۔ ناپسندیدگی اس لیے تھی کہ یہ فیکٹری اس کی نہیں تھی۔ لالچ اس وجہ سے تھا کہ فیکٹری کا مالک وہ بھی نصیب سے بن سکتا تھا۔ شکل سے لگ رہا تھا چیمبر آف کامرس کا صدر ہو۔ تاہم جیب میں پھوٹی کوڑی نہیں تھی۔ فیکٹری کے ملازم اس آدمی کے رعب میں آگے تھے۔ کبھی بغیر تفتیش کے اسے اندر آنے دیا تھا۔

منصور غرور سے چلتا ہوا سیدھا اکاؤنٹ آفس پہنچ گیا۔ مہینے کا اسٹارٹ تھا۔ ورکرز اپنی تنخواہیں لے رہے تھے۔ منصور کی آنکھوں میں ہرے، نیلے نوٹ چبھنے لگے تھے۔ اس نے منیجر سے اپنا تعارف کرایا۔ منیجر انجان تھا پھر بھی شام کے والد کی حیثیت سے اسے پروٹوکول دیا گیا تھا۔ کچھ دیر اپنی چرب زبانی کے باعث منصور نے منیجر سے دوستانہ جوڑ لیا تھا۔ پھر بڑی بے تکلفی سے پوچھا۔

''وہ الو کی دم، میری احمق اولاد، کیا شیئر ویئر رکھا ہوا ہے فیکٹری میں اس بے عقل کا؟ یا تنخواہ پر ''ٹرخا'' دیتے ہیں۔'' منصور نے چبھتے ہوئے انداز میں منیجر سے پوچھا تھا۔ منیجر نے کچھ دیر کے لیے سوچا۔ پھر سادگی سے نفی میں سر ہلا کر بولا۔

WaqarAzeem
Pakistanipoint.com

''شیئر تو نہیں..... ان کے بیٹوں سمیت سب کو تنخواہیں دی جاتی ہیں۔'' منیجر نے مصروف انداز میں بتایا تھا۔ منصور بدمزہ ہو گیا۔ بھویں سکیڑ کر اِدھر اُدھر دیکھتا رہا۔

''تو پھر مل گئی تنخواہ؟ مہینے کی ''پہلی'' ہے ناں؟'' کچھ دیر بعد منصور نے پھر سے شاہانہ انداز میں پوچھا تھا۔ منیجر نے ناسمجھی سے اس آدمی کی طرف دیکھا تھا۔ پھر بے ساختہ نفی میں سر ہلایا۔

''ابھی تو نہیں.....'' منیجر پھر سے کام میں لگ گیا تھا۔ منصور آنکھیں سکیڑتا اپنی جگہ سے اٹھا۔ پھر منیجر کے قریب جا کر آہستگی سے بولا۔

''تو پھر مجھے دے دو۔ میں شام کا باپ ہوں اور کچھ مجبور بھی ہوں۔'' قریب تھا کہ منصور اپنی مجبوریوں کا فسانہ سنانے شروع ہو جاتا۔ تاہم منیجر نے اس کا ارادہ بھانپ کر بے ساختہ ہاتھ اٹھا لیے۔

''شام صاحب کی تنخواہ آپ کو نہیں دی جا سکتی۔'' اس نے صاف ہری جھنڈی دکھا دی تھی۔ منصور کے ماتھے پر بل پڑ گئے تھے آنکھوں کی پتلیاں سکڑ گئیں۔ چہرے پر تناؤ پھیل گیا تھا۔ اس نے بمشکل اُمڈتا غصہ دبا کر منیجر کی طرف دیکھا تھا۔

''کیوں؟ باپ ہوں میں اس کا.....'' منصور کو غیظ چڑھ گیا تھا۔ دل میں آئی کہ اس مکار منیجر کو دو جھانپڑ لگا کر اس کے ہاتھ سے نوٹوں کی گڈی کھینچے اور چلتا بنے۔ مگر واہ رے نصیب، وہ بس سوچ ہی سکتا تھا۔ عمل کی بات بہت آگے تھی۔

''باپ تو ہیں، اس فیکٹری کے ملازم نہیں ہیں، سو آپ کو شام صاحب کی تنخواہ نہیں دی جا سکتی۔'' منیجر نے اب کے دھیما کر کہا تھا۔ منصور کی تیوری چڑھ گئی تھی۔

''صالح کے ''پٹھوں'' نے میرے بیٹے کو ورغلایا رکھا ہے..... میری خبر گیری بھی نہیں کرتا۔ میں تو بھوکا مر رہا ہوں، دوائی کے لیے بھی پھوٹی کوڑی نہیں، قرض پر گزارہ ہے۔'' منصور نے زہرخند ہو کر کہا۔

''اور ان لوگوں نے میرے بیٹے کو اپنا ''غلام'' بنا رکھا ہے۔ سارا وقت ان کی چاکری میں لگا رہتا ہے۔ مفت کا نوکر ملا ہوا ہے۔ بے شک عمر بھر جوتے رگڑیں، مزہ تو تب تھا، جب میں دیکھتا، صالح میرے بیٹے کو اپنی زرخریدی میں لے لیتا۔ داماد بنا لیتا۔'' منصور نے دونوں مٹھیاں بھینچ رکھی تھیں۔ جیسے غصہ کنٹرول کرنا چاہ رہا تھا۔ پتہ نہ جانے وہ اور بھی گل افشانیاں کرتا تاہم کسی نے پیچھے سے آ کر اس کا شانہ تھپتھپایا تھا۔ منصور نے جوش میں آنے والے کا ہاتھ جھٹک دیا تھا۔ کچھ دیر بعد پیچھے کھڑا جوان سامنے آ گیا تھا۔ منصور کے ہاتھ سے طوطے، کبوتر سب کچھ اڑتے چلے گئے تھے۔ اس کے گمان میں نہیں تھا، پیچھے تقی کھڑا ہو گا۔ اور منصور کی عمر کا لحاظ کیے بغیر اتنے بزرگوں کے سامنے بری طرح پیٹ ڈالے گا۔ منصور کا مارے شرم کے برا حال ہو گیا۔ وہ تقی کے ہاتھوں پٹتا رہا، کسی نے اسے چھڑوایا نہیں، تقی نے مار، مار کر اسے گارڈ کے حوالے کر دیا تھا۔ شام اوپر کھڑا دیکھتا رہا۔ اس نے نیچے آ کر اس تماشے کا حصہ بننا گوارا نہیں کیا تھا۔ اس کے باوجود شام کو بے عزتی کے اڑتے چھینٹے اپنے منہ پر پڑتے ہوئے محسوس ہوئے تھے۔ اپنے باپ کے الفاظ پر اس کا سر جھک گیا تھا۔ وہ کتنے گھٹیا الفاظ صوفی صالح اور ان کے بیٹوں کے بارے میں بول رہا تھا۔ یہ تو تقی کا حوصلہ تھا جس نے منصور کو اس کی ٹانگوں پر کھڑا واپس کر دیا تھا۔ ورنہ تقی کا مشہور زمانہ غصہ اتنا معمولی نہیں تھا جو منصور اس کے ہاتھوں زندہ بچ جاتا اور دوبارہ چلتا پھرتا دکھائی دیتا۔ اور یہ منصور سیال ہی تھا جو اتنی ذلت کا بار اٹھا کر پھر سے شام کے سامنے تن کر کھڑا تھا۔ شام اس کی بکواس بہت ضبط کے ساتھ سنتا رہا تھا۔ اس کے سوا چارہ کوئی نہیں تھا۔ وہ ابھی اس پر لعنت ڈال کر چلا جاتا تو یہ یقین واثق تھا منصور پھر کہیں اس سے ٹکرا جاتا۔ شام نے خود کو اتنا ہی مجبور پایا تھا۔ وہ بے بسی کی انتہا پر کھڑا

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

تھا اور منصور کو اپنے دکھڑے رونے سے فرصت نہیں تھی۔

''اس ''ذلیل'' نے میرا بھرکس نکال دیا تھا۔ اتنے ٹانکے لگے تھے، جیب میں کوڑی نہیں تھی۔ اسپتال کا بل بھی نہیں دیا۔'' منصور نے بھرائی آواز میں مزید بتایا۔

''تقی کو حیا نہیں آئی..... تمہارا ہی لحاظ کر لیتا۔'' منصور کا بس نہیں چل رہا تھا۔ شام کو ناک تک پمپ کر دیتا اور شام، تقی سے جا کر اپنے باپ کا بدلہ لیتا۔

''آپ نے میرا لحاظ کیا تھا؟ تقی کو گالی دی۔ کیوں دی؟ اس نے برداشت کر لیا یہی بہت ہے، ورنہ آپ زمین کے اوپر نہ دکھائی دیتے۔'' بہت دیر بعد شام نے زہر خند ہو کر کہا۔ منصور کی آنکھیں ابل پڑیں۔

''تمہیں اپنے باپ کا احساس نہیں۔'' اس نے جذباتیت کا سہارا لینا چاہا۔

''آپ کو میرا احساس ہے؟'' وہ تڑخ کر گرجا تھا۔ ''کس منہ سے آپ میرے مقابل کھڑے ہیں؟'' شام تلخی سے بولتا رہا۔

''مجھے تمہاری ضرورت ہے۔'' منصور نے بھیگی آواز میں کہا۔

''مجھے آپ کی ضرورت نہیں ہے۔'' وہ غرایا۔

''ان لوگوں نے تمہیں میرے خلاف کر دیا ہے۔ تمہارے دل میں میرے لیے نفرت بھر دی۔'' منصور، صوفی صالح کے گھرانے کو گالیاں دینے لگا تھا۔ اس کے منہ سے جھاگ نکلنے لگا۔ غصہ اس کا میٹر گھما ڈالتا تھا۔

''ان لوگوں کا کوئی قصور نہیں، آپ کے ''رویّے'' نے میرے دل میں آپ کے لیے نفرت بھر دی ہے جس کی کوئی حد ہے نہ کوئی شمار.....'' شام بمشکل بول پایا تھا۔ اس کا چہرہ غصے سے سرخ تھا۔ کنپٹی کے قریب کی رگ مسلسل پھڑک رہی تھی۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

''اس بڑھیا کی ساری مکاری ہے۔'' منصور نے عمامہ کی دادی کو گالی دی تھی۔ ''تمہیں میری گود سے اٹھا کر لائی تھی۔'' اس نے سر اٹھا کر شاخوں سے جھولتی چڑیوں کو دیکھا تھا پھر کنکر اٹھا کر زور سے مارا۔ چڑیاں خوف سے پھدک، پھدک کر اڑنے لگی تھیں۔

''خالہ مجھے لے آئیں، یہ ان کا احسان ہے ورنہ آپ تو مجھے بیچ رہے تھے۔ میرا سودا کر چکے تھے۔'' شام کو بہت کچھ یاد آ گیا تھا۔ خالہ کے احسانات، مہربانیاں اور پھر اتنی عظیم قربانی..... شام کو فیقہ بھی یاد آئی اور دور بہت دور کھڑی عمامہ بھی یاد آئی۔ اس کا باپ اتنا کم ظرف سوداگر نہ ہوتا تو آج وہ بھی شان سے سر اٹھا کر خالہ کے سامنے کھڑا ہو جاتا۔ بڑے اعتماد سے عمامہ کا ہاتھ مانگ لیتا..... یا کم از کم فیقہ سے رشتہ جوڑنے پر اعتراض اٹھاتا؟ اسی باپ کی وجہ سے وہ مجبور ہو گیا تھا۔ جب دوسروں کے ٹکڑوں پر پل کر جوان ہوا جائے تو ''میں'' اور ''انا'' کہیں نہیں رہتی۔ ایک، ایک نوالے پر ''نمک'' یاد آتا ہے۔ ایک، ایک لقمے پر کھلانے والا یاد آتا ہے اور وہ نہ نمک حرام تھا نہ اپنے باپ کی طرح کم ظرف..... وہ محسنوں کے ''احسان'' کو سمجھتا تھا۔ اور احسان اتارنے کے لیے ہر حد سے گزرنے پر تیار تھا۔

''اس بڑھیا کی چالاکی ہے شام! اس نے غلط بیانی سے کام لیا۔ سب جھوٹی کہانی ہے۔'' منصور صاف مکر گیا تھا۔ مکر جانا اس کے لیے بہت آسان تھا۔

''اگر خالہ جھوٹی کہانی سناتی رہی ہیں تو آپ ثبوت لے آئیں۔ میں آپ کی بات مان لوں گا۔'' شام نے منصور کے طوطے پھر سے اڑا دیے تھے۔ وہ آئیں بائیں کرنے لگا۔

''اتنی پرانی بات ہے، کہاں سے ثبوت لاؤں؟'' منصور نے بیچارگی سے کہا تھا۔ شام استہزائیہ مسکرایا تھا جیسے

اسے منصور کی بیچارگی پر ترس آیا ہو۔

''بات نئی ہو یا پرانی ثبوت تو بہر حال ہوتے ہیں۔'' اس نے منصور کی بے بسی سے لطف لیا۔

''تمہیں اپنے باپ پر اعتبار نہیں؟'' منصور رو دینے کو ہوا۔

''نہیں.....'' وہ تلخی سے بولا۔ پھر واپس مڑنے لگا تو منصور نے بے ساختہ اس کا بازو دبوچ لیا تھا۔ پھر وہ آنکھوں میں آنسو بھر کے اس انداز میں تڑپ کر بولا کہ شام کو ترس آ گیا۔

''میری جیب میں ایک دمڑی نہیں..... آٹھ، دس ہزار دے دو۔'' منصور کی بیچارگی نے شام کو پسیج دیا تھا۔ اس نے کچھ سوچ کر والٹ نکالا دس ہزار کے دس نوٹ نکال کر منصور کو تھمائے تھے۔ اس کی آنکھیں بے ساختہ چمکنے لگی تھیں۔ چہرے پر تازگی آ گئی تھی۔ پیسہ دیکھ کر اس کی ''حرص'' بڑھ جاتی تھی۔ اسے شام پر ٹوٹ کر پیار آ گیا تھا۔ پھر وہ لاڈ سے اس کے کندھے کو ٹہوکا دے کر گاڑی کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

''آسامی بہترین ہے..... میری اولاد ہو تو ہاتھ سے جانے مت دو۔'' وہ عمامہ کی طرف اشارہ کر کے نہایت کمینگی سے کہہ رہا تھا۔ شام نے خوں رنگ آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا اور دہاڑا۔

''کتے کی دم سو سال تک بھی ٹیڑھی کی ٹیڑھی رہتی ہے۔''

☆☆☆

گاڑی کے ٹائر سڑک پر پھسلتے جا رہے تھے۔ درختوں کی دورویہ قطار محو سفر تھی۔ وہ ہونٹ بھینچے ہر چیز سے لاتعلق ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ سرخ قندھاری آنکھیں، تپتے گال، لال ٹھوڑی، وہ شدید غصے میں دکھائی دے رہا تھا۔ جیسے ضبط کرتے، کرتے نڈھال ہو رہا ہو، عمامہ کن انکھیوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ اپنے باپ سے مذاکرات کے بعد اتنا کٹھور اور لاتعلق دکھائی دے رہا تھا۔ بگڑے تیوروں سے تاثر تبدیل کیا تھا۔ پھر اسی طرح لاتعلق اور طوفانی انداز میں گاڑی بھگاتا رہا۔ عمامہ الجھی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ پھر گردن موڑ کر شام کی طرف دیکھتے ہوئے نرمی سے بولی۔

''کیا وہ آدمی سچ کہہ رہا تھا؟'' اس نے اپنی الجھن رفع کرنے کے خیال سے پوچھ لیا تھا۔ شام نے لب بھینچے عمامہ کی طرف دیکھا تھا۔ پھر سابقہ انداز میں غرایا تھا۔

''تم سے مطلب.....؟'' اس کا لہجہ پھاڑ کھانے والا تھا۔ عمامہ ہکا بکا رہ گئی تھی۔ شام نے کبھی اس انداز میں عمامہ سے بات نہیں کی تھی۔ جھڑکنے کا تو سوال ہی نہیں تھا۔ عمامہ کی آنکھیں بھر آئیں۔ وہ ہونٹ کاٹتے ہوئے نگاہ چرا کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی تھی۔ شاید شرمندگی کا احساس مٹانا تھا۔ وہ اندر ہی اندر سہم گئی تھی۔

''میں نے تو ایسے ہی پوچھ لیا۔ کبھی اس آدمی کو دیکھا نہیں اس لیے پوچھ لیا۔ تمہیں برا تو لگا تو سوری.....'' اس نے آنسو پی کر بمشکل کہا تھا حالانکہ اس وضاحت کی کوئی خاص ضرورت نہیں تھی۔ پھر بھی عمامہ کے اندر پھانس چبھتی رہی تھی۔ شام کبھی اس انداز میں عمامہ سے مخاطب نہیں ہوا تھا۔ کبھی دل بھر، بھر آ رہا تھا۔ شام نے نظروں کا زاویہ موڑ کر عمامہ کو دیکھا..... اس کی ناک کی پھننگ سرخ ہو رہی تھی۔ آنکھیں پانیوں سے لبریز تھیں۔ گال گلابی ہو رہے تھے، اسکارف میں دمکتا اس کا چہرہ حزن و ملال سے کملا رہا تھا۔ شام کے دل کو کچھ ہوا..... اسٹیئرنگ وہیل پر رکھے ہاتھ کپکپا سے گئے تھے۔ اسے اپنے لفظوں پر شدید ندامت ہوئی تھی۔

''وہ آدمی بدقسمتی سے میرا باپ ہے۔'' شام نے ضبط کے ساتھ بمشکل کہا۔ جیسے باپ کا حوالہ اس کے لیے کسی عذاب سے کم نہیں تھا۔ جیسے باپ کا حوالہ اس کے لیے باعث ندامت تھا۔

''میری بلا سے۔'' عمامہ نے غصے میں کہا۔ وہ اپنی بے عزتی نہیں بھول سکتی تھی۔ شام چونک سا گیا تھا۔ عمامہ کا موڈ بگڑ چکا تھا۔ وہ اتنی آسانی سے ماننے والی نہیں تھی۔ اسے اپنے کٹھور انداز پر تاؤ چڑھا۔ آخر منصور کا غصہ عمامہ پر

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

نکالنے کی ضرورت کیا تھی؟ اب وہ سخت پشیمان تھا۔

''عمامہ پلیز.....!'' شام نے لجاجت بھرے لہجے میں التجا کی تھی۔ ''آج تمہارا کالج میں پہلا دن ہے، اپنا موڈ اچھا کرو.....ورنہ پورا سال کٹ کھنی بلی کی طرح پنجے تیز کیے رکھو گی۔''

''میں جو بھی کروں.....تم سے مطلب؟'' عمامہ نے غرا کر کہا تھا۔ شام کے ہونٹوں پر تبسم پھیل گیا تھا۔ وہ مسکراتا رہا۔

''اب بدلہ برابر ہوا۔ غصہ جانے دو عمامہ!'' اس نے لاڈ سے عمامہ کی طرف دیکھ کر کہا تھا۔ عمامہ کو اور بھی تاؤ چڑھ گیا۔

''تم نے مجھے ڈانٹا کیوں؟'' وہ سوں، سوں کرتی بمشکل بولی تھی۔ بے عزتی کے احساس نے ابھی تک تپا رکھا تھا۔ وہ اتنی آسانی کے ساتھ معاف نہیں کرتی تھی۔ شام جانتا بھی تھا۔ پھر بھی.....

''غلطی ہوگئی.....معافی کا طلب گار ہوں۔'' اس نے اسٹیئرنگ چھوڑ کر دونوں کانوں کو ہاتھ لگائے تھے۔ عمامہ نے گھور کر اسے دیکھا۔ پھر تڑخ کر بولی تھی۔

''مجھے مرنے کا شوق نہیں.....'' وہ غرائی۔

''مجھ پر مرنے کا شوق تو ہے۔'' شام مسکرایا۔

''بڑی خوش فہمی ہے۔'' عمامہ چڑی۔

''بڑی صحیح فہمی ہے۔'' اس نے نکرا لگایا تھا۔ عمامہ خونخوار نظروں سے اسے گھورتی رہی تھی۔ شام نے ڈرنے کی ایکٹنگ کرنے کی کوشش میں مضحکہ خیز شکل بنالی تھی۔ عمامہ کو ہنسی آتے آتے رہ گئی۔

''پورے کارٹون لگ رہے ہو، اتنے بونگے کہ حد نہیں.....'' اس نے گھور کر کہا۔

''دل سے کہہ رہی ہو؟''

''نہیں...زبان سے۔'' وہ بھنائی۔

''ویسے میری کولیگز کو اور باس کی سیکرٹری کو میں بہت ڈیشنگ لگتا ہوں۔'' اس نے کالر کھڑے کر کے اکڑتے ہوئے بتایا تھا۔ عمامہ کو بہت ہی برا لگا۔

''ریزائن کردو وہاں سے۔ گھٹیا عورتیں، غیر مردوں کی تعریف کرتی ہیں۔'' عمامہ نے تحکم سے کہا۔ یہ انداز اس پر بہت سجتے تھے۔

''صد شکر، میرے باپ کی فیکٹری میں کوئی عورت نہیں۔'' عمامہ نے تشکر بھری سانس ہوا کے سپرد کی.....شام نے اس کی معلومات میں اضافہ کیا۔ اس کے چہرے پر شرارتی مسکراہٹ تھی۔ جیسے چڑا رہا ہو۔

''عورتیں تو ہیں مگر ہمارے ڈپارٹمنٹ میں نہیں.....'' اس نے ٹھنڈی آہ بھری اور مسکرا دیا۔ گاڑی مقامی کامرس کالج کے گیٹ سے کچھ فاصلے پر کھڑی ہو چکی تھی۔ اس نے مسکرا کر عمامہ کو بتایا۔

''آپ کی منزلِ مقصود۔'' اس کا اشارہ وسیع و عریض بلڈنگ کی طرف تھا۔ عمامہ نے گردن موڑ کر شام کی طرف دیکھا اور بولی۔

''میری منزل وہاں نہیں یہاں ہے۔'' اس کا اشارہ شام کی طرف تھا۔ وہ بے ساختہ نظر چرا گیا تھا۔ پھر لڑکیوں کے جھنڈ کو دیکھنے لگا۔ قریب ہی ایک چمکتی کار کے ٹائر چرچرائے تھے۔ ایک طرح دار بہت ماڈرن لڑکی کار سے اتر کر کالج کی طرف جانے لگی۔ شام نے عمامہ سے کہا۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

''اس کے پیچھے چل پڑو۔'' عمامہ بھی اس ماڈرن لڑکی کو دیکھ رہی تھی۔ گولڈن بال، گورا رنگ، چہرے پر نخوت عمامہ کو پسینہ آ گیا تھا۔ اس پر گھبراہٹ طاری ہونے لگی۔

''شام.....'' اس نے گھبرا کر شام کا بازو دبوچا۔ ''کالج میں ساری لڑکیاں اسی طرح کی ہوں گی۔'' اس نے متفکر انداز میں پوچھا تھا۔ ابھی تک کھلے بالوں والی لڑکی مرعوب کیے ہوئے تھی۔

''پھر تو میرا گزارہ مشکل ہے۔'' اس نے پریشانی کے عالم میں شام سے کہا۔ وہ اسے تسلی دینے لگا۔

''گھبراؤ نہیں، ابھی تو اسٹارٹ ہے، تم عادی ہو جاؤ گی۔'' وہ نرمی سے سمجھا رہا تھا۔ عمامہ نے اپنی پریشانی کی ایک اور وجہ بتائی۔

''میں اکیلی اندر کیسے جاؤں؟'' وہ تذبذب کا شکار تھی۔ اندر جانے سے گھبراہٹ ہو رہی تھی۔ شام نے اپنا سر پیٹ لیا۔

''اکیلی کیوں، پوری بارات لے جاؤ۔'' اس نے بڑا مخلصانہ مشورہ دیا تھا۔ عمامہ نے ناراضی سے اسے دیکھا تھا۔

''تم ساتھ چلو۔'' پھر بسور کر بولی۔

''کمال ہے عمامہ.....'' شام نے خفگی سے کہا۔ ''اب جاؤ بھی سب لوگ تمہاری طرف متوجہ ہو رہے ہیں، بس ایک لالی پاپ کی کمی ہے۔'' وہ خفگی سے بولتا رہا۔ طرح دار سی ماڈرن لڑکی نے بے ساختہ مڑ کر دیکھا تھا۔ پھر مسکراتے ہوئے ان کے قریب آ گئی۔ اپنے گولڈن پاؤچ سے اس نے ایک پیکٹ باہر نکالا پھر شرارتی انداز میں غمزدہ سی عمامہ کو دیکھ کر بولی۔

''لالی پاپ تو نہیں، چیونگم ضرور ہے، کیا چلے گی؟'' اس کا انداز خاصا دوستانہ تھا۔ شام نے بمشکل مسکراہٹ چھپائی تھی۔ پھر وہ جانے کے لیے مڑنے لگا تب اس لڑکی نے دوبارہ اسے مخاطب کیا۔

''اے ہیرو! بہن کی فکر نہ کرو..... میں اس کا خیال رکھوں گی۔'' وہ بڑی دلچسپی سے شام کو دیکھ رہی تھی۔ آنکھوں میں شدید پسندیدگی تھی۔ عمامہ کو اس کا دیکھنا بہت ہی برا لگا تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا شام کو اچانک غائب کر دے۔ اوپر سے اس کا طرزِ تخاطب آگ لگانے والا تھا۔ عمامہ نے بھنا کر اسے دیکھا۔ جبکہ شام بڑے شائستہ انداز میں مسکرا کر اس کی تصحیح کر رہا تھا۔

''بہن ہو گی یہ تمہاری..... آج کے دن سے، خیال رکھنا۔'' اس نے ماڈرن سی سونیا کو بڑا پتلا جواب دیا تھا۔ سونیا بھی بہت کائیاں تھی۔ لمحوں میں سمجھ گئی۔ پھر بہت معنی خیزی سے عمامہ کو گلا کھنکھار کر دیکھا۔

''اوکے، میری ہی سہی.....'' اس نے دونوں ہاتھ اٹھا کر مزے سے کہا تھا۔ ''میں سونیا سلیم ہوں۔ مشہور ایڈووکیٹ سلیم ہمدانی کی بیٹی..... عمامہ میری کمپنی میں بور نہیں ہو گی۔ تم اس کی فکر بھی مجھے دے کر خود بے فکر ہو جاؤ۔'' سونیا نے شرارت سے عمامہ کو دیکھا جو خاصی خجل سی ہو رہی تھی۔ سونیا کی لمحوں میں شام سے علیک سلیک ہو گئی۔ اگلے پانچ منٹ میں اس نے شام سے خاصا ''دوستانہ'' گانٹھ لیا تھا۔ شام نے بھی خوش اخلاقی کے سارے ریکارڈ توڑ ڈالے تھے۔ عمامہ اندر ہی اندر جز بز ہوتی رہی۔ تاہم سونیا کو روک نہ سکی۔ دس منٹ بعد شام کو جاتے ہی بنی تھی۔ دفتر سے بہت لیٹ ہو چکا تھا۔ شام کے جاتے ہی سونیا، عمامہ کا ہاتھ پکڑ کر اسے ایک الگ دنیا میں لے آئی تھی۔ یہ دنیا اس کے گھر سے بہت مختلف تھی۔ عمامہ پر زندگی کے بے شمار اسرار یہاں آ کر کھلے تھے۔ وہ ایک نپی تلی محدود زندگی گزار رہی تھی۔ زندگی کی اصل حقیقت یہاں آ کر واضح ہوئی تھی۔ اسے اندازہ ہو گیا تھا وہ بہت سا وقت گھر میں ضائع کر چکی ہے۔ اس نے پہلے کالج کی یہ دنیا کیوں نہیں دیکھی؟ عمامہ کو گزشتہ بیکار وقت پر افسوس سا ہوا تھا۔

سونیا کی ہمراہی میں عمامہ بہت جلد کالج میں ایڈجسٹ کر چکی تھی۔ وہ کوئی ''ڈبو لڑکی'' نہیں تھی پھر بھی سونیا کے

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

نکالنے کی ضرورت کیا تھی؟ اب وہ سخت پشیمان تھا۔

''عمامہ پلیز.....!'' شام نے لجاجت بھرے لہجے میں التجا کی تھی۔ ''آج تمہارا کالج میں پہلا دن ہے، اپنا موڈ اچھا کرو.....ورنہ پورا سال کٹ کھنی بلی کی طرح پنجے تیز کیے رکھو گی۔''

''میں جو بھی کروں.....تم سے مطلب؟'' عمامہ نے غرا کر کہا تھا۔ شام کے ہونٹوں پر تبسم پھیل گیا تھا۔ وہ مسکراتا رہا۔

''اب بدلہ برابر ہوا۔ غصہ جانے دو عمامہ!'' اس نے لاڈ سے عمامہ کی طرف دیکھ کر کہا تھا۔ عمامہ کو اور بھی تاؤ چڑھ گیا۔

''تم نے مجھے ڈانٹا کیوں؟'' وہ سوں، سوں کرتی بمشکل بولی تھی۔ بے عزتی کے احساس نے ابھی تک تپا رکھا تھا۔ وہ اتنی آسانی کے ساتھ معاف نہیں کرتی تھی۔ شام جانتا بھی تھا۔ پھر بھی.....

''غلطی ہوگئی.....معافی کا طلب گار ہوں۔'' اس نے اسٹیئرنگ چھوڑ کر دونوں کانوں کو ہاتھ لگائے تھے۔ عمامہ نے گھور کر اسے دیکھا۔ پھر تڑخ کر بولی تھی۔

''مجھے مرنے کا شوق نہیں.....'' وہ غرائی۔

''مجھ پر مرنے کا شوق تو ہے۔'' شام مسکرایا۔

''بڑی خوش فہمی ہے۔'' عمامہ چڑی۔

''بڑی صحیح فہمی ہے۔'' اس نے ٹکرا لگایا تھا۔ عمامہ خونخوار نظروں سے اسے گھورتی رہی تھی۔ شام نے ڈرنے کی ایکٹنگ کرنے کی کوشش میں مضحکہ خیز شکل بنالی تھی۔ عمامہ کو ہنسی آتے آتے رہ گئی۔

''پورے کارٹون لگ رہے ہو، اتنے بونگے کہ حد نہیں.....'' اس نے گھور کر کہا۔

''دل سے کہہ رہی ہو؟''

''نہیں...زبان سے۔'' وہ بھنائی۔

''ویسے میری کولیگز کو اور باس کی سیکرٹری کو میں بہت ڈیشنگ لگتا ہوں۔'' اس نے کالر کھڑے کر کے اکڑتے ہوئے بتایا تھا۔ عمامہ کو بہت ہی برا لگا۔

''ریزائن کردو وہاں سے۔ گھٹیا عورتیں، غیر مردوں کی تعریف کرتی ہیں۔'' عمامہ نے تحکم سے کہا۔ یہ انداز اس پر بہت سجتے تھے۔

''صد شکر، میرے باپ کی فیکٹری میں کوئی عورت نہیں۔'' عمامہ نے تشکر بھری سانس ہوا کے سپرد کی.....شام نے اس کی معلومات میں اضافہ کیا۔ اس کے چہرے پر شرارتی مسکراہٹ تھی۔ جیسے چڑا رہا ہو۔

''عورتیں تو ہیں مگر ہمارے ڈپارٹمنٹ میں نہیں.....'' اس نے ٹھنڈی آہ بھری اور مسکرا دیا۔ گاڑی مقامی کامرس کالج کے گیٹ سے کچھ فاصلے پر کھڑی ہو چکی تھی۔ اس نے مسکرا کر عمامہ کو بتایا۔

''آپ کی منزلِ مقصود۔'' اس کا اشارہ وسیع و عریض بلڈنگ کی طرف تھا۔ عمامہ نے گردن موڑ کر شام کی طرف دیکھا اور بولی۔

''میری منزل وہاں نہیں یہاں ہے۔'' اس کا اشارہ شام کی طرف تھا۔ وہ بے ساختہ نظر چرا گیا تھا۔ پھر لڑکیوں کے جھنڈ کو دیکھنے لگا۔ قریب ہی ایک چمکتی کار کے ٹائر چرچرائے تھے۔ ایک طرح دار بہت ماڈرن لڑکی کار سے اتر کر کالج کی طرف جانے لگی۔ شام نے عمامہ سے کہا۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

''اس کے پیچھے چل پڑو۔'' عمامہ بھی اس ماڈرن لڑکی کو دیکھ رہی تھی۔ گولڈن بال، گورا رنگ، چہرے پر نخوت عمامہ کو پسینہ آ گیا تھا۔ اس پر گھبراہٹ طاری ہونے لگی۔

''شام.....'' اس نے گھبرا کر شام کا بازو دبوچا۔ ''کالج میں ساری لڑکیاں اسی طرح کی ہوں گی۔'' اس نے انداز میں پوچھا تھا۔ ابھی تک کھلے بالوں والی لڑکی مرعوب کیے ہوئے تھی۔

''پھر تو میرا گزارہ مشکل ہے۔'' اس نے پریشانی کے عالم میں شام سے کہا۔ وہ اسے تسلی دینے لگا۔

''گھبراؤ نہیں، ابھی تو اسٹارٹ ہے، تم عادی ہو جاؤ گی۔'' وہ نرمی سے سمجھا رہا تھا۔ عمامہ نے اپنی پریشانی کی ایک اور وجہ بتائی۔

''میں اکیلی اندر کیسے جاؤں؟'' وہ تذبذب کا شکار تھی۔ اندر جانے سے گھبراہٹ ہو رہی تھی۔ شام نے اپنا سر پیٹ لیا۔

''اکیلی کیوں، پوری بارات لے جاؤ۔'' اس نے بڑا مخلصانہ مشورہ دیا تھا۔ عمامہ نے ناراضی سے اسے دیکھا تھا۔

''تم ساتھ چلو۔'' پھر بسور کر بولی۔

''کمال ہے عمامہ.....'' شام نے خفگی سے کہا۔ ''اب جاؤ بھی سب لوگ تمہاری طرف متوجہ ہو رہے ہیں، بس اللہ پاپ کی کمی ہے۔'' وہ خفگی سے بولتا رہا۔ طرح دار سی ماڈرن لڑکی نے بے ساختہ مڑ کر دیکھا تھا۔ پھر مسکراتے ہوئے ان کے قریب آ گئی۔ اپنے گولڈن پاؤچ سے اس نے ایک پیکٹ باہر نکالا پھر شرارتی انداز میں عمامہ کو دیکھ کر بولی۔

''اللہ پاپ تو نہیں، چیونگم ضرور ہے، کیا چلے گی؟'' اس کا انداز خاصا دوستانہ تھا۔ شام نے بمشکل مسکراہٹ چھپائی تھی۔ پھر وہ جانے کے لیے مڑنے لگا تب اس لڑکی نے دوبارہ اسے مخاطب کیا۔

''اے ہیرو! بہن کی فکر نہ کرو..... میں اس کا خیال رکھوں گی۔'' وہ بڑی دلچسپی سے شام کو دیکھ رہی تھی۔ آنکھوں میں شدید پسندیدگی تھی۔ عمامہ کو اس کا دیکھنا بہت ہی برا لگا تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا شام کو اچانک غائب کر دے۔ اوپر سے اس کا طرزِ تخاطب آگ لگانے والا تھا۔ عمامہ نے بھنا کر اسے دیکھا۔ جبکہ شام بڑے شاہانہ انداز میں مسکرا کر اس کی تصحیح کر رہا تھا۔

''بہن ہو گی یہ تمہاری..... آج کے دن سے، خیال رکھنا۔'' اس نے ماڈرن سی سونیا کو بڑا اپنا تلا جواب دیا تھا۔ سونیا بھی بہت کائیاں تھی۔ لمحوں میں سمجھ گئی۔ پھر بہت معنی خیزی سے عمامہ کو گلا کھنکھار کر دیکھا۔

''اوکے، میری ہی سہی.....'' اس نے دونوں ہاتھ اٹھا کر مزے سے کہا تھا۔ ''میں سونیا سلیم ہوں۔ مشہور ایڈووکیٹ سلیم ہمدانی کی بیٹی..... عمامہ میری کمپنی میں بور نہیں ہو گی۔ تم اس کی فکر بھی مجھے دے کر خود بے فکر ہو جاؤ۔'' سونیا نے شرارت سے عمامہ کو دیکھا جو خاصی خجل سی ہو رہی تھی۔ سونیا کی لمحوں میں شام سے علیک سلیک ہو گئی۔ اگلے پانچ منٹ میں اس نے شام سے خاصا ''دوستانہ'' گانٹھ لیا تھا۔ شام نے بھی خوش اخلاقی کے سارے ریکارڈ توڑ ڈالے تھے۔ عمامہ اندر ہی اندر جز بز ہوتی رہی۔ تاہم سونیا کو روک نہ سکی۔ دس منٹ بعد شام کو جاتے ہی بنی تھی۔ دفتر سے بہت لیٹ ہو چکا تھا۔ شام کے جاتے ہی سونیا، عمامہ کا ہاتھ پکڑ کر اسے ایک نئی دنیا میں لے آئی تھی۔ یہ دنیا اس کے گھر سے بہت مختلف تھی۔ عمامہ پر زندگی کے بے شمار اسرار یہاں کھلے تھے۔ وہ ایک نپی تلی محدود زندگی گزار رہی تھی۔ زندگی کی اصل حقیقت یہاں آ کر واضح ہوئی تھی۔ اندازہ ہو گیا تھا وہ بہت سا وقت گھر میں ضائع کر چکی ہے۔ اس نے پہلے کالج کی یہ دنیا کیوں نہیں دیکھی؟ عمامہ کو گزشتہ بیکار وقت پر افسوس سا ہوا تھا۔

سونیا کی ہمراہی میں عمامہ بہت جلد کالج میں ایڈجسٹ کر چکی تھی۔ وہ کوئی ''دبو'' لڑکی نہیں تھی پھر بھی سونیا کے

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

سامنے بہت گھٹی، گھٹی سی لگتی تھی۔ کیونکہ سونیا، عمامہ کی سوچ اور خیالوں سے زیادہ الٹرا ماڈرن اور آزاد خیال تھی۔

کالج میں عمامہ نے بس سونیا کو سہیلی بنایا تھا کیونکہ سونیا نے عمامہ کو بس خود تک محدود رکھا تھا۔ وہ عمامہ کی طرف بڑھتے ہر ہاتھ کو جھٹک کر شرارتاً عمامہ کو جتاتی تھی۔

''تمہارے ہیرو نے عمامہ میرے حوالے کی تھی۔ اب صرف عمامہ پر میرا حق ہے۔'' اس کے انداز میں تحکم ہوتا تھا۔ فطرتاً وہ خاصی نرم گفتار تھی۔ عمامہ کو تو بہت ہی مخلص لگتی۔ کیونکہ اس کی ہر پریشانی کو وہ چٹکیوں میں اڑا کر مسئلہ حل کر دیا کرتی تھی۔ یوں عمامہ کو پہلے ہی روز سے سونیا کی انگلی پکڑ کر چلنے کی عادت سی ہوگئی۔ وہ ہر مشکل وقت میں منہ اٹھا کر سونیا کی طرف دیکھنے لگتی تھی اور سونیا نے اسے کبھی مایوس نہیں کیا تھا۔ ان کی دوستی اور بے تکلفی دنوں میں پروان چڑھتی رہی۔

سونیا سے دوستی کی گہرائی کہیں جا کر شام کے حوالے سے ملتی تھی۔ وہ عمامہ کی واحد راز دار بن گئی تھی جس سے عمامہ دل کی ایک، ایک بات شیئر کر لیتی۔ جس دکھ، جس بوجھ، جس راز کو عمامہ نے تنہا اٹھا رکھا تھا۔ سونیا نے غیر محسوس انداز میں اس بوجھ کے بار کو اٹھا لیا تھا۔ وہ عمامہ کے دکھ، تنہائی اور دل کی گہرائیوں میں اترے کرب کی اتھاہ تک پہنچ کر سمجھ گئی تھی۔ اس نے عمامہ کا ایک، ایک راز اور دکھ تقسیم کر لیا تھا۔ کبھی، کبھی وہ عمامہ کو جتا دیتی۔

''میں تو کبھی نہ ایسی محبت کروں، جس میں ظالم سماج گھر میں موجود ہو۔'' وہ کانوں کو ہاتھ لگاتی، عمامہ کی پھپھو اور دادی کو سو سو باتیں سناتی تھی۔ اسے فیقہ سے بن دیکھے بیر ہو چکا تھا۔ وہ فیقہ سے شدید نفرت کرنے لگی تھی۔ عمامہ کبھی اس کی باتوں پر ہنس پڑتی کبھی افسردہ ہو جاتی تھی۔ کبھی، کبھی اس کی جذباتیت پر حیران بھی ہو جاتی۔

''ظالم سماج عموماً گھر میں موجود ہوتے ہیں۔'' وہ سونیا کی معلومات میں اضافہ کرتی تھی۔ سونیا برا سا منہ بنا لیتی۔ جیسے اس کے بس میں ہوتا تو وہ فیقہ اور دادی کو ''اوپر'' پہنچا دیتی۔ سونیا بہت نڈر، ضدی اور بہادر لڑکی تھی۔ وہ عمامہ کو بھی اپنے جیسا بنانا چاہتی تھی۔ اور عمامہ کو سونیا کی طرح بننے میں سو سال تو لگ ہی جاتے۔ پھر سونیا کو شام کی ''بزدلی'' پر بھی سخت تاؤ چڑھتا تھا۔ وہ حیران تھی کہ شام نفسانفسی کے اس دور میں رشتوں کو اتنا مان اور اہمیت دیتا ہے؟ اپنی خالہ کے سامنے انکار کی جرأت نہیں کر سکتا؟ کالج میں ہر فری پیریڈ فیقہ اور شام سے شروع ہوتا اور انہی پر ختم ہو جاتا۔ عمامہ کی زبانی سونیا اس کے گھر کی ہر بات اور ہر فرد کو اچھی طرح سے جان گئی تھی۔ پھر ایک دن سونیا نے ضد پکڑ لی۔ وہ چھٹی ٹائم میں عمامہ کے گھر جانے کو تیار تھی۔ اور عمامہ کی گویا جان پر بن آئی تھی۔ وہ لاکھ اس کی بہت اچھی سہیلی سہی پھر بھی اپنے گھر سونیا کو لے جاتے ہوئے اسے بہت سے تحفظات تھے۔ دادی اور فیقہ کا ڈر تھا۔ وہ اتنی ماڈرن سہیلی کو ہضم کرنے والی نہیں تھیں۔

لیکن سونیا کی ضد اس وقت طول پکڑ گئی جب مقررہ وقت پر شام اسے لینے نہ پہنچ سکا تھا۔ عمامہ کبھی اکیلی آتی جاتی نہیں تھی۔ سو عادتاً پریشان ہوگئی۔ سونیا ہمیشہ اس کی آڑے وقتوں میں مدد کرتی تھی۔ اس نے عمامہ کو گھر ڈراپ کرنے کی آفر کر دی تھی۔ پہلے تو عمامہ ٹالتی رہی پھر دیر ہونے کی صورت میں سونیا کی بات مان کر اس کی گاڑی میں بیٹھ گئی۔ گو کہ اندر سے وہ بہت ڈری ہوئی تھی پھر بھی سونیا سے کچھ کہہ نہ سکی۔ اس کے گھر میں سونیا جیسی سہیلی کا جانا دنیا کا کوئی الگ سا عجوبہ تھا۔ اس کی توقع کے عین مطابق بھابیوں کے ''سائن بورڈ'' حیرت و استعجاب سے پر نڈ ہو گئے تھے۔ دادی اور فیقہ کے منہ بھی کھل گئے۔ گلے میں کالج کی ''پٹی'' لٹکائے کھلے بالوں والی طرح دار سی لڑکی کو دیکھ کر اماں بھی کچھ حیران ہوئی تھیں۔ تاہم انہوں نے دادی اور پھپھو کی طرح کہا کچھ نہیں تھا۔ عمامہ جب سونیا کو لے کر ڈرائنگ روم میں چلی گئی تب دادی کے اندر کا ابال باہر نکل آیا۔

''جمعہ، جمعہ آٹھ دن نہیں ہوئے..... اور ''چاند'' چڑھ بھی گیا۔ ارے، میں کہوں، ہماری پشتوں میں ایسی...

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

بے بیا لڑکی نہیں جنی..... جو لنڈوریوں کو اٹھا کر گھر لے آئے..... یہ جوان لڑکوں کا گھر ہے۔ ایسی ''بے حیا'' لڑکی کو پکڑ کے گھر لے آئی۔ اے عمامہ! تو ناک کٹوا کے دم لے گی ہماری۔'' دادی کی پاٹ دار آواز اندر تک آ رہی تھی۔

ڈرائنگ روم کے دریچوں پر ڈھٹ کے پردے پڑے تھے۔ ماحول نیم تاریک اور خاموش تھا۔ دروازہ بھی کھلا تھا اور کمرے کی دیواریں ساؤنڈ پروف نہیں تھیں۔ سونیا بھی خوش قسمتی سے قوتِ سماعت غضب کی رکھتی تھی سو دادی کی پاٹ دار آواز بہ آسانی اس تک پہنچ گئی۔ منہ کی طرف بڑھتا اسکوائش کا گلاس اس کے ہاتھ میں ہی رہ گیا۔ اس نے حیرانی سے دروازے کی طرف دیکھا تھا۔ آواز باہر سے آ رہی تھی۔ یہ آواز کس کی ہو سکتی تھی؟ سونیا کو سمجھنے میں لمحہ بھی نہیں لگا تھا۔ اس کا بے ساختہ منہ کھل گیا تھا۔ وہ حیرت اور غصے کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ کبھی عمامہ کا شرمندہ چہرہ دیکھتی اور کبھی باہر سے آتی آواز سنتی تھی۔ دادی کے ساتھ فیقہ کی آواز بھی شامل ہو چکی تھی۔ سونیا کا بس نہیں چل رہا تھا کہ جا کے فیقہ کی گردن ہی مروڑ آتے۔

''بھیا کی ڈھیل کا نتیجہ ہے۔ آوارہ لڑکیوں سے جاتے ہی ''بہنا پا'' جوڑ لیا۔ اس بے حیا کو ہمارے گھر داخل ہوتے ہوئے کالونی کے کتنے لوگوں نے دیکھا ہوگا؟ صوفی صالح کے گھر کس قسم اور قباش کے لوگوں کی آمد و رفت ہے۔ لوگ کیسے، کیسے سوال اٹھائیں گے۔'' فیقہ نے جلتے ماحول پر طنز کا تیل چھڑکا تھا۔ عمامہ سے بدلہ لینے کا اس سے اچھا موقع اور نہیں مل سکتا تھا۔ سو وہ ماں کے شانہ بشانہ اپنا فریضہ سرانجام دے رہی تھی۔ ادھر سونیا کا مارے اہانت اور غصے کے برا حال ہو گیا تھا۔ وہ مٹھیاں بھینچتی اپنی جگہ سے اٹھی۔

''یہ آوارہ کسے کہہ رہی ہے؟ ایڈووکیٹ سلیم ہمدانی کی بیٹی کو؟ میں ابھی اس کا منہ توڑ کر آتی ہوں۔'' سونیا نے شدید غیظ بھرے لہجے میں غرا کر کہا تھا۔ سونیا ہمدانی سے بات کرتے ہوئے لوگ ہزار مرتبہ سوچتے تھے کجا کہ یہاں اس کی اتنی تذلیل کی جا رہی تھی۔ اس میں ذرا بھی برداشت نہیں تھی۔ نہ وہ ادھار رکھنے کی قائل تھی۔ اسے اٹھتا دیکھ کر

Pakistanipoint.com
Haider Azeem

بدلتے راستے
محبت اور چالبازی کے درمیان عبرت اثر معرکہ آرائی کا احوال
آخری صفحات پر طاہر جاوید مغل کے قلم سے
آوارہ گردی
گمشدہ تاریخی گوشوں پر ایک گہری نظر ابتدائی
صفحات پر زویا اعجاز کے قلم کا جادو
شہ زور
عشق و محبت کے سحر انگیز جذبوں کی جنوں خیزی، لطیف رشتوں اور
کثیف سازشوں کے جال اسما قادری کے قلم کا کمال
ساشا
کبھی پرخطر جزیروں، کبھی بغاوتوں کے جنگل میں بھٹکتے مسافر
کی داستان عمر عبداللہ کے قلم کا شاہکار
تنویر ریاض، منظر امام، آصفہ ضیا احمد، ڈاکٹر شیر شاہ سید،
فہمی فردوس، شاہ زین رضوان اور شاکر لطیف کی خوب صورت تحریریں

بے ساختہ عمامہ اپنی جگہ سے کھڑی ہوگئی تھی پھر وہ اس کے سامنے تن گئی۔

''پلیز سونیا! میری خاطر.....'' اس نے گڑگڑا کر التجا کی۔ بس ہاتھ جوڑنے کی کسر رہ گئی تھی۔ ''سونیا! پلیز، غصہ مت کرو..... یہ نفسیاتی کیس ہیں، کسی کو اچھے حال میں نہیں دیکھ سکتیں۔''

''وہ تو مجھے نظر آرہا ہے۔ تم کیسے ان سائیکو عورتوں کے ساتھ رہتی ہو؟ اور تمہاری بھابیوں نے کس طرح ان دونوں کو برداشت کر رکھا ہے۔'' سونیا پر عمامہ کی التجا کا خاطر خواہ اثر ہوا تھا۔ وہ مٹھیاں بھینچتی ہوئی بمشکل ضبط کر سکی تھی۔ پھر عمامہ کی ہمت کو داد دیے بغیر نہ رہ سکی۔

''یقین نہیں آتا۔ تم زندہ ہو؟ ایسی عورتوں کے درمیان رہ کر؟ جنہیں کسی کی عزت کا لحاظ نہیں۔'' سونیا نے سرخ نگاہوں سے عمامہ کو گھورا تھا۔ جیسے اس کا زندہ رہنا سونیا کے نزدیک قطعاً فضول تھا۔ اسے تو خودکشی کر لینی چاہیے تھی۔ بس یہی مشورہ دینے کی کسر رہ گئی تھی۔ ورنہ اس کے تاثرات سے تو صاف ظاہر تھا۔

''دیکھ لو، یہ میرا صبر اور حوصلہ ہے تم تو ایک گھنٹا نہ رہو.....'' عمامہ پر خود ترسی کا دورہ پڑ گیا تھا۔ سونیا فی الوقت عمامہ کی دلجوئی کے موڈ میں نہیں تھی۔ کیونکہ اس وقت اسے خود دلجوئی کی ضرورت تھی۔ عمامہ کی دادی اور پھپھو کو وہ اتنی آسانی سے معاف کرنے والی نہیں تھی۔ عمامہ کی خاطر اس نے غیظ کی آگ کو تو بجھا دیا تھا تاہم طنز کرنے سے باہر نہیں آئی تھی۔

''دیکھ لینا، تمہاری دادی اور پھپھو پر پپا سے کہہ کر جھوٹا مقدمہ بنوا کے اندر کروا دوں گی۔'' سونیا نے اپنا خطرناک ارادہ ظاہر کیا تھا۔ عمامہ بدحواس سی ہوگئی۔ اس نے سمجھا سونیا کہہ رہی ہے تو عمل بھی کر دکھائے گی۔ آخر ان چند ہفتوں میں عمامہ نے سونیا کو جتنا جانا اور سمجھا تھا وہ اسے ارادوں کی پکی نظر آئی تھی۔

''نہیں سونیا! یہ غضب مت کرنا، یہ لوگ تو پہلے ہی تمہارے خلاف ہیں، اور ہو جائیں گے۔'' عمامہ گھبرا کر رہ گئی تھی۔ اسے اپنی اور سونیا کی دوستی خطرے میں نظر آئی۔ سونیا نے اپنا ماتھا پیٹ لیا تھا۔

''تم تو بڑی ڈرپوک ہو میری ماں! میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں..... جیل کے قیدی بھی تمہاری دادی اور پھپھو سے پناہ مانگیں گے۔ بھئی مجھے تو جیل والوں کی بددعائیں نہیں لینی۔'' سونیا نے دانت پیس کر کہا۔ اور اسکوائش کا گلاس خالی کر دیا۔ اب وہ ایک اور گلاس بھر رہی تھی۔ گرمی کا موسم نہیں تھا۔ یہ سونیا کی فرمائش پر مالٹے کا اسکوائش بنا کر لائی تھی۔ بقول سونیا کے وہ اپنا اندر ٹھنڈا کر رہی ہے جو اس کی دادی اور پھپھو کی باتوں نے جلا دیا تھا۔

''ویسے بڑا پتھر کا جگر ہے شام کا..... جو اپنی شام کرنے کے لیے تمہاری پھپھو سے نکاح پر راضی ہے۔'' سونیا کو شام کے نصیب پر ترس آیا تھا۔ عمامہ کا سر جھک گیا۔ اندر کہیں پھانس سی چبھی تھی۔ یہی بات تو اس نے لاکھ مرتبہ شام کو سمجھائی تھی مگر وہ عمامہ کی بات ایسے رد کرتا جیسے کبھی سنے گا نہیں..... ہاں وہ سونیا کی بات کالج کے گیٹ پر کھڑے ہو کر عموماً سن لیتا تھا۔ عمامہ نے کچھ سوچ کر سونیا سے کہا۔

''تم اپنے لفظوں میں ذرا سمجھانا تو اسے..... آج لائیو سین تو دیکھ چکی ہو۔ اس عورت کے ساتھ بھلا عمر گزر سکتی ہے۔'' عمامہ کو اپنے خسارے یاد آگئے تھے۔ دل بھر بھر آیا۔ سونیا کو بھی شدید دکھ ہوا۔ وہ ناک چڑھا کر بولی تھی۔

''اس کی عقل پر پردے پڑ چکے ہیں۔'' سونیا کو شام پر تاؤ چڑھا۔ ''بہت پچھتائے گا۔ لکھوا لو مجھ سے۔'' سونیا منہ بنا کر بولی۔ عمامہ نے دکھ سے اسے دیکھا تھا۔

''سن سونیا! تم نے شام کو بھائی بنا لیا ہے ناں.....؟ تو بہن بن کے سمجھا دے ناں، وہ تمہاری بات اچھی طرح سے سن لیتا ہے کالج کے گیٹ پر ہی سہی.....'' عمامہ نے لجاجت سے اس کے قریب ہو کر کہا۔

''وہ کالج کے گیٹ پر ہی نہیں، کسی اور جگہ بھی میری بات سن لیتا ہے۔ بدقسمتی سے اس نے مجھے بہن بنا لیا۔''

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

وہ دانت پیس کر بولی تھی۔ پھر اپنا شولڈر بیگ کندھے سے لٹکا کر کھڑی ہوئی۔ ''پر تم اس کو بتا دینا۔ سونیا خوب صورت لڑکوں کو بھائی نہیں بناتی۔'' وہ عمامہ کے کان پر جھک کر سنجیدگی سے بولی تھی۔ عمامہ نے خفگی سے اسے دھموکا جڑا تھا معاً طاہرہ دروازہ کھول کر اندر آ گئی تھیں..... سونیا کو جانے کے لیے کھڑا دیکھ کر خفگی سے بولیں۔

''بیٹی! تم کھانا کھائے بغیر نہیں جاؤ گی۔ پہلی مرتبہ تو آئی ہو.....'' انہوں نے سونیا کا بازو پکڑ کر زبردستی صوفے پر بٹھایا تھا۔ وہ تذبذب کا شکار۔ بمشکل بادلِ ناخواستہ بیٹھی تھی۔

''آپ کی ساس نے بہت کچھ کھلا دیا۔'' وہ سونیا ہی کیا جو دل کی بات دل میں ہی رکھتی۔ اس کے پٹاخ سے کہنے پر طاہرہ خجل سی ہو گئی تھیں۔ پھر ندامت سے چور لہجے میں بولیں۔

''معذرت چاہتی ہوں سونیا بیٹی! عمامہ کی دادی کچھ کرخت خاتون ہیں، دل کی بری نہیں.....'' طاہرہ نے شرمندگی مٹانے کی غرض سے کہا تھا۔ سونیا بھی برجستگی کا مظاہرہ کیے بغیر نہ رہ سکی۔ ادھار تو اس کی سرشت میں نہیں تھا۔

''دل کے اندر اتر کر کس نے دیکھا ہے؟ ہم ولی، اولیا تو ہیں نہیں..... زبان کو دیکھ کر ہی اندازہ لگائیں گے ناں..... صاف گوئی معاف، آپ کی ساس بہت بداخلاق خاتون ہیں، آپ کسی کی شخصیت دیکھ کر اسے آوارہ یا... بدچلن کیسے کہہ سکتے ہیں؟'' وہ تندی سے بولتی چلی گئی تھی۔ طاہرہ کو شرمساری نے گھیرے میں لیے رکھا۔ کہہ تو مہمان بچی ٹھیک رہی تھی۔ انہیں ساس کی سپورٹ میں کوئی لفظ سجھائی نہیں دیا تھا۔

''پھر بھی آنٹی! آپ کے لیے انہیں درگزر کرتی ہوں آپ اتنی اچھی ہیں۔'' سونیا نے قدرے مسکرا کر ماحول کی کثافت کو دور کرنا چاہا تھا۔ طاہرہ بھی ہولے سے مسکرا دیں۔

''نوازش ہے تمہاری..... پھر بھی کھانا کھائے بغیر نہیں جاؤ گی..... تم میری عمامہ کی اکلوتی سہیلی ہو، کالج میں اس کا خوب دل لگا لیا۔'' انہوں نے محبت سے سونیا کا کندھا تھپتھپا کر کہا تھا۔ عمامہ بھی جیسے مطمئن ہو گئی تھی تو گویا دادی کی طرح اماں کو سونیا بری نہیں لگی تھی۔ عمامہ کے سکون کے لیے اتنا ہی کافی تھا۔

''آنٹی! کھانا پھر کبھی سہی..... جب عمامہ میرے گھر آئے گی..... پہل تو میں نے کر دی..... اب عمامہ کی باری ہے۔'' سونیا نے آئندہ کے لیے بھی راہ ہموار کر لی تھی۔ وہ بڑی ذہین لڑکی تھی۔ عمامہ کو ماننے ہی بنی..... وہ اماں سے وعدہ لیے کھڑی تھی اور اماں تذبذب کا شکار دیکھتی رہ گئی تھیں۔ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ سونیا کو کیسے ٹالیں..... بھلا عمامہ کو سہیلی کے گھر جانے کی اجازت مل سکتی تھی؟ کبھی نہیں..... طاہرہ اس حقیقت سے بخوبی واقف تھیں۔ عمامہ بس محلے داری کی وجہ سے نازی کے گھر جاتی تھی وہ بھی سال دو سال بعد عام روٹین میں ایسی تفریح کی اجازت نہیں تھی۔ انہیں سوچ میں گم دیکھ کر سونیا پھر سے اصرار بھرے لہجے میں بولی۔

''میرے گھر میں پپا اور آپی کے علاوہ کوئی نہیں..... پپا اور آپی دونوں وکیل ہیں۔ اپنے، اپنے چیمبر میں بیٹھتے ہیں، گھر میں، میں اکیلی ہوتی ہوں..... یقین نہیں آتا تو آ کر دیکھ لیں۔'' سونیا نے کچھ اس انداز میں التجا کی کہ طاہرہ پھر سے سوچ میں گم ہو گئیں۔

''میری ماں تو ہے نہیں آپ کو دیکھ کر مجھے اپنی ماں یاد آ گئیں۔'' سونیا کو دل پسیجنا آتے تھے۔ وکیل کی بیٹی تھی، لفظوں کی بازی گری خوب جانتی تھی۔ اس نے طاہرہ کا دل پسیج لیا تھا۔ فطرتاً وہ حلیم الطبع تھیں۔ سونیا کی بھیگی آواز کو سن کر چپ سی رہ گئیں۔ بچی کی ماں ہی نہیں..... کون اچھا برا سمجھائے؟ انہوں نے دکھ سے سوچا۔

''کسی دن عمامہ چکر لگا لے گی۔'' انہوں نے بادلِ ناخواستہ حامی بھر لی تھی۔ سونیا بے ساختہ طاہرہ سے لپٹ گئی۔ جوش میں ان کا رخسار چوم لیا تھا۔ طاہرہ قدرے جھینپ سی گئیں۔ عمامہ ایسی بے ساختگیوں سے کوسوں دور تھی۔ وہ ماں سے جھجک میں رہتی تھی۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

''شکریہ آنٹی! اب میں چلوں گی، لنچ تو میرا آپی کے ساتھ ڈن ہوتا ہے۔ ہمیں ایک دوسرے کے بغیر کھانے کی عادت نہیں۔'' سونیا نے مسکرا کر اجازت لی اور چل پڑی۔ عمامہ اسے چھوڑنے کے لیے باہر تک گئی تھی۔ جب وہ پتھریلی روش پر چل رہی تھیں تب بالکونی میں کھڑے طاہر نے حیرانی سے دیکھا ''ایڈووکیٹ کی بہن، سونیا ہمدانی۔'' وہ پرسوچ نظروں سے اسے دیکھتا رہ گیا تھا۔ یہاں تک کہ وہ نظروں سے اوجھل ہوگئی۔ عمامہ مضمحل سی واپس آرہی تھی۔ اب دادی کے سامنے پیشی بھگتنی تھی۔ وہ قدرتے افسردہ تھی۔ سونیا کی بے عزتی کے احساس نے عمامہ کے اندر دادی اور پھپو کے لیے اور بھی غصہ اور کدورت بھر دی تھی۔ اس کے قدم من، من کے ہوگئے تھے۔ طاہر اسے دیکھتا رہا۔ پھر بیرونی سیڑھیوں سے اتر کر نیچے آگیا۔ اس کے انداز میں عجلت اور بے چینی نمایاں تھی۔ آنکھوں میں ہلکا ہلکا تجسس تھا۔

''اے عمامہ!'' وہ بھاگتا ہوا عمامہ کے قریب آیا تھا۔ عمامہ رک سی گئی تھی۔ پھر حیرت سے طاہر کا چہرہ دیکھا۔ جیسے کہہ رہی ہو..... ہاں بولو۔

''یہ سونیا ہمدانی تھی ناں.....؟'' طاہر نے دبے، دبے جوش سے پوچھا تھا۔ اس کی آنکھوں میں جگنو سے تیر رہے تھے۔ چہرے پر لالی نمایاں تھی۔ وہ بڑا ایکسائٹڈ لگ رہا تھا۔

''ہاں.....تو.....'' عمامہ حیرت سے کہا۔

''تمہاری کیسے واقفیت بنی؟'' طاہر کا اگلا سوال اور بھی حیران کُن تھا۔ عمامہ نے الجھ کر دیکھا۔ پھر آہستگی سے بتایا۔

''سونیا میری سہیلی ہے۔'' اس نے کچھ تفاخر سے بتایا تھا۔ باقی تفصیلات بھی فراہم کردی تھیں کہ کیسے سونیا کالج میں اس کی سپورٹر ہے..... طاہر نے مسکرا کر تفصیل سنی تھی۔

''اچھی سہیلی ہے۔'' طاہر نے سر دُھن کر کہا۔ عمامہ کے دل کو ڈھارس سی ہوئی تھی۔ صد شکر اماں کے بعد کسی اور کو بھی سونیا پسند آئی تھی۔ عمامہ کو بے حد خوشی ہوئی۔ سونیا کی تعریف اس نے اعزاز سمجھ کر وصول کی تھی۔

''اس سے ''دوستانہ'' توڑنا نہیں.....'' طاہر نے عمامہ کو سمجھاتے ہوئے کہا۔ ''اس کی بڑی مغرور سی بہن ہے۔ دیوانی مقدمے لیتی ہے۔ ہمارا ایک پلاٹ کا مقدمہ اس کے پاس پھنسا ہوا ہے۔ اپنی بہن سے کہہ سن کر نکلوا دے گی۔'' طاہر نے اسے باقی تفصیل بھی فراہم کی تھی۔ عمامہ نے سر ہلا دیا۔ یہ تو کوئی بڑا کام نہیں تھا۔ سونیا جتنی اسے اہمیت دیتی تھی یہ معمولی کام چٹکی بجا کر حل کروا دیتی..... عمامہ نے ہامی بھر لی تھی۔ اسے سونیا پر یقین تھا۔ وہ عمامہ کی بات کبھی نہ ٹالتی اور طاہر پر عمامہ کی دھاک بیٹھ جاتی۔ پھر کتنا مزہ آتا؟ عمامہ اندر ہی اندر سرشار سی ہوگئی تھی۔ دادی اور پھپو کے منہ بند کروانے کا یہ بہترین حل تھا۔

''ویسے سونیا کی مغرور بہن اچھی بھی بہت ہے۔'' جاتے، جاتے طاہر زیر لب بڑبڑایا تھا۔ عمامہ حیرت سے اس کی پشت دیکھتی رہ گئی تھی۔ اس تعریف کا مقصد کم از کم عمامہ کی ناقص عقل میں نہیں سمایا تھا۔ وہ سر جھٹک کر اندر چلی آئی تھی۔ مگر اندر کا ماحول ذرا بھی سازگار نہیں تھا..... دادی تخت پر پھن پھیلائے بیٹھی تھیں۔ عمامہ کو دیکھ کر سارے پنجے تیز کر کے اٹھ بیٹھیں..... عمامہ اندر سے سہم گئی تھی۔ جانتی تھی اب دادی سنا، سنا کر ماریں گی۔ یہ بھی شکر تھا سونیا واپس چلی گئی تھی ورنہ اس کے سامنے کلاس ہوتی۔ عمامہ نے جیسے تشکر بھری سانس لی تھی مگر یہ سانس سینے میں ہی کہیں اٹک گئی تھی۔ دادی اسے دیکھ کر غرانے لگیں۔

''تمہاری آنکھوں میں حیا باقی ہے کیا؟ اس آوارہ کو گھر کی راہ کیوں دکھادی؟'' انہوں نے ہاتھ نچا کر بھابیوں کے سامنے اس کے وہ لتے لیے کہ حد نہیں..... جب سے انہیں عمامہ کی شام کے لیے ''پسندیدگی'' کا پتا چلا تھا وہ عمامہ کی جانی دشمن بن چکی تھیں۔ پہلے والی محبتیں اب خیال، گمان تھیں۔ انہیں عمامہ کی شکل سے سخت بیزاریت ہو چکی تھی۔ طابہ بھابی کچن سے سر نکال کر دیکھنے لگیں۔ ان کے چہرے پر بڑے مزے کے تاثرات تھے۔ عمامہ کا

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

مارے اہانت کے برا حال ہو گیا تھا۔ وہ ماں کی تنبیہی نظریں بھی بھول گئی۔

''آپ نے کہاں اس میں آوارگی دیکھ لی ہے؟'' وہ سرخ آنکھوں سے بھنا کر بولی تھی۔ دادی نے سونے کے کڑوں والی کلائی نچا، نچا کر عمامہ کو جتایا۔

''گلے میں ''پٹا'' لٹکا کر، زلفیں بکھیرے کہاں کی شریف زادی دکھائی دے رہی تھی؟ نہ جانے کس طرح کی لڑکیوں سے دوستانہ گانٹھ لیا..... تمہارا باپ آتو لے..... بند کرواتی ہوں تمہارا کالج جانا.....'' دادی نے سفاکی کی انتہا کر دی تھی۔ اس کی واحد تفریح کالج آنا جانا تو انہیں کھٹکتا ہی تھا۔ اسی بات کو جواز بنا کر وہ اسے گھر بٹھانے کے منصوبے بنالیں گی یہ عمامہ نے سوچا تک نہیں تھا۔ اس کے دل کو دھکا سا لگا تھا۔ عمامہ نے آنسو بھری آنکھوں سے ماں کی طرف دیکھا تھا۔ جیسے مدد چاہ رہی ہو۔

''میرا قصور کیا ہے؟'' اسے شدید رونا آ گیا۔ فیقہ کی ہنسی زہر میں بجھے تیر کی طرح لگ رہی تھی۔ جیسے ہنسی کی زبانی کہہ رہی ہو..... ''اب کالج جا کر تو دکھانا۔'' اس کی دھمکی کو عمامہ سمجھ گئی تھی۔ اور سمجھ تو طاہرہ بھی گئی تھیں۔ انہوں نے ضبط سے سرخ آنکھوں کو ہولے سے دبایا۔ یہ ماں بیٹی، عمامہ کے لیے وبال بنتی جا رہی تھیں۔ اس کی زندگی کا... ناسور بنتی جا رہی تھیں۔ آخر عمامہ کا قصور کیا تھا؟ آئے دن کوئی نہ کوئی مقدمہ تیار کر لیتیں۔

''عمامہ اٹھ جاؤ، یونیفارم دھو کے دھوپ میں ڈالو، سویرے کالج نہیں جانا کیا؟'' طاہرہ کی تنبیہہ پر عمامہ اٹھ کر جانے لگی تھی، اس کے ہونٹوں پر بے ساختہ مسکراہٹ آ گئی تھی۔ جیسے ماں کا پیغام سمجھ گئی ہو۔

''عمامہ کو کوئی روک کر تو دکھائے۔'' وہ فیقہ کی طرف چڑاتی نظروں سے دیکھ کر اٹھ گئی۔ جبکہ فیقہ کی سلگن کا شمار کوئی نہیں تھا۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

☆☆☆

دھوپ دیواروں پر سمٹ رہی تھی جب وہ کوٹھی کا بیرونی گیٹ کھول کر اندر آیا۔ گاڑی اس نے گیراج میں کھڑی کر دی تھی۔ اب وہ پتھریلی روش پر سست قدموں سے چل رہا تھا۔ اندر کا ماحول نہ جانے کیسا ہو؟ وہ تھوڑا متفکر سا اوپر بالکونی میں دیکھنے لگا۔ وہاں عمامہ کھڑی تھی۔ سفید یونیفارم کو بچی کھچی دھوپ میں پھیلاتی ہوئی شام کو آتا دیکھا اور لمحہ بھر کے لیے بھونچکی رہ گئی۔ اس کا دایاں ہاتھ پٹی میں بندھا تھا۔ وہ دوسرے ہی پل سیڑھیاں اتر کر نیچے آنے لگی۔ عمامہ کو خیر و عافیت سے گھر میں موجود دیکھ کر شام کی جان میں آئی تھی۔ ویسے اسے سونیا پر بھروسا تو تھا ہی..... وہ عمامہ کو کبھی نہ کالج تنہا چھوڑ کر جاتی۔ چند ہی ہفتوں میں شام بھی سونیا کو اچھی طرح سمجھ گیا تھا۔ گیٹ کے سامنے ڈیڑھ منٹ کی اس ملاقات میں کسی کو سمجھنا آسان نہیں تھا۔ پھر بھی شام، سونیا کے مزاج کو سمجھ گیا تھا۔ وہ یاروں کی یار تھی۔ دوستوں پر جان لٹانے والی..... یار باش قسم کی لڑکی تھی۔ آزاد خیال، بے تکلف اور مخلص.....

عمامہ دھڑ دھڑ سیڑھیاں اترتی پھولی سانسوں سمیت شام کے سامنے آ گئی۔ اتنی سی مشقت نے اسے.... اندازہ سرخ کر دیا تھا۔ وہ اس کے سامنے تن کر کھڑی تھی۔ شام کو رکنا ہی پڑا..... جبکہ عمامہ نے بے قراری سے اس کا پٹی بندھا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔ اب وہ متفکر سی پوچھ رہی تھی۔

''چوٹ کیسے آئی.....؟ تمہیں کیا ہوا؟'' عمامہ جیسے رو دینے کو تھی۔ شام پر آیا غصہ بھی بھول گیا۔ نہ وہ اس کی ناز برداری اٹھاتا، نہ وہ کالج میں اس کا انتظار کرتی، نہ سونیا اسے گھر ڈراپ کرتی ہمدردی میں آ کر اور نہ سونیا سمیت عمامہ کی دادی سے بے عزتی ہوتی۔ وہ سب کچھ بھول چکی تھی۔ بس یاد تھی شام کی تکلیف..... جانے اسے کیا ہوا تھا؟

''تمہیں سونیا ڈراپ کر گئی؟ صد شکر، ورنہ میری جان سولی پر لٹک رہی تھی۔ اسپتال سے بھاگا، بھاگا کالج گیا۔ چوکیدار نے بتایا تم سونیا کے ساتھ چلی گئی ہو..... دل کو اطمینان سا ہوا تھا۔ ورنہ اندر والوں نے میرا جینا محال

کر دینا تھا۔'' وہ عمامہ کو صحیح سلامت دیکھ کر بے ساختہ بولتا چلا گیا تھا۔ عمامہ نے دکھ سے اسے دیکھا پھر چیخ کر رہ گئی۔

''اسپتال کیوں گئے؟ ہاتھ پر کیا ہوا؟'' وہ رو دینے کو تھی۔ شام کو اسے تسلی دینا ہی پڑی۔

''اب تو بہتر ہوں..... معمولی سا ایکسیڈنٹ ہوا تھا..... ہاتھ پر چوٹ آ گئی۔ بلیڈنگ بہت تھی تبھی اسپتال جانا پڑا.....'' وہ اسے تفصیل بتا کر نرمی سے مسکرایا۔ عمامہ کی آنکھوں میں اترے آنسو شام کی ذات کے لیے تھے.... وہ بے مول ہی تھا۔ عمامہ کے آنسو اس کی قیمت بڑھا دیتے تھے۔ اسے خود پر رشک سا آیا تھا۔ یہ قیمتی سی عمامہ اپنے دل میں اس کے لیے اتنے قیمتی جذبات رکھتی تھی۔ وہ بھلا اس قابل تھا؟ عمامہ کے آنسو اسے ''بہا'' ڈالتے تھے۔ وہ ضبط کے سارے بند توڑنے پر مچل اٹھتا۔ عمامہ اس کا امتحان تھی وہ اس کی آزمائش تھی۔ عمامہ ہی اس کا عروج تھی۔ اور عمامہ ہی اس کا ''زوال'' تھی۔

''تم نے تو ڈرا کر رکھ دیا۔ اپنی حفاظت کیوں نہیں کرتے؟ تم تو بہت انمول ہو شام.....'' اس نے آنکھ کے کونے بے ساختہ پونچھے۔

''اور تم خود کیا ہو عمامہ.....؟'' شام کے لب بے آواز ہلے تھے۔ وہ اذیت سے مسکرا دیا۔ جیسے اپنے ہی حال پر افسردہ تھا۔

''میں گلیوں کی دھول خاک، تمہارے قدموں کا کوئی کھویا ہوا نشان، تمہاری وہ محبت جو چڑھنے سے پہلے غروب ہو گئی۔'' عمامہ زیر لب بڑبڑائی تھی۔ پھر بالکونی کی سیڑھیاں تیزی سے چڑھ گئی۔ یہ دیکھے بغیر کے لاؤنج کی جالی دار کھڑکی سے فیقہ زہر بھری نگاہوں سے ان دونوں کو دیکھ رہی ہے۔ شام کئی پل کے لیے اپنی جگہ سے ہل نہیں پایا تھا۔ اس کے قدم جیسے زنجیر پا ہو گئے تھے۔ رک رہے تھے نہ آگے بڑھ رہے تھے۔

عمامہ نے بالکونی میں جا کر نیچے گردن جھکا کر دیکھا..... شام وہیں کھڑا تھا۔ وہ عمر بھر سے وہیں تھا۔ عمامہ باطن کی آنکھ کھول کر دیکھتی تو پتھر ہو جاتی۔ اس کے پاس شام کو دیکھنے والی نگاہ ہی نہیں تھی۔ اگر ہوتی تو عمامہ کیا عمامہ رہتی..... شام کے پیروں کی دھول نہ بن جاتی۔ پھر سر پر نہ لگتی، پیروں میں رلتی یا صحراؤں کی خاک چھاننے نکل پڑتی یا جنگلوں میں بسیرا کرتی..... انسانوں کی بستیوں میں کبھی نہ آتی۔

شام بہت دیر تک سلونی ہوتی شام کا حصہ بنا رہا..... بالکونی سے عمامہ ہٹ گئی تھی۔ شاید نیچے اتر گئی تھی۔ شام بھی گہری سانس کھینچتا اندر کی طرف بڑھ آیا..... یہ جانے بغیر کے ایک عدالت اس کے لیے بھی تیار تھی۔ بلاوجہ اسے بھی کٹہرے میں رکنا تھا۔ سوالوں کے جواب بھی دینے تھے۔ کڑوی کسیلی بھی سننا تھیں۔ آپا سے توقع تھی کہ وہ اسے غیر ذمے دارانہ حرکت پر ضرور ڈانٹیں گی تاہم خالہ سے توقع ہرگز نہیں تھی۔ اور عموماً وہاں سے تیر آتا ہے جہاں سے اندازہ بھی نہیں ہوتا..... وہ لاؤنج میں کھڑا رہ گیا۔ خالہ تخت پر براجمان تھیں۔ جالی والی کھڑکی سے فیقہ ناک چپکائے بیٹھی تھی۔ شام کو دیکھ کر گڑبڑا گئی۔ طاہرہ ایک مرتبہ پھر کچن سے برآمد ہوئی تھی۔ دادی ساس کا جلالی موڈ اسے لاؤنج میں کھینچ لایا تھا۔ پہلے عمامہ اور اب شام..... وہ اس کی درگت بنتے دیکھتی رہی۔

''تم نے آخر عمامہ کی ذمے داری اٹھائی کیوں؟ گر نبھا نہیں سکتے تھے۔ اس کے باپ کو جواب دیتے۔ وہ کسی ڈرائیور کا بندوبست کرتا..... جوان لڑکی کو پرکٹی سہیلی پر چھوڑ کر پلٹے نہیں..... نصیب اچھے تھے جو عمامہ گھر پہنچ گئی۔ امید تو نہیں تھی۔'' شام کی خالہ نے ہاتھ جھاڑ کر اندر کی کثافت باہر نکالی تھی۔ بہو کی ڈھکی چھپی تنبیہہ پر بیچ و تاب کھا رہی تھیں۔ جیسے طاہرہ نے انہیں چیلنج کیا ہو۔ آخر عمامہ کو روک کر دکھاؤ..... اب عمامہ کی دادی اس چیلنج کو قبول کر چکی تھیں۔ ایک انچ بھی پیچھے ہٹنا گوارا نہیں تھا۔ وہ دیکھنا چاہتی تھیں کہ عمامہ اب کالج جاتی ہے تو جاتی کیسے ہے؟ یہ ان کی انا کا معاملہ تھا..... یہ ان کی ناک کا مسئلہ تھا..... وہ ناک کے پیچھے ''ساکھ'' تباہ کرنا گوارا کر سکتی تھیں۔ یہ ان

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

کی کم فہمی کی انتہا تھی۔

''میرا ایکسی.....'' شام نے کچھ کہنا چاہا تو دادی نے پھر سے ہاتھ نچا کر روک لیا۔

''بس، کوئی وضاحت نہیں، تم اس ''ڈرائیوری'' سے آزاد ہو۔ صالح جس کو مرضی ڈیوٹی سونپے..... تم صوفی اسرار صادق کے اکلوتے ہونے والے داماد ہو، کسی کے باپ کی جاگیر نہیں..... ہر کوئی تم پر ''قبضے'' کی کوشش کرے.....'' انہوں نے انتہائی گرج دار لہجے میں بے رحمی کی انتہا کر دی تھی۔ طاہرہ ہونٹ کاٹتی ضبط سے کھڑی رہیں۔ انہیں شام کا پٹی میں جکڑا ہاتھ بھی دکھائی دے رہا تھا۔ اور اس کے چہرے پر پھیلی بے بسی بھی نظر آ رہی تھی۔ مگر ساس کے سامنے منہ کھولنے کی جرأت نہیں تھی۔

''خالہ! میری بات تو سنیں.....'' شام نے کچھ بولنا چاہا تو دادی نے زبردستی اسے پھر سے روک کر بات کاٹی۔

''کچھ نہیں سنوں گی۔ آج صالح کو جواب دو..... اس کی جوان چھوکری بے لگام ہوتی جا رہی ہے۔ میں نہیں چاہتی کل کو تم پر ''آنچ'' آئے۔'' دادی نے طاہرہ کو ذلیل کرنے کے چکر میں بڑی بازاری زبان کا استعمال کیا تھا..... یوں کہ گھر کی ہر معزز خاتون انگشت بدنداں رہ گئی۔ یہ ان کے گھرانے کی ''ریت'' نہیں تھی۔ یہاں تو چن، چن کر لفظوں کا استعمال کیا جاتا تھا۔ فحش کلامی کی اجازت نہیں تھی۔ ہنسی مذاق میں بھی احتیاط سے کام لیا جاتا تھا۔ بہویں تک محتاط رہتی تھیں۔ پھر دادی ساس کے الفاظ پر کیوں نہ چونکتیں۔ کیا وہ عمامہ کی نفرت میں اس انتہا تک پہنچ چکی تھیں؟ نہ انہیں بیٹے کی عزت کا خیال رہا تھا۔ نہ پوتی کے وقار کا احساس رہا تھا۔ وہ اس حد تک بیزاریت اور نفرت میں آگے جا چکی تھیں۔ شام کو یقین ہی نہیں آیا؟ کیا یہ وہی عمامہ تھی جس کے لیے خالہ کے منہ سے پھول جھڑتے تھے انسان پیٹ سے جنی اولاد کے لیے، کیسے پاپ کماتا ہے؟ اور پھر اسے احساس تک نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ قبروں کے منہ دیکھ لیتا ہے۔ شام تھرا کر رہ گیا تھا۔

''یہ عمامہ دیکھ لینا..... خوار کر کے رکھے گی۔ سروں میں خاک ڈلوائے گی۔ اس کے رنگ ڈھنگ دکھائی دے رہے ہیں مجھے۔'' انہوں نے ہاتھ اس طریقے سے جھاڑے گویا نادیدہ گندگی اور غلاظت صاف کر رہی ہوں۔

''اماں! اللہ کا خوف کھائیں.....'' طاہرہ نے دہل کر سینے پر ہاتھ رکھا۔

''اپنی بیٹی کو بھی سمجھاؤ..... کچھ خوفِ خدا کرے..... نہ ہم بڈھوں کو بڑھاپے میں خوار کرے۔'' وہ تنک کر گرجی تھیں۔ طاہرہ کی آنکھوں میں آنسو بھر گئے تھے..... انہیں صاف لفظوں میں جتایا جا رہا تھا کہ عمامہ عنقریب کوئی غلط قدم اٹھانے والی ہے۔ طاہرہ کا دل مٹھی میں آ گیا۔ ان کے دل میں پہلی مرتبہ ساس کے لیے نفرت کا احساس اُمڈا تھا۔ انہوں نے سامنے بیٹھی عورت سے کراہیت کھائی۔ فرعونیت کی واضح ہوتی تصویر لیے جیسے دوسروں کی زندگیوں، تمناؤں اور خوابوں کی لگامیں اپنے ہاتھ میں پکڑ کر بیٹھی تھیں۔ انسان اپنے بڑے بولوں کی بنا پر کتنا حقیر ہو جاتا ہے۔ اپنی زبان کی وجہ سے دل کی اونچی مسند سے اتر آتا ہے۔ یہ کتنے عقوبت کا مقام تھا۔ اگر کوئی سمجھ لیتا تو۔

''میری بیٹی نے کوئی گناہ نہیں کیا۔'' طاہرہ بہ مشکل بول پاتیں۔ ''اگر علم کا حصول گناہ ہے تو پہلے یہ گناہ آپ کے بیٹے نے کیا پھر پوتوں نے کیا، پھر اکلوتے بھانجے نے کیا۔ اب عمامہ کرلے گی تو کیا قیامت آ جائے گی۔'' طاہرہ کے نرم لہجے، تلخ الفاظ دادی کو تیخ پا کر گئے تھے۔ ان کا چہرہ آگ کی طرح تپ گیا۔ وہ خونخوار تیور لیے اٹھ گئیں۔

''تم بیٹی کے حوصلے بڑھاتی ہو، اس کی پشت پر تمہارا ہاتھ ہے..... تبھی وہ بار، بار شام کے رستوں میں کھڑی ہوتی ہے۔ انہیں کھوٹی کرنے کے لیے۔'' دادی چیخ کر غرائی تھیں۔ ان کے الفاظ جہاں طاہرہ کو منجمد کر دیا تھا وہیں شام کو بھی ساکت کر گیا۔ اتنی کھلم کھلا ''توہین'' پر وہ بھی تھرا اٹھا تھا۔ اتنے لوگوں کے بیچ شام شرم کے مارے کٹ کر رہ گیا۔ طاہرہ کی حالت بھی بہت پتلی تھی۔ بہوؤں کے سامنے ان کا سر جھک گیا تھا۔ شاید یہ سر کبھی نہ اٹھ پاتا اگر شام

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

کی زبان نہ کھلتی۔ وہ ایک مرتبہ پھر شام کو حکم دے رہی تھیں۔

''تم عمامہ کو کالج نہیں لے جاؤ گے۔'' وہ کرختگی سے دہاڑی تھیں۔ فیقہ بھی تلخی سے دیکھ رہی تھی۔ جیسے اسے پورا گمان تھا۔ شام، اماں کی بات ٹالنے کی جرأت نہیں کر سکے گا۔ بھابیوں کا تجسس بھی عروج پر تھا۔ وہ بھی شام کو سوالیہ نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔ جیسے اس کے جواب کی تہ دل سے منتظر تھیں۔ شام بھلا کیا جواب دینے والا تھا؟ اپنی خالہ کے سامنے اس کی مجال تھی کیا؟ جواب تو سب ہی جانتے تھے پھر بھی امڈتے تجسس کے ہاتھوں بے حال تھے۔ پھر شام نے بالآخر لب کشائی کر ہی لی تھی۔ وہ بولا تو اس کا لہجہ بڑا اٹل، واضح اور مستحکم تھا۔ جس میں تبدیلی کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔

''مجھے صالح بھیا نے کہا تو میں عمامہ کا ڈرائیور بن گیا۔ وہ مجھے منع کریں گے تو نہیں جاؤں گا۔'' اس نے واضح انداز میں دوٹوک جواب دیا تھا۔ جس میں کسی طور تبدیلی کی گنجائش نہیں تھی۔ دادی ہکا بکا رہ گئیں۔ شام کیا انہیں ہاتھ دکھا گیا تھا؟ ان کی انا کے بت پر گہری ضرب لگی تھی۔ وہ طاہرہ اور اس کی بہوؤں سامنے پانی، پانی ہو کر رہ گئیں۔ شام تو ان کے حکم کا غلام تھا۔ اور غلاموں کو سر اٹھانے کیا جرأت تھی۔ انہیں لگا، وہ کسی ''کسیر ہٹے'' پر کھڑی ہیں، کسیروں کے بازار میں مندی کا رجحان نہ تھا۔ تانبے اور پیتل وغیرہ کے برتنوں کی بولیاں لگ رہی تھیں۔ ان کا مال وافر تو تھا مگر اتنا عمدہ نہیں تھا۔ تبھی تو ''کسیر ہٹے'' پر ایک بھی گاہک دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اور جو کھڑا تھا، وہ گاہک نہیں تھا..... اور جو گاہک تھا وہ کھڑا نہیں تھا۔ وہ ہر دوسرے برتن کا خریدار تھا۔ گاہک بازار میں اپنی مرضی سے آتا ہے، من پسند دکان میں جاتا ہے۔ دل بھانے والا ''سودا'' خریدتا ہے۔ مرضی کا مول لگاتا ہے، مرضی کے بھاؤ کرتا ہے، چھان پھٹک کر ''مال'' خریدتا ہے، کبھی چرب زبان دکان دار اپنی بدنیتی میں کامیاب ہو کر گاہک کو دھوکا دیتا ہے اور ناقص مال فروخت کر دیتا ہے۔ پھر گھر پہنچ کر خریدار کو چیز میں ''نقص'' دکھائی دیتے ہیں، عیب اور داغ نظر آتے ہیں، تب گاہک رنجیدہ ہوتا ہے، اپنی کم فہمی پر غصہ آتا ہے، اپنی غائب دماغی کو کوستا ہے اور اس ناقص چیز کو اٹھا کر گھر کے ایسے کونے میں ڈال کر بھول جاتا ہے جہاں کسی بھی ''صاحبِ ذوق'' کی نگاہ رسائی نہ حاصل کر سکے۔

اس برتن کے نصیب میں کسی کی بھی ایک پسندیدہ نظر نہیں ہوتی۔ یہ برتن کا نصیب نہیں ہوتا۔ یہ چرب زبان مالک کا فراڈ ہوتا ہے۔ وہ چاہے تو عیب دار سامان کو کسی مستحق ضرورت مند کو سستے داموں یا بن داموں فروخت کر دے۔ تب اس برتن کی ''قدر'' اور عزت کی مثال نہ ملے۔ وہ گھر کی سب سے اچھی کٹیا کے بہترین سامان والی اونچی پر چھتی (مسند) میں سجایا جائے۔ ہر صاحب ذوق کی نگاہ اسے سراہتی گزرے..... برتن اپنے نصیب پر نہال ہو، بس اتنی سی سمجھ کی بات تھی جو عمامہ کی دادی کے اعلیٰ ذہن میں سماتی نہیں تھی۔

وہ اپنی ذات کے تکبر میں بہت اونچائی پر کھڑی تھیں۔ نیچے لوگ محکوم تھے اور ان کی کم ذات قسم کی رعایا میں سے تھے۔ ان میں کچھ لوگ ان کے ''ٹکڑوں'' پر پلے تھے۔ ایک، ایک نوالے پہ ان کے رزق کی مہر تھی۔ اور آج وہی ان کے ٹکڑوں پر پلنے والا سر اٹھا کر ان کے مقابل کھڑا تھا۔ آخر یہ جرأت اسے کس نے دلائی دی تھی؟ یقینی طور پر طاہرہ اور عمامہ نے..... اگر طاہرہ، عمامہ کے لیے ہر حد سے گزرنے پر تیار تھی تو (دادی) تاج بیگم بھی اپنی اکلوتی بیٹی کے لیے ہر انتہا پر جانے کو تیار تھیں۔ یہ ایک عجیب جنگ تھی۔ جس میں جیتنے والا اپنے نصیب کی یاوری سے جیتا ہوا تھا اور ہارنے والا اپنے نصیب کی بدقسمتی سے ''ہارا'' ہوا تھا۔ یہاں کون کسے سمجھانے کی جرأت کرتا کہ ہارے ہوؤں کو ہرایا نہیں جاتا۔ مرے ہوؤں کو مارا نہیں جاتا۔ مردہ جسموں کے تقدس کو پامال نہیں کیا جاتا۔

(جاری ہے)

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

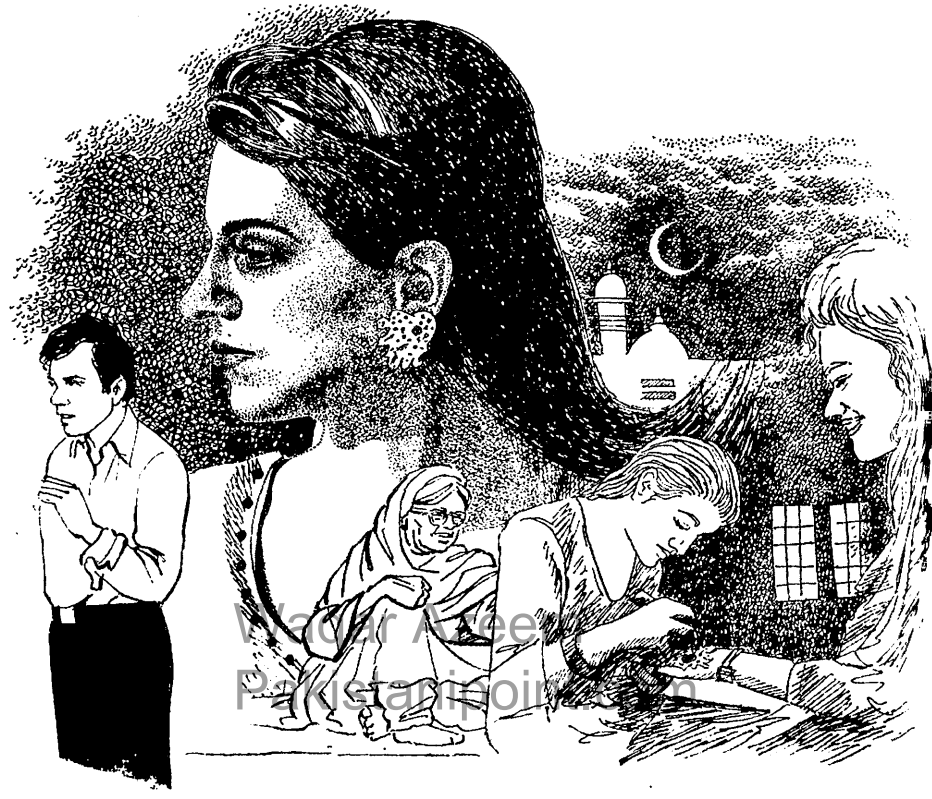

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

عید تم سنگ

حنا ابرار

ویسے تو دونوں گھرانوں کے تعلقات کبھی مثالی نہیں رہے تھے مگر پچھلے تین مہینوں سے تو بالکل ہی بات چیت اور آنا جانا بند تھا۔ دیواریں ملی ہوئی تھی مگر جہاں دل نہ ملے ہوں وہاں دیواروں کے ملنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ دن میں اگرچہ کتنی دفعہ سامنا ہوتا مگر نظریں پھیر لی جاتیں۔

''اٹھ جاؤ حمدہ آج یونی نہیں جانا؟'' نرگس کی آواز دائیں طرف والے گھر سے آئی۔ بائیں جانب بھی حال وہی تھا بس پکارنے والی اماں نہیں، ابا تھے۔

''حمید نالائق..... میری ناک کٹوائے گا کیا۔ ہر روز دیر ہو جاتی ہے۔ کسی روز کاغذ منہ پر مار کے بھیج دیں گے گھر۔''

حمید ٹائی ہاتھ میں لیے بھاگم بھاگ کمرے میں آیا۔ ایک جوتا پہنا اور دوسرے میں پاؤں ڈالا تھا۔ شرٹ کے بٹن کچھ بند کچھ کھلے تھے..... بال

بکھرے ہوئے۔

حمید نے چہرے پہ مصنوعی مسکینی طاری کی اور جلدی سے جوتا پہننے لگا۔ ابا حضور کو دیکھنے کی غلطی نہیں کی۔ جانتا تھا کہ اس وقت ماحول کچھ اچھا نہیں ہے۔

دوسری طرف جب حمدہ، الفت کی صلواتیں سننے کے بعد گھر سے نکلی تو ذرا دیر کورک کے ساتھ والے گھر کو دیکھا۔ آنکھوں میں انتظار کی کیفیت تھی۔ اسی وقت حمید بائک پہ گھر سے نکلا۔ دونوں کی نظریں ملیں مگر پھر نگاہیں پھیر لی گئیں۔ اور ایک مشرق تو دوسرا مغرب کی طرف چل دیا۔ مین روڈ تک جاتے، جاتے اس نے کئی مرتبہ پیچھے مڑ کے دیکھا کہ شاید حمید آ ہی جائے مگر ہر دفعہ ناکامی ہوئی۔

حمید کو بھی لگا شاید آج وہ چپ کا روزہ توڑ کر اسے آواز دے ہی دے مگر ایسا کچھ بھی نہیں ہوا۔ حمدہ کی یونی اس کے راستے میں پڑتی تھی اور تین مہینے پہلے وہ اکثر اسے چھوڑتا چلا جاتا مگر آج حالات مختلف تھے۔ رنجشیں بڑھ گئی تھیں اور دل تنگ ہو گئے تھے۔ اس نے سر جھٹکا۔

بات اتنی بڑی تو نہیں تھی مگر شاید برداشت ختم اور ظرف کم ہو گئے تھے اس لیے چھوٹی بات اتنی بڑی ہو گئی کہ تین مہینے سے تعلقات ختم تھے..... اور ایسا پہلی بار ہوا تھا کہ حمدہ اور حمید کی بھی بات چیت بند تھی، دونوں بے چین ایک دوسرے کی پیش رفت کے منتظر تھے۔ ورنہ تو وہ دونوں نہ بولیں ایسا ممکن نہیں تھا۔

☆☆☆

عصر کے بعد کی ہوا میں آتی سردیوں کی خنکی تھی۔ حمدہ نے چائے بنائی تو اپنا کپ اٹھا کے چھت پر آ گئی۔ دیوار سے جھانکنے پر ساتھ والے گھر کا صحن دکھتا تھا۔ اس نے یونہی اچک کر دیکھا تو سامنے ہی حمید اپنی اماں کی گود میں سر رکھے لیٹا تھا۔ اس کی جان جل کر خاک ہوئی۔

''ہونہہ اماں کا بیٹا..... جیسے آج ہی تو پیدا ہوا ہے۔''

ذرا دیر بعد پھر سے جھانکا تو صحن خالی تھا۔ اس کی نظریں مایوس لوٹ آئیں۔ مگر نہیں سماعت کے انٹینا نے باتوں کا سگنل کھینچ ہی لیا۔

''ہاں میرا بھی یہی خیال ہے۔ سوچتا ہوں اماں کی بات مان لوں۔ اب سلوی اتنی بھی بری لڑکی نہیں۔''

حمدہ کے کان کھڑے ہو گئے۔

''مانا کہ اس کی آنکھیں بڑی، بڑی نہیں مگر میں نے کون سا گاڑی کی ہیڈ لائٹس کے طور پر استعمال کرنی ہے اس کی آنکھیں..... نظر تو آتا ہے ناں ان آنکھوں سے۔''

حمید چھت پر چہل قدمی کرتے ہوئے موبائل کان سے لگائے اپنے زریں خیالات کا اظہار کر رہا تھا۔

حمدہ کو پہلے غصہ آیا پھر غصے کی جگہ افسوس نے لے لی۔

''میں شاید اماں کو ایک دو دن میں اپنی رضامندی دے دوں..... اب ساری عمر تو کنوارا نہیں رہ سکتا۔ شادی تو کرنی ہی ہے۔ ویسے بھی اب کوئی امید نہیں ہے.....'' حمید ہنوز باتوں میں مصروف تھا۔

مگر اب حمدہ کی بھی برداشت ختم ہو گئی۔

''ہاں ضرور، میں تمہیں اپنی منگنی میں نہیں بلاؤں گا تو کسے.....'' بات اس کے منہ میں رہ گئی۔ دن میں تارے نظر آ گئے تھے۔ ایسا سر گھوما کہ وہ خود گھوم کے رہ گیا۔ سر پر زور سے کچھ آ کے لگا تھا۔ چونک کر ادھر اُدھر دیکھا۔ آسمان سے تو گرنے سے رہا، یہ ضرور کسی کی مہربانی تھی۔ دوسری طرف حمدہ کے دل پر جیسے ٹھنڈ پڑی تھی۔

''اب کرتا پھرے اپنی منگنی اس حلوا سلوی سے..... مینڈک جیسی آنکھوں والی۔'' حمدہ ہاتھ جھاڑتے ہوئے چھت سے نیچے اتر رہی تھی۔

حمید نے جھانکا تو ساتھ والی چھت پر کوئی بھی نہیں تھا۔ وہ سر سہلاتا ہوا مسکرایا۔ پیغام پہنچ چکا تھا..... ردِعمل بھی سامنے آ گیا تھا۔

☆☆☆

''ارے احسان صاحب میں پوچھتی ہوں کیا کمی تھی ہمارے شاہجہان میں۔ اب تھوڑی عمر زیادہ ہو گئی ہے تو کیا ہوا۔ لگتا تو بالکل شہزادہ ہے میرا بھائی۔ وہ کہاں کی نوخیز کلی ہے۔ ارے ہمارے شاہجہان سے دو سال ہی چھوٹی ہو گی زیادہ سے زیادہ مگر آپ کے بھائی اور بھاوج کا رویہ تو ایسا جیسے وہ اٹھارہ سال کی کم سن دوشیزہ ہے محترمہ۔'' احسان صاحب کے کان ریڈیو پر نشر ہونے والی خبروں پر لگے تھے۔ بیوی کی باتوں کی طرف دھیان

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

نہیں تھا مگر تاثر یہی دیا کہ سب سن لیا ہے۔ بلا مبالغہ یہ تیسرا مہینہ تھا جب سے یہ بیان ہر روز جاری ہوتا تھا۔ انہوں نے کان دھرنا چھوڑ دیا تھا۔

''احسان صاحب سن بھی رہے ہیں؟''

''آں ہاں بیگم بالکل، میں کل ہی پوچھتا ہوں۔'' احسان صاحب گڑبڑا گئے۔

''کیا پوچھیں گے؟'' نرگس بیگم جھنجلا گئی۔

''کہ تاج محل کس نے تعمیر کروایا تھا۔ تمہیں بیٹھے بٹھائے کیا مغل سلطنت یاد آ گئی۔'' نرگس بیگم حیران پریشان..... یہ تاج محل کا ذکر کہاں سے آ گیا تھا۔

''احسان میں اپنے بھائی شاہجہان کی بات کر رہی ہوں آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ مجھے پتا ہے بھائی بھاوج کے خلاف تو کوئی بات سن ہی نہیں سکتے۔ میرا معصوم بھائی..... ہائے۔''

نرگس کو یہی قلق تھا کہ میاں بھائی بھاوج کے خلاف باتوں پر دھیان نہیں دیتے اور تان آ کر ان کے معصوم بھائی پہ ٹوٹی تھی جو اتنا بھی معصوم نہیں تھا۔ پورے دو سال کم چالیس برس کا کم عمر و کنوارا بھائی تھا ان کی بیگم کا.. تیمی اور چاند داد اضافی خوبیاں تھیں۔ جس کے رشتے سے انکار کر کے ان کے بھائی بھاوج نے ظلم کی انتہا کر دی تھی۔

نرگس سر جھٹکتی بڑبڑاتی اٹھ گئیں یہ تو روز کا معمول تھا۔

ساتھ والے گھر میں بھی صورتِ حال کم و بیش وہی تھی بس شامت حسین صاحب کے بجائے حمدہ کی آئی ہوئی تھی۔

''مجھے تو وہ دن نہیں بھولتا جب نرگس نے اپنے بوڑھے بھائی کے لیے میری چھوٹی بہن کا رشتہ مانگا۔ کیا کمی ہے میری بہن میں جو میں اس کے لیے شاہجہان کو ہاں کروں۔ ملکہ نور جہاں نہ سہی اس کی ہم نام تو ہے ہی اور نام کا اثر تو شخصیت پر بھی ہوتا ہے۔ کہاں میری شہزادی بہن کہاں وہ شاہجہان ابا۔'' حمدہ کی شکل پر ویسے تاثرات ابھرے جیسے ملیریا کی دوائی کھاتے وقت شکل پر آتے ہیں۔ الفت سبزی کاٹتی ہوئی یہی رونا رو رہی تھیں۔

جس دن گھر میں یہ ذکر نہیں ہوتا تھا حمدہ کو الفت کی طبیعت کے بارے میں پوچھنا پڑتا تھا۔ مبادا طبیعت ہی خراب ہو۔

اور ''چھوٹی بہن'' اخبار کو الٹ پلٹ کرتے ہوئے یہ تقریر خاصی بے دلی سے سن رہی تھی۔ بلکہ اس کے چہرے پر کوفت تھی۔ جب بڑی بہن گفتگو کے دوران اس کی شکل پر نظر ڈالتی تو وہ جلدی سے شکل پر بیچارگی طاری کر لیتی۔ جیسے دنیا میں واحد مظلوم ہو اور واقعی اس کے لیے آیا شاہجہان کا رشتہ اس کی شان کے خلاف ہو۔

''ملکہ..... الفت کی ''ننھی'' سی بہن اور حمدہ کی خالہ جس کے ماں باپ کے گزرنے کے بعد وہ بڑی بہن الفت کے ہاں آ گئی تھی۔ ملکہ..... شاہجہان سے فقط چار سال چار ماہ دس دن چھوٹی تھی۔ یہ الگ بات ہے کہ الفت اس فرق کو ''بڑھا چڑھا'' کر آٹھ سال تک کر دیتی تھیں۔ کہاں ملکہ کہاں شاہجہان۔ بس یہی وجہ تھی کہ دونوں گھرانوں میں ٹھن گئی تھی۔

نرگس کے بھائی کے لیے جب الفت نے اپنی بہن کا رشتہ دینے سے انکار کر دیا تو تعلقات انتہائی خراب ہو گئے۔

دونوں بیگمات نے اپنے، اپنے شوہروں کی صبح، شام، دن، رات برین واشنگ کر کر کے زبردستی کی سسرالی محبت جگانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا تھا۔ نتیجتاً تین مہینوں سے تعلقات نہ صرف کشیدہ بلکہ منقطع تھے۔

الفت بیگم نے سبزی کاٹ لی تھی اور اب وہ پکانے جا رہی تھیں۔ انہوں نے اپنا ہر روز کا فرض پورا کر لیا تھا۔ حمدہ اپنی سوچوں میں گم تھی اور ملکہ خالہ کے کانوں میں ''ابا اور بوڑھا'' جیسے الفاظ ہنوز گونج رہے تھے۔

اس کے ذہن میں شاہجہان کا سراپا آ سمایا.....

اچھا بھلا تو تھا۔ عمر بڑھنے کے آثار تھے مگر اتنے بھی نہیں۔ علاوہ اس کے کہ آنکھوں پر موٹے فریم کی عینک تھی جو بڑی عمر کا تاثر دیتی تھی۔ بال ضرور کالے تھے..... قد اونچا اور صحتمند وجود تھا۔

''یہ آپا بھی ناں.....'' ملکہ خالہ کے چہرے کا زاویہ بگڑا۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

☆☆☆

چل، چل کے ٹانگیں شل ہوگئی تھیں۔ کل سے حمدہ کا چین، سکون آرام حرام ہوگیا تھا۔ کتنی دفعہ موبائل اٹھا کے حمید کے نام کچھ لکھنا چاہا مگر درمیان میں اونچی ناک آگئی..... اور پھر موبائل رکھ دیا۔ لڑائیاں بھی ہوتی تھیں اور صلح بھی جلد ہی ہوجاتی تھی مگر اس بار معاملہ گمبھیر تھا۔

کچھ اماؤں کے کان بھرنے کا کرشمہ تھا اور کچھ اونچی ناک کہ دونوں میں بات چیت بند تھی۔ وقتاً فوقتاً نظروں سے گولہ باری ہوجاتی بس زبان خاموش تھی۔

اپنے مخصوص وقت پر حمدہ چھت پر آگئی۔ ہمیشہ کی طرح اچک کر دیوار پار جھانکنا چاہا تو منہ سے چیخ نکل گئی۔ اسی وقت حمید نے بھی ان کی چھت پر جھانکنا چاہا تھا۔ دونوں ایک دوسرے کے مکھڑے دیکھ کر بوکھلا گئے۔ ٹکر ہوتے، ہوتے بچی تھی تھوڑی دیر بعد جب حواس معمول پر آئے تو آستینیں چڑھاتی وہ دیوار کے اس طرف جھانک کے دھواں دھار لڑنا شروع ہوئی۔

''تمہاری ہمت کیسے ہوئی ہمارے گھر میں جھانکنے کی.....؟'' حمید بلبلایا۔

''اور تم تو جیسے دیوار پار ذوالحجہ کا چاند دیکھ رہی تھیں ناں؟'' اب سٹپٹانے کی باری حمدہ کی تھی۔

پھر جو دونوں کی بحث شروع ہوئی تو خوب تو تکار ہوئی۔ حمدہ کی جانب سے آنسہ سلوٰی کی شان میں ایسی، ایسی گستاخیاں ہوئیں کہ وہ سنتی تو بیچاری ضرور خودکشی کرلیتی۔

''بس کرو حمدہ..... میں نے جھوٹ کہا تھا۔ کوئی منگنی نہیں ہو رہی میری۔ وہ تو تمہاری چپ کا روزہ توڑنے کے لیے میرا بہانہ تھا.....'' جب خوب برا بھلا کہنے کے بعد بھی حمدہ کا غصہ کم نہیں ہوا تو حمید نے سچ بول ہی دیا۔ حمدہ کو اور بھی تاؤ آیا اس پر۔

''تم منگنی تو کرتے..... میں تمہارے سنہرے اعمال کے ایسے، ایسے ثبوت تمہاری خالہ کے سامنے پیش کرتی کہ وہ اپنی بیٹی کیا کسی بھی لڑکی سے منگنی نہ ہونے دیتیں تمہاری۔ نہیں تو خودکشی کرنے سے پہلے ایک خط تمہارے ضرور نام کھتی اور اس خط کی فوٹو کاپیز پورے خاندان کو بھیج دیتی پھر ساری عمر کنوارے رہتے۔'' حمدہ کا چہرہ لال بھبوکا ہوچکا تھا۔

اتفاقاً ہونے والے اس آمنے سامنے نے کسی حد تک صلح کی راہیں ہموار کردی تھیں۔

''ویسے مجھے پتا نہیں تھا کہ فرضی منگنی کا سن کر تم ایسا ردِعمل دکھاؤ گی۔ شکر ہے پتھر لگنے سے میرا دانت نہیں ٹوٹا یا آنکھ نہیں پھوٹی..... ورنہ پھر تم کیا کسی اندھے کانے سے شادی کرتیں؟''

باضابطہ منگنی تو نہیں ہوئی تھی مگر حمدہ اور حمید کی نسبت ایک ایسا راز تھا جس کی خبر سارے خاندان کو تھی۔

حمدہ فقط اسے گھور کے رہ گئی تھیں۔ دل و دماغ سے جیسے کوئی بوجھ اترا تھا۔ ایک دم ہلکی پھلکی ہوگئی تھی۔

''حمدہ اب تو لگتا ہے کچھ کرنا ہی پڑے گا ورنہ اپنا مستقبل تاریک ہوجائے گا۔'' حمید نے پُرسوچ انداز میں کہا۔

''میرا بھی یہی خیال ہے۔ اگر ملکہ خالہ کے لیے شاہجہان ماموں کا رشتہ آبھی گیا تو اس میں اتنا ناراض ہونے والی کیا بات ہے۔ دونوں ایک دوسرے کے لیے بالکل صحیح ہیں مگر ہماری امیوں کو تو ایک دوسرے سے بدلہ لینے کا موقع مل گیا ناں۔''

حمدہ بھی اس سرد جنگ سے تنگ آگئی تھی۔

''میرے پاس ایک پلان ہے، سنو گی؟'' حمید نے اپنا پلان حمدہ کو بتادیا۔ اس کے چہرے پر چمک آگئی۔ اسے حمید کا منصوبہ پسند آیا تھا۔

☆☆☆

اور اگلے ہی دن منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کا کام شروع ہوا۔

حمدہ سب سے پہلے خالہ کے پاس گئی۔

''خالہ..... پرسوں میں نے شاہجہان ماموں کو دیکھا تھا۔ وہ مجھے بہت اداس لگے پتا نہیں کیوں.....'' حمدہ نے شکل پر گہری سنجیدگی طاری کرتے ہوئے کہا اور کن انکھیوں سے ملکہ خالہ کا چہرہ دیکھنے لگی جس پر ایک رنگ آکے گزرا۔

''اماں انہیں ویسے ہی پسند نہیں کرتیں حالانکہ اچھے خاصے تو ہیں۔ سلمان خان جتنے تو ہوں گے

Waqar Azeem
Pakistanipoint

ناں۔'' اس نے ازحد معصومیت سے استفسار کیا۔ جانتی تھی خالہ کو سلمان خان سے کتنی چڑ ہے۔

اور خالہ تو جیسے تڑپ ہی گئیں۔

''اللہ نہ کرے..... سلمان خان تو بوڑھا ہے۔ وہ تو اس سے عمر میں بہت کم ہیں۔ بس موٹے فریم کا چشمہ لگانے کی وجہ سے ذرا بڑے دکھتے ہیں۔ ویسے مجھے تو ٹھیک ہی لگتے ہیں۔'' خالہ کی زبان سے جذبات میں آکر کچھ پھسل گیا اور حمدہ کا دل بلیوں اچھلنے لگا۔ جلدی سے حمید کو میسج کیا۔

''خالہ کی طرف سب سیٹ ہے بس تم پہلی فرصت میں ماموں کا چشمہ بدلواؤ۔''

دوسری طرف حمید نے ماموں کو دیکھا۔

تھوڑا بہت تو اسے اندازہ تھا کہ شاہجہان ماموں، ملکہ خالہ کے لیے نرم گوشہ رکھتے ہیں مگر بہرحال تصدیق تو کرنی ہی تھی۔

''ماموں..... ملکہ کو تو آپ جانتے ہی ہیں ناں..... وہ حمدہ کی خالہ۔'' باتوں کے درمیان حمید نے سرسری سا ذکر کیا۔ ماموں یک دم چونک گئے۔

''آں ہاں کیوں نہیں... کیوں کچھ ہو گیا ہے انہیں کیا؟'' ماموں کے چہرے پر بے چینی پھیلی۔

''نہیں کچھ ہوا تو نہیں مگر شاید ہو جائے۔ حمدہ بتا رہی تھی کہ ان کے لیے ایک رشتہ آیا ہے۔ موصوف بہت موٹے ہیں اور سر پر ایک بھی بال نہیں ہے۔ میں نے تو حمدہ کو کہہ دیا کہ اگر وہ صاحب تھوڑے موٹے ہیں تو کیا ہوا..... تمہاری خالہ بھی کچھ کم موٹی نہیں۔ فوراً ہاں کہہ دیں۔ کب تک بٹھائیں گے اپنی خالہ کو گھر۔'' حمید نمکو کھاتے ہوئے بڑی بے پروائی سے بول رہا تھا مگر ماموں کا چہرہ فوکس میں تھا۔

اُن کے چہرے پر حسرت رقم ہو گئی۔

''نہیں، موٹی تو خیر نہیں ہیں وہ..... اس کو تو ہم صحت مند کہتے ہیں۔'' ماموں جیسے کھو سے گئے..... پھر تجسس لہجے میں پوچھنے لگے۔

''ویسے ان کا کیا ارادہ ہے..... کچھ کہا ہے؟''

''نہیں ماموں کہاں..... انہوں نے تو شاید انکار کر دیا ہے۔'' حمید نے مایوسی سے کہا اور ماموں کے چہرے کی کھوئی ہوئی رنگت بحال ہوئی۔

حمید موبائل اٹھا کے حمدہ کو میسج کرنے لگا۔ آگ یہاں بھی برابر کی لگی تھی۔

☆☆☆

اب جبکہ ملکہ اور شاہجہان راضی تھے تو ان دونوں نے اپنے اپنے گھروں پر..... خصوصاً اپنی امیوں پر کام شروع کر دیا تھا۔

اٹھتے بیٹھتے بہانے، بہانے سے غیر محسوس انداز میں ماموں اور خالہ کی تعریفیں ہونے لگی۔ جیسے حمید نے گھر پر پکی بریانی کو دیکھ کر جلدی سے کہا۔

''اُف بریانی تو ملکہ خالہ پکاتی ہیں، ان کے ہاتھ کی پکی بریانی میں جو ذائقہ ہوتا ہے..... واہ..... کیا کہنے، کیسے ہمیشہ بریانی پکا کر میرا حصہ بھیجتی تھیں مگر اب تو.....'' جملہ قصداً ادھورا چھوڑ دیا۔

حمدہ کو بازار سے لائے ہوئے آم دیکھ کر ماموں کے باغ کے آموں کی یاد آگئی اور اس نے نہایت حسرت و یاس سے انہیں یاد کیا پھر افسوس بھی کیا، وہ بھی اپنے خیالات کا اظہار کچھ اونچا، اونچا بول کے۔

اور چند دنوں بعد الفت کو آموں کا کریٹ موصول ہوا بقول حمدہ کے.....

''شاہجہان ماموں دے کے گئے ہیں۔ کہہ رہے تھے کیا ہوا جو نرگس آپا کی اُن سے نہیں بنتی۔ میرے لیے تو وہ میری بڑی بہن کی طرح ہیں۔ اس لیے جب وہ حمید لوگوں کے لیے آم لائے تو یہاں بھی دے گئے۔''

الفت بیگم متاثر ہو گئیں مگر ظاہر نہ کیا۔

''اور حمید نے بریانی کی ایک بڑی سی پلیٹ لا کے اماں کو یہ کہہ کر تھمائی کہ ملکہ خالہ دے گئی ہیں آپ کے لیے۔'' نرگس بیگم حیران تھیں مگر اندر ہی اندر خوش بھی۔

الغرض کوششیں دونوں جانب جاری و ساری تھیں اور آہستہ، آہستہ رنگ لا رہی تھیں۔ ایک دوسرے کے خلاف بولنے میں کمی آگئی تھی۔ پہلے جہاں حمدہ یا حمید ذکر کرتے تو اماں ڈانٹ دیتیں..... یا

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

جھڑک کر چپ کرا دیتیں۔ اب خاموش رہتی تھیں بلکہ ذہنی طور پر اس رشتے کے لیے قائل ہوتی جا رہی تھیں۔

''اماں پچھلی عید پر کتنا مزہ آیا تھا جب ہم سب نے مل کر باربی کیو کیا تھا..... یاد ہے ناں آپ کو۔ اس سال تو عید بہت پھیکی ہوگی۔ ایک ہی تو تایا کا گھر ہے اب ان کے گھر بھی نہیں جا سکتے۔'' حمدہ نے منہ لٹکا کر کہا۔

''اماں کچھ پتا ہے قربانی کے جانور کتنے مہنگے ہیں اس سال..... پہلے تو ہم مل کر کرتے تھے تو اتنا خرچہ نہیں ہوتا تھا۔ اب تو پتا نہیں کیسی عید ہوگی اور کیسی قربانی۔'' حمید نے اماں کو مطلع کیا۔ اور وہ چونک کر اس کی شکل دیکھنے لگیں۔

''ٹھیک کہہ رہا تھا حمید..... قربانی کا جانور ہمیشہ مل کر خریدتے تھے دونوں گھرانے..... کیسی رونق ہوتی تھی..... آہ.....''

انہوں نے سر جھٹکا۔

پھر گزرتے، گزرتے عید کا دن بھی آ پہنچا۔

عید کی رات ہی احسان اور حسین مل کر جانور خرید لائے۔ جو بھی تھا دونوں بھائیوں میں تو اتفاق تھا۔ جس پر عارضی دھول پڑ گئی تھی۔ جو دونوں بچوں کی کوششوں سے صاف ہو رہی تھی۔

''اماں میں تو نرگس تائی کے ہاں جا رہی ہوں قربانی کا جانور دیکھنے۔ جو بھی ہے کل عید ہے اور ایسی قربانی کا کیا فائدہ جب ہم اس کے اصل مفہوم سے ہی آگاہ نہ ہوں۔ جانور قربان کر کے ہم سمجھتے ہیں قربانی کر لی..... ہم اپنے جذبات، غصے اور خواہ مخواہ کی ناراضیوں کو کب قربان کریں گے۔'' حمدہ کہہ کر بغیر پلٹے کچھ جواب سنے تین مہینوں بعد تایا کا گیٹ پار کر گئی۔

''اماں آپ کو رشتوں سے زیادہ اپنی ناک کیوں عزیز ہے۔ اپنی ناک کو مزید اونچی کر کے آپ جو قربانی کریں گی ناں تو وہ کیسی قربانی ہوگی۔ اس کا آپ کو اندازہ نہیں..... قبول بھی نہیں ہوگی، آپ ماموں کا رشتہ ایک دفعہ لے کر گئیں..... انکار ہوا۔ آپ دوبارہ گئیں.....؟ نہیں ناں بلکہ ناراض ہو گئیں۔ کل عید ہے..... آپ ہی تو کہتی ہیں عید کا دن بزرگی والا دن ہوتا ہے۔ پھر بھی آپ.....''

''تائی اماں..... السلام علیکم۔'' حمدہ کی آمد سے حمید کا جملہ ادھورا رہ گیا تھا۔

نرگس تائی نے سلام کا جواب دیتے ہوئے حمدہ کو گلے لگا لیا۔

''حضرت ابراہیمؑ نے اللہ کے لیے اپنی محبت اور شفقت کی قربانی دی، ہم اسی دینِ ابراہیمیؑ کے پیروکار ہو کر اللہ کے لیے اپنی نفرتوں اور رنجشوں کی قربانی نہیں دے سکتے کیا؟'' حمید، ماں کو دیکھے جا رہا تھا۔

☆☆☆

عید کا دن اپنی بزرگی پورے جہان پر بلا تخصیص پھیلائے طلوع ہو چکا تھا۔ احسان اور نرگس کے ہاں عید کے پہلے روز ہونے والی دعوت کے لیے سب جمع تھے۔ بشمول شاہجہان ماموں اور ملکہ خالہ کے.....

الفت بیگم پر حمدہ باتوں کا اثر ہوا تھا یا پچھلے دنوں ہونے والی برین واشنگ کا..... وہ عید کی صبح جیٹھانی کے گھر آ گئی تھیں اور نرگس بیگم نے بغیر کسی پچھلے حوالے کے ان کو بڑھ کر گلے سے لگا لیا تھا۔

ممکن تھا کہ عنقریب شاہجہان اور ملکہ بھی ایک ہو جاتے..... اب تو یہ رشتہ ہوا ہی چاہتا تھا..... بس زبانی اقرار باقی تھا۔

''کیوں حمدہ..... کیسی عید ہے اس بار.....'' حمید نے حمدہ کو دیکھ کر مسکرا کر پوچھا۔

''جس عید کا چاند دس دن پہلے میں نے اپنی چھت پر دیکھا تھا..... جو عید تم سنگ گزرے وہ یادگار تو ہونی ہی تھی۔ اللہ میری ہر عید تمہارے ساتھ ایسے ہنسی خوشی ہی گزارے۔'' حمدہ نے جھکی نظروں کے ساتھ بہت محبت سے کہا۔

''آمین! آج کے دن ایک وعدہ کر لو تو بہت اچھا ہوگا..... زندگی میں پھر کبھی غصہ آئے تو پتھر مت مارنا۔ ہر بار قسمت اچھی نہیں ہوتی کہ وہ سر پر ہی لگے.....'' حمید نے شرارت سے اسے یاد دلایا اور وہ ہنستی چلی گئی۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

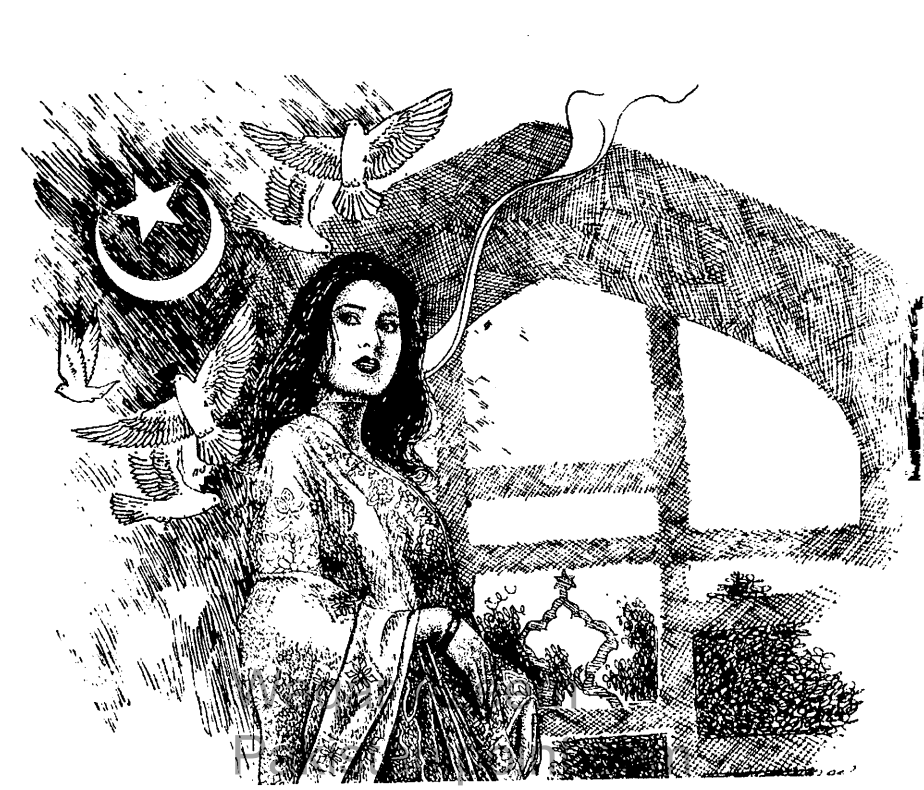

عذاب لمحے

ہما علی

موسم گرما کی دو مہینوں کی چھٹیوں کے بعد آج تمام ٹیچرز کا اسکول میں پہلا دن تھا۔ آگے، پیچھے باری، باری تمام ٹیچرز چلی آرہی تھیں۔ اتنے دنوں کے بعد ملنا تو بہت اچھا لگ رہا تھا مگر کچھ کے چہروں پر ناگواری کے تاثرات کے ساتھ یہ شکوہ بھی تھا کہ بھلا اس قدر گرمی میں ابھی اسکول کھولنے کی کیا ضرورت تھی اور کچھ اس خیال سے مسرور کہ چلو شکر ہے اسکول کھل گیا کم از کم جہنم "سسرال" سے تو جان چھوٹی کچھ وقت تو اچھا

گپ شپ میں گزر جائے گا..... ہیڈ مسٹریس کے ساتھ میٹنگ کے بعد سب چار، چار چھ، چھ کی ٹولیوں میں مختلف کلاسوں میں بیٹھی ایک دوسرے سے آئیڈیاز شیئر کر رہی تھیں۔ نئے پڑھائے جانے والے اسباق کے مطابق ایکٹویٹیز، فلیش کارڈ اور پھر سوفٹ بورڈ کی تیاری ایسے دلچسپ انداز میں ہو جو بچوں کو بڑا اچھا اور خوشگوار دلچسپی سے بھرپور ماحول لگے۔

مس نادیہ پرانی ٹیچر تھیں اس لیے ہیڈ مسٹریس نے ان کی ڈیوٹی لگادی کہ آپ باقی تمام ٹیچرز کو گائڈ کریں، جس کو جو چیزیں چاہیے ہوں تو وہ مجھے دو بجے سے پہلے مطلوبہ ٹیچر کے نام کے ساتھ لکھ کر دے کر جائیں۔

یہ ایک پرائیویٹ اسکول کی تین منزلہ عمارت تھی۔ گرمی کی وجہ سے زیادہ تر ٹیچرز بیسمنٹ میں ہی آگئی تھیں کیونکہ (اسٹاف روم) کے نام پر کوئی کمرا مخصوص نہیں تھا۔ قہقہے اس قدر بلند تھے کہ لگتا تھا جیسے آج کمرے کی چھت اڑ جائے گی۔ خوب زور شور سے باتیں ہو رہی تھیں۔ کان بڑی آواز بھی سنائی نہیں دے رہی تھی اور پھر جس جگہ مس نادیہ بیٹھ جائیں تو یہ ناممکن تھا کہ محفل گل و گلزار نہ ہو۔ خود بھی باغ و بہار شخصیت کی مالک، حاضر جواب ایسی کہ اگلا کوئی بات کہہ کر اور ان کا جواب سن کر اپنا منہ تکتا رہ جائے۔ ہر بات پر ایک چٹکلا تیار رہتا۔

''اچھا بھئی سنو آج باتیں کر لو کل سے کام شروع کریں گے۔'' مس نادیہ نے زور سے کہا۔

''ہاں بھئی آج تو بس باتیں ہوں گی۔'' مس عالیہ نے بھی ہاں میں ہاں ملائی۔ کون کہاں گیا؟ کس کی منگنی ہوئی، ساس نندوں کے قصے اور پھر مس نادیہ کے لطیفے نے سب کی جان ہی نکال دی۔ سب کا ہنستے، ہنستے برا حال تھا کہ مس نادیہ نے کہا۔

''ارے یہ تو کچھ بھی نہیں ابھی میں تم ....سب کو بڑے مزے کا لطیفہ سناتی ہوں۔'' ساری ٹیچرز تھوڑا، تھوڑا اور قریب آگئیں۔ ''بھئی ہوا یوں کہ ایک عورت کے گھر کچھ ڈاکو گھس آئے اور سارا سامان لوٹ کر لے گئے۔ شام کو جب اس کا شوہر گھر آیا تو عورت نے روتے ہوئے اسے بتایا کہ گھر میں ڈاکو آئے تھے اور سارا سامان لوٹ کر لے گئے اور میری عزت بھی.....شوہر نے غصے سے پوچھا کہ تم نے انہیں روکا نہیں.....؟ عورت منہ بسور کر بولی میں نے تو بہت روکا تھا مگر وہ بولے ہم بہت تھک گئے ہیں۔'' لطیفہ ختم کیا ہوا قہقہوں کا ایک طوفان امنڈ آیا۔ آفس بوائے نیچے آیا اور ہیڈ مسٹریس کا پیغام دیا کہ ''میڈم بہت ناراض ہو رہی ہیں۔ آپ لوگ شور کم کریں، آفس میں ایڈمیشن کے لیے پیرنٹس آئے ہوئے ہیں۔'' سب سیریس ہوگئیں مگر ہنسی کو بریک لگتے بھی ٹائم لگا۔ کچھ کی آنکھوں سے تو ہنستے، ہنستے آنسو بہے رہے تھے۔ اتنے میں سامنے سے آتی مسز ابراہیم نظر آئیں وہ شاید انہی کی طرف آرہی تھیں۔ ہاتھوں میں چارٹ پیپرز تھامے اپنے بڑے سے بیگ کو سنبھالے، ہونٹوں پر مہربان سی مسکراہٹ سجائے وہ اندر آئیں۔ ابھی وہ کچھ بولی بھی نہ تھیں کہ مس عالیہ نے مس نادیہ کو کہنی مار کر کہا۔

''نادیہ، مسز ابراہیم کو بھی وہ لطیفہ سناؤ جو تم نے ابھی سنایا ہے'' اور نادیہ نے عالیہ کی فرمائش پر وہ لطیفہ پورے جوش و خروش اور اس عورت کی ایکٹنگ کر کے سنایا۔ ساری ٹیچرز پھر لوٹ پوٹ ہوگئیں مگر مسز ابراہیم تو لطیفہ سن کر گم صم ہو کر ان کی شکلیں دیکھنے لگیں۔ چہرہ بالکل سپاٹ تھا۔ چہرے پر کوئی تاثر ہی نہیں تھا۔

''کیوں مسز ابراہیم آپ کو لطیفہ پسند نہیں آیا، کوئی اور سناؤں؟'' نادیہ نے شوخی سے پوچھا۔ مسز ابراہیم کا تو یہ حال تھا کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں.....لطیفہ کیا تھا ایک دہکتی ہوئی سلاخ تھی جو دماغ کے آر پار ہوگئی تھی۔ کانوں میں ایسی آندھیاں چل رہی تھیں جن کے ساتھ چیخیں، التجائیں، ڈر، خوف .... بے عزتی، بے حرمتی ایک بھیانک حقیقت کی صورت میں ان کے وجود کو مکڑی کے کمزور جالے کی طرح لرزا رہی تھیں۔ انہوں نے دونوں ہاتھوں سے اپنے سر کو تھاما.....خود کو سنبھالا اور پھر مسز ابراہیم کا سکوت ٹوٹا اور وہ پھٹ پڑیں۔ باری، باری سب کے چہروں پر ایک

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

قہر آلود نظر ڈالی اور چیخ پڑیں۔

''یہ لطیفہ ہے؟ اس کو آپ لطیفہ کہتے ہیں؟ یہ تو وہ تازیانے ہیں جو لگتے تو بدن پر ہیں مگر ساری عمر کے لیے روح کو زخمی کر ڈالتے ہیں پھر یہ زخم ناسور بن جاتے ہیں جو وقت کے ساتھ بڑھتے ہیں بھرتے نہیں، ان کی ٹیس اور ان سے اٹھنے والی بدبو کم نہیں ہوتی۔'' یہ کہتے، کہتے ان کی آواز آنسوؤں میں ڈوب چکی تھی جو بات وہ کہنے آئی تھیں وہ تو ان کے ہونٹوں تک بھی نہ آئی..... انہوں نے شدتِ غم اور غصے سے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے اپنا سامان اٹھایا اور دروازے کی جانب بڑھتے ہوئے رکیں، ایک تاسف بھری نظر سب پر ڈالی کچھ کہنے کو لب کھولے مگر جانے کیا سوچ کر منہ بند کر لیا اور کمرے سے نکل کر تیز، تیز سیڑھیاں چڑھتی اوپر چلی گئیں۔

ابھی جہاں سب خوش گپیوں میں مست تھیں وہاں اب ایسا سناٹا چھایا تھا کہ جانے کون سا قہر ٹوٹ پڑا تھا۔ سب ایک دوسرے کی شکل دیکھ رہی تھیں۔ مس عالیہ نے حیرانی سے کہا۔

''یہ آج مسز ابراہیم کو کیا ہوا؟'' مس نادیہ کی اپنی بولتی بند تھی۔ شرمندگی سے کسی سے نظر نہیں ملا پا رہی تھیں انہیں تو ہمیشہ سب نے بڑا سراہا تھا اور آج سب کے سامنے وہ بھی جونیئر ٹیچرز کے سامنے اتنی ہتک..... غصے میں جھینپ مٹانے کو بولیں۔

''this is very disgusting میں میم سے ان کی شکایت کروں گی..... بھئی جوک ہی تو تھا اتنا ری ایکٹ کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ سارا موڈ آف کر دیا۔ چلو بھئی کام شروع کرو.....'' مس نادیہ نے سب کو ہدایت دی۔

مسز ابراہیم دھیمے مزاج کی بردبار خاتون تھیں۔ آج تک کسی کے ساتھ بھی ان کا جھگڑا تو کیا کوئی معمولی تکرار بھی نہیں ہوئی تھی۔ اردو پڑھاتی تھیں، تمام اسٹاف ان کی عزت کرتا تھا۔ کبھی کسی والدین کی طرف سے بھی شکایت نہیں آئی تھی، اس لیے ہیڈ مسٹریس بھی ان سے کافی خوش اور مطمئن تھیں۔ پھر عمر میں چونکہ مسز ابراہیم بڑی تھیں اس لیے ہیڈ مسٹریس ان کے ساتھ ہمیشہ احترام سے پیش آتیں۔ مسز ابراہیم کی دوستی کسی کے ساتھ نہ تھی مگر سب کے ساتھ محبت و اخلاق سے ملتیں، زیادہ تر اس برانچ میں ٹیچرز یا تو young mothers تھیں یا غیر شادی شدہ۔ اسی لیے ان کے اپنے گروپ تھے اور یہ بھی اپنے کام سے کام رکھتی تھیں۔ کسی کو بھی ان کے بارے میں زیادہ پتا نہیں تھا بس اتنا جانتی تھیں کہ ان کی ایک بیٹی ہے جو نارمل نہیں ہے۔

بات ہونٹوں نکلی کوٹھوں چڑھی والی مثال آج کے ناخوشگوار واقعے کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ اس منزل سے لے کر اس منزل تک سب کو خبر پہنچ چکی تھی کہ کیسے آج مسز ابراہیم نے مس نادیہ کے لتے لیے..... کچھ ٹیچرز یہ بات ماننے کو تیار ہی نہیں تھیں کہ مسز ابراہیم اتنی سی بات پر اتنا شاؤٹ کر سکتی ہیں۔ وہ تو کبھی اونچی آواز میں بھی کسی سے نہیں بولیں۔ مگر کچھ کھوجی قسم کی ٹیچرز آنکھیں مٹکا کر اس خیال کا اظہار کر رہی تھیں کہ دال میں کہیں کچھ کالا ضرور ہے۔ قصہ مختصر بات ہیڈ مسٹریس کے کانوں تک بھی پہنچ گئی۔

مسز ابراہیم کو اس سال اوپر کی منزل میں تین سیکشن ملے تھے لہٰذا وہ وہاں ہی جا کر بیٹھ گئیں۔ آس پاس کام کرتی... ٹیچرز اشاروں، اشاروں میں ایک دوسرے سے کہہ رہی تھیں کہ ''پوچھو ناں کیا ہوا نیچے؟'' مگر کسی کی ہمت نہیں ہو رہی تھی کہ سوال کریں آیا وغیرہ نے بھی دبے لفظوں میں ایک دوسرے کو آج کی بریکنگ نیوز دے ڈالی تھی۔

اوپر آنے سے پہلے مسز ابراہیم آفس گئی تھیں کہ چھٹی مل جائے مگر انہیں بتایا گیا کہ یہ اسکول پالیسی کے خلاف ہے ہاں اگر بہت ہی ایمرجنسی ہو تو ممکن ہے لہٰذا مزید کچھ کہے سنے بغیر واپس آ گئیں۔

مسز ابراہیم کو یہ اسکول جوائن کیے ابھی سال ہی ہوا تھا۔ ہیڈ مسٹریس کا دوٹوک جواب سن کر وہ اوپر آ کر بیٹھ تو گئی تھیں اور بظاہر خود کو مصروف ظاہر بھی کر رہی تھیں۔ بیگ کھولتیں کچھ ڈھونڈنے کے بہانے ٹشو پیپر

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

سے آنسو پونچھ لیتیں..... ذہن بار، بار اسی سانحے کی طرف پلٹ جاتا جس کو سر جھٹک کر کئی دفعہ بھلانے کی کوشش کر رہی تھیں۔ ہاتھوں میں پین پکڑے خالی از ذہن، آنکھیں بند کر کے سر پیچھے کرسی سے ٹکا کر سوچنے لگیں۔

''میں کیا کرنے آئی تھی؟ کیسے بچوں کو ہینڈل کروں گی؟ کیسے پڑھاؤں گی؟ لگتا ہے آج پہلی دفعہ یہ سب کرنے بیٹھی ہوں، کہاں سے شروع کروں؟'' اسی سوچ میں گم تھیں کہ آفس بوائے نے آ کر ہیڈ مسٹریس کا پیغام دیا کہ میڈم آپ کو بلا رہی ہیں۔

''اوہ اچھا.....'' آواز سن کر وہ چونک گئیں اور بھولے بھٹکے خیالوں سے باہر نکلیں۔ ''تم چلو میں آتی ہوں۔''

تھوڑی دیر کے بعد مسز ابراہیم اور ہیڈ مسٹریس آفس میں آمنے سامنے بیٹھی تھیں۔ ہیڈ مسٹریس فون پر مصروف تھیں جیسے ہی فون بند کیا، مسز ابراہیم نے سوال کر ڈالا۔

''میڈم آپ نے مجھے بلایا تھا؟''

''جی ہاں بات یہ ہے کہ مسز ابراہیم کہ ہمارے پاس ایک ایسا بچہ یعنی نیو ایڈمیشن آیا ہے جو اردو بالکل نہیں جانتا۔ میں چاہتی ہوں کہ اس کو آپ کے سیکشن میں ڈال دوں..... مجھے پورا یقین ہے کہ آپ اسے بہت اچھی طرح چلا لیں گی۔'' کچھ دیر تو مسز ابراہیم خاموش رہیں سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اپنے جاب چھوڑنے کے ارادے کا کیسے بتائیں اور وجہ؟ وجہ کیا بتائیں گی؟ ہیڈ مسٹریس یک ٹک ان کے چہرے کو دیکھ رہی تھیں۔

''کیا بات ہے آپ ''willing'' نہیں ہیں میں نے تو بڑے مان کے ساتھ آپ کا انتخاب کیا تھا۔'' پرنسپل نے کچھ لمحے کے توقف کے بعد پوچھا۔

''نہیں، نہیں، آپ کی بات ٹھیک ہے، مجھے بھی کوئی اعتراض نہ ہوتا مگر میں معذرت چاہتی ہوں میں یہ جاب جاری نہیں رکھ سکوں گی۔'' مسز ابراہیم نے اپنی بات بڑے ٹھہر، ٹھہر کر دھیمے لہجے میں کہی۔

''دراصل میں خود بھی آپ کے پاس آنے والی تھی یہی بتانے کہ میں ریزائن کرنا چاہتی ہوں۔'' ہیڈ مسٹریس کا چہرہ ایک سوالیہ نشان بن گیا۔

''مگر صبح ہماری میٹنگ ہوئی تب تو آپ نے ایسی کوئی بات نہیں کی اور اب یہ اچانک فیصلہ..... میں کچھ سمجھی نہیں..... کیا آپ کو میری چھٹی نہ دینے والی بات بری لگی یا جو میں نے سنا ہے۔''

''آپ نے کیا سنا ہے؟'' دل بلاوجہ زور، زور سے دھڑکنے لگا۔

''کیا سنا ہے آپ نے؟'' دل ایسے مٹھی میں آ گیا جیسے کوئی چوری پکڑی گئی ہو جسے چھپا رہی ہوں کہیں وہ ظاہر تو..... ہیڈ مسٹریس کی آواز آئی۔

''یہی کہ صبح آپ کا کچھ ٹیچرز کے ساتھ جھگڑا ہو گیا تھا اور آپ ناراض ہو گئیں۔'' مسز ابراہیم نے دل میں شکر ادا کیا جو وہ سمجھ رہی تھیں ایسا نہیں تھا۔ ہوتا بھی کیسے کسی کو کچھ پتا ہی نہیں تھا۔ ایک گہری سانس لے کر مسز ابراہیم نے جلدی سے کہا۔

''نہیں جھگڑا تو نہیں ہوا نہ ہی میں ناراض ہوں بس شاید میں کچھ زیادہ جذباتی ہو گئی تھی۔ میں اس کے لیے معذرت چاہتی ہوں۔''

''آپ چاہیں تو میرے ساتھ شیئر کر سکتی ہیں، اگر آپ ہرٹ ہوئی ہیں تو میں ان ٹیچرز کو بلا کر آپ کے ساتھ patchup کروا دیتی ہوں۔ وہ آپ سے معذرت کر لیں گی آخر آپ ہماری سینئر ہیں قابلِ احترام ہیں۔ آپ تو جانتی ہیں سب ینگ لڑکیاں ہیں آپ بڑی ہیں، درگزر کر دیں۔''

''ارے نہیں، میڈم آپ کے خلوص کا بہت شکریہ..... ایسی کوئی بات نہیں، درحقیقت میں خود کو ذہنی طور پر تیار نہیں کر پا رہی شاید پوری ایمانداری سے پڑھا نہیں سکوں گی۔'' کچھ لہجے میں آنسوؤں کی نمی تھی یا چہرے پر دکھ کے بادل ایسے چھائے تھے جو غم کو چھپانے کے بجائے چیخ، چیخ کر کہہ رہے تھے۔

''کہیں تو آگ لگی ہے وجود کے اندر
کوئی تو دکھ ہے کہ چہرے دھواں ہمارے ہوئے''

ہیڈ مسٹریس نے بغور ان کے چہرے کو دیکھا پھر بولیں۔

''مسز ابراہیم میں آپ کو مجبور تو نہیں کر سکتی۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

آپ کی جو بھی پرابلم ہے آپ بہتر جانتی ہیں، ہاں مگر میں آپ کو کچھ ٹائم دے سکتی ہوں۔ آپ چند دنوں کی sick leave پر چلی جائیں۔ اچھی طرح سوچ لیں کوئی جذباتی فیصلہ نہ کیجیے۔ ہمیں آپ کی ضرورت ہے، میں آپ جیسی اچھی ٹیچر کو کھونا نہیں چاہتی۔ ابھی آپ گھر چلی جائیں، ہم کل ان شاء اللہ اس پر بات کریں گے۔'' مسز ابراہیم شکریہ کہہ کر گھر چلی گئیں۔

اگلے دن حسبِ معمول تمام اسٹاف اسکول آچکا تھا، کہیں، کہیں کل کے ناخوشگوار واقعے کی گونج سنائی دے رہی تھی۔ ہیڈ مسٹریس کے آتے ہی سب آفس میں morning meet کے لیے جمع تھیں۔ سلام دعا کے بعد ہیڈ مسٹریس نے سب پر ایک نظر ڈالی اور بولیں۔

''باقی سب کو بھی بلالیں، مجھے کچھ خاص پوائنٹ آپ کے ساتھ ڈسکس کرنے ہیں۔''

''میم باقی تو سب حاضر ہیں سوائے مسز ابراہیم کے۔'' مس نادیہ نے بتایا۔

''ارے کل تو میں نے انہیں اسکول پالیسی کے بارے میں بتایا تھا۔'' ہیڈ نے حیرانی سے کہا اور آج وہ پھر absent ہوگئیں۔''

''میم دراصل انہوں نے استعفیٰ بھیجا ہے۔''

''بچوں کے آنے میں ایک ویک رہ گیا ہے، واٹ نان سینس.....اب اتنی جلدی کسی اچھی اردو ٹیچر کا انتظام.....؟'' ہیڈ کے لہجے سے انتہائی ناراضی کا اظہار ہو رہا تھا انہوں نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا۔

''میں انہیں اتنا غیر ذمے دار نہیں سمجھتی تھی۔'' تھوڑی دیر کے بعد سب سے مخاطب ہوئیں۔

''اب یہ آپ سب کی ڈیوٹی ہے کہ کوئی اچھی ٹیچر ڈھونڈیں۔''

وقت کا کام ہے گزرنا سو گزر گیا کسی کے آنے یا جانے سے نظامِ زندگی رکتا نہیں.....اسی طرح teachers turn over ہوتا رہا اور اسکول چلتا رہا۔

مسز ابراہیم کو گئے چھ سال ہوگئے، کسی کو یاد بھی نہ رہا کہ کیا ہوا تھا۔ زندگی اتنی تیزی سے گزر رہی تھی کہ اسکول میں وقت گزرنے اور بچوں کے ساتھ سر کھپانے کے ساتھ تو یہ بھی یاد نہ رہتا کہ آج گھر میں کیا مسائل چھوڑ کر آئی ہیں۔ مس روبی آفس کے کئی دفعہ چکر لگا چکی تھیں مگر ہیڈ مسٹریس کلاس ٹیچرز کے ساتھ میٹنگ میں مصروف تھیں۔ وہ سخت پریشانی کے عالم میں اِدھر سے اُدھر چکر لگا رہی تھیں، دل ہی دل میں دعا مانگ رہی تھیں کہ میٹنگ جلدی ختم ہو جائے پھر اچانک دل میں خیال آیا کہ آفس بوائے کے ہاتھ چٹ پر لکھ کر میسج آفس میں بھیج دوں، یہ ہی سوچ کر ایمرجنسی میم فرام روبی، لکھا چٹ دیکھ کر ہیڈ مسٹریس باقی ٹیچرز سے ایکسکیوز کر کے باہر آئیں، مس روبی کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر گھبرا کر پوچھا۔

''کیا ہوا مس روبی؟''

''میم میری کزن کی جوان بیٹی کی ڈیتھ ہوگئی ہے، وہ میرے ساتھ ہی رہتی ہیں۔'' مس روبی نے روتے ہوئے بتایا۔

''اوہ آئی ایم سوری.....'' ہیڈ نے انہیں گلے لگا کر گھر جانے کی اجازت دی اور اپنے ڈرائیور کی آفر بھی کر دی کہ وہ انہیں چھوڑ آئے گا۔

''بہت، بہت شکریہ میم۔'' کہہ کر مس روبی نے اپنا بیگ سنبھالا اور اسکول سے باہر نکل آئیں۔

جمعرات کی صبح ہیڈ مسٹریس نے تمام اسٹاف کو انفارم کیا کہ مس روبی ایک ویک کی چھٹی پر ہیں ان کی فیملی میں ڈیتھ ہوگئی تھی، کل جمعہ ہے تو ہم سب ان کے گھر اسکول کے بعد تعزیت کے لیے جائیں گے۔ آپ سب اپنے وین ڈرائیورز اور گھر والوں کو بتا دیجیے گا۔

اسکول کی ہیڈ مسٹریس مع اسٹاف مس روبی کے ڈرائنگ روم میں بیٹھی تھیں۔ سادہ سا ڈرائنگ روم تھا مگر صاف ستھرا اور ہر چیز سے سلیقہ ٹپک رہا تھا۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

صوفے، پردے، اور قالین کی میچنگ اور خوش رنگ پھول اپنے گھر والوں کے ذوق کی نشاندہی کر رہے تھے، کارنیس پر دو تصویریں بھی رکھی تھیں، ایک تو لڑکے کی تھی جو ایک خاتون کے گلے میں بانہیں ڈالے مسکرا رہا تھا۔ سب ہی تصویر دیکھ کر چونکی تھیں۔ دوسری تصویر ایک گیارہ، بارہ سالہ لڑکی کی تھی، تھوڑی دیر میں مس روبی کولڈ ڈرنک کے ساتھ اندر آئیں اور بولیں۔

''بس باجی ابھی آرہی ہیں آپ لوگ یہ ڈرنکس لیں پلیز.....''

''اس تکلف کی کیا ضرورت تھی ہم تو بس تعزیت.....'' ابھی ہیڈ مسٹریس کی بات پوری بھی نہ ہوئی تھی کہ ایک خاتون کمرے میں آئیں..... انہیں دیکھ کر ہیڈ مسٹریس اور پرانی ٹیچرز مس نادیہ اور مس عالیہ بے ساختہ کھڑی ہوگئیں۔

''مسز ابراہیم.....آپ مسز ابراہیم ہیں ناں؟'' ہیڈ نے تصدیق چاہی۔

''جی آپ نے صحیح پہچانا۔'' مسز ابراہیم کسی خزاں رسیدہ چمن کی طرح لگ رہی تھیں یا پھر ایسے شخص کی طرح جس کی تمام متاعِ حیات وقت کی بے رحم لہریں بہا کر لے گئیں ہوں۔ لٹی پٹی خالی ہاتھ۔

''آپ تو بہت بدل گئی ہیں۔'' ہیڈ مسٹریس نے کہا۔

''ہم لوگوں کے تو وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ ہم آپ سے تعزیت کرنے آرہے ہیں۔''

''جی پہلے تو میں بھی آپ سب کو دیکھ کر حیران ہوئی آج تک روبی سے پوچھا ہی نہیں کہ وہ کون سے اسکول میں پڑھاتی ہے۔'' ہیڈ نے اٹھ کر انہیں گلے لگایا۔

''یقین کریں اتنا افسوس ہوا آپ کی بیٹی کی وفات کا کہ لفظوں میں بیان کرنا مشکل ہے، اللہ آپ کو یہ غم سہنے کا حوصلہ عطا کرے اور مرحومہ کو جنت الفردوس میں جگہ دے، آمین۔'' سب نے فاتحہ کے لیے ہاتھ اٹھائے، مسز ابراہیم خشک آنکھوں کے ساتھ دعا میں شریک تھیں۔

''آپ لوگ بیٹھیں، میں کھانا لگواتی ہوں۔''

''ارے نہیں، نہیں مسز ابراہیم آپ تو شرمندہ کر رہی ہیں۔'' تمام اسٹاف اور ہیڈ ایک ساتھ بول اٹھیں۔

''نہیں شرمندہ تو میں ہوں آپ سب سے میڈم.....بغیر نوٹس کے ریزائن کر دیا.....بس بات ہی کچھ ایسی تھی کہ میں خود پر قابو نہ رکھ سکی۔'' پھر مس نادیہ کی طرف دیکھ کر بولیں۔

''یقین کریں نادیہ، میں آپ سے بھی معذرت چاہتی ہوں مجھے اتنا ری ایکٹ نہیں کرنا چاہیے تھا۔''

''کیسی باتیں کر رہی ہیں مسز ابراہیم آپ میری بڑی ہیں، خدارا شرمندہ نہ کریں۔'' مس نادیہ نے ان کے گلے لگ کر باقاعدہ رونا شروع کر دیا۔ تمام اسٹاف اور ہیڈ مسٹریس کی آنکھوں اور چہروں پر جیسے ایک ہی سوال مچل رہا تھا مگر سوال کرنے کی ہمت کسی میں نہیں تھی۔ مسز ابراہیم جہاندیدہ خاتون تھیں۔ بنا کچھ پوچھے ہی ان کے چہرے پڑھ لیے۔

''آپ سب جاننا چاہتی ہیں ناں کہ اس دن مجھے کیا ہوگیا تھا؟'' دوسری طرف بالکل خاموشی تھی۔ مسز ابراہیم نے کہنا شروع کیا۔

''یہ بات میں کبھی کسی کو نہ بتاتی، فاطمہ کی وجہ سے چھپائی تھی مگر اب وہ ہی نہ رہی اور اب میں یہ سب کچھ آپ سب سے شیئر کرنا چاہتی ہوں کہ میرے بعد اور کوئی ایسا دھوکا نہ کھائے۔'' اتنا کہہ کر جیسے وہ کچھ یاد کر رہی تھیں اور پھر بولنے لگیں۔

''وہ ایک شدید گرم دوپہر تھی، میں، میرا اٹھارہ سالہ بیٹا فاروق اور چودہ سالہ بیٹی فاطمہ ایک عزیز کی شادی سے واپس آرہے تھے، گھر آتے، آتے چار بج گئے۔ فاروق نے مجھ سے کہا ''گھر کی چابی جلدی سے مجھے دیں، ایمرجنسی ہے۔'' وہ مذاق میں بولا اسے اصل میں واش روم جانے کی جلدی تھی۔'' بیٹے کا ذکر کرتے ہوئے چہرے پر ممتا جوش مار رہی تھی۔'' میں نے اسے کہا ٹھیک ہے، میں گاڑی باہر ہی پارک کر دیتی ہوں تم بعد میں اندر لے آنا۔ اس نے میری پوری بات بھی نہیں سنی۔ تیزی سے دروازہ کھول کر اندر بھاگا.....میں، بیٹی، فاطمہ کے ساتھ اتری.....فاطمہ بھی مجھ سے پہلے گھر

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

میں چلی گئی۔ میں نے فیروزی ہلکے کام والی ساڑی اور اچھی خاصی جیولری پہنی ہوئی تھی۔ پلو سنبھالتی میں گیٹ کے اندر آئی لان سے ہوتے ہوئے داخلی دروازہ کھول کر اندر جاؤں، ابھی میرا ایک پاؤں اندر تھا اور ایک باہر کہ پیچھے سے آواز آئی۔

''باجی یہ منزل واٹر کی بوتل اندر رکھنی ہے؟'' میں نے مڑ کر دیکھا ایک آدمی مخصوص برانڈ کی بڑی بوتل لیے کھڑا تھا۔ پہلے تو میں سوچ میں پڑ گئی کہ میں نے تو ابھی نہیں منگوائی پھر سوچا شاید فون کیا ہو اور اب یاد نہ رہا ہو پھر بھی میں نے اسے کہا۔

''ابھی تو نہیں چاہیے۔''

''اچھا جی ہمیں تو آرڈر ملا تھا کہ اس ایڈریس پر پہنچا دیں۔'' اس نے مجھے کاغذ پر لکھا ایڈریس دکھایا۔

''یہ آپ ہی کا ایڈریس ہے ناں.....؟'' وہ بولا میں نے اچٹتی سی نظر پتے پر ڈالی۔

''جی ہاں ایڈریس تو میرا ہی ہے مگر آپ کی تو گاڑی آتی ہے؟ وہ نظر نہیں آ رہی۔''

''جی میڈم وہ لوگوں نے گلی میں گاڑیاں اس طرح لگائی ہیں کہ ہمیں گاڑی اندر لانا ممکن نہیں تھا۔'' اس نے نہایت ہی مہذب انداز میں بتایا۔

''اچھا آپ بوتل اندر کچن میں رکھ دیں۔'' یہ کہہ کر میں اندر چلی وہ میرے پیچھے تھا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ یک بارگی مجھے اپنے پیچھے دو سے زیادہ قدموں کی آواز آئی اور ایک سرد لہر میں میرے سارے وجود میں پھیل گئی میں نے ہمت کر کے پلٹ کر دیکھا وہ تین مرد تھے۔ میں نے حیرانی سے انہیں دیکھا اور سختی سے پوچھا۔

''کون ہو تم لوگ اور اس طرح کیسے گھسے چلے آ رہے ہو؟'' ایک آدمی نے دروازہ بند کر کے کنڈی لگا دی۔

''ارے یہ..... یہ کیا کر رہے ہو' نکلو یہاں سے۔'' اس آدمی نے اپنے پیلے، پیلے دانتوں کی نمائش کرتے ہوئے گھٹیا انداز میں آنکھ ماری اور بولا۔

''میرے یار کو اندر بلا سکتی ہے تو مجھے کیوں نہیں؟ مجھ میں کیا کمی ہے رانی؟'' دوسرا آدمی جو پانی کی بوتل

دنیا کے کسی بھی گوشے میں اور ملک بھر میں

گھر بیٹھے

رسالے حاصل کیجیے

جاسوسی ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ

ماہنامہ پاکیزہ، ماہنامہ سرگزشت

باقاعدگی سے ہر ماہ حاصل کریں اپنے دروازے پر

ایک رسالے کے لیے 12 ماہ کا زرِ سالانہ

(بشمول رجسٹرڈ ڈاک خرچ)

پاکستان کے کسی بھی شہر یا گاؤں کے لیے 1500 روپے

امریکا، کینیڈا، آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے لیے 12,000 روپے

بقیہ ممالک کے لیے 11,000 روپے

آپ ایک وقت میں کئی سال کے لیے ایک سے زائد رسائل کے خریدار بن سکتے ہیں۔ رقم اسی حساب سے ارسال کریں۔ ہم فوراً آپ کے دیے ہوئے پتے پر رجسٹرڈ ڈاک سے رسائل بھیجنا شروع کر دیں گے۔

یہ آپ کی طرف سے اپنے پیاروں کے لیے بہترین تحفہ بھی ہو سکتا ہے

بیرونِ ملک سے قارئین صرف ویسٹرن یونین یا منی گرام کے ذریعے رقم ارسال کریں۔ کسی اور ذریعے سے رقم بھیجنے پر بھاری بینک فیس عائد ہوتی ہے۔ اس سے گریز فرمائیں۔

رابطہ: مرزا عمر عباس فون نمبر: 0301-2454188

سرکولیشن مینجر..... سید منیر حسین 0333-3285269

جاسوسی ڈائجسٹ پبلی کیشنز

C-63 فیز III ایکسٹینشن ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی مین کورنگی روڈ، کراچی

فون: 35804200-35804300

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

لایا تھا اس نے بوتل زمین پر رکھی اور بولا۔

''زیادہ شور مچانے کی ضرورت نہیں ہے جو کہا جائے وہ کرو ویسے تمہاری بیٹی کہاں گئی؟ خیر ساڑی میں تو تم بھی قیامت لگ رہی ہو اور بغیر ساڑی کے تو.....''

اس نے جملہ ادھورا چھوڑ کر باقی ساتھیوں کی طرف معنی خیز انداز میں مسکرا کر دیکھا.....خباثت ان کے چہروں سے برس رہی تھی۔ میرے تو تن بدن میں آگ لگ گئی۔ میں زور سے چیخی۔

''بکواس بند کرو میں ابھی پولیس کو بلاتی ہوں۔''

''ہاں، ہاں شوق سے بلانا مگر تھوڑا ہمارا دل تو بہلا دو، اتنی دور سے بھری دوپہر میں آئے ہیں۔'' یہ آخری جملہ شاید فاروق نے سن لیا جو واش روم سے نکل رہا تھا۔ وہ اس شخص کی طرف غصے میں لپکا۔

''کیا بکواس کر رہا ہے میں تیرا منہ توڑ دوں گا۔'' یہ کہتے ہوئے فاروق نے اسے گریبان سے پکڑ کر مکا مارنا چاہا مگر اس سے پہلے کہ وہ مار تا باقی دو ڈاکوؤں نے اس پر پستول تان دیا۔ میرا تو خون خشک ہو گیا۔ اب میں ان کی ترلے منتیں کر رہی تھی۔

''خدارا اسے کچھ نہ کہنا، اسے چھوڑ دو، اسے نہ مارنا تم سب کچھ لے جاؤ۔'' میں نے اپنی چوڑیاں، کڑے، جھمکے، غرض جتنی جیولری پہنی تھی کھینچ، کھینچ کر اتاری اور ان کے آگے ڈالتی گئی۔ فاروق ان کے قابو نہیں آ رہا تھا اور وہ اسے زدوکوب کر رہے تھے میں ان کی منت سماجت کرنے پر مجبور تھی۔ میں نے دونوں ہاتھ جوڑے۔

''اللہ کے واسطے میرے بیٹے کو مت مارو.....'' نہ جانے کیسے فاروق کا ایک مکا ڈاکو کے منہ پر لگ گیا پھر تو جیسے وہ غصے میں پاگل ہو گیا اور اس نے پستول فاروق کے سر پر ماری یا فائر کیا کہ فاروق اس کے بازوؤں میں جھول گیا۔ فائر کی آواز نہیں آئی بس ٹھک کی آواز آئی تھی۔ شاید سائلنسر لگا کر آئے ہوں مجھے لگا میرا دل بند ہو جائے گا میں بیٹے کو بچانے ان درندوں کی طرف بڑھی۔

''ہائے مار دیا میرے بچے کو۔'' میں نے دونوں ہاتھوں سے اس آدمی کا منہ نوچ لیا۔ میں فاروق کو سنبھالنا چاہتی تھی میں اس کی طرف بڑھی۔ میرا دل اور میرے آنسو میرے اختیار میں نہ تھے۔ میں نے ہمت کر کے ایک ڈاکو کو زور سے دھکا دیا اور اپنے بچے کو سینے سے لگانے کو بے تابی سے فاروق کی طرف لپکی مگر ان ظالموں نے مجھے جکڑ لیا اور ہنستے ہوئے وہی بولا۔

''کچھ نہیں ہوا رانی، پریشان نہ ہو بس ذرا دیر کو سو گیا ہے۔'' اس نے دوسرے ڈاکو کو آواز دی جو زیور ایک بیگ میں ڈال رہا تھا۔

''اوئے کامی اسے دوسرے کمرے میں لے جا کر بند کر دے۔'' اس نے ایک نظر غصے سے میرے فاروق کو دیکھا اور پھر ایک ہاتھ سے اپنے چہرے پر لگی میرے ناخنوں کی خراشوں سے خون صاف کیا.....''یہ تو نے اچھا نہیں کیا رانی اس کا تو حساب دینا ہوگا۔''

وہ میرے سامنے میرے بچے کو کسی جانور کی طرح گھسیٹ رہے تھے اور پھر میں نے دیکھا فاروق کے ساتھ خون کی لکیر بھی چل رہی تھی۔

''یہ تم نے کیا، کیا؟ مار دیا؟ میرے بچے کو مار دیا، میں تم کو چھوڑوں گی نہیں۔'' میں بھوکی شیرنی بن چکی تھی۔ ''مجھے چھوڑو، مجھے میرے بیٹے کے پاس جانے دو اسے میری ضرورت ہے، تم لوگوں کو اس گھر سے جو چاہیے لے لو مگر خدا کے لیے مجھے جانے۔''

''ارے تم کو کیسے جانے دیں۔'' ان کے تیور بدل گئے تھے۔ وہ حریص نظروں سے میری طرف دیکھ رہے تھے۔ میرے چاروں طرف خطرے کی گھنٹیاں بج رہی تھیں۔ ان کا ارادہ بھانپ کر میں نے بڑی دلیری سے کہا۔

''میرے قریب نہ آنا۔ جو چاہو لے جاؤ اندر الماری میں زیور اور کیش پڑا ہے وہ بھی لے لو مگر مجھے ہاتھ نہ لگانا۔'' وہ آہستہ، آہستہ میری طرف بڑھ رہے تھے۔ میں پیچھے ہٹتی جا رہی تھی۔

''کہہ رہی ہوں ناں مجھ سے دور رہو۔'' میں بالکل دیوار کے ساتھ لگ گئی تھی۔ ایک ڈاکو نے تو کب سے سختی سے میرا ہاتھ پکڑا ہوا تھا۔ وہ سب انسان سے شیطان بن گئے تھے ان کی بدبودار سانسیں مجھے

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

اپنے چہرے پر محسوس ہو رہی تھیں، مجھ میں جانے کہاں سے ہمت آ گئی میں نے پوری قوت سے ایک ڈاکو کے ایسی جگہ لات ماری کہ وہ تڑپ اٹھا اور دوسرے کے ہاتھ پر کاٹا اور زور سے چیخی اگر غیرت مند ہو تو میرے قریب نہ آنا، تمہارے گھر بھی تو ماں، بہنیں ہوں گی اور شاید بیٹیاں بھی ہوں، دیکھو میں بھی ایک ماں ہوں، ماں کی عزت تو کرتے ہو گے ناں اگر تمہاری ماں کے ساتھ کوئی ایسا کرے یا تم خود اپنی ماں کے ساتھ ایسا کر سکتے ہو؟ اتنا کہنا تھا میرا کہ بس، ایک زناٹے کا تھپڑ میرے منہ پر پڑا اور وہ دونوں میری طرف جھپٹے جن کو کاٹا تھا اور لات ماری تھی۔

''بکواس کرتی ہے کتیا میرے سامنے۔'' اور غلیظ گالیوں کا فائر کھل گیا۔ میرے بال ان کے ہاتھوں میں تھے، میں چیخ رہی تھی مگر تپتی دوپہر، سنسان گلیاں، سب ائر کنڈیشن کمروں میں سو رہے تھے، میری چیخیں بھی سننے والا کوئی نہیں تھا۔ وہ تینوں مجھے مال مفت کی طرح آپس میں تقسیم کرتے رہے۔ شاید میں کچھ دیر کے لیے بے ہوش ہو گئی تھی۔ مجھے کچھ یاد نہیں میں کتنی دیر ان ضمیر فروشوں کے ہاتھوں کھلونا بنی رہی۔ دروازے کی جھری سے تیز دھوپ میری آنکھوں پر پڑی تو میں نے چندھیائی آنکھوں سے ارد گرد دیکھا۔ یہ میں ایسی حالت میں..... یہاں..... یہ سب کیا ہوا؟ دھندلے، دھندلے سائے، چکراتا سر کچھ ٹھیک سے ذہن کام نہیں کر رہا تھا۔ میرا بدن پھوڑا بنا ہوا تھا۔'' کمرے میں مکمل سکوت طاری تھا۔ مسز ابراہیم کچھ دیر کو رکیں روبی نے بڑھ کر انہیں نے پانی پیش کیا، وہ آنکھوں میں آئے آنسو دوپٹے کے پلو سے صاف کرتی بولیں۔

''وہ تین مسٹنڈے اور میں اکیلی عورت..... میں نے اپنے کرچی، کرچی وجود کو سمیٹا اور خود کو گھسیٹتی ہوئی کراہتی ہوئی شاور کے نیچے پہنچی..... مجھے کچھ ہوش نہیں تھا، تھوڑی دیر کے لیے تو بچوں کو بھی فراموش کر بیٹھی۔ بس پانی میں بھیگ رہی تھی اور خود کو رگڑ رہی تھی ایسا لگتا تھا جیسے کسی گٹر کی غلاظت میں لتھڑ گئی ہوں، پانی مسلسل میرے سر سے ہوتا ہوا سارے بدن کو بھگو رہا تھا۔ کافی دیر ایسے پانی پڑنے سے جیسے میرے حواس آہستہ، آہستہ کام کرنے کے قابل ہو گئے اور سارے واقعات ایک بھیانک خواب کی طرح ترتیب وار میری نظروں کے سامنے آ رہے تھے سب کچھ کتنا آناً فاناً ہو گیا۔ پہلے مجھے فاطمہ کا خیال آیا کاش اس نے مجھے ایسی حالت میں نہ دیکھا ہو اور پھر فاروق کا خیال آتے ہی میرا کلیجا منہ کو آ گیا۔ میں چیخ، چیخ کے رونا چاہتی تھی برستی آنکھوں کے ساتھ جلدی، جلدی جو کپڑے بھی واش روم میں ملے پہن کر باہر آئی۔ دھڑکتے دل کے ساتھ فاروق کے کمرے کی کنڈی کھولی، میرا دل میری مٹھی میں آ گیا۔ ہائے میرا بچہ وہ تو خون میں لت پت پڑا تھا۔ میں نے بے تابی سے اس کا سر اپنی گود میں رکھا۔

''فاروق آنکھیں کھولو، میری جان فاروق اٹھو۔'' میں نے بے تحاشا اسے چوم رہی تھی پھر بدحواسی میں اسے دوبارہ زمین پر لٹا دیا اور ننگے سر ننگے پاؤں باہر بھاگی، پڑوسی کی کال بیل پر انگلی رکھ کر کھڑی ہو گئی۔ مجھے خود پر کوئی اختیار نہ رہا تھا۔ میں چیخ رہی تھی۔ ''ارے کوئی ہے خدارا جلدی آؤ میرے بچے کو بچا لو۔'' مستقل گھنٹی بجنے پر پڑوسی غصے میں بھرے باہر نکلے۔

''کون بیوقوف ہے؟'' مجھ پر نظر پڑی تو نادم ہو کر بولے۔ ''مسز ابراہیم آپ؟'' میری حالت دیکھ کر وہ بھی پریشان ہو گئے تھے ''خیریت تو ہے کیا ہوا؟''

''بس آپ جلدی سے ایمبولینس منگوائیں۔''

فاروق کو اسپتال لے گئے مگر وہ غیرت مند بیٹا اپنی ماں کی بربادی دیکھنے سے پہلے ہی دنیا چھوڑ گیا تھا۔

فاطمہ کو ڈھونڈا تو وہ صوفے کے پیچھے ملی بالکل ساکت پھٹی، پھٹی آنکھوں سے بس اسی طرف دیکھ رہی تھی جہاں کچھ دیر پہلے میں ٹوٹی مالا کے موتیوں کی طرح بکھری پڑی تھی۔

میرے شوہر دبئی میں تھے انہیں صرف فاروق کی موت کی اطلاع دی۔ باقی کہانی ان کے آنے پر بتائی۔

ابراہیم نے سب کچھ سن کر چپ سادھ لی۔ دو

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

مہینے ایسے ہی گزر گئے، ہمارے درمیان کوئی بات چیت نہ ہوتی، وہ مجھے اجنبی نظروں سے دیکھتے اور میں چور سی بن جاتی، فاطمہ کو کئی نفسیاتی ڈاکٹروں کو دکھایا مگر بے سود ..... اسے دماغی دورے پڑنے لگے۔ ایک رات ابراہیم نے مجھے اپنے پاس بٹھایا میں ان کی ذرا سی توجہ پا کر پھوٹ، پھوٹ کر رونے لگی۔ میرا دل چاہتا تھا کہ وہ مجھے تسلی دیں، مجھے پیار دیں..... مجھے بتائیں کہ تمہارا کوئی قصور نہیں مگر وہ مجھ سے نظریں چرا رہے تھے۔ وہ کچھ کہنا چاہ رہے تھے مگر کہہ نہیں پا رہے تھے میں نے ہی پہل کی ان کی ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام کر ان کی طرف روتے ہوئے دیکھ کر کہا۔

''ابراہیم آپ تو جانتے ہیں ناں کہ میں بے قصور ہوں، آپ سمجھ سکتے ہیں میں درد کے کس صحرا سے گزری ہوں۔ ظالم وقت نے مجھ سے میرا سب کچھ چھین لیا۔ میرا بیٹا نہ رہا، میری دنیا اجاڑ دی، آپ بتائیں ناں آپ مجھ سے بدگمان تو نہیں ہیں ناں، آپ تو مجھے مجرم نہیں سمجھتے، بولیں پلیز آپ کی چپ مجھے مارے ڈالتی ہے۔'' میں نے ان کے دونوں ہاتھ اپنی آنکھوں سے لگا لیے اور پھر مجھے ایک جھٹکا لگا جب ابراہیم نے اپنے ہاتھ بڑی آہستگی سے چھڑا لیے، میں ہکا بکا ان کی طرف دیکھنے لگی۔ میرا وہ یقین، وہ مان ٹوٹنے لگا کہ ابراہیم مجھے ایسے کڑے وقت میں اکیلا نہیں چھوڑیں گے۔''

''صفیہ میں.....'' خود کو رونے سے روکنے کی کوشش میں الفاظ ان کے گلے میں اٹک رہے تھے پھر ابراہیم نے کہنا شروع کیا۔

''میں نے بہت کوشش کی، خود کو بہت سمجھایا کہ یہ صرف ایک حادثہ تھا مگر نہ میں فاروق کی موت سے سمجھوتا کر پا رہا ہوں نہ فاطمہ کی بربادی سے، اس لیے میں نے واپس جانے کا فیصلہ کیا ہے، میں سخت شرمندہ ہوں کہ مزید تمہارے ساتھ نہیں رہ سکتا، تم سمجھ رہی ہو ناں..... میں یہ بات ہضم نہیں کر پا رہا کہ میرے علاوہ کوئی تمہارے اتنے قریب آ گیا۔''

''تو آپ مجھے اور فاطمہ کو چھوڑ کر جا رہے ہیں؟ آپ مجھے تنہا کر رہے ہیں، آپ ایسا کیسے کر سکتے ہیں؟ ہمارا جینا، مرنا، دکھ، سکھ سب سانجھا ہے، آپ مجھے نہیں چھوڑ سکتے۔''

''میں تم کو چھوڑ تو نہیں رہا، تمہارا اور فاطمہ کا خرچا بھیجتا رہوں گا مگر.....''

''مگر کیا؟ میرا وجود آپ کے لیے گالی بن گیا۔ برباد تو میں ہوئی، گود میری اجڑی، بیٹی نفسیاتی مریضہ بن گئی اور آپ مجھے چھوڑنے کی بات کر رہے ہیں، میں کہاں جاؤں؟ میرا قصور تو بتا دیں، مجھے تو اس وقت آپ کی محبت کی ضرورت ہے۔ ابراہیم، میں اکیلے فاطمہ کو کیسے سنبھالوں گی، خدا کے لیے ایسا مت کریں، ہم دونوں مل کر فاطمہ کو نارمل زندگی کی طرف لے آئیں گے ہم..... ہم واپس دبئی چلے جائیں گے، پلیز ابراہیم مجھے ناکردہ جرم کی سزا مت دیں۔ آپ سوچ بھی نہیں سکتے، میں نے کس مشکل سے اس درد کی دہلیز کو پار کیا ہے..... پلیز اپنا فیصلہ بدل دیں مجھے اور فاطمہ کو آپ کی ضرورت ہے۔''

''میں تمہارے دکھ کو سمجھتا ہوں صفیہ..... مگر میں مجبور ہوں۔'' ابراہیم مجھ سے دور جا کر کھڑے ہو گئے اور منہ دوسری طرف کر کے بولے۔ ''بات بہت تکلیف دہ ہے، نہ صرف تمہارے لیے بلکہ میرے لیے بھی مگر کڑوا سچ تو یہی ہے کہ تمہارا ساتھ مجھے زندگی بھر کچوکے لگاتا رہے گا۔ میں تمہارے قریب ہونے کی کوشش بھی کروں گا تو یہ احساس مجھے تم تک آنے سے پہلے ہی روک دے گا کہ تم کتنے ہاتھوں سے گزر چکی ہو، میری غیرت یہ گوارا نہیں کرتی کہ میں ایسی عورت کو اپنی بیوی کہوں جس کے بدن کے چپے، چپے پر کئی مردوں نے۔''

''چپ کر جائیں، کچھ شرم کریں۔'' میں چیخ پڑی اور ان کے باقی الفاظ ان کے منہ میں ہی رہ گئے۔

''آپ نے جانا ہے ابراہیم، چلے جائیں ابھی اور اسی وقت..... مجھے کسی کم ظرف سہارے کی ضرورت نہیں ہے۔ غلطی میری ہے، میں نے آپ کو دیوتا سمجھ لیا تھا، یہ بھول گئی تھی کہ دیوتا تو مٹی کے بت ہوتے ہیں جو ذرا

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

سا پانی پڑنے پر کیچڑ بن جاتے ہیں۔'' چیخنے سے میری آواز بیٹھ گئی تھی۔ سارا بدن غصے سے کانپ رہا تھا، میں اٹھی اور دروازہ کھول کر ابراہیم سے کہا۔ ''اپنا سامان اٹھائیں اور اسی وقت یہاں سے نکل جائیں۔''

''تم میرا یقین کرو صفیہ میں آج بھی تم سے محبت کرتا ہوں۔''

''بس کردیں ابراہیم صاحب' مجھے آپ کی محبت پر پورا یقین ہے، اتنا احسان کیجیے گا مجھ پر اور فاطمہ پر کہ ہمیں کوئی خرچا بھیجنے کی ضرورت نہیں ہمارے ساتھ ہمارا اللہ ہے۔ اور وہ ہمیں کافی ہے، فاروق کی موت کے بعد مجھے لگتا تھا کہ میں بالکل تہی دست و تہی داماں ہوگئی ہوں۔ فاطمہ کا ہونا نہ ہونا برابر تھا۔ وہ گھر جہاں بچوں کے قہقہے گونجتے تھے وہاں سناٹے اتر آئے تھے۔ فاروق کا تو معمول تھا کہ آتے جاتے مجھ سے لپٹ جاتا، کبھی ہاتھ چومتا کبھی میرے گلے میں بانہیں ڈال کر کھڑا رہتا۔ میں مصنوعی غصے سے کہتی۔

''ہٹو ناں کام کرنے دو'' وہ مسکرا کر کہتا۔

''جب نہیں ہوں گا تو یاد کریں گی'' اور میں اس کے منہ پر پیار سے ہلکا سا تھپڑ لگاتی۔ ''بکواس نہ کرو پورے سو برس جیو گے ان شاء اللہ.....''

''وہ سچ کہتا تھا۔'' ضبط اب مسز ابراہیم سے رخصت ہونے لگا۔ آنکھوں میں برسات اتر آئی۔ گلے میں گولہ سا پھنس رہا تھا جو بولنے نہیں دے رہا تھا۔ مسز ابراہیم تھوڑی دیر رکیں، سب کی آنکھیں جھلملا رہی تھیں۔ ذرا دم لے کر بولیں۔ ''وہ واقعی سچ کہتا تھا اب پاگلوں کی طرح اس کی ہر چیز کو چومتی ہوں۔'' مسز ابراہیم کے ہر لفظ سے ممتا چھلک رہی تھی۔ گالوں پر لڑھکتے آنسوؤں کو پونچھتے ہوئے دکھے لہجے میں گویا ہوئیں۔

''میں نے پھر وہ گھر ہی کیا وہ شہر ہی چھوڑ دیا اور یہاں روبی کے پاس آگئی۔ فاطمہ کے لیے فل ٹائم نرس کا بندوبست کردیا وہ نہ زندوں میں رہی تھی نہ مردوں میں..... جس وقت اس کو دورہ پڑتا وہ چیخنے لگتی مت مارو، چھوڑ دو، مت مارو، وہ چیخیں جو اس وقت نہ نکل سکیں، اب دورے کے وقت نکلتیں وہ کسی کے قابو نہ آتی۔ ایسے بھاگنے کی کوشش کرتی جیسے کسی پر حملہ کرنے جارہی ہو، آنکھیں وحشت سے سرخ ہوجاتیں اور پھر آدھے پونے گھنٹے کے بعد وہ بے سدھ بے ہوش ہوکر گر پڑتی۔ ویسے تو نرس خیال رکھتی تھی مگر کبھی وقت پر دوا نہ دے پاتی تو ایسا ہوتا اور پھر نیند کا انجیکشن اس کا علاج رہ جاتا۔ آپ کا اسکول جوائن کرنے کی بھی کچھ وجوہات تھیں۔''

مسز ابراہیم نے ہیڈ مسٹریس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''ایک تو مالی سپورٹ دوسرا اسکول میں بچوں کے ساتھ وقت اچھا گزر جاتا..... کم از کم جتنی دیر اسکول میں رہتی ماضی کے دریچے سے کسی بے وفا کا چہرہ جھانکتا نہ میری بربادی کی فلم چلتی مگر اس دن مس نادیہ کے لطیفے پر مجھے ایسے لگا جیسے کسی نے مجھے سرِ عام بے لباس کردیا ہو، میں خود پر قابو نہ پاسکی انتہائی ہائپر ہوگئی اور ریزائن کردیا۔ سوچا تھا کہ اب سارا وقت فاطمہ کو دوں گی مگر قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ فاطمہ کو اپنے بھائی کی جدائی اب زیادہ برداشت نہیں ہورہی تھی۔ اسی لیے دس دن ہوئے وہ بھی اپنے بھائی سے جا ملی۔ مجھے تو سب نے تنہا کردیا۔ پتا نہیں اب میں کیسے جیوں گی۔'' مسز ابراہیم وقت سے پہلے ہی بہت بوڑھی لگ رہی تھی۔

''میں ہی جانتی ہوں جو کچھ مجھ پر گزر گئی
دنیا تو لطف لے گی میرے واقعات سے''

شعر پڑھ کر مسز ابراہیم بالکل خاموش ہوگئیں سے کہنے کو اب کچھ بچا نہ ہو۔

بھیگی آنکھوں سے ہیڈ مسٹریس نے اجازت چاہی۔

''ہم لوگ سب آپ کے دکھ میں برابر کے شریک ہیں، خود کو تنہا مت سمجھیے گا۔ ہم لوگ اور بیٹھتے مگر..... ٹیچرز نے وین ڈرائیوز کو ٹائم دیا ہوا ہے۔''

''جی، جی میں سمجھ سکتی ہوں آپ سب کی آمد کا بہت، بہت شکریہ.....'' مسز ابراہیم نے اخلاقاً کہا اور ہم سب دل پر ڈھیر سارا بوجھ لیے واپس ہوئے کہ ان کے دکھوں کا مداوا ممکن نہ تھا۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

ناولٹ

ایک سجدہ

عائشہ خان

تیسرا حصہ

عشا کی نماز اور تراویح پڑھنے کے بعد امی جان سونے کے لیے لیٹ گئی تھیں۔

''زارا بیٹی کیا اثیر پہلے بھی آنے میں اتنی دیر کر دیتا ہے؟'' کوئی رات ساڑھے گیارہ بجے عابدہ بیگم فکرمندی سے اس کے کمرے میں چلی آئیں۔

زارا کچھ سٹپٹا کر ان کا چہرہ دیکھنے لگی۔ فوراً اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ ان کی بات کا کیا جواب دے۔ اور اس کی خاموشی نے عابدہ بیگم کو جیسے بہت کچھ سمجھا دیا۔ ان کی پریشانی کچھ اور بڑھ گئی۔ وہ دوبارہ اپنے کمرے میں چلی گئی تھیں۔

اثیر احمد نے گیارہ بجے تک آنے کا کہا تھا لیکن اب ایک بج رہا تھا اور ان کا دور، دور تک کچھ پتا نہیں تھا۔ فون بھی بند جا رہا تھا وہ پریشانی سے کمرے میں اِدھر سے اُدھر چکر لگاتے ہوئے بری طرح تھک چکی تھی۔ دبے پاؤں کئی چکر لاؤنج کے لگائے تھے۔ لاؤنج کی جالی کے دروازے کے ساتھ چہرہ ٹکائے کتنی ہی دیر باہر دیکھتی رہی پھر مایوس ہو کر واپس پلٹ آئی۔ آخر جب وہ تھکن سے نڈھال ہو کر بستر پر گر پڑی تو وہ آہستگی

سے دروازہ کھول کر کمرے میں داخل ہوئے تھے۔

''اثیر کہاں رہ گئے تھے آپ.....؟'' وہ ایک جھٹکے سے اٹھی تھی۔ انہوں نے سرخ انگارہ آنکھوں سے اسے گھورا اور واش روم کی جانب بڑھ گئے۔ وہ حیران پریشان سی ان کی پشت کو تکتی رہ گئی تھی۔

☆☆☆

نماز کے بعد دعا مانگتے ہوئے ایک دم ان پر رقت طاری ہوگئی تھی۔

بڑی مدتوں بعد، بڑی منتوں اور دعاؤں کے بعد ان کے دل کو اثیر احمد کی طرف سے جو اطمینان نصیب ہوا تھا وہ آج پھر ختم ہوگیا تھا۔ وہ بری طرح بے چین تھیں اور بیٹے کی خوشیوں کے لیے دعا گو تھیں۔ ان کے اس بیٹے نے زندگی کے بہت سے برس اداسی اور تنہائی میں گزارے تھے۔ وہ اسے دیکھ کر کڑھتی رہی تھیں، دکھی ہوتی رہی تھیں لیکن کچھ نہیں کرسکی تھیں۔ انہیں آج بھی وہ دن یوں یاد تھا جیسے ابھی کل کی ہی بات ہو۔

نئی جگہ شفٹ ہونے کے بعد اس دن پہلی مرتبہ شزا ان کے گھر آرہی تھی اور اثیر احمد کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیسے وہ اس گھر کو بدل کر رکھ دے۔ پرانی ہر چیز کو غائب کرکے اس کی جگہ پر نئی اور قیمتی اشیا لا سجائے۔ کبھی اسے ڈرائنگ روم کی ڈیکوریشن ٹھیک نہیں لگتی تھی تو کبھی لاؤنج کا فرنیچر خستہ حال دکھائی دیتا تھا۔

وہ خاموشی کے ساتھ اس کی بے چینی و بے قراری کو دیکھ رہی تھیں۔

وہ بچوں پر بے جا قسم کی روک ٹوک کی قائل نہیں تھیں۔ خاص طور پر ایسی روک ٹوک جس کا کوئی فائدہ بھی نہ ہو۔ اس وقت اثیر احمد کو بھی کچھ کہنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ اس لیے وہ خاموشی سے اسے دیکھ رہی تھیں۔ غصہ آتا تو دبا لیتیں، مسکراہٹ آتی تو چھپا لیتیں لیکن جب اس نے تیسری بار ڈرائنگ روم کی چیزوں کو اِدھر سے اُدھر کرنا شروع کیا تو انہیں بولنا ہی پڑا۔

''اثیر! اب بس بھی کردو..... یہ سب.....''

''امی جان، میں نے آپ سے اجازت لی ہے۔'' اس نے انہیں بات مکمل نہیں کرنے دی تھی۔

''اجازت تو لی ہے مگر ذرا ٹائم پر بھی نگاہ ڈال لو، یہ نہ ہو وہ شہزادی صاحبہ آجائیں اور تم غلام بھی نہیں خاکروب بن کر کھڑے رہو۔''

''اس کی تو آپ فکر ہی نہ کریں۔ خاکروب کے حلیے میں بھی آپ کا بیٹا شہزادہ ہی لگے گا۔''

''ہاں، اس میں تو کوئی شک نہیں لیکن بہتر یہی ہے بیٹا جی کہ حلیہ بھی شہزادوں والا ہو۔ ورنہ اس خودسر شہزادی کو تم شہزادے نہیں لگو گے۔ ویسے آکس سلسلے

zeem
pkpoint.com

میں رہی ہیں شہزادی صاحبہ.....؟''

''آپ سے ملنے، ابا جان سے ملنے اور مجھ سے ملنے.....'' اثیر احمد نے یوں تفاخر سے کالر کھڑا کیا تھا جیسے وہ واقعی کہیں کی شہزادی ہو اور اس کا ان سے ملنے آنا ان کے لیے کوئی بہت بڑا اعزاز ہو۔

''اچھا اب یہ سب چھوڑو..... یہ سیٹنگ بالکل ٹھیک لگ رہی ہے۔ تم اب جلدی سے شاور لے لو۔'' انہوں نے کچن کی طرف جاتے ہوئے کہا تھا اور کچھ ہی دیر کے بعد جب وہ کچن سے نکلی تھیں تو دھواں، دھواں چہرے اور وحشت زدہ آنکھوں کے ساتھ اسے شزا کے سامنے بیٹھے دیکھا تھا۔ ان کا دل جیسے دھک سے رہ گیا تھا۔ اٹھتے قدم زمین نے جکڑ لیے تھے۔

''میں تم سے محبت کرتا ہوں شزا..... بے پناہ محبت.....'' شہزادوں جیسی خوب صورتی اور آن بان کا مالک ان کا بیٹا جیسے محبت کی بھیک مانگ رہا تھا۔

''لیکن میں تم سے محبت نہیں کرتی اثیر..... اور اگر..... کرتی بھی تو..... میری چوائس اس پرانے زمانے کے بنے گھر اور خستہ حال صوفے پر بیٹھے اثیر احمد کے بجائے ڈیفنس کے چار کنال کی جدید طرز پر بنی شاندار کوٹھی میں امپورٹڈ صوفوں پر بیٹھنے والا واسع خان ہوتا کیونکہ میں اس زمانے کی لڑکی ہوں جو اندھی محبت پر بلیو نہیں کرتی۔''

وہ کس قدر آرام سے کہہ رہی تھی۔ انہوں نے بے حد حیرانی سے اسے دیکھا پھر ان کی نگاہ اپنے بیٹے کی جانب گئی اور ان کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں بھینچ لیا۔ یہ وہ چہرہ تو نہیں تھا جو ابھی کچھ دیر قبل گرد کی تہ میں جگمگا رہا تھا۔ خزاں کا عکس لیے اس چہرے پر تو جیسے برسوں کی تھکن تھی۔

''ایسے مت کہو شزا۔'' وہ جیسے التجا کر رہے تھے۔

''جو سچ ہے وہ میں کیوں نہ کہوں آخر.....؟''

''یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ تم محبت کو صرف دولت کی خاطر کیسے ٹھکرا سکتی ہو؟'' انہیں جیسے یقین ہی نہیں آ رہا تھا۔

''محبت کو جانے تم کیا سمجھتے ہو اثیر..... کون سے زمانے کی محبت کی بات کرتے ہو۔ اب وقت کی ڈیمانڈز کچھ اور ہیں..... یعنی آج کی لڑکی کی ڈیمانڈ کچھ اور ہے، میری مانو تو تم بھی اب محبت کو لپیٹ کر کہیں کارنر میں رکھ دو اور اپنی ساری انرجی خود کو کامیاب بنانے میں لگاؤ تاکہ دوبارہ کسی شزا احمد کو تم پر کسی واسع خان کو امپورٹنس نہ دینی پڑے۔'' ترس آمیز نگاہوں سے اثیر احمد کو دیکھتے ہوئے اس نے جیسے سنگدلی کی انتہا کر دی تھی۔

عابدہ بیگم کا دل چاہا تھا وہ تھپڑوں سے اس کا چہرہ سرخ کر دیں۔ وہ شاید ایسا کر بھی گزرتیں لیکن وہ ابھی ساکت و جامد کھڑی تھیں کہ وہ ایک جھٹکے سے اٹھی اور دکھ، رنج اور ذلت سے سرخ ہوتی اثیر احمد کی آنکھوں کو خاطر میں لائے بنا ایک ہاتھ سے اس کا ہاتھ تھاما اور دوسرے ہاتھ میں تھامی منگنی کی انگوٹھی اس کی ہتھیلی پر رکھ دی تھی اور لہراتی، بل کھاتی باہر کی جانب چل دی تھی۔

انہوں نے کیسے خود کو اور اپنے شکستہ و نڈھال بیٹے کو سنبھالا تھا وہی جانتی تھیں۔

☆☆☆

اس دن بھی وہ افطاری کے بعد آئے تھے اور آتے ہی کچن کا رخ کیا تھا۔ وہ بھی تیزی سے ان کے پیچھے آئی تھی۔

''اثیر! آپ کیوں مجھ سے ناراض ہیں؟'' اس کی آواز بھیگی ہوئی تھی۔

''تم میرا پیچھا چھوڑ سکتی ہو اس وقت؟'' تلخی سے کہتے ہوئے انہوں نے جن نگاہوں سے اسے دیکھا تھا جیسے اسے مہر بہ لب کر دیا تھا۔ وہ مرے، مرے قدموں سے چلتی اپنے کمرے میں آئی تھی اور تھکے، تھکے انداز میں بستر پر گر گئی تھی۔ بمشکل روکے ہوئے آنسو ضبط کا بند توڑتے بہنے لگے تھے۔

یونہی روتے، روتے جانے کب اس کی آنکھ لگ گئی تھی۔ پھر یک دم اذان عشا کی آواز پر اسے جیسے کسی نے اٹھا کر بٹھا دیا تھا اور بہت کچھ یاد دلا دیا تھا۔ وہ کہیں یادوں کے جنگل میں کھو گئی تھی۔

''لیٹی رہیں ناں دادی جان.....'' بخار سے تپتی

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

آنکھیں بمشکل کھولتے ہوئے اس نے کہا تھا۔

''اذان ہو رہی ہے زارا بیٹی۔''

''آپ کو نیند میں بھی کیسے اذان کی آواز آجاتی ہے؟'' ان کے نرم و ملائم ہاتھ کو اپنے تپتے ہوئے رخسار پر رکھتے ہوئے اس نے حیرانی سے پوچھا تھا۔

انہوں نے لبوں پر انگلی رکھتے ہوئے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا تھا۔ اذان ختم ہونے پر انہوں نے دعا مانگی تھی پھر اس کی طرف متوجہ ہوئی تھیں۔

''اللہ سنواتا ہے زارا بیٹی، اذان دراصل اللہ کا بلاوا ہوتا ہے اور اس سے محبت کرنے والے فوراً اس کی بارگاہ میں حاضر ہونے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔''

''کیا اللہ بھی ان سے محبت کرتا ہے دادی جان؟''

''بالکل کرتا ہے میرے بچے..... تبھی تو انہیں جگاتا ہے۔''

''پھر مجھے کیوں نہیں جگاتا دادی جان..... کیا اللہ مجھ سے محبت نہیں کرتا؟'' جلدی سے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے اس نے پریشانی سے پوچھا تھا۔

''اللہ تم سے بہت محبت کرتا ہے اگر نہ کرتا تو یہ سوال کرواتا نہ یوں پریشان کرتا۔'' انہوں نے اس کی پیشانی چومتے ہوئے کہا تھا۔

''وہ جگائے گا بھی ضرور اور جب جاگو تو پھر سونا نہیں..... جو جاگ کر سو جاتے ہیں وہ محبت کا دعویٰ تو کرتے ہیں لیکن اس محبت کا حق ادا نہیں کرتے۔''

انہوں نے اس کے چہرے کو دونوں ہاتھوں میں تھامتے ہوئے بے حد شفقت و محبت سے کہا اور وہ فوراً اثبات میں سر ہلانے لگی تھی۔

''میری پیاری دادی جان آپ کیوں اتنی جلدی چلی گئیں.....'' یادوں کے جزیرے سے حال میں آتے ہوئے وہ اداسی سے زیرِ لب کہتے وہ اٹھی تھی۔ واش روم میں جا کر وضو کیا۔ نماز کے لیے کھڑی ہونے لگی تو یاد آیا کہ اس نے تو ابھی نماز کی کچھ غلطیاں ٹھیک کرنی تھیں۔ اس نے اٹھ کر نیٹ آن کیا اور آن لائن لیسنز دیکھنے لگی تھی۔

یادوں کی بارات

آج پھر دل کو تری یاد سے آباد کیا
آج پھر دل نے تواتر سے تجھے یاد کیا
آج پھر یادوں کا ٹوٹا ہوا بادل برسا
آج پھر دیر تلک وقت یوں برباد کیا

کاوش: عروبہ ناز، کوٹلی

اثیر احمد قریبی مارکیٹ سے روزمرہ کے استعمال کا سامان لے کر واپس لوٹے تو دیکھا کہ وہ لیپ ٹاپ بیڈ پر رکھے بے حد مصروف نظر آ رہی تھی۔ لاؤنج کا دروازہ کھلنے کی آواز پر بھی سر نہیں اٹھایا تھا۔ مارے اشتعال کے خون ان کی کنپٹیوں میں جوش مارنے لگا تھا۔ بمشکل خود پر ضبط کے پہرے بٹھاتے ہوئے تیز آواز میں حامد کو پکارا تھا۔ ان کی آواز سن کر وہ تیزی سے اٹھی اور چیزیں ان سے تھام لی تھیں۔

''حامد کو میں نے ایک گھنٹے کے لیے چھٹی دی تھی۔''

''کیوں؟'' انہوں نے اس قدر کھردرے لہجے میں کیوں کہا کہ ملازموں کو آسانی دینے کے متعلق امی جان کی سنائی ہوئی حدیث اسے بھول ہی گئی۔ اس لیے بنا کچھ کہے وہ سامان لے کر اندر کی جانب بڑھ گئی۔ لیکن اس کی یہ خاموشی انہیں بری طرح کھل گئی تھی۔ انہوں نے کچھ کہنے کے لیے لب کھولے تھے مگر تبھی ان کے موبائل کی بیل بجی تھی۔ وہ ٹیبل سے موبائل اٹھا رہے تھے جب وہ سامان کچن میں رکھتی تیزی سے کمرے میں چلی گئی تھی۔

انہوں نے قہر آلود نگاہوں سے اسے لیپ ٹاپ پر جھکتے دیکھا تھا اور ان کی برداشت جواب دے گئی۔ وہ تیزی سے کمرے کی جانب بڑھے لیکن جب تک وہ کمرے میں داخل ہوئے وہ لیپ ٹاپ بند کر کے جائے نماز بچھا کر نماز شروع کر چکی تھی۔

مارے طیش کے ان کا دل چاہا اپنے ہی بال کھینچنے

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

لگیں۔ وہ ان کے ساتھ کیا کر رہی تھی آخر..... پھر اس کے سلام پھیرنے تک وہ کمرے میں ہی اِدھر سے اُدھر چکر لگاتے رہے تھے۔ اس انتظار نے ان کے غصے کو کچھ اور بڑھا دیا تھا۔ اس کے سلام پھیرتے ہی وہ تیزی سے اس کے سر پر جا کر کھڑے ہوئے تھے۔

''یہ لمبی، لمبی نمازوں سے کیا ثابت کرنا چاہتی ہو تم؟''

''کون سی لمبی نمازیں.....'' وہ حیرانی سے انہیں دیکھنے لگی۔ اس نے تو ابھی نماز شروع ہی کی تھی۔

''ابھی تم مزے سے لیپ ٹاپ پر بیٹھی تھیں مجھے دیکھتے ہی ایک سیکنڈ نہیں لگا تمہیں نماز شروع کرنے میں..... میں کیا تمہیں الو کا پٹھا نظر آتا ہوں؟'' تند نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے انہوں نے دونوں ہاتھوں سے اس کے کندھوں کو جکڑا تھا۔

حیرت اور خوف کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ اس نے فوراً نفی میں سر ہلایا تھا۔

''بہت بنا لیا ہے... بیوقوف مجھے تم نے..... اب اور نہیں بنوں گا، بولو کیا کر رہی ہو میرے ساتھ..... کون سا کھیل، کھیل رہی ہو؟'' پوری طاقت سے اس کے کندھوں کو جھنجوڑتے ہوئے وہ غرائے تھے۔

''کوئی کھیل نہیں اثیر..... بلیومی کوئی کھیل نہیں..... میں تو صرف محبت کرتی ہوں آپ سے..... محبت چاہتی ہوں آپ سے۔'' تکلیف کی شدت سے بہتی آنکھوں اور پھنسی، پھنسی آواز کے ساتھ اس نے جیسے التجا کی تھی۔ محبت جیسے بھیک میں طلب کی تھی۔

''شٹ اپ..... خبردار جو کبھی تم نے محبت کا نام بھی لیا میرے سامنے۔'' وہ بلند آواز سے چلائے تھے اور وہ بہتی آنکھوں اور کپکپاتے لبوں کے ساتھ انہیں دیکھ کر رہ گئی تھی۔

لب بھینچتے ہوئے انہوں نے اس کے رخساروں پر تیزی سے پھسلتے آنسوؤں کو دیکھا پھر ایک جھٹکے سے اس کے کندھوں کو چھوڑا تھا۔ وہ بری طرح لڑکھڑائی تھی آنسوؤں میں کچھ اور روانی آئی تھی۔ وہ رکے نہیں تھے، نکلتے چلے گئے تھے۔

بمشکل روکی ہوئی اس کی ہچکیاں اور سسکیاں ضبط کے سارے بند توڑتی بلند ہوتی تھیں، تیزی سے بستر پر گرتے ہوئے اس نے تکیے میں منہ دے لیا اور پھوٹ، پھوٹ کر رونے لگی تھی۔ کافی دیر دل کی بھڑاس نکالنے کے بعد وہ اٹھی تھی اور جائے نماز تہ کر دی تھی۔

کیا فائدہ تھا ایسی نماز کا جس نے انہیں ناراض کر دیا تھا۔ جائے نماز الماری میں رکھتے ہوئے وہ جانے کس دھیان، کس گمان میں سوچ رہی تھی لیکن جو بھی سوچ رہی تھی انتہائی غلط سوچ رہی تھی۔

وہ جو اثیر احمد کی نگاہوں کے حصار میں رہنے کے لیے، ان کو اچھا لگنے کے لیے ان کے آنے سے پہلے اہتمام سے تیار ہوتی، چن چن کر ان کے پسندیدہ رنگ پہنتی..... اور وہ آجاتے تو زیادہ تر ان کے اردگرد منڈلاتی رہتی لیکن اب جب ان کی نگاہوں کے حصار میں تھی تو بری طرح گھبرا رہی تھی اور یہ حصار تھا بھی تو عجیب ہی۔ کسی سے بات کرتے، اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، کھاتے پیتے ان کی نگاہیں جیسے اس پر ہی جمی ہوتیں، کچھ جانچتی، کچھ جتاتی یہ نگاہیں اسے بوکھلا کر رکھ دیتیں۔ اچھا بھلا ہوتا کام بگڑنے لگتا اور اس کی اس کیفیت پر وہ مبہم سا مسکرا دیتے..... یہ مسکراہٹ اسے ان کی نگاہوں سے بھی زیادہ کنفیوز کرتی جبکہ دوسری طرف عابدہ بیگم ان کے زیادہ وقت گھر پر گزارنے اور خاص طور پر اس کے اردگرد رہنے کو اپنے سمجھانے کا نتیجہ سمجھ کر مطمئن تھیں۔

☆☆☆

''عید کی شاپنگ کر لی زارا.....؟''

''جی ماما.....'' اس نے جھجکتے ہوئے جھوٹ بولا۔ اس لیے کہ ماما کئی دن سے تاکید کر رہی تھیں کہ وہ اثیر کے ساتھ جا کر شاپنگ کر لے پھر شاپنگ سینٹرز میں رش ہو جائے گا اور اثیر کو مشکل ہو گی۔ انہوں نے کسی وقت ذکر کیا تھا کہ وہ شاپنگ سے بے حد کتراتے ہیں اور یہ بات ماما کو یاد تھی۔

''کس کے ساتھ کی ہے عید کی شاپنگ؟'' وہ کتاب سائڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے، نگاہ اس کے چہرے

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

پر جمائے اس کے قریب چلے آئے تھے۔

''بس ماما کو مطمئن کرنے کے لیے کہہ رہی تھی۔ وہ دو تین دن سے تاکید کر رہی تھیں کہ..... ایکچوئیلی آپ کے خیال سے کہ پھر رش ہو جائے گا۔'' جانے کیسے دیکھتے تھے وہ ان کے سامنے اسے بولنا مشکل ہو جاتا تھا۔

''واہ بھئی..... تم تو ہر فن مولا ہو۔''

''جی!'' اس نے حیرانی سے انہیں دیکھا تھا۔ کیا کہنا چاہتے تھے وہ..... اس کی سمجھ میں قطعاً نہیں آیا تھا۔

''یہ معصومیت کی ایکٹنگ اب کچھ پرانی ہو گئی ہے اس میں بھی تو کچھ ورائٹی لاؤ۔'' تمسخرانہ نگاہوں سے اسے دیکھتے وہ واپس مڑ گئے تھے اور وہ کتنے ہی لمحے وہاں سے ہل نہیں سکی تھی۔

☆☆☆

''حنان..... اتنے دن سے کہاں غائب ہو بھئی..... ایک منٹ میں اسکائپ پر آجاؤ ورنہ فائن ہو گا اب.....''

''یہ اجیہ بھی ناں..... کبھی نہیں بدلے گی۔'' حنان موبائل پر اپنا اسکائپ آئی ڈی لاگ ان کرتے ہوئے بڑبڑایا۔

''کیسے ہو، کہاں کی تیاری ہے بڑے کیوٹی، کیوٹی لگ رہے ہو۔'' ہمیشہ کی طرح اس نے بنا کومے اور فل اسٹاپ کے پوچھا تھا۔

''واپس آیا ہوں ایک آفیشل ڈنر سے اب بس آرام کی تیاری ہے۔''

''آرام..... اتنی جلدی..... یو آر او کے ناں!''

''جلدی یہ تمہارے لیے ہے..... کیونکہ سارا دن ٹانگیں پسار کر سونا ہوتا ہے تم نے..... میں صبح سحری کا جاگا ہوا ہوں اور صبح سحری پر پھر جاگنا ہے۔''

''پورے روزے رکھ رہے ہو کیا؟'' وہ طنزیہ پوچھ رہی تھی۔

''پورے تو نہیں لیکن تھوڑے سے ہی چھوڑے ہیں۔ وہ بھی بخار ہو گیا تھا۔''

''اچھا، تبھی میں کہوں ویک لگ رہے ہو خاصے.....''

''ویک تو نہیں..... بخار کے بعد خوب دبا کر کھلایا ہے ماما نے۔''

''اور سناؤ زارا کی طرف کوئی چکر لگایا تم لوگوں نے؟''

''نہیں تو ویسے اس کی ساس آئی ہوئی ہیں، چلو مل کر چکر لگاتے ہیں۔''

''ہاں دیکھتے ہیں۔'' وہ آہستہ سے بولا۔

''چلو پھر ٹھیک ہے اجازت..... خاصے تھکے ہوئے لگ رہے ہو تم۔ میں بھی کچن کی خبر لوں..... او کے ٹیک ریسٹ۔''

''خدا حافظ۔'' کہتے ہوئے حنان نے سائن آؤٹ کیا تھا اور دیوار پر لگی سب کزنز کی گروپ فوٹو کے سامنے اس کے قدم خود بخود آرکے تھے اور نگاہیں بس ایک ہی ہستی کا احاطہ کیے ہوئے تھیں۔ کاش جیسے پل میں وہ اس کی زندگی سے نکل گئی تھی ایسے ہی دل سے بھی نکل جاتی۔

حنان کا دل چاہا اسے کال کرے..... اس کی آواز سنے لیکن اس نے دل کو ڈپٹ دیا اور بس اس کی خوشیوں کے لیے دعا پر ہی اکتفا کیا۔

☆☆☆

''اثیر..... آج تیئیسواں روزہ ہو گیا ہے آخر عید کی شاپنگ کب کرنی ہے تم لوگوں نے..... آج ہی ٹائم نکالو بیٹے اور اپنی شاپنگ بھی کرو اور زارا کو بھی کروا لاؤ..... ہم لوگ تو بھئی رمضان سے پہلے عید کی ساری خریداری کر لیتے تھے۔''

''امی جان اگر میں آپ دونوں کو ڈراپ کر دوں تو..... میرے لیے تو آج وقت نکالنا بہت مشکل ہے۔''

''کبھی تمہارے پاس ٹائم نہیں ہوتا، ٹائم ہو تو موڈ نہیں ہوتا..... آج بس ٹائم نکالو جیسے بھی۔''

''چلیں شام کو دیکھتا ہوں۔'' انہوں نے اچٹتی سی نگاہ ان پر ڈالتے ہوئے کہا تھا۔

اثیر احمد نے گاڑی ایک بک شاپ کے سامنے روکی تھی اور زارا نے بے حد چونک کر ان کی جانب دیکھا تھا۔ یہ وہ جگہ تھی جہاں سے اس کی زندگی نے ایک اہم موڑ لیا تھا، وہ اس جگہ کو کبھی نہیں بھول سکتی تھی

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

لیکن اثیر..... انہوں نے بھلا گاڑی کیوں روکی تھی..... وہ تو عید کی شاپنگ کے لیے آئے تھے۔ وہ بھی امی جان کے بے حد اصرار پر۔ یہ تو ہو نہیں سکتا تھا کہ وہ یہاں کوئی پرانی یاد تازہ کرنے آئے تھے یا اسے کوئی شاعری کی کتاب دلانے لائے تھے..... تو پھر.....

''افوہ..... میں بھی ناں۔'' وہ دل ہی دل میں خود پر جھنجلائی۔ وہ پڑھنے لکھنے والے بندے تھے کچھ بھی لینے آسکتے تھے یہاں۔ لیکن وہ جو کرنے آئے تھے وہاں تک اس کی سوچ بھی نہیں جاسکتی تھی۔ اس لیے ان کی بات کے جواب میں وہ حیران پریشان سی آنکھیں کھولے انہیں دیکھنے لگی تھی۔

''سمجھ نہیں آئی کیا؟'' بے اختیار اس کا سر نفی میں ہل گیا۔

''میں نے کہا ہے کہ یہ ساری جگہیں وہی ہیں جنہیں تم اچھی طرح جانتی ہو اس لیے آرام سے شاپنگ کرلو اور واپسی پر گاڑی لے کر یہیں آجانا۔'' یہ کہتے ہوئے وہ رکے نہیں تھے۔ گاڑی کا دروازہ کھولا تھا اور نیچے اتر گئے تھے۔

زارا نے سر جھکا لیا تھا، دو آنسو چپکے سے اس کی آنکھوں سے نکلے تھے اور گود میں آگرے تھے۔

☆☆☆

''تو عید بھی گزر گئی۔'' بالوں سے کیچر اتار کر اس نے ڈریسنگ ٹیبل پر رکھا تھا اور قد آدم آئینے میں اپنے عکس پر نگاہ ڈالتے ہوئے اداسی سے سوچا تھا کوئی عید ایسے بھی گزر سکتی ہے؟ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ ایک دم پھیکی، بے رنگ اور بے رونق۔ مما، پاپا اسلام آباد گئے ہوئے تھے۔ پھپھو کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی اجیہ پاکستان میں ہی نہیں تھی۔

ماموں نے لنچ پر انوائٹ کیا تھا لیکن اثیر احمد نے معذرت کرلی تھی کہ وہ کسی دوست کی طرف انوائٹڈ ہیں۔ ماموں، ممانی، مما، پاپا کی نمائندگی کے لیے یا ان کی کمی پوری کرنے کے لیے خود ہی ملنے چلے آئے تھے اور اس کا گفٹ بھی لے آئے تھے۔

اجیہ، حنان اور باقی کزنز نے اسے فون پر ہی وش کردیا تھا۔ پتا نہیں وہ سب اپنی زندگیوں میں مصروف ہوگئے تھے یا اثیر احمد کے روکھے پھیکے رویے کی وجہ سے کترانے لگے تھے۔ اور وہ جن سے دل کی ہر خوشی اور ہر رونق تھی انہوں نے سارا دن اس پر بھول کر بھی اک نگاہ تک نہیں ڈالی تھی۔ وہی نادان تھی جو یہ سمجھے بیٹھی تھی کہ عید کے دن تو وہ ساری ناراضی، ہر خفگی بھلا دیں گے..... لیکن کچھ کہنا تو درکنار انہوں نے تو اسے سارا دن نگاہ بھر کر دیکھا تک نہیں تھا۔

''پتا نہیں ماما پاپا واپس آرہے ہیں یا نہیں۔'' سوچتے ہوئے اس نے فون اٹھایا ہی تھا تبھی موبائل کی میسج ہپ بجی تھی۔

''ہجومِ شوق سے فرصت ملے تو اہلِ وطن
وطن سے دور کسی بے وطن کو یاد کرو

زارا یار کہاں غائب ہو صبح سے..... دو منٹ نہیں ہیں تمہارے پاس۔ جلدی سے اسکائپ پر آؤ بڑی امپورٹنٹ بات کرنی ہے۔''

''ہجومِ شوق'' زیرِ لب کہتے ہوئے ایک آنسو چپکے سے اس کی دائیں آنکھ سے ٹپکا اور رخسار پر آٹھہرا۔ موبائل واپس ڈریسنگ ٹیبل پر رکھتے ہوئے وہ مضمحل سے قدموں سے چلتی بستر پر چلی آئی۔

☆☆☆

''کس گہری سوچ میں ہیں علی..... خیریت تو ہے ناں۔''

''ہوں۔'' ایک گہری سانس لیتے ہوئے علی رضا صاحب نے بیوی کی جانب دیکھا۔

''آپا کے گھر کا ماحول بہت بدل گیا ہے۔''

''وہ تو بدلے گا ناں علی..... اب ماشاء اللہ آپا بہوؤں والی ہوگئی ہیں اور بہویں بھی اپنے سے بہت اونچی فیملیز سے ہیں۔''

''ہاں یہ تو ہے..... لیکن میرب..... تم نے میرب کو دیکھا۔''

''ہاں، میرے ساتھ ہی تو بیٹھی تھی۔ کسی فرینڈ کی طرف انوائٹڈ تھی..... جانا ضروری تھا کیونکہ اور فرینڈز بھی اکٹھی ہو رہی تھیں وہاں لیکن آپ..... کیوں پوچھ رہے ہیں؟''

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

''بس یونہی.....''

''یونہی تو نہیں..... بتائیں ناں؟''

''بس ڈریس عجیب واہیات پہنا ہوا تھا۔ بہت اچھا ہوا جلدی اٹھ گئیں ورنہ میں تو زیادہ دیر برداشت نہیں کرسکتا تھا۔'' وہ کہہ رہے تھے اور سمیہ بغور اُن کے چہرے کے اتار چڑھاؤ کو دیکھ رہی تھیں۔

''آپ کو وہ بلیک ساڑی یاد ہے علی..... جو آپ نے لپیٹ کر ڈسٹ بن میں پھینک دی تھی۔''

کئی لمحوں کے توقف کے بعد سمیہ نے ٹھہرے، ٹھہرے لہجے میں کہا تھا اور علی رضا بری طرح چونکے تھے۔

سمیہ کے اس جملے سے کیا، کیا نہیں یاد آ گیا تھا۔

''میری اماں بہت گریٹ خاتون تھیں سمیہ۔ اللہ تعالیٰ ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔''

''آمین..... اگر اس دن خالہ جان مجھے نہ سمجھاتیں، میری ہمت نہ بندھاتیں تو آج ہماری زندگی جانے کس نہج پر ہوتی.....''

سمیہ کو بھی اپنی ساس جو اُن کی سگی خالہ بھی تھیں بے طرح یاد آئی تھیں۔ انہوں نے کبھی سمیہ کو ساس کی نگاہ سے نہیں دیکھا تھا۔ ہمیشہ ماں کی طرح چاہا تھا۔ کتنے ہی لمحے تھے جو اُن کی محبت کے گواہ تھے۔

☆☆☆

''اماں جان! آخر آپ کو پرابلم کیا ہے ہمارے ساتھ چلنے میں.....'' جعفر رضا نے ایک بار پھر ماں کو منانے کی کوشش کی تھی۔

''آپ تو کہتی تھیں آپ کو سب سے زیادہ پیار مجھ سے ہے تو پھر اب.....''

''وہ تو میں اب بھی کہتی ہوں بیٹے کہ سب بچے پیارے ہوتے ہیں لیکن سب سے بڑے اور سب سے چھوٹے سے کچھ تھوڑا سا پیار زیادہ ہوتا ہے۔'' انہوں نے مسکراتے ہوئے قدرے شرارت بھرے انداز میں ''کچھ تھوڑا سا'' کو لمبا کیا تھا۔

سمیہ، علی رضا اور بڑی آپا ان کا ''کچھ تھوڑا سا'' کہنے پر مسکرائے تھے۔

مکالمہ

میں نے کہا
میں تیری بیٹر ہاف ہوں
اس نے کہا
میں تیرا ماہِ کامل ہوں
میں نے کہا
میں تیرے بخت میں شامل ہوں
اس نے کہا
میں مقدر کا سکندر ہوں
میں نے کہا
یہ رشتہ جسم و جاں کا ہے
اس نے کہا
او نہہ یہ کشت کاغذ ہے
میں نے کہا
قول و قرار پکے ہیں
اس نے کہا
مار ہے تین لفظوں کی
میں نے کہا
نہیں میں لباس ہوں تیرا
اس نے کہا
پرانے کی جگہ نیا لے لیتا ہوں
میں نے کہا
یہ رشتہ آسمانی ہے
اور اس نے کہا
زمین پر ٹوٹ جاتا ہے

شاعرہ: سعدیہ ہما شیخ، سرگودھا

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

''اماں جان دیکھ لیں اب..... یہ آپ اچھا نہیں کر رہیں بالکل بھی۔''

''جعفر ضد مت کرو بیٹے..... میں بھلا وہاں گٹ پٹ کرتے لوگوں میں جا کر کیا کروں گی اور بیٹے..... بے شک فرحین بھی کوئی غیر نہیں میرے اپنے بھائی کی بیٹی ہے لیکن بھئی..... سمیہ کو چھوڑ کر میں نہیں جا سکتی کہیں بھی۔'' وہ بے اختیار کہہ گئیں پھر ایک دم چپ سی ہوئیں کچھ پشیمان سی..... جیسے بلا ارادہ دل کی بات زبان سے نکل گئی ہو۔

☆☆☆

''علی رضا..... ''نرم آواز میں پکارتی وہ دروازے کی چوکھٹ میں آ کھڑی ہوئی تھیں۔

''کیا بات ہے بیٹے کیوں شور مچا رہے ہو؟''

''اماں جان! تنگ آ گیا ہوں میں آپ کی اس چہیتی سے.....''

''علی رضا.....'' اماں جان کے لہجے میں تنبیہہ تھی۔

''چھوٹی موٹی نوک جھوک، معمولی لڑائی جھگڑے ہر میاں بیوی کے درمیان ہوتے ہیں لیکن اچھے میاں بیوی وہ ہیں جو بند کمرے میں لڑتے ہیں اور کمرے میں ہی صلح کر لیتے ہیں۔ آپس کی رنجش کو دوسروں تک نہیں پہنچنے دیتے۔''

''اماں جان آپ کچھ اس کو بھی تو سمجھایا کریں۔''

''وہ بیچاری تو خاموشی سے کھڑی ہے بیٹے.....''

''اماں جان! آپ کی یہی شبہہ ہے جو اس پر میری کوئی بات اثر نہیں کرتی میری تو کوئی بات آپ سنتی نہیں ہیں..... لگتا ہے یہ آپ کی بیٹی ہے اور میں داماد ہوں۔''

''اچھا اب ہوا کیا ہے..... کیوں لال پیلے ہو رہے ہو؟'' ملائمت سے علی رضا کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے وہ اس کے ساتھ ہی بیڈ پر بیٹھ گئی تھیں۔

''اسی سے پوچھیں..... جو کچھ بھی کر لے آپ کی ساری حمایت اسے ہی حاصل رہتی ہے۔''

''چلو اسی سے پوچھ لیتے ہیں..... کیوں سمیہ کیا ہوا ہے؟''

اور بس وہ تو جیسے اسی انتظار میں تھی آنکھوں میں جمع آنسو رخساروں پر قطار بناتے چلے گئے۔ اور ان آنسوؤں نے دونوں ماں بیٹے پر یکسر مختلف اثر کیا تھا۔ ایک کو غصہ دلا دیا تھا دوسرے کو بھگا دیا تھا۔

''ہر دوسرے دن تم اس بچی کو رُلاتے ہو..... چاہتے کیا ہو علی رضا.....؟'' اماں جان ساری نرمی بھلا کر غصے سے اسے گھورتی پوچھ رہی تھیں۔

''اماں جان میں کچھ نہیں چاہتا..... سوائے اس کے کہ ذرا سا اپنے آپ کو بدل لے۔ اس کو اتنا تو علم ہونا چاہیے کہ اس کا شوہر آکسفورڈ سے پڑھ کر آیا ہے اس کے ملنے والے کیسے ہوں گے..... اب دیکھیں ناں..... الماری میں ایک سے ایک کپڑے پڑے ہیں لیکن یہ اس ماسیوں والے حلیے میں رافع اور بھابی کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ ذرا دیکھیں تو..... اس تھیلے کو دو بندے آسانی سے سما سکتے ہیں اس میں۔'' وہ بے بسی سے دونوں کو دیکھتا ہوا کہہ رہا تھا۔

''میرے بیٹے ایسی حالت میں وہ پھنسی ہوئی قمیص تو پہننے سے رہی۔''

''اور مجھے کیا پتا تھا کہ..... آپ کے ساتھ..... وہ لوگ ہیں۔'' سمیہ نے جلدی سے کہا تھا۔ کیونکہ ابھی تیسرے ماہ میں اس کی حالت قطعاً ایسی نہیں تھی کہ وہ فٹنگ والی شرٹ نہ پہن سکتی۔

اس لیے علی رضا کے روہانسے چہرے کو دیکھ کر ترس بھی آیا تھا اور خالہ جان پر پیار بھی۔

''ہاں، تمہیں فون کرنا چاہیے تھا یہ کیا کہ بنا اطلاع کے لا کر سر پر سوار کر دیا بچی کے.....'' انہوں نے سمیہ کو ساتھ بٹھاتے ہوئے اس کا سر کندھے سے لگایا تھا۔

''اماں جان! آپ زیادتی کر رہی ہیں میرے ساتھ..... ضرور کچھ گھول کر پلا دیا ہے اس بچی نے آپ کو.....'' اس نے ''بچی'' پر زور دیتے ہوئے سمیہ کو گھورا تھا لیکن اب اس کی نگاہوں میں غصہ نہیں تھا پیار تھا۔

''میں کیوں گھول کر پلاؤں گی..... میری خالہ جان تو ویسے ہی مجھ سے بہت پیار کرتی ہیں۔''

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

''اور خالہ جان کا بیٹا.....''

''خالہ جان سے کم۔'' اس نے لاڈ سے خالہ کے گلے میں بازو حمائل کیے تھے۔

اور وہ دن تو سمیہ کو کبھی نہیں بھولتا تھا جب زارا کی پہلی سالگرہ تھی جو علی رضا کا بے حد دھوم دھام سے منانے کا ارادہ تھا۔ عزیز و اقارب کے علاوہ تمام حلقۂ احباب کو بھی انوائٹ کیا تھا۔

سالگرہ پر پہننے کے لیے انہوں نے ڈارک بلیو پینٹ کوٹ سلوایا تھا اسی کلر کی موتی اور ستاروں کے کام والی بے حد خوب صورت ساڑی سمیہ کے لیے لائے تھے۔

زارا کی فراک علی رضا کے ایک دوست کی مسز جن کا اپنا بوتیک تھا تیار کروا رہی تھیں۔

''یہ ساڑی میں پہنوں گی علی.....؟'' سمیہ نے بے حد حیرانی سے بلاؤز کو سیدھا کیا۔

''تو اور کیا میں پہنوں گا.....'' علی نے ہلکے پھلکے لہجے میں کہا۔

سمیہ چند لمحے پھٹی، پھٹی نگاہوں سے علی رضا کی جانب دیکھتی رہیں پھر حیرانی، بے یقینی اور صدمے کی کیفیت میں نفی میں سر ہلایا۔

ساڑی بلاشبہ بے حد خوب صورت تھی لیکن اس کا بلاؤز اس نے متغیر ہوتی رنگت کے ساتھ بلاؤز سیدھا کیا..... اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ بغیر آستین کے بلاؤز والی وہ ساڑی واقعی علی رضا اس کے لیے لایا ہے۔

لیکن اسے یقین کرنے میں بھلا کیوں تامل تھا۔ وہ تو اکثر و بیشتر بتاتا رہتا تھا کہ شریک حیات کے لیے اس کے تصور میں ہمیشہ ایک ماڈرن لڑکی بستی تھی لیکن اس کا دل تھا کہ اسے دھوکا دے گیا تھا اور سادہ سی سمیہ کا یوں اسیر ہوا تھا کہ کہیں اور ہلنے کا نام نہ لیا تھا۔

''میں اسے نہیں پہن سکتی علی..... خالہ جان بھی ہرگز اسے پہننے کی اجازت نہیں دیں گی۔''

''تو اماں جان سے اجازت لینے کی بات کون کر رہا ہے بس تم تیار ہو کر اماں جان کے سامنے نہیں جانا۔ میں اور تم پہلے ہال چلے جائیں گے وہ بعد میں آئیں گی۔ فنکشن کے بعد میں انہیں منا لوں گا۔''

''بس اس فنکشن میں تمہیں میرے سب دوستوں کی بیویوں سے زیادہ خوب صورت اور اسمارٹ نظر آنا چاہیے۔''

''خالہ جان بہت ناراض ہوں گی علی۔ انہیں بہت دکھ ہوگا اور پھر میں اسے کیسے پہنوں گی..... پلیز علی..... میں نہیں پہن سکتی اسے۔ آپ سمجھنے کی کوشش کریں پلیز۔''

''دیکھو سمیہ..... شادی کے ان دو سالوں میں تم نے وہی پہنا ہے جو تمہارا دل چاہا ہے۔ ایک مرتبہ اگر میں وہ پہننے کے لیے کہہ رہا ہوں جو مجھے پسند ہے تو تمہیں کیا پرابلم ہے آخر.....''

''علی آپ ذرا سوچیں تو سہی..... سب عزیز و اقارب ہوں گے..... آپ کے سب دوست ہوں گے..... میں ان سب کے سامنے ننگے بازوؤں اور ننگی کمر کے ساتھ جا کھڑی ہوں، یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ میں تو آپ پر حیران ہوں کہ آپ ایسا کیسے سوچ سکتے ہیں۔ خواتین کا علیحدہ ارینجمنٹ ہوتا تو چلیں آپ کی خاطر پہن بھی لیتی لیکن اب میں یہ نہیں پہن سکتی۔''

''اور اگر میں کہوں کہ تمہیں پہننا پڑے گی تو.....'' علی رضا کو اس کی بار، بار کی حیل و حجت پر بری طرح غصہ آیا تھا۔

''علی..... خالہ جان.....''

''خالہ جان کی بات مت کرو..... وہ میری اماں جان پہلے ہیں سمجھیں تم۔''

''وہ بہت ناراض ہوں گی علی۔''

''وہ ناراض ہوں گی تو میں انہیں راضی کر لوں گا لیکن میں ناراض ہوا تو تم مجھے راضی نہیں کر پاؤ گی۔''

''علی پلیز.....'' اس کے سرد لہجے پر وہ پہلے تو وہ سہم گئی پھر اپنی ہمت کو مجتمع کرتے ہوئے دوبارہ کوشش کی۔

''ناؤ لیو دس ٹاپک سمیہ.....''

''علی پلیز.....!'' اس نے بے حد التجائیہ انداز میں کہتے ہوئے اس کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھا تھا۔

''جسٹ شٹ اپ۔'' غصے سے کہتے ہوئے اس

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

نے سمیہ کا ہاتھ جھٹک دیا تھا لیکن پھر اس کی بہتی آنکھوں کو دیکھ کر ایک دم خود پر کنٹرول کیا تھا۔

''اچھا چلو پرامس کہ آئندہ میری پیاری بیوی جو پہننا چاہے گی پہنے گی..... بوری چاہے تھیلا..... میں ہرگز کچھ نہیں کہوں گا مگر آج تو یہ پہن لو۔''

''مگر علی.....''

''نو اگر مگر..... مجھے اگر تمہارے پیار میں بہت سی چیزیں ناگوار ہوتے ہوئے بھی گوارا ہیں تو تمہیں بھی اس بار اپنی محبت ثابت کرنا کرنا پڑے گی۔ میں بھی تو دیکھوں تمہیں کتنی محبت ہے مجھ سے۔'' اس کے حتمی لہجے پر سمیہ بس اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

علی رضا نے یہ کہہ کر جیسے بات ختم کر دی تھی۔ سمیہ بے بسی کے ساتھ ساڑی تہ کرنے لگی تھی۔ تبھی اماں جان سمیہ کو پکارتیں کھلے دروازے سے اندر داخل ہوئی تھیں۔

سمیہ تو سمیہ، علی رضا بھی بوکھلا گیا تھا۔ سمیہ نے جلدی سے بیڈ پر بچھے بلاؤز کو اٹھانے، ان کی نظر سے بچانے کی کوشش کی تھی لیکن تب تک وہ اسے دیکھ چکی تھیں۔

''یہ واہیات پہنا واکس کا ہے؟''

''جب بکواس کر رہا ہوں کہ غلطی سے آ گئی ہے اور واپس بھی نہیں ہو سکتی تو یہاں پھینکوا سے.....'' علی رضا نے غصے سے کہتے ہوئے ساڑی اور بلاؤز سمیہ سے جھپٹا تھا اور ڈسٹ بن میں پھینک دیا تھا اور پھر جس نظر سے سمیہ کو گھورتے ہوئے وہ کمرے سے نکلا تھا اس نے سمیہ کو پسینے پسینے کر دیا تھا۔

''اسے کیا ہوا؟'' اماں جان نے بے حد حیرانی سے سمیہ کو دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

وہ چند لمحے آنسوؤں کو ضبط کرنے کی کوشش کرتی رہی تھی پھر دونوں ہاتھوں میں منہ چھپائے پھوٹ، پھوٹ کر رو دی تھی۔

''سمیہ..... کیا ہوا بیٹی.....؟'' اماں جان بے چین ہوئی تھیں۔

''خالہ جان میں..... علی کو ناراض..... نہیں کر سکتی۔'' روتے، روتے اس نے بڑی بے بسی سے کہا تھا۔

اماں جان حیران ہوئی تھیں پھر اسے ساتھ لگا کر اس کے آنسو پونچھے تھے۔ وہ صرف ان کی بہو نہیں تھی۔ بہن کی بیٹی تھی اور انہیں بڑی پیاری تھی۔

''چلو آرام سے بیٹھ کر ساری بات بتاؤ۔''

سمیہ اٹھ کر ڈسٹ بن سے ساڑی نکال کر لے آئی۔

''یہ ساڑی علی میرے لیے لائے ہیں..... زارا کی برتھ ڈے پر پہننے کے لیے..... اور کہہ رہے ہیں کہ اگر میں نے یہ نہ پہنی تو وہ مجھ سے ناراض ہو جائیں گے۔''

اماں جان نے بے حد رنج اور صدمے کے عالم میں اسے دیکھا۔

''خالہ جان علی کی خواہش ہے کہ اس فنکشن میں، میں سب سے خوب صورت نظر آؤں۔ وعدہ کر رہے ہیں کہ آئندہ ایسا کوئی لباس نہیں لے کر آئیں گے۔ جانتی ہوں کہ آپ کو میرا یہ ساڑی پہننا سخت گراں گزرے گا لیکن خالہ جان پلیز مجھے منع نہ کیجیے گا۔ بس پہلی اور آخری بار اجازت دے دیں۔'' وہ التجائیہ انداز میں کہہ رہی تھی اور وہ چپ چاپ اسے دیکھ رہی تھیں۔

''میں اس چیز کی اجازت کیسے دے دوں جس کی اجازت میرا رب نہیں دیتا۔'' کئی لمحوں کی خاموشی کے بعد جب وہ بولیں تو ان کا لہجہ سرد تھا۔ ''جانتی ہو لباس انسان پر اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے۔ سورۂ اعراف میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

''اے اولادِ آدم! ہم نے تم پر لباس نازل فرمایا ہے تاکہ تمہارے جسم کے قابلِ شرم حصوں کو ڈھکے اور تمہارے لیے جسم کی حفاظت اور زینت کا ذریعہ بھی ہو اور بہترین لباس تقویٰ کا لباس ہے۔ یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ شاید کہ لوگ اس سے سبق سیکھیں۔''

''لباسِ تقویٰ بہترین لباس ہے۔''

''ایمان جب انسان کے اندر اترتا ہے تقویٰ اور حیا پیدا ہوتے ہیں اور تقویٰ اور حیا کا اظہار انسان کے اعمال سے بھی ہوتا ہے اور اس کے لباس سے بھی۔'' وہ ٹھہرے، ٹھہرے اور پُرتاثیر لہجے اور انداز میں کہہ رہی تھیں اور سمیہ ایک، ایک لفظ بغور سن رہی تھی۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

"پیارے نبی کا ارشاد ہے۔
"اللہ کی لعنت ہے ان عورتوں پر جو لباس پہن کر بھی ننگی رہیں۔"
"بڑا نادان ہے وہ انسان جو یہ جانتے ہوئے بھی کہ یہ دنیا ایک امتحان گاہ ہے۔ اس امتحان میں ناکام ہو جائے اور یہ جانتے ہوئے بھی کہ جنت سے جو معرکہ آدم و ابلیس شروع ہوا تھا وہ قیامت تک جاری رہے گا شیطان کے بہکاوے میں آجائے۔ میری ایک بات ہمیشہ یاد رکھنا۔ ساری دنیا انسان سے ناراض ہو جائے مگر اللہ کو ناراض نہیں ہونا چاہیے۔ روئے زمین پر اس سے بڑا کوئی اور ظلم نہیں جو انسان اپنے ساتھ کرے کہ انسان کی ناراضی سے بچنے کے لیے اپنے رب کو اپنے خالق و مالک کو ناراض کر دے۔"
"میں اللہ کو ہرگز ناراض نہیں کرنا چاہتی خالہ جان..... لیکن علی کی ناراضی برداشت کرنا بھی بہت مشکل ہے۔" اس نے گلوگیر لہجے میں کہتے ہوئے ان کے ہاتھ تھامے تھے۔
"نہیں ہوتا وہ ناراض..... جس سے اللہ راضی ہو جائے مخلوق اس سے ناراض نہیں رہ سکتی۔ اس لیے اللہ کو راضی کرنے کی تگ و دو کرو اللہ کے بندے خود ہی راضی ہوتے چلے جائیں گے۔"
"لیکن خالہ جان آپ خود ہی تو کہتی ہیں کہ ہر کام کے لیے کوشش بھی کرنی پڑتی ہے۔" سمیہ نے جو کافی حد تک ریلیکس ہو چکی تھی آہستگی سے کہا۔
"ہاں تو کوشش کرو..... پیار سے اسے سمجھاؤ، مناؤ، اچھے خوب صورت کپڑے بناؤ۔ جتنی بھی مصروفیت ہو اس کے آنے سے قبل اچھی طرح تیار ہوا کرو..... خوشبو لگایا کرو..... اور ہاں وہ جو اس کے دوستوں کی بیویاں گٹ پٹ کرتی ہیں وہ بھی سیکھ لو، تو کوئی حرج نہیں۔" اٹھتے ہوئے انہوں نے ہلکے پھلکے لہجے میں کہا تھا اور سمیہ مسکرا دی تھی۔

☆☆☆

"اثیر، ممانی جان نے مجھے بلایا ہے کوئی ضرور کام ہے انہیں۔ اگر آپ جلدی آجائیں تو امی جان کو کمپنی مل جائے گی اور مجھے بھی ذرا بے فکری ہو جائے گی۔" اس نے بے حد سنبھل کر کہا تھا۔ ممانی جان کی خاطر ان کے بگڑے ہوئے موڈ کے باوجود اسے ہمت کرنا ہی پڑی تھی۔
"ضروری کام..... کون سا ضروری کام.....؟" انہوں نے تیز نظروں سے اسے گھورا تھا۔
"بتایا نہیں انہوں نے..... یہی کہہ رہی تھیں میرے ساتھ کہیں جانا ہے..... اچھے سے تیار ہو کر آنا۔"
اس کے سادگی سے کہنے پر انہوں نے کاٹ دار نگاہوں سے اسے گھورتے ہوئے کچھ کہنا چاہا تھا پھر جانے کیا سوچ کر خاموش ہو گئے تھے۔ تبھی اس کے موبائل کی بیل بجنے لگی تھی۔
"ممانی جان کا فون ہے بتا دوں انہیں کہ میں آرہی ہوں؟" اس نے ممانی جان کے فون کو امداد غیبی سمجھتے ہوئے جلدی سے پوچھا تھا۔
"جو مرضی کرو....." بیزاری سے کہتے ہوئے وہ بریف کیس اور گاڑی کی چابی اٹھاتے باہر نکل گئے تھے۔

☆☆☆

"مجھے تو لڑکی بہت پیاری لگی ہے۔ آپ کو کیسی لگی؟" اس نے مما اور ممانی جان سے پوچھا۔
"اچھی ہے، فیملی بھی پسند آئی ہے مجھے۔"
"لڑکی کی نانی اور دادی کو دیکھا آپس میں بات کرتے ہوئے۔ مجھے تو بالکل اپنی طرح کے لوگ لگے۔" مما کی بات پر اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اس نے ممانی جان کی جانب دیکھا۔
"حنان کو تصویر دکھائی آپ نے.....؟" اس نے سوالیہ نگاہوں سے ممانی جان کو دیکھا۔
"میں نے تو کافی چاہا تھا کہ وہ دیکھ لے لیکن اس نے نظر بھی نہیں ڈالی۔ بس یہی کہہ کر بات ختم کر دی کہ ماما آپ کو اچھی لگی ہے تو آپ جا کر دیکھ آئیں، پسند آئے تو اوکے کر دیں، مجھے آپ کی پسند پر بھروسا ہے۔"
اس کے چہرے کی مسکراہٹ ایک لمحے کے لیے ماند ہوئی تھی لیکن موبائل کی اسکرین پر جگمگاتی تصویر نے

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

دوبارہ یہ مسکراہٹ بحال کر دی تھی۔

وہ لڑکی اس قابل تھی کہ حنان کے ذہن سے ہر پرانا خیال چند دنوں میں محو کر دیتی۔

''مجھے تو بہت کیوٹ لگی ہے مائرہ.... میں نے تو ممانی جان سے کہا ہے کہ بس آپ تو جھٹ منگنی پٹ بیاہ والا معاملہ کریں۔'' گاڑی سے اترنے سے قبل اس نے حنان کی جانب مسکراتے ہوئے دیکھا۔

مسکراہٹ جو اسے اتنا خوب صورت بنا دیتی تھی کہ نگاہ اس پر سے ہٹائے نہیں ہٹتی تھی۔ وہ لاکھ خود کو سمجھاتا تھا کہ وہ اب کسی اور کی امانت تھی، اس پر اس کا کوئی حق نہیں تھا لیکن مدت سے اس کو اپنا سمجھنے کا عادی دل کبھی سمجھ جاتا تھا اور کبھی مچل کر آنکھوں کا ہمنوا ہو جاتا تھا۔ گو ایسا کم، کم ہی ہوتا تھا لیکن ہو ضرور جاتا تھا اور یہ زارا کی بدقسمتی تھی کہ ایسا ہر لمحہ اثیر احمد کی نگاہ کی گرفت میں آ جاتا تھا۔

اس وقت بھی جب بہت سارے دنوں کے بعد اس کی نگاہوں نے زارا کے چہرے کا حصار کیا تھا تو ٹیرس پر کھڑے اثیر احمد کی نگاہوں کے عین سامنے تھا۔

''زارا..... تمہاری مسکراہٹ پہلے جیسی نہیں..... یہ مسکراہٹ آنکھوں کا ساتھ نہیں دیتی کیوں.....؟''

''نہیں تو.....'' حنان کے ایک دم سنجیدہ ہونے پر اس کا چہرہ لمحہ بھر کو متغیر ہوا تھا۔

''یہ میرا وہم نہیں زارا..... میں نے ایک بار نہیں کئی بار ایسا ہی محسوس کیا ہے۔'' وہ ہنوز سنجیدہ تھا۔

''اس لیے ڈیئر کزن کہ اب میں وہ امیچور سی زارا نہیں ہوں..... ایک بے حد سوبر اور ڈیسنٹ سے شخص کی مسز ہوں..... اس لیے کچھ نہ کچھ چینج تو آئے گا ناں..... اچھا سنو..... مائرہ کی کافی ساری پکچرز میں نے تمہارے موبائل پر واٹس ایپ کی ہیں گھر جا کر دیکھو اور داد دو ہم سب کی چوائس کو۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا تھا اور خدا حافظ کہتی اس کے کچھ اور کہنے سے قبل گاڑی سے اتر گئی تھی۔

حنان کی پُرسوچ اور فکر مند نگاہوں نے اس وقت تک اس کا تعاقب کیا تھا جب تک وہ گیٹ سے اندر داخل نہیں ہو گئی۔

شعلہ بار نگاہوں سے اس منظر کو دیکھتے اثیر احمد تیزی سے ٹیرس سے نیچے آئے تھے۔ لاؤنج کا دروازہ کھولتے ہی انہوں نے ایک جھٹکے سے اسے بازو سے پکڑا تھا۔

''کس کے ساتھ آئی ہو؟''

بازو پر جمی ان کی انگلیاں جیسے گوشت میں دھنسنے لگیں۔ جانے زیادہ تکلیف گوشت میں دھنستی ان کی انگلیوں نے دی تھی یا تلوار کی کاٹ لیے لہجے نے یا شاید شعلے اگلتی نگاہوں نے.....

''حن..... حنان کے..... ساتھ۔'' بمشکل اس نے پھنسی پھنسی آواز میں کہا تھا ساتھ ہی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے۔

انہوں نے ایک نظر اس کی بہتی آنکھوں کو دیکھا تھا پھر جھٹکے سے اسے پیچھے دھکیلتے ہوئے بازو چھوڑ دیا تھا۔ وہ ایک دم گرتے گرتے بچی تھی۔

''دوبارہ یہ حنان صاحب میرے گھر سے دور ہی رہیں سمجھیں تم۔'' ایک، ایک لفظ چبا کر کہتے وہ باہر نکل گئے اور ثاقب بہتی آنکھوں کے ساتھ وہ ساکت و جامد کھڑی رہ گئی تھی۔

☆☆☆

رات گئے جب وہ واپس گھر آئے تو وہ کچن سے فارغ ہو کر اسی وقت کمرے میں آئی تھی۔ فون اٹھا کر دیکھا تو اجیہ کا ٹیکسٹ آیا ہوا تھا۔ تمام تر اداسی کے باوجود اس کے پیار بھرے لفظوں نے اس کے لبوں پر خود بخود مسکراہٹ پھیلا دی تھی اور گھر دیر سے آنے کے خیال سے خواہ مخواہ سڑکوں پر خجل خواری کر کے تھکے ہارے اثیر احمد کے اندر اس مسکراہٹ نے جیسے نئے سرے سے آگ سی لگا دی تھی۔

''اگر عشق و عاشقی سے فرصت مل جائے تو کچھ زہر مار کرنے کے لیے لا دو۔'' ان کا لہجہ تو آگ برسا ہی رہا تھا لیکن لفظ..... دکھ اور صدمے سے سفید پڑتے چہرے کے ساتھ اس نے ان کی جانب دیکھا پھر بمشکل اپنے بے جان ہوتے وجود کو سنبھالتی بیڈ سے اتر آئی۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

''اس کو آف کر کے جاؤ ابھی بیل بجنا شروع ہو جائے گی۔'' بے حد تلخ لہجے پر اسے ان کی جانب دیکھنے کی ہمت نہیں ہوئی تھی۔ نچلا لب دانتوں تلے دباتے ہوئے آنکھوں میں آئی نمی کو پیچھے دھکیلا تھا۔ فون بند کیا تھا اور کمرے سے نکل آئی تھی۔

''عشق و عاشقی سے فرصت مل جائے تو.....'' لفظ تھے یا زہر میں بجھے تیر جو سیدھے اس کے دل میں اتر گئے تھے۔ درد تھا کہ حد سے سوا تھا۔

آنسوؤں کو پینے کی سعی لاحاصل ثابت ہوئی تھی۔ وہ اس حد تک بھی جا سکتے ہیں کہ اس کے کردار پر ہی شک کرنے لگیں..... یہ تو وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی اور جو انسان سوچ بھی نہ سکتا ہو وہ دوسرا اس قدر آرام سے کہہ گزرے تو دل یونہی پارہ، پارہ ہو جاتا ہے۔ آنکھیں یونہی دریا بن جاتی ہیں اور وجود یونہی صحرا بن جاتا ہے۔

☆☆☆

اس کے جانے کے بعد وہ دونوں ہاتھوں سے سر کو تھامتے بیڈ کی جانب آئے تھے۔ گرنے کے سے انداز میں بیڈ پر بیٹھتے ہوئے ان کی نگاہ سائڈ ٹیبل پر کھلی ڈائری پر پڑی تھی۔ ایک نظر دروازے پر ڈالتے ہوئے انہوں نے ڈائری اٹھالی تھی۔

مجھے منزلوں سے عزیز تر ہیں تیری رہ گزر کی مسافتیں
کہ لکھی ہیں میرے نصیب میں ابھی عمر بھر کی مسافتیں
وہی صبح نو کے عذاب ہیں وہی رات بھر تیرے خواب ہیں
وہی تشنگی کے سراب ہیں وہی چشم تر کی مسافتیں
اسی ایک پل کی تلاش میں جسے لوگ کہتے ہیں زندگی
تیری راہ گزر میں بکھر گئیں میری عمر بھر کی خواہشیں
ہیں بڑے عجیب سے واسطے کہ گریز پا سبھی رابطے
وہ تیری نگاہ کے فاصلے یہ میری نظر کی مسافتیں
کبھی راستوں میں قرار تھا کبھی منزلوں سے فرار تھا
کبھی دربدر کی سکونتیں کبھی اپنے گھر کی مسافتیں

غزل کے پہلے شعر پر ہی ان کے لب بھنچ گئے تھے۔ پھر نگاہیں تو اگلے شعروں پر تھیں اور دل اسی ازلی بدگمانی کی لپیٹ میں ذہن کو کہیں سے کہیں لے گیا تھا۔

تصور وہ، وہ منظر دکھا رہا تھا جو انہوں نے کبھی دیکھے تھے نہ سوچے تھے۔

ہر طرف جیسے بس دو ہی چہرے تھے زارا اور حنان..... حنان اور زارا..... تو وہ کہاں تھے.....؟

خون جیسے ان کی کنپٹیوں میں جوش مارنے لگا تھا۔ دانت بھینچتے ہوئے ڈائری انہوں نے دیوار کے ساتھ دے ماری تھی۔

بمشکل اپنے نڈھال وجود کو سنبھالے، کپکپاتے ہاتھوں میں ٹرے تھامے اندر داخل ہوتی زارا کے کشیدہ اعصاب مزید بوجھ سہہ نہیں پائے تھے۔

ٹرے تو اس کے ہاتھ سے چھوٹی ہی تھی وہ خود بھی درخت سے ٹوٹی ہوئی شاخ کے مانند لہراتی ہوئی زمین پر آرہی تھی۔ گرتے ہوئے اس کے منہ سے جو آہ نکلی تھی اس نے بے اختیار اثیر کو اٹھنے پر مجبور کر دیا تھا۔

وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر اس کی جانب بڑھے تھے۔ جلدی سے اسے اٹھا کر بیڈ پر ڈالا پھر بے تابی سے اس کے رخساروں کو تھپتھپایا۔

اس کی پلکوں میں ہلکی سی جنبش ہوئی اور بند آنکھیں یوں ٹوٹ کر برسیں کہ ان کے دونوں ہاتھوں کو پل میں گیلا کر دیا۔

بے حد متضاد جذبات میں گھرے وہ پتھر کے مجسمے کے مانند ساکت و جامد بیٹھے رہ گئے۔ اس کے نقاہت لیے روئے، روئے بے حد زرد چہرے پر نگاہ جمائے ہوئے ان کے تصور میں اس کے کھلے گلاب جیسے کئی روپ در آئے تھے۔

بک شاپ کے سامنے گاڑی سے پشت ٹکائے، پُرشوق نگاہوں سے انہیں دیکھتے ہوئے، لرزتی پلکوں کو جھکائے، لبوں پر شرمگیں تبسم سجائے دلہن کے روپ میں، ان کے چھوٹے، چھوٹے کاموں کو اپنے ہاتھوں سے کرتی، مسکراتے لبوں اور اپنائیت بھرے لہجے میں چھوٹی، چھوٹی باتوں سے اپنی محبت کا اظہار کرتی۔

انہوں نے بے اختیار سر کو دونوں ہاتھوں سے تھاما تھا۔ عجیب گورکھ دھندا تھا۔ کیا سچ تھا کیا جھوٹ کچھ

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

سمجھ میں نہیں آتا تھا۔

☆☆☆

رات جانے کس وقت روتے روتے اسے نیند آگئی تھی اور یہ نیند اس کے لیے بہت بڑی نعمت ثابت ہوئی تھی کہ اس نے اسے صبح اٹھنے کے قابل کر دیا تھا۔

''اثیر! تم نے مجھے ناشتے کے لیے اٹھا دیا ہوتا۔ زارا کی طبیعت تو اچھی خاصی خراب لگ رہی ہے۔''

ماں کے فکرمندی سے کہنے پر اثیر احمد نے ایک اچٹتی سی نگاہ اس پر ڈالی پھر جگ اٹھا کر گلاس میں پانی ڈالنے لگے۔

''اثیر میں تم سے کچھ کہہ رہی ہوں۔'' عابدہ بیگم نے تیز نگاہوں سے انہیں گھورتے ہوئے ناراضی سے کہا تھا۔

''امی جان محترمہ بتائیں گی کہ طبیعت خراب ہے تو مجھے پتا چلے گا ناں۔'' تیز لہجے میں کہتے ہوئے انہوں نے چیئر کھسکائی تھی اور لمبے، لمبے ڈگ بھرتے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئے تھے۔

عابدہ بیگم پریشانی سے انہیں جاتا دیکھتی رہیں پھر پلٹ کر زارا کی جانب دیکھا۔ وہ نچلا لب دانتوں تلے دبائے برتن اٹھا رہی تھی۔

☆☆☆

آج فجر کی نماز اور وظائف پڑھنے کے بعد عابدہ بیگم تسبیح لے کر لاؤنج میں ہی آ بیٹھیں تاکہ اثیر احمد واک سے واپس آئیں تو وہ ان سے کھل کر بات کر سکیں لیکن وہ واپس اس وقت آئے تھے جب بمشکل ان کے پاس آفس کے لیے تیاری کے چند منٹ تھے۔

''اثیر! اس وقت کہاں رہے اتنی دیر.....؟''

''ایک دوست مل گیا تھا امی جان ایک نیا پراجیکٹ ڈسکس کرنا تھا اس سے بس اسی ڈسکشن میں دیر ہوگئی۔'' جلدی، جلدی کہتے وہ اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئے اور وہ پُرسوچ نگاہوں سے انہیں دیکھتی رہیں۔

دل پہلے ہی پریشان تھا۔ اب یہ پریشانی کچھ اور بڑھ گئی تھی۔ کیونکہ وہ سمجھ گئی تھیں کہ وہ صرف اس ٹاپک پر ان سے بات کرنے سے ہی گریزاں نہیں تھے بلکہ اپنے اس گریز کو ان پر ظاہر بھی کر رہے تھے۔ آخر اس سلسلے میں انہوں نے زارا کو اعتماد میں لینے کا سوچا تھا۔

اثیر احمد کے آفس جانے کے بعد اس ارادے سے جب وہ اس کے کمرے میں گئیں تو وہ فون پر اپنی ممانی سے بات کر رہی تھی۔ وہ اسے اس کے کزن حنان کو انگیجمنٹ کی شاپنگ کے لیے بلا رہی تھیں جبکہ وہ بار، بار کوئی عذر پیش کر رہی تھی۔

''چلی جاؤ زارا بیٹی..... میں گھر پر ہوں ناں۔ اثیر کو میں بتا دوں گی تم فکر مت کرو۔'' ان کے کافی زیادہ اصرار کرنے پر انہوں نے مداخلت کرتے ہوئے آہستگی سے کہا تھا۔

اس نے گومگو کی کیفیت میں آنے کی حامی بھر لی تھی۔

''اثیر کا موڈ پہلے ہی ٹھیک نہیں ہے امی جان..... وہ خفا ہوں گے۔'' فون بند کرنے کے بعد اس نے پریشانی سے کہا تھا۔

''نہیں ہوتا خفا..... سمجھا دوں گی میں۔'' انہوں نے اسے تسلی دی تھی۔

''امی جان اثیر کو بتائیے گا کہ لڑکی کے بھائی کی کل لیٹ نائٹ انگلینڈ کی فلائٹ ہے۔ ارجنٹ تیاری کرنی ہے اسی وجہ سے ممانی جان نے بلایا ہے۔'' جاتے ہوئے اس نے تاکید کی تھی اور خدا حافظ کہتے ہوئے باہر کی جانب بڑھی تھی۔ تبھی یک دم جیسے کچھ یاد آیا تھا۔

''اُف..... کس قدر بھلکڑ ہو گئی ہوں میں..... اتنی امپورٹنٹ بات بھول رہی تھی۔'' زیر لب کہتے ہوئے وہ پلٹی۔

''امی جان! کل شام کا فنکشن ہے آپ نے بھی ضرور چلنا ہے اور پلیز انہیں بھی تیار کر لیجیے گا۔''

انہوں نے حامی بھر لی تھی حالانکہ جانتی تھیں کہ اثیر احمد کا موڈ خراب تھا اور اچھا خاصا خراب تھا۔ ایسے میں ان کو کچھ سمجھانا یا ان سے کچھ منوانا بے حد مشکل تھا لیکن انہیں یہ مشکل کیسے آسان کرنی تھی انہوں نے سوچ لیا تھا۔

☆☆☆

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

گاڑی میں بیٹھتے ہی اس نے اثیر احمد کو کال کی تھی بیل جاتی رہی تھی لیکن انہوں نے کال ریسیو نہیں کی تھی۔ وہ آ تو گئی تھی لیکن اندر ہی اندر بے حد پریشان تھی۔ اثیر احمد کا موڈ جس قدر خراب تھا اور جس طرح انہوں نے کل حنان کے بارے میں بات کی تھی اس پر اسے جو دھچکا لگا تھا اور وہ جیسے خود کو سنبھال پائی تھی وہی جانتی تھی۔ رات ہی اس نے آئندہ حنان کے ساتھ بے حد محتاط رہنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اسی لیے وہ ممانی جان کو ٹال رہی تھی لیکن صورتِ حال ایسی ہوئی کہ وہ انکار نہیں کر سکی تھی۔

مائرہ کے بھائی کی کل رات انگلینڈ کی فلائٹ تھی اور ممانی جان کے پاس صرف آج اور کل کا دن تھا ایگجمنٹ کی تیاری کے لیے۔ صوبیہ آپی اسلام آباد ہوتی تھیں۔ اجیہ کینیڈا جا چکی تھی۔ لے دے کے ایک وہی تھی جو قریب تھی سو اسے ان کی مدد کے لیے آنا ہی پڑا تھا۔ لیکن سارا وقت اس کا دھیان بھٹک، بھٹک کر اثیر احمد کی جانب جاتا رہا تھا۔ اور اس وقت تو اس کا دل جیسے پاتال میں ڈوبنے لگا جب ممانی جان نے حنان کو فون کیا کہ وہ آ کر انہیں پک کر لے۔

''کیا بات ہے زارا.....؟ تم کچھ پریشان ہو۔''

ممانی جان نے اس وقت فکر مندی سے اس کا چہرہ دیکھا تھا جب اس نے دوسری یا شاید تیسری مرتبہ سیلز مین سے چوڑیوں کا وہی کلر دکھانے کے لیے کہا تھا جو وہ ہاتھ میں تھامے ہوئے تھی۔

''نہیں ممانی جان۔'' اس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے جلدی سے کہا تھا اور ساتھ ہی ٹشو سے پیشانی پر آئی پسینے کی نمی کو خشک کیا تھا۔

ابھی وہ لوگ گاڑی میں بیٹھ ہی رہے تھے کہ ان کی گاڑی کے ساتھ بلیک سوک آ کر رکی تھی اور فرنٹ ڈور کھول کر مائرہ اور اس کی مما نیچے اتری تھیں۔

''ارے.....'' ممانی جان کے منہ سے نکلا تھا۔

''کیوں بیٹا جی.....اتفاق ہے یا پلان.....؟''

''آپ اچھی طرح جانتی ہیں مما آپ کا بیٹا ان چکروں میں پڑنے والا نہیں ہے۔''

''ہاں..... یہ تو ہے..... اچھا اب اترو ناں..... ملنا نہیں ہے کیا؟''

''بالکل موڈ نہیں ماما..... بہت تھکا ہوا ہوں۔''

''بری بات ہے حنان..... اترو جلدی..... اور ہاں..... تمہیں کچھ دیر ٹھہرنا پڑے گا، میں مائرہ کو جوتے چیک کرواؤں گی۔''

''ٹھیک ہے آپ چیک کروا لیجیے گا اور اگر چینج کروانے ہوئے تو وہ بھی کروا لیجیے گا میں اور زارا تب تک سامنے پارلر سے آئس کریم کھاتے ہیں۔'' اس نے اترتے ہوئے کہا تھا۔

زارا کی اس وقت جان پر بنی ہوئی تھی۔ اس کا قطعاً آئس کریم کھانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا لیکن جب مما اور ممانی جان جوتے چینج کروانے گئیں تو چاہنے کے باوجود وہ ان کے ساتھ جانے کی ہمت نہ کر سکی کہ وجود جیسے بالکل بے جان ہو رہا تھا۔

''کیا بات ہے زارا.....؟'' حنان اس کے زرد پڑتے چہرے کو دیکھ کر فکر مند ہوا تھا۔

''بس کچھ ویک نیس سی فیل ہونے لگی ہے۔''

''تم گاڑی میں بیٹھو میں جوس لے کر آتا ہوں۔''

اس نے جلدی سے فرنٹ ڈور کھولتے ہوئے اسے بٹھایا تھا اور پھر آئس کریم پارلر کی طرف قدم بڑھائے تھے۔

زارا نے دل ہی دل میں شکر ادا کیا تھا کہ اس نے اسے ساتھ چلنے کے لیے نہیں کہا تھا۔

''زارا اس وقت میرا شدت سے دل چاہ رہا ہے کہ میں تمہارے اثیر صاحب کو فون کروں اور شکایت کروں کہ تم ہماری زارا کا بالکل خیال نہیں رکھتے۔''

جوس کا گلاس اسے تھماتے ہوئے وہ پریشان سا کہہ رہا تھا اور جانے کیا ہوا تھا کہ زارا کا دل بری طرح بھر آیا تھا اور آنکھیں ٹپاٹپ بہنے لگی تھیں اور عین اسی وقت اثیر احمد کی گاڑی ان کے ساتھ آ کر رکی تھی اور ان کی آنکھوں نے زارا کے ٹپاٹپ بہتے آنسو اور حنان کی پریشانی اور بے قراری کو بڑے قریب سے دیکھا تھا۔

☆☆☆

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

جتنی ریش ڈرائیونگ انہوں نے آج کی تھی ساری زندگی نہیں کی تھی جانے کیسے وہ صحیح سلامت گھر پہنچ گئے تھے ورنہ دو تین جگہ پر تو گاڑی ٹکرانے میں انہوں نے کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ وہ تو بھلا ہو ان لوگوں کا جو مشاق ڈرائیور تھے کہ اپنی اور ان کی گاڑی بچالے گئے تھے۔

''صاحب جی..... بڑے صاحب کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تو بی بی جی کو شہیر صاحب لے گئے ہیں... بی بی جی کہہ رہی تھیں آپ آئیں تو انہیں فون کرلیں۔'' فیروزاں نے گیٹ بند کر کے جلدی، جلدی ان کے پیچھے آتے ہوئے بتایا۔

وہ بنا جواب دیے اندر کی جانب بڑھے تھے۔

''تم اپنے کوارٹر میں جاؤ..... ضرورت ہوئی تو بلالوں گا۔'' انہوں نے پلٹے بغیر کہا تھا۔

کمرے میں داخل ہوتے ہی اثیر احمد نے ہاتھ مار کر ڈریسنگ ٹیبل سے ساری چیزیں نیچے گرادی تھیں۔ بستر کی چادر کھینچ کر نیچے پھینک دی تھی۔ سائڈ ٹیبل سے شادی کی تصویر کو اٹھا کر دیوار پر دے مارا تھا۔ ساتھ پڑی اس کی ڈائری کو اٹھا کر ورق، ورق کر کے دروازے سے باہر اچھال دیا تھا پھر کسی خیال کے تحت آگے بڑھے تھے اور بکھرے کاغذوں میں سے ایک اٹھایا تھا اور سیدھا کر کے نگاہوں کے سامنے کیا تھا۔

''زندگی پر ایک کتاب لکھوں گی
اس میں سارے حساب لکھوں گی
پیار کو وقت گزاری لکھ کر
چاہتوں کو عذاب لکھوں گی
ہوئی برباد محبت کیسے
کیسے بکھرے ہیں خواب لکھوں گی''

اسے پھینک کر دوسرا صفحہ اٹھایا۔

''پتا نہیں انسان کو ناقابلِ تسخیر قلعے سر کرنے کی جستجو کیوں ہوتی ہے اپنے اس شوق کی خاطر اسے جتنے بھی دکھ اٹھانا پڑیں جتنی بھی خواری برداشت کرنا پڑے وہ پیچھے ہٹتا ہے نہ راہ بدلتا ہے۔

شاید یہ انسان کی سرشت ہے کہ جو چیز اسے حاصل ہوتی ہے اس کی دسترس میں ہوتی ہے وہ اپنی کشش کھو دیتی ہے۔ اگر انسان حاصل ہو جانے والی محبتوں کو ہی منزل بنالے ان ہی پر شاکر ہو جائے تو اس کی زندگی کس قدر سہل ہو جائے۔''

لب بھینچے ابھی وہ صفحہ پڑھ ہی رہے تھے کہ ہوا کے جھونکے نے لاؤنج کے دروازے کے پاس پڑا کاغذ ان کے قدموں میں لا پھینکا تھا۔ جتنی تیزی سے وہ کاغذ ان کے قدموں میں آیا تھا اسی تیزی سے انہوں نے ہاتھ میں تھاما صفحہ دور اچھال کر اسے اٹھالیا تھا یوں جیسے اس میں کوئی بہت بڑا راز پوشیدہ ہو اور ذرا سی تاخیر کرنے سے ان کے اس راز سے محروم رہ جانے کا اندیشہ ہو۔

''تھکن تو ہوگی ہی
جب تم اسے قبول نہیں کروگے جس کا رخ تمہاری طرف ہے
اور بھاگ اس کی طرف رہے ہو جس کی پشت تمہاری طرف ہے
تھکن تو ہوگی ہی
جب تم اسے قبول نہیں کروگے جس کا رخ تمہاری طرف ہے
اور بھاگ اس کی طرف رہے ہو جس کی پشت تمہاری طرف ہے
تھکن تو ہوگی ہی.....
یاد رکھو جو تمہاری طرف آتا ہے وہ بھیجا گیا ہے
اور جو تم سے دور ہو جائے وہ تم سے ہٹایا گیا ہے
بس تم اس کو قبول نہیں کر پاتے''

صفحے کے ٹکڑے، ٹکڑے کر کے پھینکتے ہوئے ان کا غصہ کم نہیں ہوا تھا کچھ اور بڑھا تھا۔ وہ لفظ انہیں اپنا مذاق اڑاتے، اپنا منہ چڑاتے محسوس ہو رہے تھے۔ یہ خیال انہیں جیسے پاگل کر رہا تھا کہ وہ پچھتا رہی تھی انہیں چھوڑنا چاہتی تھی..... اپنی پرانی محبتوں کی طرف لوٹنا چاہتی تھی۔

''یہ سب لڑکیاں.....'' پہلی مرتبہ انہوں نے اسے گالی دی تھی۔

مارے طیش کے ان کا دل چاہ رہا تھا اپنے ہی بال نوچ ڈالیں اور شاید وہ ایسا کر بھی گزرتے لیکن تبھی لاؤنج کا دروازہ کھلا تھا دوپٹے کی جھلک سے وہ سمجھ گئے تھے کہ باہر وہی تھی۔ شعلہ بار نگاہوں سے دروازے کو دیکھتے وہ

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

اس کے اندر آنے کے منتظر تھے انہیں یوں کھڑا دیکھ کر اس کا دل سہم اٹھا تھا قدم ایک لمحے کو دروازے پر منجمد ہوئے تھے پھر بے جان ہوتے وجود کو بمشکل سنبھالتی اندر داخل ہوئی تھی اور اندر داخل ہوتے ہی اس کا دل جیسے دھک سے رہ گیا تھا۔ ٹانگیں کانپنے لگی تھیں۔ دھواں، دھواں ہوتی آنکھوں کے ساتھ اس نے اپنی پھٹی ہوئی ڈائری اور جابجا بکھرے صفحوں کو دیکھا تھا۔

''کہاں گئی تھیں تم.....؟'' شعلہ بار نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے انہوں نے چنگھاڑتے لہجے میں پوچھا تھا۔

''م.....ممانی جان نے بلایا تھا۔''

''ممانی جان نے بلایا تھا یا ممانی جان کے بیٹے نے.....؟'' انہوں نے ایک ایک لفظ چبا کر کہا تھا۔

''اثیر.....'' بے بسی سے کہتے ہوئے اس نے نچلا لب دانتوں تلے دبایا تھا۔

''سچ، سچ بتاؤ..... کہاں، کہاں گلچھڑے اڑائے ہیں۔'' یہ اثیر احمد تھے..... ملک کے مشہور شاعر..... جو شاعری کرتے تھے تو دل موہ لیتے تھے..... باتیں کرتے تھے تو خوشبوئیں بکھیرتے تھے۔

اس نے کہیں پڑھا تھا کہ ہر انسان کے تین چہرے ہوتے ہیں پہلا وہ دنیا کو دکھاتا ہے، دوسرا دوستوں اور خاندان کو دکھاتا ہے تیسرا وہ کسی کو نہیں دکھاتا۔ شاید یہ اثیر احمد کا وہ چہرہ تھا جو انہوں نے سب سے چھپا رکھا تھا۔ کاش وہ یہ چہرہ اسے بھی نہ دکھاتے۔

''کس کے ساتھ آئی ہو؟''

''حنان..... کے.....'' آواز بمشکل اس کے حلق سے نکلی تھی۔

وہ چور نہیں تھی لیکن..... چور ثابت کی جا رہی تھی۔

''جب میں نے بکواس کی تھی کہ وہ میرے گھر سے دور رہے تو پھر.....؟'' وہ غصے سے چلائے تھے۔

''ڈرائیور..... چھ..... چھٹی.....''

''الو کا پٹھا سمجھ رکھا ہے مجھے.....'' دہاڑتے ہوئے انہوں نے اتنی تیزی سے تھپڑ مارا تھا کہ وہ الٹ

جاسوسی ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، ماہنامہ پاکیزہ، ماہنامہ سرگزشت

پاکستان

میں کچھ عرصے سے

مختلف مقامات سے یہ شکایت موصول ہو رہی ہیں کہ ذرا بھی تاخیر کی صورت میں قارئین کو اسٹال پہ پرچا نہیں ملتا اس سلسلے میں ادارے کے پاس دو تجاویز ہیں۔

آپ اپنے قریبی دکان دار کو ایڈوانس 100 روپے ادا کر کے اپنا پرچا بک کروالیں۔

یا

ادارے کو 1500 روپے بھیج کر سالانہ خریدار اور 750 روپے ادا کر کے 6 ماہ کے لیے بھی خریدار بن سکتے ہیں اور گھر بیٹھے پورے سال اپنے پسندیدہ ڈائجسٹ وصول کر سکتے ہیں

جاسوسی ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، ماہنامہ پاکیزہ، ماہنامہ سرگزشت

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

کر پیچھے جا پڑی تھی۔

''جاؤ چلی جاؤ اپنے اسی عاشق کے پاس جس کے ساتھ عیاشی کر کے آئی ہو۔'' تکلیف زیادہ تھی یا دکھ، بے یقینی اور صدمہ..... وہ جان نہ پائی۔ پھٹی، پھٹی نگاہوں کے ساتھ بس انہیں دیکھنے لگی۔

اس شخص سے اس نے محبت کی تھی..... بے تحاشا محبت۔ محبت جو اسے حیات سے اہم لگتی تھی۔ پوری کائنات سے اہم لگتی تھی۔ لیکن عزت اس کے لیے کتنی اہم تھی یہ اسے اس لمحے پتا چلا۔ اسے لگا کسی نے تیز دھار نشتر اس کے دل کے آر پار کر دیا تھا۔ جان جسم سے نکل رہی تھی مگر دھیرے، دھیرے، اذیت تھی کہ حد سے سوا تھی۔ کاش یہ جان ایک دم نکل جاتی۔ یہ اذیت کسی طرح ختم ہو جاتی۔

اثیر احمد کے دل میں اس کی محبت نہیں تھی، وہ جانتی تھی لیکن اس کے دل میں اس کی عزت بھی نہیں تھی یہ اسے آج پتا چلا تھا۔

''عزت.....'' اس کے اندر جیسے کوئی تمسخرانہ ہنسا دل میں چبھے نشتر میں شدید ٹیس اٹھی۔

''نہ کریں محبت..... لیکن عزت تو کریں..... عزت پر وہ کوئی سمجھوتا نہیں کرے گی۔ عزت انہیں کرنی پڑے گی۔'' ہونٹ سے نکلتے خون کو ہاتھ سے صاف کرتے ہوئے اس نے اپنے بے دم ہوتے وجود کو بمشکل سنبھال کر اٹھنے کی کوشش کی تھی۔

تبھی انہوں نے دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر اسے کھڑا کر دیا تھا۔

کیا انہیں اس پر ترس آ گیا تھا۔ اس نے ان کی جانب دیکھا لیکن آنکھوں کے سامنے چھائی دھند میں کچھ نظر نہ آیا۔ اس نے پلکیں جھپک کر اس دھند کو دور کرنے کی کوشش کی۔

''پچھتا رہی ہو تم..... چھوڑنا چاہتی ہو مجھے..... لوٹنا چاہتی ہو اپنے اس عاشق کے پاس.....'' بازوؤں پر جمی انگلیوں کی سخت گرفت..... کرخت آواز، زہریلا لہجہ..... اس کی خوش فہمی کو دور ہونے میں پل لگا۔

''تم مجھے چھوڑو میں تمہیں اس کا موقع نہیں دوں گا۔ ہرگز نہیں..... سمجھیں تم!'' خونخوار آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے وہ کہہ رہے تھے اور مارے طیش کے ان کے منہ سے جھاگ نکل رہا تھا۔

وہ ششدر سی انہیں دیکھ رہی تھی۔

''وہ کب انہیں چھوڑنا چاہتی تھی؟''

''ایک بار نادانی کی تھی..... اب نہیں کروں گا..... اب کسی عورت کو..... یہ موقع نہیں دوں گا کہ وہ مجھے ذلیل کرے۔''

''اللہ گواہ ہے اثیر..... میں ایسا کچھ نہیں چاہتی۔'' اس نے کہنا چاہا تھا لیکن زبان نے ساتھ نہیں دیا تھا۔

''میں اثیر احمد ولد توفیق احمد.....'' ان کے لہجے میں ایک فخر ایک غرور تھا۔

''میں خود تمہیں چھوڑتا ہوں..... میں تمہیں طلاق دیتا ہوں.....''

حیرت اور صدمے سے اس کی آنکھیں جیسے پھٹ گئیں۔

''نہیں اثیر..... خدا کے لیے نہیں..... یہ مت کریں..... میں صرف آپ سے محبت کرتی ہوں خدا گواہ ہے..... صرف آپ سے..... آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔'' وہ کہنا چاہتی تھی لیکن زبان جیسے بند ہو کر رہ گئی تھی۔ آواز حلق میں ہی کہیں پھنس گئی تھی۔ اس نے ان کے منہ پر ہاتھ رکھنا چاہا تھا لیکن بازو ان کے آہنی شکنجے میں کسے ہوئے تھے۔

بے بسی سی بے بسی تھی۔

''میں اثیر احمد ولد توفیق احمد.....'' انہی الفاظ کی گونج تھی۔

ایک ہاتھ سے اس کا بازو جکڑے دوسرے میں فون پکڑے وہ اسے گھسیٹتے ہوئے گیٹ سے باہر لے آئے تھے۔

''پکڑو فون اور بلاؤ اپنے اس عاشق کو..... ابھی زیادہ دور نہیں گیا ہو گا وہ..... فوراً بھاگا آئے گا۔'' زہر خند لہجے میں کہتے ہوئے انہوں نے فون اس کے

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

ہاتھ میں تھمایا تھا جو اس کے بے جان ہوتے ہاتھ سے نیچے جا گرا تھا۔ دوسرا ہاتھ انہوں نے ایک جھٹکے سے چھوڑا تھا اور وہ درخت سے ٹوٹی ہوئی شاخ کے مانند نیچے جا پڑی تھی۔ لیکن صیاد ایسا ظالم تھا کہ اس نے گھائل پر نگاہ بھی نہ ڈالی تھی اور اسے باہر دھکیل کر بڑے کروفر سے گیٹ کو بند کرتا اندر غائب ہو گیا تھا۔

وہ کروٹ کے بل گری تھی۔ کندھے میں درد کی شدید لہر اٹھی تھی۔ لیکن وہ اس دشمنِ جاں کو پکارنے کی کوشش کر رہی تھی۔ ہونٹ ہلتے تھے مگر آواز کہیں حلق میں ہی پھنس کر رہ جاتی تھی اور جب نکلی تو داخلی دروازہ ایک دھماکے کے ساتھ بند ہو چکا تھا۔

وہ جسم سے اٹھتی درد کی شدید ٹیسوں کی پروا کیے بغیر زور لگا کر اٹھی تھی اور دونوں ہاتھوں کے ساتھ گیٹ کو دھڑ دھڑانے لگی تھی۔

''اثیر..... گیٹ کھولیں..... پلیز..... میری بات سنیں، اثیر ایک بار..... بس ایک بار..... میری بات سن لیں۔'' اس نے روتے ہوئے التجا کی تھی۔

''آپ غلط سمجھ رہے ہیں اثیر..... آپ بالکل غلط سمجھ رہے ہیں..... بلیو می..... ایسا..... کچھ..... نہیں ہے.....'' ہچکیوں اور سسکیوں کے درمیان اس نے کہا تھا۔

''اثیر..... پلیز..... مجھے..... مجھے اندر تو آنے دیں..... باہر بہت اندھیرا ہے..... اثیر..... پلیز.....''

وہ دونوں ہاتھوں سے گیٹ کو پیٹتے ہوئے روتی رہی تھی..... چلاتی رہی تھی لیکن انہوں نے جیسے دروازے کے ساتھ اپنے کان بھی بند کر لیے تھے۔

''یا اللہ! میں کیسے اس شخص کو یقین دلاؤں کہ میں.....'' بے اختیار اس کے حلق سے سسکی نکلی تھی اور لفظوں نے اس کے لرزتے لبوں پر ہی دم توڑ دیا تھا۔

بکھرے بالوں کے ساتھ گھٹنوں پر سر رکھے، سردی سے بری طرح کپکپاتے جسم کو گیٹ کا سہارا دیے وہ جیسے بے بسی کی انتہا پر تھی، کچھ ہی دیر میں یہ تیسری مرتبہ تھا کہ اس کے اپنے الفاظ بھی اس کا ساتھ چھوڑ رہے تھے۔ ابھی کچھ ہی دیر قبل جب اس پر فردِ جرم عائد کی جا رہی تھی..... ایک ایسے گناہ کی سزا سنائی جا رہی تھی جو اس نے کیا ہی نہیں تھا..... تب بھی لفظوں نے یونہی اس کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔

پھر زمین اس کے قدموں کے نیچے سے کھینچ لی گئی تھی۔ اسے جنت بدر کر دیا گیا تھا لیکن اس کی زبان سے ایک لفظ نہیں نکلا تھا اور جب نکلا تھا تو سننے والا دل کے دروازے کے ساتھ گھر کے دروازے بھی بند کر چکا تھا۔

وہ دونوں ہاتھوں کے ساتھ گیٹ کو دھڑ دھڑاتے ہوئے روتی رہی تھی۔ چلاتی رہی تھی لیکن اس نے پلٹ کر نہیں دیکھا تھا۔ روتے، چلاتے اور پکارتے، پکارتے اس کا گلا بیٹھ گیا تھا۔ آواز بند ہو گئی تھی گیٹ کو پیٹتے، پیٹتے اس کے ہاتھ لہو رنگ ہو گئے تھے۔ بازو اور کندھے شل ہو گئے تھے۔ وجود نڈھال ہو گیا تھا۔ آخر وہ بے دم ہو کر گیٹ کے ساتھ ڈھے گئی تھی لیکن اندر سے کوئی نہیں نکلا تھا۔

''میں نے..... میں نے.....'' بند آنکھوں اور کپکپاتے لبوں کے ساتھ اس نے کچھ کہنا چاہا تھا۔ کیا.....؟ وہ خود بھی جیسے نہیں جانتی تھی۔

اس کے چاروں طرف ایک خلا تھا۔ تاریک اور مہیب خلا جس میں اس کا وجود معلق تھا۔ آنکھیں تھیں مگر بینائی نہیں تھی اور زبان تھی مگر گویائی نہیں تھی۔

ٹھنڈی یخ ہوا اس کے وجود کو برف بنا رہی تھی۔ خون اس کی رگوں میں جما رہی تھی لیکن اندر ہنوز خاموشی تھی..... گہری خاموشی..... موت کا سا سناٹا..... مگر مر تو وہ رہی تھی..... پھر اندر کیوں موت کا سا سناٹا تھا؟ یک دم اسے اس سناٹے سے شدید وحشت ہونے لگی۔ اسی وحشت نے اس کے بے جان وجود کو اٹھ کھڑا ہونے پر مجبور کر دیا۔ نہ صرف کھڑا ہونے پر بلکہ وہ ایک عالمِ جنوں میں آگے بڑھی تھی اور دونوں ہاتھوں سے گیٹ کو دھڑ دھڑا ڈالا تھا لیکن اس مشقت نے اس کی سانس پھلا دی تھی۔

گیٹ کے ساتھ سر ٹکائے وہ سانسوں کو ہموار کرنے کی کوشش کر رہی تھی جب گیٹ کے دوسری جانب سے دبی، دبی آواز ابھری تھی۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

''رات بہت ہوگئی ہے باجی جی..... اتنی رات کو آپ کا یہاں کھڑے رہنا ٹھیک نہیں ہے۔ زمانہ بہت خراب ہے۔ آپ اب گھر جائیں، صاحب اس ٹائم فرعون بنے ہوئے ہیں اور میری دادی کہتی ہیں ''بندہ جدوں فرعون بن جائے تے اوہدے کولوں کدی وی بھلائی دی امید نہ رکھیو۔'' (آدمی جب فرعون بن جائے تو اس سے کسی بھی قسم کی بھلائی کی امید نہ رکھو)

''دادی جان.....؟'' اس کے ہونٹ ہلے تھے لیکن آواز نہیں نکلی تھی۔ اس کا دل چاہا تھا کہ وہ چلا، چلا کر دادی جان کو پکارے..... لیکن وہ جتنا بھی پکارتی اس کی پکار ان تک نہیں پہنچ سکتی تھی۔ اس کے منہ سے بے اختیار سسکی نکلی تھی۔

''آپ ٹھیک کہتی تھیں دادی جان..... لیکن میں آپ کی بات بھول گئی تھی۔''

''ہک ہا.....'' فیروزاں نے بے حد صدمے اور تاسف سے ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے اپنی بے حد خوب صورت باجی کو گیٹ کی جھری سے دیکھا۔

''میں تو اپنی دادی کی بات کر رہی ہوں اور باجی..... یقیناً صدمے نے ان کے دماغ پر اثر ڈالا ہے۔ اتنی سوہنی باجی اور..... چچ، چچ.....'' سخت صدمے کی کیفیت میں اس نے گیٹ کھولنے کے لیے لاک پر ہاتھ رکھا ہی تھا کہ اندر سے گرجدار آواز میں اسے پکارا گیا تھا اور وہ تیزی سے اندر چلی گئی تھی۔ اور وہ اس بات سے بے خبر کہ گیٹ کے دوسری جانب اب کوئی نہیں تھا فیروزاں بھی نہیں بول رہی تھی۔

''تمہیں پتا ہے میری دادی جان نے کیا کہا تھا.....؟'' وہ بڑبڑائی۔ ''انہوں نے کہا تھا۔ ''انسان کو بھی رب کی طرح مت چاہنا میرے بچے..... جو بھی انسان کو رب کی طرح چاہتا ہے..... اسے رب کے مقام پر لا بٹھاتا ہے، وہ بڑی ذلت اٹھاتا ہے..... بے حد ذلت۔''

''انہوں نے بالکل ٹھیک کہا تھا لیکن..... افسوس میں نے ان کی بات کو بھلا دیا پھر میں کیسے نہ ٹھکرائی جاتی..... کیسے نہ ذلت اٹھاتی۔'' اس کا وجود کانپ رہا تھا، آواز کانپ رہی تھی اور دل کانپ رہا تھا۔ یہ اس سے کیسا گناہ سرزد ہوا تھا۔

اور کیا اس ''ذلت'' کے بعد اس گناہ کا کفارہ ادا ہوگیا تھا۔ گیٹ پر ڈھیلی پڑتی گرفت کے ساتھ یہ آخری سوچ تھی جو اس کے ذہن میں آئی تھی اور آخری آواز جو اس نے سنی تھی وہ اس کے بالکل پاس کسی گاڑی کے بریک چرچرانے کی تھی۔

''میرے اللہ.....'' خوف و دہشت کی آخری حدوں کو چھوتے ہوئے اس کے لبوں سے نکلا تھا۔ اس نے خود کو سنبھالنا چاہا تھا لیکن اس کی ہر سعی بیکار گئی تھی گیٹ اس کے ہاتھوں سے چھوٹ گیا تھا۔ زمین اس کے پاؤں تلے سے نکل گئی تھی اور وہ بھربھری مٹی کے بے جان تودے کے مانند زمین پر آ رہی تھی۔

☆☆☆

''کیا بات ہے سمیہ..... کوئی پریشانی ہے؟'' علی رضا نے فکرمندی سے بیوی کو دیکھا۔

''پریشانی..... ہاں.....!'' زیرلب کہتے ہوئے سمیہ نے کنپٹیوں کو دبایا تھا۔

''علی..... زارا مجھے خوش نہیں لگی..... بے حد الجھی، الجھی اور پریشان تھی۔ صحت بھی کچھ ٹھیک نہیں لگ رہی تھی اس کی..... اپنے لیے کوئی شاپنگ بھی نہیں کی اس نے..... فنکشن پر پہننے کے لیے بھی میں نے زبردستی ڈریس دلایا۔'' پریشانی سے کہتے، کہتے سمیہ کی نگاہ شوہر کے چہرے کی جانب گئی تو انہیں فکرمند ہوتے دیکھ کر فوراً خاموش ہوگئیں اور ساتھ ہی بات بدل دی۔

''لو میں بھی کیسی پاگل ہوں فوراً ہی نیگٹو سوچنے لگی ہوں۔ کیا خبر کوئی خوش خبری ہی ہو۔ ہم نانا، نانی بننے والے ہوں..... ہے ناں علی..... اللہ کرے ایسا ہی ہو..... مجھے تو لگتا ہے یہی بات ہے ایسی حالت میں بھی تو لڑکیاں شروع میں یونہی سست اور بیزار سی ہو جاتی ہیں پھر جب پتا چلتا ہے تو ساری بیزاری ہوا ہو جاتی ہے۔'' ہلکے پھلکے لہجے میں کہتے ہوئے انہوں نے سائڈ ٹیبل سے موبائل اٹھاتے ہوئے زارا کا نمبر ملایا تھا۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

بیل جاتی رہی تھی لیکن کال ریسیو نہیں ہوئی تھی۔

''کیوں کر رہی ہو بار، بار فون ابھی تو وہ گھر پہنچی ہوگی۔''

''میرا تو خیال ہے ابھی راستے میں ہی ہوں گے، یہ نہ ہو کہ سوٹ گاڑی میں ہی بھول جائے۔'' کہتے ہوئے انہوں نے حنان کا نمبر ملایا۔

''جی پھپھو.....'' دوسری بیل پر ہی اس نے کال ریسیو کر لی۔

''ڈراپ کر دیا زارا کو.....؟''

''جی.....خیریت.....؟''

''بس اچانک خیال آیا کہ کل فنکشن پر پہننے کے لیے جو ڈریس لے کر دیا تھا وہ کہیں گاڑی میں ہی نہ بھول جائے۔''

''ٹھیک خیال آیا آپ کو، بھول گئی ہیں محترمہ.....'' حنان نے پیچھے سیٹ پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا تھا۔

''دیکھو ذرا..... ہے کوئی حال اس لڑکی کا.....''

''حنان بیٹے کتنا آگے آگئے ہو گھر سے آپ.....''

''قریب ہی ہوں پھپھو.....ڈونٹ وری دے آتا ہوں ابھی میں.....''

''تھینکس میری جان.....''

حنان نے موبائل گود میں رکھتے ہوئے گاڑی موڑی تھی اور چند منٹ میں وہ زارا کے گھر کے گیٹ پر تھا اور پھر گاڑی کی ہیڈ لائٹس نے اسے جو منظر دکھایا تھا اسے دیکھ کر اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا تھا۔

''زارا.....'' اس کی آواز سرگوشی سے زیادہ اونچی نہیں تھی۔

''نہیں، زارا کیسے ہو سکتی تھی وہ.....'' نفی میں سر ہلاتے ہوئے اس نے گاڑی کو بریک لگائے تھے۔ تبھی وہ لہراتی ہوئی زمین پر آ رہی تھی۔

حنان نے بجلی کی سی تیزی سے دروازہ کھولا تھا اور بھاگتا ہوا اس کے قریب پہنچا تھا۔ وہ واقعی زارا تھی لیکن اس حالت میں..... حنان کا دل دھک سے رہ گیا۔ اس نے تیزی سے اسے سیدھا کیا۔ بکھرے بالوں کے درمیان اس کا چہرہ سفید پڑ چکا تھا اور ہونٹ نیلے۔

حنان نے جلدی سے اس کی کلائی تھامی تھی اور مدھم پڑتی اس کی نبض نے وقت کی گردش کو روک دیا تھا۔

اس نے پہلے اس کے رخسار کو تھپتھپایا پھر جلدی سے اٹھتے ہوئے تیزی سے بیل بجائی اور ساتھ ہی گیٹ کو تقریباً پیٹ ڈالا لیکن جب اندر سے کوئی آواز نہ ابھری تو اس نے تیزی سے اسے اٹھایا اور گاڑی کی پچھلی سیٹ پر ڈالتے ہوئے گاڑی فل اسپیڈ پر اپنے فیملی ڈاکٹر کے کلینک کی طرف دوڑانے لگا۔

☆☆☆

اسے برا بھلا کہتے ان کا گلا دکھ گیا تھا۔ کمرے کی چیزیں اِدھر سے اُدھر پھینکتے ہاتھ دکھنے لگے تھے۔ پرفیوم کی بوتل پوری طاقت سے ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے پر مارنے سے اس کا کنارہ ذرا سا ٹوٹ گیا تھا جب اور کوئی چیز پھینکنے کو نہ ملی تو انہوں نے عالمِ جنون میں ڈریسنگ ٹیبل پر ہاتھ مارا..... جو اسی ٹوٹے کونے پر جا کر لگا۔ شیشہ ان کے ہاتھ میں لگ گیا تھا اور خون بہہ بہہ کر اِدھر اُدھر گرنے لگا تھا مگر انہیں نہ یہ خون نظر آ رہا تھا نہ ہی ہاتھ میں درد محسوس ہو رہا تھا۔

درد تو کہیں اور تھا..... بے حد..... بے حساب درد..... کتنی باتیں تھیں جو بھلانے کی کوشش میں کچھ اور یاد آیا کرتی تھیں..... اس وقت بھی یاد آ رہی تھیں اور دل کے درد کو کچھ اور بڑھا رہی تھیں۔

''میں تم سے محبت نہیں کرتی اثیر.....اور اگر کرتی بھی تو..... میری چوائس اس پرانے زمانے کے بنے گھر اور خستہ حال صوفے پر بیٹھے اثیر احمد کے بجائے ڈیفنس کی چار کنال کی جدید طرز پر بنی شاندار کوٹھی میں امپورٹڈ صوفوں پر بیٹھنے والا واسع خان ہوتا..... جانے کون سے زمانے کی محبت کی بات کرتے ہو تم اثیر.....اب وقت کی ڈیمانڈز کچھ اور ہیں۔ میری مانو تو تم بھی اب محبت کو لپیٹ کر کسی کارنر میں رکھ دو اور اپنی ساری انرجی خود کو کامیاب بنانے میں لگاؤ تاکہ دوبارہ کسی شزا احمد کو تمہیں چھوڑ کر کسی واسع خان کو نہ choose کرنا پڑے۔''

''اُف.....'' بے اختیار انہوں نے بالوں کو

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

ہاتھوں میں جکڑا تھا۔

''واسع..... یہ اثیر احمد..... بتایا تھا ناں میں نے آپ کو.....'' معنی خیز لہجہ، تمسخر اڑاتی ہنسی۔

''آخر بھول ہی گئے مجھے..... شادی کر لی..... اور بڑے قسمت کے دھنی نکلے بھئی..... سنا ہے بڑی حسین ہے بیوی تمہاری اور محبت بھی بہت کرتی ہے..... کیا واقعی.....!''

''کیا واقعی.....!''

ہر طرف سے یہی ایک آواز، یہی ایک تکرار سنائی دے رہی تھی۔ بالوں کو چھوڑ کر انہوں نے کانوں کو دونوں ہاتھوں سے پوری طاقت سے دبا کر بند کیا تھا۔

آوازیں تو بند ہوئی تھیں یا نہیں..... ذہن کہیں اور جا نکلا تھا..... تصور کئی اور منظر دکھانے لگا تھا..... چہرہ بدل گیا تھا۔ وجود بدل گیا تھا..... لیکن ان کے لیے اذیت وہی تھی۔ درد وہی تھا..... اندر لاؤنج میں دیکھتی اور باتیں کرتی..... برتن ٹیبل پر چھوڑ کر تیزی سے اندر کمرے میں جاتی اور سرگوشیوں میں فون پر باتیں کرتیں۔

بے حد مصروف انداز میں لیپ ٹاپ پر بیٹھی اور ان کو دیکھ کر فوراً اٹھ کر نماز شروع کرتی زارا..... حنان کے ساتھ بیٹھی، اس کے ساتھ ہنستی..... اس کے سامنے آنسو بہاتی، ان سے کتراتی، ان سے نگاہیں چراتی، ان کا دل چاہا ہر چیز کو تہس نہس کر دیں۔ توڑ پھوڑ ڈالیں..... وہ اگر ان کے سامنے ہوتو اسے بھی.....

☆☆☆

''ہیں..... ایں..... کیا باجی ابھی گئی نہیں.....'' فیروزاں ہڑبڑا کر اٹھی تھی۔

حامد نے بھی بخار سے سرخ ہوتی آنکھیں بمشکل کھولی تھیں۔

''اتنی دیر کر چھڈی آج صاحب جی نے۔'' وہ نقاہت زدہ آواز میں بڑبڑایا۔

''صاحب جی تو کب کے آگئے ہوئے ہیں۔'' کہتے ہوئے فیروزاں نے چارپائی پر کھڑے ہو کر کھڑکی سے باہر جھانکا تھا۔

''ارے یہ تو..... شہیر صاحب ہیں۔'' وہ جلدی سے نیچے اتری اور دروازے کی جانب بڑھی۔

''سلام صاحب جی!''

''وعلیکم السلام..... تم..... حامد کدھر ہے.....؟''

''اس کو بہت تیز بخار تھا اس لیے بڑی بی بی نے مجھے بلایا تھا دو تین دن کے لیے..... صاحب جی گاڑی اندر نہیں لائیں گے۔'' انہیں اندر کی جانب بڑھتے دیکھ کر پوچھا۔

''نہیں۔''

تیز، تیز قدموں سے اندر کی جانب بڑھتے ہوئے شہیر نے اثیر احمد کا نمبر ملایا تھا اور پھر چونک کر پورچ میں کھڑی گاڑی کی جانب دیکھا تھا۔

''صاحب جی فون رات کو گاڑی میں ہی چھوڑ گئے تھے۔'' فیروزاں نے بھی بیل کی آواز سن لی تھی اس لیے جلدی سے بتایا تھا اور شہیر احمد نے قدرے سکون کی سانس لی تھی۔ ورنہ رات سے ایک طرف باپ کی حالت کی وجہ سے اور دوسرا ان کا فون اٹینڈ نہ ہونے کی وجہ سے وہ سخت پریشان تھا۔

باپ کی حالت تھی کہ لحہ بہ لحہ خراب ہوتی جا رہی تھی۔ تھوڑی، تھوڑی دیر بعد آنکھیں ذرا سی کھول کر وہ سب چہروں میں جیسے کوئی اور چہرہ کھوجتے تھے اور پھر آنکھیں موند لیتے تھے۔

''تمہارے بابا جان، اثیر احمد کو دیکھنا چاہتے ہیں اسے فون کرو شہیر.....'' جب دوسری، تیسری مرتبہ ماں نے کہا تو وہ چپکے سے گاڑی لے کر نکل آیا کیونکہ فون تو وہ بے شمار کر چکا تھا۔

''عجیب ہیں یہ اثیر بھائی بھی۔'' زیر لب بڑبڑاتے ہوئے شہیر نے بیل کے ساتھ، ساتھ لاؤنج کا دروازہ بھی کھٹکھٹایا۔

اثیر احمد جو ساری رات کمرے میں اِدھر سے اُدھر چکراتے ابھی بیڈ پر لیٹے ہی تھے ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھے۔

بار، بار بیل اور دروازہ ایک ساتھ بجایا جا رہا تھا۔ وہ جلدی سے سلیپر پہنتے ہوئے دروازے کی جانب بڑھے۔ فیروزاں کو انہوں نے سختی سے گیٹ کھولنے

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

سے منع کیا تھا اس لیے وہ تو نہیں ہو سکتی تھی تو پھر.....

لاؤنج کا دروازہ کھولتے ہی سامنے شہیر کو دیکھ کر وہ حیران رہ گئے۔ جلدی سے جالی کا دروازہ کھولا۔

''خیریت تو ہے ناں.....''

''بابا جان کی طبیعت ٹھیک نہیں..... آپ کو یاد کر رہے ہیں۔'' حیرانی سے اس کا حلیہ دیکھتے ہوئے اس نے کہا۔

''کیوں..... کیا ہوا..... کدھر ہیں بابا جان.....؟''

''اسپتال میں ہیں۔ آپ کو فون کر، کر کے تھک گیا تو آخر خود گاڑی لے کر نکلنا پڑا کہ پتا کروں کہ آپ خیریت سے تو ہیں۔''

''اوہ۔'' انہیں یاد آیا کہ فون تو وہ رات کو گاڑی میں ہی بھول آئے تھے۔

''آپ اسی طرح سو گئے تھے کیا.....؟ اور یہ خون کیسا ہے؟'' شہیر نے کہتے ہوئے ان کی شرٹ اور پینٹ پر جا بجا لگے خون کے دھبوں کو دیکھتے ہوئے پریشانی سے پوچھا۔

''کچھ نہیں..... بس ہاتھ پر ذرا چوٹ آ گئی تھی۔ چلو جلدی سے چلیں۔''

''آپ پہلے منہ ہاتھ دھو لیں اور زارا بھابی کو بھی بتا دیں۔'' اس نے کہا تو اثیر احمد بنا کچھ کہے بیڈ روم کی جانب بڑھ گئے۔

☆☆☆

وہ لوگ اسپتال پہنچے تو اسما انہیں راہداری میں ہی مل گئی۔

''میں آپ کو ہی فون کرنے آ رہی تھی۔ بابا جان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔'' واپس پلٹتے ہوئے اس نے آہستگی سے بتایا تھا۔

بابا جان جیسے ان ہی کے منتظر تھے۔ ان پر نگاہ پڑتے ہی انہوں نے مسکرانے کی کوشش کی۔ دونوں بھائیوں نے لپک کر ان کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔

انہوں نے باری، باری دونوں پر نگاہ ڈالی پھر دھیرے، دھیرے کلمہ پڑھا اور آنکھیں موند لیں۔

''بابا جان..... آنکھیں کھولیں بابا جان..... دیکھیں آپ کو بھائی کا انتظار تھا ناں..... میں انہیں لے آیا ہوں۔'' شہیر نے ان کے چہرے کو دونوں ہاتھوں میں لیتے ہوئے بے قراری سے کہا تھا۔

اثیر بھاگ کر ڈاکٹر کو بلا لائے لیکن جانے والا جا چکا تھا۔ جسم باقی تھا روح پرواز کر چکی تھی۔

اثیر احمد نے نچلا لب دانتوں تلے دباتے ہوئے نم ہوتی آنکھوں سے باپ کا چہرہ دیکھا۔ وہ کتنے بدنصیب تھے زندگی میں باپ کو انتظار کروایا تھا اور مرتے وقت بھی۔

بابا جان تو بالکل ٹھیک ٹھاک تھے..... صحت مند اور چاق و چوبند، انہیں کبھی لگا ہی نہیں تھا کہ وہ اتنی جلدی چلے جائیں گے۔ زندگی شاید نام ہی اسی کا ہے..... آرام سے گزر رہی ہوتی ہے تو لگتا ہی نہیں کہ کبھی ختم ہو گی اور ختم ہوتی ہے تو پتا بھی نہیں چلتا۔

اثیر احمد نے حسرت سے چھوٹے بھائی کو دیکھا جو بابا کا چہرہ تھامے انہیں بتا رہا تھا کہ وہ ان ہی کی خواہش پوری کرنے کے لیے گیا ہوا تھا۔ اس کے چہرے پر یہ ملال تھا کہ وہ آخری وقت میں باپ کے پاس موجود نہیں تھا اور اس کی یہ عدم موجودگی کس وجہ سے تھی؟ انہی کی وجہ سے..... اگر فون ان کے پاس موجود ہوتا..... اگر انہوں نے لینڈ لائن کی وائر نہ نکالی ہوتی تو فون پر اُن سے رابطہ ہو جاتا، اسے بابا جان کو چھوڑ کر خود نہ جانا پڑتا۔

انہوں نے خود تو زندگی میں باپ کو کوئی سکھ دیا نہیں تھا۔ آخری وقت میں کیا دیتے لیکن شہیر کو تو اُن کے پاس رہنے دیا ہوتا.....

انہیں ہمیشہ خود کو ٹھیک سمجھنے کی عادت تھی..... پہلی مرتبہ وہ دوسروں کو ٹھیک سمجھ رہے تھے۔ انہیں خود کو مظلوم سمجھنے کی عادت تھی پہلی بار وہ کسی اور کو مظلوم سمجھ رہے تھے اور یہ پہلی بار اب بار، بار ہونے والا تھا..... وہ نہیں جانتے تھے۔

☆☆☆

''علی آخر ہوا کیا ہے ہماری بیٹی کو..... ڈاکٹر صفدر

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

کہہ رہے ہیں شاید کسی شدید صدمے کی وجہ سے.....''

''بس تم یہ ساری باتیں چھوڑو صرف دعا کرو.....''

انہوں نے سمیہ کی بات کاٹ دی تھی۔

''اگر ایسے کچھ ہوا ناں علی تو میں بھی.....'' سمیہ کی آواز بھرائی تھی اور وہ جملہ مکمل نہیں کر پائی تھیں۔ بے بسی سے شوہر کی جانب دیکھا تھا اور آنسو ٹوٹ کر آنکھوں سے بہہ نکلے تھے۔

''میں بھی جی نہیں سکوں گی علی.....''

''سمیہ الٹی باتیں منہ سے مت نکالو..... دعا کرو.....صرف دعا..... ماں کی دعا میں بڑی تاثیر ہوتی ہے۔'' عثمان صاحب نے فوراً بہن کو ٹوکا تھا۔

''دعا تو کر رہی ہوں بھائی.....لیکن جوں، جوں ٹائم گزر رہا ہے دل سہمتا جا رہا ہے۔''

''دعا وہ ہوتی ہے جو پورے یقین کے ساتھ ہو..... اماں جان یقینِ کامل کے بارے میں بتاتے ہوئے ایک واقعہ سنایا کرتی تھیں.....یاد ہے تمہیں.....'' علی رضا نے نرمی سے بیوی کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تھا۔

''نہیں۔'' سمیہ نے بہتے آنسوؤں کے ساتھ نفی میں سر ہلایا تھا۔

''چلو اب تم یہ دعویٰ نہیں کر سکتیں کہ علی میں کچھ نہیں بھولتی.....دیکھ لو تم بھول چکی ہو جبکہ مجھے یاد ہے۔''

''علی مجھے اس وقت کوئی بات اچھی نہیں لگ رہی مجھے بس دعا کرنے دیں.....''

''ٹھیک ہے دعا کرو لیکن پہلے وہ واقعہ سن لو اور اپنا یقین ویسا بنا لو جو اس واقعہ میں چھوٹی سی بچی کا تھا۔ کسی بستی میں شدید قحط کی وجہ سے لوگ بھوک اور بیماریوں سے مر رہے تھے۔ بستی میں موجود ایک اللہ والے بزرگ نے سب لوگوں کو اجتماعی دعا کے لیے بلایا۔ آنے والے لوگوں میں ایک بچی نے چھتری تھامے ہوئے تھی۔

''بیٹی یہ چھتری کیوں لائی ہو؟'' بزرگ نے بچی سے پوچھا۔

''جب ہم سب دعا کریں گے تو اللہ تعالیٰ بارش برسائیں گے ناں، اماں نے یہ نیا سوٹ پہنایا ہے تو میں نے سوچا یہ خراب نہ ہو جائے۔'' بچی نے کہا۔

''بس دعا کرتے ہوئے تمہارا یقین بھی ایسا ہی ہونا چاہیے، تم دیکھنا ان شاء اللہ ہماری دعائیں ضرور قبول ہوں گی۔'' انہوں نے ان کا کندھا تھپکتے ہوئے ایسے پُریقین لہجے میں کہا تھا کہ سمیہ کے دل کو عجیب سی ڈھارس ہوئی تھی۔

اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اس نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو دل میں گہرا یقین موجزن تھا ایسا کامل یقین..... جسے رب شرمسار نہیں کرتا..... انکار نہیں کرتا.....معجزے دکھاتا ہے اور ناممکن کو ممکن بناتا ہے۔

''بھائی! آپ حدید اور حنان کے ساتھ گھر چلی جائیں۔ صبا بھی گھر میں اکیلی ہے اور حدید اور حنان نے بھی صبح آفس جانا ہے۔ کچھ دیر آرام کر لیں گے۔''

''میں تو آپ کے پاس ہی ہوں انکل.....امی اور حدید بھائی چلے جائیں۔'' حنان نے فوراً کہا تھا اور علی رضا صاحب نے سر ہلا دیا تھا۔

☆☆☆

''یا اللہ! کتنا مشکل ہے اس چہرے کو یوں دیکھنا.....'' شیشے کے پار آکسیجن ماسک کے نیچے کچھ چھپے، کچھ نظر آتے اس کے چہرے پر نگاہ جمائے حنان نے کرب سے زیرِ لب کہتے ہوئے لبوں کو بھینچا تھا۔

''زارا..... ہم لوگوں کی خاطر ہوش میں آ جاؤ.....ہم سب لوگ.....جن کے لیے تمہارا وجود آکسیجن کی حیثیت رکھتا ہے۔'' اس کی آواز بے حد مدھم سی سرگوشی سے زیادہ نہیں تھی مگر اسے یوں لگا جیسے یہ سرگوشی اس تک پہنچی تھی۔ لیکن نہیں.....اس کی سرگوشی اس تک نہیں پہنچ سکتی تھی..... یہ بس اس کا وہم تھا۔

نفی میں سر ہلاتے ہوئے اس نے بے حد اداسی سے سوچا تھا اور آنکھوں میں آئی نمی کو ہاتھ کی پشت سے صاف کیا تھا۔

جانے کیوں ہوتا ہے..... پر ہو جاتا ہے انسان کو

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

کبھی یہ گمان کہ وہ دوسرے کے لیے بے حد اہم ہے لیکن گمان تو گمان ہے۔ اس نے تو ختم ہونا ہی ہوتا ہے مگر المیہ تب ہوتا ہے جب یہ انسان کو بھی ختم کر دیتا ہے۔

حنان کو بے اختیار وہ لمحے یاد آئے تھے جب زارا کے لیے بہت اہم ہونے کا اس کا گمان ختم ہوا تھا۔ ایک بار تو اسے لگا تھا جیسے وہ خود بھی ختم ہو گیا تھا۔ وہ چند ماہ پیچھے چلا گیا۔

ساری رات شہر کی سڑکوں پر گاڑی دوڑاتے ہوئے کئی بار اس کا دل چاہا تھا وہ گاڑی کو الٹا دے یا پھر کسی بجلی کے پول یا دیو ہیکل ٹرک سے ٹکرا دے..... بمشکل اس نے اس خیال کو ذہن سے جھٹک کر خود پر قابو پایا تھا اور ساری رات کی خجل خواری کے بعد جب وہ گھر لوٹا تھا تو اپنے رب کا بے حد شکر ادا کیا تھا جس نے اسے ایسی کسی بھی ایسی حرکت سے بچا لیا تھا۔ وہ لاحاصل محبت اس کے لیے بے حد اہم سہی لیکن اتنی بھی اہم نہیں تھی کہ وہ اس کے لیے خود کو ختم کر کے اپنے پیار کرنے والے ماں، باپ اور بہن، بھائیوں کو ایسی کڑی سزا دیتا کہ انہیں جیتے جی مار دیتا..... بے قراری سے خود سے لپٹی روئی، روئی ماں اور نڈھال بہن کو ساتھ لگائے اس نے پاپا اور حدید بھائی کے مرجھائے چہروں اور سرخ آنکھوں کو دیکھتے ہوئے سوچا تھا۔

بنا ان کے ایک لفظ بھی کہے ان کی حالت بتا رہی تھی کہ انہوں نے بھی یہ رات اس سے کم اذیت میں نہیں گزاری تھی۔

''یہ فون اس لیے ہوتا ہے کہ باہر جاتے ہوئے تھوڑی سی تکلیف کر کے اسے اٹھا لیا جائے۔'' پاپا نے ہاتھ میں تھاما موبائل اس کے ہاتھ میں پکڑاتے ہوئے قدرے خفا سے لہجے میں کہا تھا اور وہ شرمندگی سے انہیں دیکھ کر رہ گیا تھا۔ ندامت کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبا اس کا دل جو اپنے پیاروں کی اس حالت پر پہلے ہی خود کو ملامت کر رہا تھا اب کچھ اور نادم ہوا تھا۔ تبھی اس کی نگاہ لاؤنج کے دروازے کی جانب اٹھی تھی اور پھر بہت دیر پلٹ نہیں سکی تھی۔

سمیہ پھپھو کے پیچھے آتی وہ زارا تھی۔ روئی، روئی سرخ متورم آنکھیں..... سرخ ناک..... اسے دیکھتے پا کر اس نے اپنا نچلا لب دانتوں تلے دباتے ہوئے آنسو ضبط کرنے کی کوشش کی تھی۔

ایک پل بس صرف ایک پل لگا تھا حنان کے نرم دل نے اسے معاف کر دیا تھا ہر شکایت، ہر گلہ ختم کر دیا تھا۔ اگر اسے اس سے محبت نہیں ہو سکی تھی تو اس میں اس کی کیا خطا تھی اور پھر محبت کوئی طلب کرنے پر دے دینے والی چیز تھوڑی ہی تھی کہ نہ ملنے پر وہ اس سے خفا ہوتا۔ ضبط کی تمام کوشش کے باوجود اس کے گالوں پر پھسل آنے والے آنسوؤں کو دیکھتا وہ ملول سا سوچ رہا تھا۔

انسان جن سے محبت کرتا ہے ان کے لیے اس کا دل شاید یونہی پل میں گداز ہو جاتا ہے اور حنان کا دل تو ویسے ہی بے حد حساس تھا۔

''آپ زارا اثیر احمد کے ساتھ ہیں ناں۔'' نرس کی آواز نے اسے واپس لمحۂ موجود میں لا کھڑا کیا تھا۔

''جی.....''

''ان کی والدہ آپ کو بلا رہی ہیں۔''

اثبات میں سر ہلاتا وہ واپس پلٹا تو ایک بار پھر اسے اثیر احمد کا خیال آیا۔ اس نے ایک بار پھر موبائل نکالا اور اس کا نمبر ملایا۔ پہلے کی طرح اب بھی بیل جاتی رہی تھی لیکن کسی نے کال ریسیو نہیں کی تھی۔

''آخر کہاں تھا وہ شخص.....؟'' وہ سوچے بنا نہ رہا۔

زارا کے بکھرے بال، اس کا بے حد رویا ہوا ورم زدہ چہرہ..... رخسار پر ثبت انگلیوں کے نشان تھے۔

''کیا اس نے زارا کو مارا تھا.....؟'' اس خیال کے ساتھ ہی حنان کو لگا جیسے اس کا دل پھٹ جائے گا۔

''نہیں..... کچھ اور ہوا ہے..... وہ زارا کو مار نہیں سکتا۔ ہرگز نہیں.....'' نفی میں سر ہلاتے ہوئے وہ پیچھے ہٹا اور آہستہ، آہستہ چلتا اسپتال سے نکل آیا۔

اتنی صبح، صبح کسی کے گھر جانا قطعاً مناسب نہیں تھا لیکن عام صورتِ حال میں جبکہ اس وقت صورتِ حال بے حد گمبھیر تھی۔

پچھلے چند گھنٹوں میں کئی بار اثیر احمد کو فون کیا تھا۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

بیل مسلسل جاتی رہی تھی لیکن فون کسی نے ریسیو نہیں کیا تھا۔ چند منٹ لگے تھے اسے وہاں پہنچنے میں..... گیٹ کی بیل دیتے ہوئے اس نے سوچا تھا کہ آخر وہ وہاں کیا کرنے آیا تھا۔ اس شخص کو زارا کی حالت بتانے کے لیے..... اس کو اس کے پاس لے جانے کے لیے..... اس کے لبوں سے وہ پکار نکلوانے کے لیے جو اس کے دنیا و مافیا سے بے خبر پڑے وجود کو ہوش میں لے آتی..... لیکن وہ نہیں جانتا تھا کہ وہ غلط سمجھ رہا تھا۔ جب دل میں بسنے والے اپنے ہی ہاتھوں سے اپنے مسکن کو اجاڑ دیں..... اپنے ہی ہاتھوں سے اس نازک آبگینے کو ریزہ، ریزہ کر کے بکھیر دیں تو دوبارہ ان ریزوں کو یکجا کرنا ان کے بھی بس میں نہیں ہوتا۔ اس ٹوٹے پھوٹے ریزہ، ریزہ دل کو دوبارہ صرف وہ خالق ہی جوڑ سکتا ہے جس نے یہ دل بنایا ہے..... جو جاندار کو بے جان سے اور بے جان کو جاندار سے نکالتا ہے، جو بغیر گوشت کے بکھری ہوئی ہڈیوں کو اکٹھا کرتا ہے۔ ان پر گوشت چڑھاتا ہے اور ان میں روح پھونک کر انہیں پہلی والی صورت میں اٹھا کھڑا کرتا ہے۔

☆☆☆

''اثیر..... زارا کو فون کیا.....؟'' عابدہ بیگم نے آنسو پونچھتے ہوئے جائے نماز اٹھائی تھی اور پھر انہیں لکھتے پا کر اشارے سے قریب بلاتے ہوئے پوچھا تھا۔

''جی میں نے اطلاع کر دی ہے۔'' وہ ذرا سا رکے تو عابدہ بیگم نے ان کی خاموشی پر الجھ کر انہیں دیکھا۔

''امی ایکچوئیلی سمیہ آنٹی کی طبیعت خاصی خراب ہے..... کچھ بہتر ہوتی ہے تو وہ لوگ نکلتے ہیں۔'' انہوں نے خود کو سنبھالتے ہوئے جلدی سے کہا تھا اور عابدہ بیگم نے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

فی الحال تو انہوں نے ماں کو جھوٹ بول کر ٹال دیا تھا لیکن دوبارہ کیسے ٹالیں گے اور اگر سچ بتائیں تو کیا یہ دُہرا صدمہ وہ سہہ پائیں گی۔

''اُف..... کس مصیبت میں ڈال دیا ہے اس..... نے.....'' انہوں نے غصے سے دانت کچکچاتے ہوئے زارا کو زیرِ لب گالی دی تھی۔

☆☆☆

''علی صبح ہو گئی مگر..... ہماری بیٹی کو ہوش نہیں آیا۔ ڈاکٹر صاحب کہہ رہے تھے کہ.....'' سمیہ کی ہمت جواب دے گئی وہ دونوں ہاتھوں میں منہ چھپائے پھوٹ، پھوٹ کر رو دیں۔

''خدا کا خوف کرو سمیہ..... کیسے وقت میں آنسو بہا رہی ہو..... تم دیکھنا ان شاء اللہ ابھی کچھ دیر میں ہوش میں آ جائے گی زارا.....''

''علی..... آپ نے ڈاکٹر کی بات نہیں سنی..... اگر چوبیس گھنٹے میں.....'' علی رضا کی تنبیہی نگاہوں پر سمیہ نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا تھا اور نچلا لب دانتوں تلے دباتے ہوئے تواتر سے بہتے آنسوؤں پر قابو پانے کی کوشش کی تھی۔

''صبح کا ٹائم قبولیت کا ہوتا ہے..... چلو جائے نماز پر بیٹھ کر اللہ سے دعا کرو..... یہ سارے آنسو اللہ کے سامنے بہاؤ..... میں بھی مسجد جا رہا ہوں..... اللہ تعالیٰ بڑے رحیم و کریم ہیں تم دیکھنا ہماری بیٹی کو ان شاء اللہ کچھ نہیں ہو گا۔'' نرمی سے بیوی کا ہاتھ تھپتھپاتے ہوئے انہوں نے اس قدر یقین سے کہا تھا کہ سمیہ کے آنسو ان کے لہجے کا یقین دیکھ کر خود بخود رک گئے تھے۔ وہ جلدی سے اٹھی تھیں اور جائے نماز بچھا کر اللہ کے حضور ہاتھ پھیلا دیے تھے۔

علی رضا نے مسجد جانے کے لیے کاریڈور کی جانب قدم بڑھاتے ہوئے رقت بھرے دل سے بڑی شدت سے دعا کی تھی۔

''اے اللہ..... اپنے بندوں سے ستر ماؤں جتنی محبت کرنے والے رب..... ایک ماں کے اٹھے ہاتھوں اور بہتے آنسوؤں کی لاج رکھ لے..... ہماری بیٹی کو ٹھیک کر دے..... ہم بڑے کمزور ہیں..... ہم کوئی دکھ برداشت نہیں کر سکتے..... ہماری کمزوری پر ہماری بے بسی پر رحم کر دے میرے اللہ.....''

(ان شاء اللہ اختتامی حصہ اگلے ماہ)

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

ناولٹ

دہلیزِ دل

فرحت انصاری

شہر کی معروف شاہراہ پر ٹریفک کا اژدہام رواں دواں تھا۔ زندگی اپنے تمام تر زنگوں کے ساتھ شاہراہ کے دائیں جانب تعمیر ''حمزہ ٹریڈرز'' کی مین برانچ آفس میں رنگ بکھیرے ہوئے تھی۔ ''حمزہ فرمز'' کے ہیڈ آفس کے منیجر کی پوسٹ کے لیے انٹرویوز ہو رہے تھے۔ حمدان صبح سے اپنی باری کے انتظار میں سپاٹ چہرہ لیے سامنے بند دروازے پر نگاہیں ٹکائے تھا۔ پوسٹ کے انٹرویو کے لیے ہائی کوالیفائڈ لوگ موجود تھے۔ ایک سیٹ کے لیے

سیکڑوں نوجوان موجود تھے۔ گویا پورا شہر اسی آسامی کے انتظار میں امڈ آیا تھا۔

گزرتے وقت کے ساتھ، ساتھ حمدان کی امیدیں دم توڑ رہی تھیں۔ وہ ایم بی اے کے بعد جاب کی تلاش میں اخبار سے آسامیاں ڈھونڈ کر انٹرویو کے لیے پہنچ جاتا مگر ہر بار ناکامی کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ اس کی نگاہوں میں واضح مایوسی موجود تھی۔ آج بھی وہ اسی سلسلے میں یہاں موجود تھا۔ اس نے اداس، طائرانہ نگاہ اردگرد باتوں میں محو بے فکرے نوجوانوں پر ڈالی۔ اس کے مضمحل وجود پر مزید تھکاوٹ حاوی ہونے لگی۔ وہ کونے میں خالی چیئر پر جا بیٹھا۔

''حمدان زبیر!'' آفس کے دروازے پر مستعد کھڑے چوکیدار نے اس کا نام پکارا تو کئی نگاہیں بیک وقت اس کی طرف اٹھیں، وہ ڈھیلے قدموں سے چلتا آگے بڑھ گیا۔

''آپ نے ایم بی اے فریش کیا ہے، آپ کے پاس کوئی تجربہ بھی نہیں ہے۔'' آفس ویل ڈیکوریٹڈ تھا۔ جہازی سائز ٹیبل کے گرد موجود تین افراد کے پینل میں سے درمیان میں بیٹھے سوٹڈ بوٹڈ شخص نے اس کے تعلیمی ریکارڈ پر تنقیدی نگاہ ڈالتے ہوئے فائل بند کر کے ٹیبل پر رکھی اور ناک پر پھسلتی عینک درست کرتے ہوئے گویا نکتۂ اعتراض اٹھایا تھا۔

''یس سر.....'' پوزیشن ہولڈر حمدان زبیر نے ہکلاتے ہوئے اپنا سوکھتا حلق تھوک نگل کر تر کیا تھا۔ اس کا اکیڈمک ریکارڈ تھرو آؤٹ نہایت شاندار تھا۔ وہ پہلی بار انٹرویو دینے نہیں آیا تھا مگر نہ جانے کیوں آج اس کا اعتماد متزلزل ہوا جا رہا تھا۔ اس پر گھبراہٹ طاری ہونے لگی۔

''آپ تھرو آؤٹ پوزیشن ہولڈر رہے ہیں۔'' دائیں جانب بیٹھے عمر رسیدہ باوقار شخص کی نگاہوں میں توصیف تھی جو کہ حمدان کا کھویا ہوا اعتماد بحال کرنے کو کافی تھی اور اس کا ازلی پُراعتماد رویہ لوٹنے لگا۔

''یس سر.....!'' حمدان کا اعتماد بحال ہو چکا تھا۔ اس کے لہجے میں فخر و غرور کے بجائے شکر و انکساری تھی، اس پر طاری گھبراہٹ اڑنچھو ہو گئی تھی۔ وہ نہایت ذہین اور قابل نوجوان تھا اور اسے اپنی صلاحیتوں و قابلیت کے بل بوتے پر جاب کی تلاش تھی۔

''آپ کا پورا نام کیا ہے؟'' اسی شخص نے ذرا سا چونکتے ہوئے استفسار کیا۔

ان کی حمدان کے وجیہہ چہرے پر جمی گہری نگاہ میں کچھ شناسائی کی رمق تھی۔

''حمدان علی زبیر'' حمدان نے قدرے الجھ کر مختصر جواب دیا۔

''قیصر علی ٹریڈرز کے اونر کے بھانجے.....؟'' اب کے سوال بائیں جانب بیٹھے شخص نے کیا تھا۔ اس کے چہرے پر نرم مشفق مسکراہٹ بکھر گئی تھی اور آنکھوں میں پہچان کا عکس نمایاں تھا۔

''جی.....'' حمدان نے بجھے لہجے میں نیم مردہ دلی سے جواب دیا تھا۔ اس کی دلچسپی جاب میں صفر رہ گئی تھی، وہ اس ویکنسی کے لیے جی جان لگا کر انٹرویو کی تیاری کر کے آیا تھا مگر اس کی پہچان نے یہاں بھی اس کا پیچھا نہ چھوڑا تھا..... اپنے شاندار اکیڈمک ریکارڈ اور پینل کے حوصلہ افزا رویے کی بدولت جاب ملنے کی کافی امید بندھ گئی تھی اس کا موڈ دھیرے، دھیرے آف ہونے لگا۔

''اوہ..... آپ نے پہلے کیوں نہیں بتایا۔'' دائیں جانب بیٹھے شخص نے دوبارہ گفتگو میں حصہ لیا۔ گویا یہ اس کی غلطی تھی کہ اس نے اپنا تعارف نہیں کروایا تھا۔ وہ قیصر علی ٹریڈرز سے ہی تو پیچھا چھڑوانا چاہتا تھا، وہ اپنی ذاتی پہچان و شناخت بنانا چاہتا تھا مگر اس کی ذات پر لگی چھاپ اس کا پیچھا چھوڑ کر ہی نہیں دے رہی تھی۔ مخاطب کے چہرے پر ہلکی سی ندامت تھی گویا قیصر علی ابھی آ کر انہیں اپنے نواسے کو فوراً شناخت نہ کرنے پر سزا دے ڈالتے۔ ملک کی معروف کمپنی کا حوالہ ہی کافی تھا۔

''سر میں جاب اپنی ذاتی قابلیت و اہلیت پر حاصل کرنا چاہتا ہوں نہ کہ ماموں کے حوالے سے..... اگر مجھے سفارش پر جاب چاہیے ہوتی تو ماموں کی فرمز میں سیکڑوں ویکینسیز ہیں اور میں سال بھر سے جاب کے لیے جوتیاں نہ چٹخا رہا ہوتا۔'' حمدان نے اپنی سی وی فائل اٹھا کر بند کرتے ہوئے تینوں کے چہروں پر متاسفانہ نگاہ ڈالتے ہوئے سرد آہ خارج کی اور انہیں ہکا بکا چھوڑ کر تیزی سے

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

نکل گیا۔ صرف اس آفس سے نہیں بلکہ اس بلڈنگ سے ہی باہر نکل گیا۔ اسے ایک دم وسیع و عریض بلڈنگ میں گھٹن محسوس ہونے لگی تھی۔

شام کا ملگجا اندھیرا دھیرے، دھیرے ماحول پر چھا چکا تھا۔ پرندے اپنے آشیانوں کی جانب محوِ سفر تھے، غالباً وہ مکمل اندھیرا پھیلنے سے قبل اپنے ٹھکانوں تک پہنچنا چاہتے تھے۔

''حمدان نہیں آیا ہے ابھی؟'' نصرت نے بلیک اور وائٹ ماربل لگے پورچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے بڑے سے آہنی گیٹ کو تشویش سے گھورا۔ اس کے انٹرویو کے ٹائمنگ چار بجے تک تھے۔ اور اب شام ہونے کو آئی تھی۔ وہ صبح ماں کو سہ پہر تک لوٹنے کا بتا کر خاصا پُرجوش انٹرویو کے لیے گیا تھا۔

''مما بھیا کا انٹرویو لیٹ ہو گیا ہوگا۔'' نمرہ نے ماں کو تسلی دی تھی جبکہ وہ بھی بھائی کے لیے پریشان تھی' حمدان کی کسی سے دوستی بھی نہیں تھی کہ وہ انٹرویو کے بعد کسی دوست کی طرف نکل جاتا۔ وہ وقت کا خاصا پابند تھا۔ نمرہ نے تشویش بھری نگاہ گھڑی پر ڈالی۔ ساڑھے چھ ہونے کو تھے۔

''اللہ میرے بچے کی خیر رکھنا.....'' وہ غیر ذائقے دار و بے پروا ہرگز نہیں تھا۔ جوں، جوں وقت گزر رہا تھا، نصرت کا دل ہولے جا رہا تھا۔ حمدان ایم بی اے کرنے کے بعد ایک سال سے جاب کے لیے جوتیاں چٹخا رہا تھا۔ وہ ہر دوسرے روز اخبار یا کسی جاننے والے سے جاب کا سنتے ہی انٹرویو کے لیے نکل جاتا مگر وائے ری قسمت اس کی قابلیت پر اس کی پہچان حاوی ہو جاتی یا پھر وہ کوئی اور سفارش نہ ہونے پر ناکام رہ جاتا۔ یہ نہ تھا کہ اسے اپنی پہچان سے نفرت تھی اور وہ اس سے پیچھا چھڑوانا چاہتا تھا بلکہ وہ بے حد خود دار نوجوان تھا۔ وہ اپنی قابلیت و صلاحیتوں کا لوہا منوانا چاہتا تھا اگر اسے سفارش سے جاب کرنا ہوتی تو وہ قیصر علی ٹریڈرز کی کوئی بھی بہترین پوسٹ سنبھال لیتا۔ اسے تو قیر ماموں کئی بار اپنی فرم میں اس کی خودداری کو ٹھیس پہنچائے بغیر اچھی تنخواہ کی آفر کے ساتھ جاب کی پیشکش کر چکے تھے جو کہ نصرت کو نامناسب لگا تھا۔ توقیر بھائی نے ہمیشہ ان کا ساتھ دیا تھا۔ حمدان بغیر تنخواہ کے ماموں کے بزنس کو فروغ دیتا تو انہیں بالکل اعتراض نہ ہوتا۔

حمدان اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کے لیے بھرپور جدوجہد کر رہا تھا اور اپنے بہتر مستقبل کے لیے کسی اچھی جاب کی تلاش میں تھا لیکن ابھی تک قسمت نے یاوری نہیں کی تھی۔ توقیر صاحب نے بھی بھانجے کی خودداری بھانپ کر اس پر اپنی فرم میں جاب کرنے کے لیے مزید کسی قسم کا دباؤ نہ ڈالا اور نہ ہی اسے دوبارہ جاب آفر کی تھی بلکہ وہ اس کی خودداری پر خوش تھے اور انہیں مکمل یقین تھا کہ حمدان اپنے شاندار اکیڈمک ریکارڈ اور قابلیت کے بل بوتے پر جلد ہی کوئی جاب ڈھونڈ لے گا۔ اب سات بجنے والے تھے، نصرت نے دل میں بیٹے کی عافیت کی دعا مانگی۔

''السلام علیکم.....!'' وہ بائیک پورچ میں کھڑی کر کے اندر آیا تو ماں اور بہن کو لاؤنج میں اپنا ہی منتظر پایا۔

''وعلیکم السلام.....'' جاتی گرما کے دن تھے موسم میں ابھی تپش باقی تھی۔ نمرہ فوراً بھائی کے لیے پانی لینے لپکی ماں نے جواباً سلامتی بھیجتے ہوئے بیٹے کے لیے اپنے قریب جگہ بنائی.....وہ ماں کے قریب آ کر بیٹھ گیا۔ اس کے چہرے پر اداسی و تھکن نمایاں تھی۔

''بھیا!'' نمرہ نے سوچوں میں گم خاموش بیٹھے بھائی کی طرف پانی کا گلاس بڑھایا تو وہ ایک سانس میں گلاس خالی کر گیا۔ وہ بے حد افسردہ لگ رہا تھا۔ نمرہ اس سے انٹرویو کے متعلق پوچھنا چاہتی تھی کہ نصرت نے اسے اشارے سے منع کر دیا۔ وہ خاموشی سے پلٹ گئی۔ نصرت بنا کہے جان گئی تھیں کہ وہ ناکام لوٹا ہے۔ وہ اس کے لیے ازحد پریشان تھیں وہ نرمی سے حمدان کے سر کے بال سہلانے لگیں گویا وہ بیٹے کو حوصلہ دے رہی تھیں۔ حمدان کا بوجھل پن کم ہونے لگا اور دل و دماغ پر چھائی کلفت چھٹنے لگی۔ اس نے امید کا نیا جگنو اپنی مٹھی میں مقید کر لیا۔

''نمرہ مجھے وہ میگزین پکڑانا۔'' نمرہ کا کل امپورٹنٹ ٹیسٹ تھا۔ وہ وہیں بیٹھی ہل، ہل کر ٹیسٹ یاد کر رہی تھی۔ حمدان نے اس سے صوفے پر رکھا میگزین مانگا کہ وہ صوفے سے قریب تھی اور اسی نے کچھ دیر قبل میگزین کی ورق گردانی کرنے کے بعد اسے وہاں رکھا تھا۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint

''اچھا بھائی!'' نمرہ نے ٹیسٹ ریوائز کرتے ہوئے سر ہولے سے اثبات میں ہلایا اور ڈیفی نیشن ریوائز کرنے لگی۔ ڈیفی نیشن مختصر تھی۔ وہ اگلے ہی پل اٹھنے کا قصد رکھتی تھی۔

''تم نے نہیں پکڑانا تو مجھے انکار کردو۔ میں خود لے لیتا ہوں.....'' حمدان نے بے حد درشتی اور رکھائی سے کہتے ہوئے اٹھ کر میگزین اٹھالیا۔ نمرہ ہکا بکا اپنی جگہ ساکت رہ گئی۔ وہ ابھی اٹھنے کو تھی کہ حمدان نے خود میگزین اٹھالیا تھا۔

''بھیا میں آپ کو میگزین دینے ہی والی تھی۔'' نمرہ نے فوراً اپنی صفائی پیش کی۔ وہ آج پھر ایک جگہ انٹرویو دے کر آیا تھا اور حسبِ معمول ناکامی ہاتھ آئی تھی۔ اسی لیے وہ خاصا چڑ چڑا ہو رہا تھا۔ وہ ہر لحاظ سے ویٹنسی کی ڈیمانڈ پر پورا اترتا تھا۔ سو وہ اس جاب کے لیے خاصا پُرامید بھی تھا مگر یہاں سفارش غالب آگئی۔ حمدان بہن کی وضاحت سنی ان سنی کرتا ہوا اپنی جھنجلاہٹ اس پر اتار کر میگزین سمیت غصے سے وہاں سے چلا گیا۔ نمرہ نم آنکھوں سے اسے جاتا دیکھتی رہ گئی۔

☆☆☆

''نمرہ..... یار میری شرٹ تو پریس کردو۔'' وہ بھائی کی بلاوجہ خفگی بھری ڈانٹ پر دو روز سے اس سے خفا تھی اور منہ پھلائے اسے مکمل نظر انداز کیے ہوئے تھی۔

حمدان کی بہن میں جان تھی اس سے بہن کی خفگی نہیں سہی جاتی تھی پھر اسے اپنی غلطی کا احساس بھی ہوگیا تھا۔ وہ دل میں نادم تھا۔ اس نے نمرہ کو بلاوجہ ڈانٹا تھا۔ حمدان کو جاب نہ ملنے میں بھلا اس کا کیا قصور تھا۔ وہ بیروزگاری سے تنگ اور جھنجلایا رہتا اور اسی چڑ چڑاہٹ میں اسے بھی ڈانٹ دیا تھا۔

حالانکہ وہ اس کا کام کرنے سے انکاری تو نہ تھی۔ حمدان اپنے کپڑے خود پریس کرنے کا عادی تھا اسے کسی دوسرے کے ہاتھ سے پریس کیے کپڑے پسند نہیں آتے تھے۔ اس نے محض بہن کو منانے کے لیے اس کی منت کی جو دو روز سے اس سے سخت خفا تھی۔

''مما آج میم سحرش نے میرا ٹیسٹ اسپیشلی کلاس میں دکھایا تھا۔'' نمرہ روزانہ کالج سے آکر تمام روداد اماں کو سناتی تھی۔ اس کا ٹیسٹ بہت اچھا ہوا تھا اور آج میم سحرش نے اس کا ٹیسٹ پیٹرن پوری کلاس کو دکھاتے ہوئے اس کی بے حد تعریف اور حوصلہ افزائی کی تھی۔ وہ اپنی تعریف پر بے حد مسرور تھی۔ مگر بھائی سے خفگی بھی نہ بھولی تھی۔ سو اسے یکسر نظر انداز کیے ماں سے مخاطب تھی۔

''نمرہ پلیز میری شرٹ پریس کردو۔'' حمدان نے مصنوعی التجائیہ انداز میں بہن کے سامنے شرٹ لہرائی جو اسے بالکل لفٹ نہیں کروا رہی تھی۔

''مما، میم نے میرا ٹیسٹ فوٹو اسٹیٹ کروا کر پوری کلاس میں ڈسٹری بیوٹ بھی کیا ہے۔'' اس نے ٹیسٹ میں فل مارکس لیے تھے۔ میم کو اس کا ٹیسٹ عام نوٹس سے زیادہ پسند آیا تھا۔ انہوں نے دوسرے اسٹوڈنٹس کو نالج کے لیے نمرہ کا ٹیسٹ ریفر کیا تھا۔ اس نے مما کو بتاتے ہوئے خفگی سے شرٹ پیچھے کی۔ وہ دونوں میں جاری نوک جھوک سے قطعاً ناواقف تھیں ورنہ وہ اپنے لاڈلے کی شان میں گستاخی کسی طور پر بھی برداشت نہیں کرتیں۔ اور نمرہ کی شامت یقینی تھی۔ حمدان کے لبوں پر مسکراہٹ رینگ گئی۔

مما روٹیاں بنانے میں مگن تھیں۔ انہوں نے نمرہ کو شرٹ جھٹکتے نہیں دیکھا۔ وہ سمجھ رہی تھیں کہ شاید نمرہ اپنی باتوں میں بھائی کی بات سنی ان سنی کر رہی ہے۔ ان کا دھیان جلد کھانا تیار کرنے پر تھا کہ نمرہ کو خاصی بھوک لگی ہوئی تھی۔ اور وہ کالج سے آتے ہی ماں کے ساتھ کچن میں موجود تھی۔ حمدان بھی گھر میں تھا۔ وہ کہیں انٹرویو دینے کے لیے نہیں گیا تھا اور نہ ہی اس کا مزید چند روز کہیں انٹرویو کے لیے جانے کا ارادہ تھا۔ وہ چند روز ذہنی یکسوئی سے گزارنا چاہتا تھا تاکہ وہ اپنی طبیعت میں پلتے چڑ چڑے پن اور جھنجلاہٹ پر قابو پا سکے۔

''پھپھو آپ نے کیا پکایا ہے؟'' اسی لمحے لائبہ نے اندر جھانکا۔ گلابی چہرے سے جھانکتا بانکپن نمایاں تھا۔ لانبی ریشمی زلفیں کیچر میں مقید دائیں کندھے پر تھیں۔ گھنی پلکوں کی اٹھتی گرتی چلمن حمدان کا سکون تہ و بالا کر رہی تھیں۔ وہ بہن کو منانا بھول کر دونوں بازو سینے پر باندھے یک ٹک اسے تکنے میں... مگن تھا۔ لائبہ بے صبری سے پھپھو کے جواب کا انتظار کیے بنا دیگچی کا ڈھکن اٹھا کر

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

چیک کرنے لگی۔

''واؤ پھپھو، کچنار گوشت۔'' نمرہ اور حمدان دونوں کی پسندیدہ ڈش تھی۔ انہوں نے بچوں کی پسند کا کھانا بنایا تھا۔ کچنار گوشت دیکھ کر لائبہ کے منہ میں پانی بھر آیا۔ اسے بھی کچنار گوشت بے حد پسند تھا۔ اس کی بھوک کو چار چاند لگ گئے۔ اس نے چٹورے پن سے سالن کی اشتہا انگیز خوشبو اپنے اندر اتارتے ہوئے چٹخارا ابھرا تھا۔

''لائبہ تم بیٹھو، میں تمہیں کھانا دیتی ہوں۔'' ماں نے دال پکائی ہوئی تھی اور اسے دال پسند نہیں تھی۔ اسے زوروں کی بھوک لگی تھی، وہ دال دیکھ کر منہ بناتی یونیفارم چینج کیے بغیر ان کے پورشن میں آ گئی۔ نصرت نے محبت سے بھتیجی کے لیے سالن نکالتے ہوئے کہا تھا۔

''آہ۔'' نمرہ نے بھائی کے انہماک پر اس کے بازو پر زوردار چٹکی کاٹی تھی۔ نتیجتاً اس کے منہ سے کراہ نکل گئی۔ نمرہ نے اس کے ہاتھ سے شرٹ کھینچی اور غراپ سے اندر غائب ہو گئی۔

☆☆☆

''سنہری دھوپ سارے لان میں بکھری تھی۔ سرما کی آمد، آمد تھی۔ پُرحدت دھوپ نہایت بھلی لگ رہی تھی۔ لائبہ اپنے ساتھ نمرہ کو بھی لان میں گھسیٹ لائی تھی۔ کالج میں سالانہ گیمز کا انعقاد ہو رہا تھا۔ دونوں نے کالج سے چھٹی کر لی تھی۔ انہوں نے گھر میں ایگزامز کی تیاری شروع کر دی تھی۔ اینول ایگزامز میں کم عرصہ رہ گیا تھا۔

''نمرہ کینو کھائیں۔'' کمبائن اسٹڈی میں محو چٹوری لائبہ کی نگاہ سامنے درخت پر لگے کینو پر پڑی تو اس کے منہ میں پانی آ گیا۔ وہ دونوں بی ایس سی فائنل کی اسٹوڈنٹس تھیں۔ نمرہ بھائی کی طرح ایگزامز میں شاندار مارکس لیتی تھی۔ جبکہ لائبہ کی اسٹڈی اوسط ہوتی تھی۔ وہ ہر ایگزام بغیر سپلی کے اچھے مارکس سے کلیئر کر لیتی تھی اور اسی پر کافی اتراتی تھی۔

''مردم.....!'' نمرہ کا پڑھنے کا موڈ تھا۔ لائبہ نے اس کا ٹیمپو توڑ دیا تھا۔ اس نے خفگی سے بال پوائنٹ نوٹس پر پٹخا۔

''کیا ہو گیا ہے یار..... اگر تم نہیں چاہتیں ہو تو نہ سہی.....'' لائبہ نے سمٹنے کی مصنوعی ایکٹنگ کرتے ہوئے چہرے پر زمانے بھر کی لاچاری طاری کر لی تھی۔

''اگر بھیا اسے دیکھ لیں تو وہ میرا گلا دبا دیں۔'' نمرہ کی شریر انداز میں سوچتے ہوئے ہنسی چھوٹ گئی۔ وہ ان دونوں کی خاموش محبت کی گواہ و ہمراز تھی۔

''کیا ہوا ہے؟'' لائبہ نے اسے خشمگیں نظروں سے گھورتے ہوئے سامنے دھرے نوٹس اٹھا لیے تھے۔

''کچھ نہیں..... آئی تھنک..... میں بھیا کو بلا لاتی ہوں۔ ہماری ہائیٹ زیادہ نہیں ہے، وہ اتار دیں گے۔'' نمرہ نے بات بدلتے ہوئے شریر و متبسم بظاہر سیریس انداز میں درخت کی اونچائی ناپتے ہوئے اپنی رائے کا اظہار کیا تھا۔

''ہوں.....'' لائبہ کا دل دھڑک اٹھا۔ اس نے.... بے پروائی سے مبہم ہنکارا ابھرتے ہوئے اپنا دھیان نوٹس پر مرکوز کیے رکھا جبکہ دھیان کی تمام سمتیں حمدان کی جانب تھیں۔ وہ بھاگ کر بھائی کو بلا لائی۔ حمدان نے انہیں چند کینو اتار دیے تھے۔

''مجھے بھی دو.....'' لان میں بکھری سنہری دھوپ اور محبوب کی قربت نے اسے مائل کیا اور وہ دونوں کے ساتھ وہیں ٹک گیا۔ نمرہ سے کینو کھانے کے بعد اس نے لائبہ سے کینو چھینا تھا۔

''کھاؤ چٹورے.....'' لائبہ مصنوعی خفگی سے اسے کینو تھماتے ہوئے بولی تھی۔ اس کے حسین چہرے پر بکھرا گلال سنہری پن میں ڈھل چکا تھا۔ نمرہ نے محظوظ نظروں سے کینو کھانے میں مصروف لائبہ اور حمدان کو باری، باری دیکھا..... اس کے دل سے بے ساختہ دونوں کی دائمی خوشیوں کی دعا نکلی تھی۔

☆☆☆

سنہری گرم دھوپ نے کمرے کے سارے کونوں میں ڈیرا جما کر اسے بھرپور انگڑائی لے کر بیدار ہونے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ کچھ دیر کسلمندی سے بیڈ پر دراز رہا اور دھوپ سے بچنے کے لیے منہ پر تکیہ رکھ لیا۔ مگر نیند نے نہ آنا تھا اور نہ ہی آئی۔ نہ جانے کب عالیہ آ کر پردے ہٹا گئی تھیں اس کا اٹھنے کا چنداں موڈ نہ تھا۔

شاہ زیب اٹھ جاؤ بیٹا۔'' عالیہ نے ڈھیٹ بنے بیٹے کو قدرے خفگی سے ڈانٹا تھا۔ اس کا آفس میں پہلا دن

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

تھا۔ حسن صاحب آفس جاتے ہوئے بیگم کو بطورِ خاص بیٹے کو وقت پر آفس بھیجنے کی تاکید کر گئے تھے مگر برخوردار نے گھر پر ہی دس بجا دیے تھے۔

وہ پڑھائی سے فارغ ہو کر اب گھر پر سارا دن ہوتا تھا۔ حسن صاحب کا امپورٹ ایکسپورٹ کا بزنس تھا وہ اسے اپنے ساتھ بزنس میں لگانا چاہتے تھے۔ شاہ زیب بھی بزنس میں انٹرسٹڈ تھا مگر وہ جلد ذمّے داریاں اٹھانے سے گریزاں تھا۔ وہ کچھ عرصہ زندگی انجوائے کرنا چاہتا تھا۔ حسن نے آفس پہنچ کر دوبارہ عالیہ کو کال کر کے بیٹے کو قوت پر آفس بھیجنے کی تاکید کی تھی۔ عالیہ نے بہ آواز بلند اسے پکارا۔

''مما پلیز.....'' وہ ماں کی پکار پر بھی ٹس سے مس نہ ہوا تو انہوں نے آ کر اس کے منہ سے اوپر سے تکیہ کھینچا۔ وہ جھنجلا کر بھنّا اٹھا۔

''شاہ زیب تمہارے پپا کی آفس سے دو بار کال آ چکی ہے اگر تم دس منٹ میں تیار نہ ہوئے تو میں انہیں کال کر دوں گی کہ وہ تمہیں خود آ کر لے جائیں گے۔'' عالیہ بے بس تھیں۔ شاہ زیب دودھ پیتا یا اسکول گوئنگ بچہ نہیں تھا کہ وہ اسے تیار کر کے آفس چھوڑ آتیں۔ وہ شوہر کی بارعب شخصیت سے دبتی تھیں۔ حسن صاحب کوئی ہٹلر ٹائپ شخصیت نہیں تھے پر اُن کی زندگی کے کچھ اصول تھے اور وہ ان اصولوں پر سختی سے کاربند تھے اور ان میں سے ایک اصول وقت کی پابندی بھی تھا۔ عالیہ آخری حربے کے طور پر اسے دھمکاتی، تکیہ بیڈ پر پٹختے ہوئے لوٹ گئیں۔

''کیا مصیبت ہے؟'' ان کا وار خالی نہیں گیا تھا۔ وہ اگلے پل بھنا تا ہوا واش روم میں تھا۔ پپا سے کچھ بعید بھی نہ تھی وہ آفس سے اسے لینے آ جاتے۔ ان سے ڈانٹ الگ پڑتی اور وہ اپنے اسٹاف کے سامنے بے عزت بھی کر دیتے۔ سو بھلائی شرافت سے تیار ہو کر آفس جانے میں ہی تھی۔ کچن کی طرف بڑھتی عالیہ کے چہرے پر دھیمی مسکراہٹ بکھر گئی۔ انہیں شاہ زیب کا ناشتا تیار کرنا تھا۔

☆☆☆

''برخوردار تمہارا موڈ کیوں آف ہے؟'' ڈائننگ ٹیبل کے گرد موجود تینوں نفوس ڈنر میں مشغول تھے۔ شاہ زیب بے دلی سے پلیٹ میں چاول نکالے چمچ ہلا رہا تھا۔ اس کا دھیان کھانے کی طرف نہیں تھا۔ وہ دنیا بھر سے خفا لگ رہا تھا۔ اس کا آفس میں بھی موڈ آف رہا تھا اور نہ ہی اس نے دلجمعی سے کام میں حصہ لیا تھا۔ اس کا آفس میں پہلا دن تھا۔ سو حسن نے درگزر سے کام لیا تھا مگر اب وہ اسے لتاڑے بغیر نہیں رہ سکتے تھے۔ عالیہ بھی بیٹے کا بگڑا موڈ دیکھ کر مصلحتاً خاموشی کا لبادہ اوڑھے ہوئے تھیں۔ شاہ زیب بدتمیز نہیں تھا لیکن وہ نہیں چاہتی تھیں کہ اسے باپ سے ڈانٹ پڑے۔ وہ محبت سے اسے ہینڈل کرنا چاہتی تھیں۔

''پپا، ابھی میری اسٹڈی کمپلیٹ ہوئی نہیں، میں کچھ عرصہ لائف انجوائے کرنا چاہتا ہوں۔'' شاہ زیب نے باپ کی خفگی کی پروا کیے بغیر اپنا مدعا بیان کیا۔ اسے لگا کہ وہ اب بھی خاموش رہا تو پھر کبھی نہیں بول پائے گا۔ وہ ایم بی اے کے ایگزامز کے بعد رزلٹ کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ کچھ عرصہ فری رہنا چاہتا تھا۔ جبکہ حسن صاحب اس کے رزلٹ کا انتظار کیے بغیر اسے اپنے ساتھ بزنس میں لگانا چاہتے تھے۔ شاہ زیب کے لہجے سے خفگی و جھنجلاہٹ مترشح تھی۔ وہ بے حد اکتایا ہوا لگ رہا تھا۔

''بیٹا میں تمہیں ایک کامیاب انسان دیکھنا چاہتا ہوں۔'' حسن سخت گیر باپ نہ تھے اور نہ ہی وہ اولاد پر زور زبردستی کے قائل تھے۔ انہیں زمانے کے بدلتے ڈھنگ سے خوف تھا وہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کی اکلوتی اولاد ناکام زندگی گزارے۔ انہوں نے نرمی بھری محبت سے اسے سمجھایا۔

''پپا میں کہیں بھاگا تو نہیں جا رہا..... آپ کم از کم میرے رزلٹ کا تو ویٹ کر لیں۔'' شاہ زیب خفگی سے گویا ہوا اس کے لہجے سے بغاوت اور بدلحاظی جھلک رہی تھی۔ وہ بدگمان ہوا جا رہا تھا۔ اس کے تمام کلاس فیلوز فری تھے اور اپنی لائف انجوائے کر رہے تھے جبکہ پپا نے اس پر کام اور ذمّے داری کا بار ڈال دیا تھا۔

''شاہ زیب کیا تم بزنس میں انٹرسٹڈ نہیں ہو۔'' وہ جوان اور گرم خون تھا۔ اس کے باغی اور بدگمانی بھرے لہجے نے انہیں خوفزدہ کر دیا تھا اور وہ اپنے فیصلے پر نظرِ ثانی کرنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ انہوں نے بے ساختہ... جھرجھری لیتے ہوئے اپنے ذہن میں امڈتے وہم اور

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

خدشات کو بمشکل کنٹرول کرتے ہوئے لہجہ نارمل رکھا۔

''پپا..... میں نے یہ کب کہا ہے، مجھے بزنس میں انٹرسٹ ہے بس ذرا کچھ عرصہ فری رہ کر لائف انجوائے کرنا چاہتا ہوں۔'' وہ کالج اور یونیورسٹی کی روٹین لائف کے بعد خود کو اب آزاد محسوس کرنے لگا تھا۔ اس نے باپ کے نرم لہجے پر شہہ پا کر اپنا مدعا سمجھانے کی سعی کی۔ عالیہ بدستور خاموش تھیں۔ وہ دونوں کو کھل کر بات کرنے کا موقع دینا چاہتی تھیں۔

''جب تمہیں اپنا بزنس ہی کرنا ہے تو پھر وقت ضائع کرنے کا فائدہ.....''

حسن بیٹے کا پوائنٹ آف ویو سمجھنے سے قاصر تھے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ شاہ زیب فارغ رہ کر کسی غلط صحبت یا بیکار کی سرگرمیوں میں شامل ہو تو وہ اسے کامیاب مستقبل دینا چاہتے تھے ان کے خیال میں فارغ رہ کر سست یا کام چور ہو سکتا تھا جو انہیں کسی قیمت پر گوارا نہیں تھا۔ انہوں نے ساری زندگی محنت اور ذمے داری سے کام کیا تھا اور وہ اپنی اکلوتی اولاد کو بھی ایسا ہی دیکھنا چاہتے تھے۔

''پپا پلیز.....'' وہ باپ کو قائل کرنے میں ناکام رہا تھا وہ خفگی سے کھانا ادھورا چھوڑ کر اٹھ گیا۔

''ارے شاہ زیب..... بیٹا کھانا تو کھا کے جاؤ.....'' عالیہ اپنے کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے شاہ زیب کو پکارتی رہ گئیں مگر وہ نہ رکا..... انہوں نے ناکامی پر شوہر کو دزدیدہ نگاہوں سے دیکھا۔ وہ کسی گہری سوچ میں گم کھانا کھانا بھول چکے تھے۔ عالیہ نے سرد آہ بھری۔ ان کی بھوک بھی ختم ہو گئی تھی۔

☆☆☆

''حسن آپ پریشان نہ ہوں..... وہ ابھی بچہ اور ناسمجھ ہے، میں اسے سمجھا لوں گی۔'' وہ پریشان لگ رہے تھے۔ ڈنر کے بعد کچھ دیر بعد وہ روزانہ اخبار کا مطالعہ کرنے کے عادی تھے وہ خلاف معمول اخبار کا مطالعہ کیے بغیر سونے چلے گئے تو عالیہ نے انہیں نرمی سے تسلی دی۔ انہیں بیٹے کی فکر تھی تو شوہر کی پریشانی بھی ستا رہی تھی۔ حسن روزانہ اخباری خبروں پر ان سے خوب تبصرہ کرتے تھے ان سے شوہر کا یوں چپ چاپ سونا ہضم نہیں ہو رہا تھا۔

''عالیہ..... میں اس کا باپ ہوں دشمن نہیں..... مجھے خدشہ ہے کہ کہیں وہ خالی رہ کر اور بے پروا ہو کر کسی غلط صحبت کا شکار نہ ہو جائے۔'' حسن نے بیوی کی محبت بھری ڈھارس پر اپنے خدشات کا اظہار کیا۔

''آپ بے فکر رہیں..... ہم نے اپنی اکلوتی اولاد کی بہترین پرورش کی ہے وہ ہمیں مایوس نہیں کرے گا۔'' حسن اولاد کے لیے متفکر تھے۔ ان کا تفکر فطری تھا آخر وہ ان کی امیدوں کا واحد سہارا تھا۔ عالیہ نے انہیں دلاسا دیتے ہوئے ان کا کندھا دبایا۔

''تم اسے کہہ دینا، جب اس کا دل چاہے وہ آفس آ جائے۔'' حسن کے خدشات دور ہو گئے۔ عالیہ غلط نہیں کہہ رہی تھیں۔ شاہ زیب سلجھا ہوا، سمجھدار لڑکا تھا۔ انہیں بیٹے پر زبردستی کرنا مناسب نہیں لگا تھا۔ انہوں نے پدرانہ شفقت سے اسے اجازت دے دی تھی۔ انہوں نے بیوی کو تاکید کرتے ہوئے کروٹ بدلی۔ وہ خاصے ہلکے پھلکے ہو گئے تھے۔

☆☆☆

''چھکا، ایک، دو، تین.....'' لائبہ رات جلد سونے کی عادی نہیں تھی۔ اس کا پڑھنے کا قطعاً موڈ نہیں تھا۔ وہ لوڈو اٹھا کر پھپھو کے پورشن میں آ گئی۔ نمرہ حسب توقع اسٹڈی میں محو تھی۔ اس نے آتے ہی نمرہ کے نوٹس اچک کر چھپا دیے اور لوڈو کھول کر بیٹھ گئی۔ نمرہ نے لاکھ احتجاج کیا مگر لائبہ نے اس کی ایک نہ چلنے دی۔ ناچار اسے لائبہ کا ساتھ دینا پڑا۔ ابھی دونوں نے گیم شروع نہیں کی تھی کہ حمدان آن دھمکا۔ نہ جانے اسے کیسے لائبہ کی آمد کی خبر ہو گئی تھی۔ اس نے پہلے کھیلتے ہوئے گیم کا آغاز کیا۔

''اٹس فاؤل..... پہلے میری باری ہے۔'' سوئے اتفاق حمدان کو پہلی باری پر چھکا آ گیا تھا مگر وہ لائبہ ہی کیا جو مان جاتی۔ حمدان چھکے کی خوشی میں گوٹ ہاتھ میں پکڑے خانے گن رہا تھا کہ لائبہ نے اس کی خوشی غارت کرتے ہوئے دہائی دی تھی۔

''لائبہ یہ بے ایمانی ہے۔'' حمدان نے خالصتاً لڑاکا عورتوں کی طرح ہاتھ نچاتے ہوئے باقاعدہ لڑائی کا آغاز کیا۔

''یہ تمہاری غلطی ہے تم نے پہلے باری کا تعین

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

کیوں نہیں کیا تھا، فرسٹ، سیکنڈ اینڈ تھرڈ لائبہ آسانی سے ماننے والوں میں سے نہیں تھی۔ اس نے سارا ملبہ حمدان پر گراتے ہوئے انگلی سے اپنی، نمرہ اور آخر میں اس کی طرف اشارہ کیا۔ مدِ مقابل حمدان تھا وہ اسے ستانے کا موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتی۔ ان دونوں کی محبت ایسی ہی تھی۔ وہ ایک دوسرے کے بغیر رہ بھی نہیں سکتے تھے اور سامنا ہونے پر نوک جھوک بھی شروع کر دیتے تھے اور پھر صلح بھی فوراً کر لیتے۔

''نو، نیور.....'' حمدان کو بھی لڑائی کو طول دینے میں لطف آنے لگا۔ وہ بھی حسبِ عادت اسٹارٹ لے چکا تھا۔

''تمہیں کس نے بلایا تھا۔ ہم دونوں اچھا بھلا کھیلنے لگے تھے۔'' شریر تبسم لبوں پر لیے لائبہ نے اسے جیسے تپایا تھا۔

''ہائیں، ہائیں۔'' حمدان کو اس سے اتنی بدلحاظی و بے مروتی کی قطعاً توقع نہیں تھی۔ وہ مارے تحیر کے پھٹی آنکھوں سے سامنے دیکھتا رہا گیا۔

''چلو اب آ ہی گئے ہو تو ہم کھیل لیتے ہیں۔'' وہ لائبہ کی آنکھوں میں چھپی شرارت بھانپ کر مصنوعی خفگی سے اٹھ کر جانے لگا تو لائبہ نے بے ساختہ اس کا بازو تھام لیا۔ دل بے وجہ سہم کر دھڑکنے لگا تھا۔ لائبہ نے حاتم طائی کی قبر پر لات مارتے ہوئے گویا اس پر احسانِ عظیم کیا۔ وہ خود کو عیاں نہیں کرنا چاہتی تھی، مبادا وہ اٹھ کر چلا جائے۔ نمرہ سے کھیلنا تو اک بہانہ تھا ورنہ وہ اسی کے لیے تو آئی تھی۔ دل نے یک دم محبوب کی سنگت کی چاہ کی تو وہ خود کو نہ روک پائی تھی۔

''ہوں، اوں.....'' حمدان کی محبت بھری معنی خیز نظریں اس پر جم گئیں۔ لائبہ نے سر جھکا کر پہلو بدلا تھا۔ نمرہ نے خواہ مخواہ معنی خیزی سے ہنکارا ابھرا۔ لائبہ کا ہاتھ ہنوز حمدان کے بازو پر ٹکا رہا تھا۔ اس نے گڑبڑا کر اس کا بازو چھوڑ دیا۔ اس کے چہرے پر شرمگیں سی سرخی پھیل گئی تھی۔

''چلو کیا یاد کرو گی، تم پہلی بار لے لو۔'' ماحول خاصا گمبھیر ہو گیا تھا۔ حمدان نے بمشکل اس کے من موہنے چہرے سے نگاہیں ہٹا کر دھیمے لہجے میں کہتے ہوئے ڈبی اور چھکا لائبہ کی طرف بڑھایا۔

''نہیں تم لے لو۔'' لائبہ نے سرگوشی نما لہجے میں انکار کیا۔ اس پر محبت کا پُرکیف فسوں ابھی قائم تھا۔ دل الگ مدھم لے پر دھڑک، دھڑک کر بے حال ہوا جا رہا تھا۔

''تم دونوں چھوڑو..... میں پہل کرتی ہوں۔'' نمرہ نے باری، باری دونوں شوخی سے دیکھتے ہوئے حمدان کے ہاتھ سے ڈبی اور چھکا لے لیا۔

''چھکا، ایک، دو، تین.....'' نمرہ نے ڈبی زور سے ہلاتے ہوئے پانسا لوڈو پر پھینکا۔ اگلے لمحے اس کا خوشی بھرا نعرہ بلند ہوا اور وہ گوٹ چلنے لگی تھی۔ گیم دوبارہ اسٹارٹ ہو گیا۔ محبت کا ماحول پر چھایا فسوں مدھم پڑنے لگا۔ وہ گیم میں بزی ہو گئے تھے۔

☆☆☆

''مما..... آپ پپا سے کہہ دیں..... مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے میں آفس آ جایا کروں گا۔'' شاہ زیب نے خوب ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچا تھا۔ اسے پپا کا فیصلہ صائب لگا تھا۔ وہ اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھا اگر پپا اس کا مستقبل محفوظ کرنا چاہتے تھے تو یہ کوئی غلط بات نہیں تھی۔ شاہ زیب کی یہی خوبی تھی کہ وہ ٹھنڈے دل و دماغ سے فیصلہ کرتا تھا۔ حسن جلد ناشتا کر کے آفس جا چکے تھے۔ وہ فریش ہو کر ڈائننگ ٹیبل پر آیا تو عالیہ نے اسی کے سامنے ناشتا لا کر رکھ دیا۔ تبھی اس نے ماں کو اپنا فیصلہ سنایا۔

''رئیلی بیٹا!'' وہ بے حد خوش ہو گئیں، انہیں اس کے اتنے جلدی اور آسانی سے مان جانے کی قطعاً امید نہ تھی، ان کے لبوں پر مسکراہٹ تھی۔

''بیٹا والدین اولاد کے دشمن نہیں ہوتے ہیں وہ ہمیشہ اپنی اولاد کی بھلائی چاہتے ہیں۔'' وہ سنجیدگی سے ناشتا کر رہا تھا۔ وہ سمجھ نہ سکیں کہ اس نے فیصلہ مجبوری میں کیا ہے یا بخوشی..... کل تک تو وہ لائف انجوائے کرنے کی باتیں کر رہا تھا۔ عالیہ اسے نرمی سے سمجھا کر قائل کرنا چاہتی تھی۔ انہوں نے بیٹے کو جانچتی نظروں سے دیکھتے ہوئے گفتگو کا آغاز کیا۔ وہ نہیں چاہتی تھیں کہ شاہ زیب کسی دباؤ میں آ کر کوئی فیصلہ کرے، آخر کو وہ ان کی اکلوتی اولاد تھا۔

''آف کورس مما.....!'' شاہ زیب نے ناشتا پورا کر کے پلیٹ پیچھے کھسکاتے ہوئے چائے کا کپ لبوں سے لگا لیا۔ دراصل اسے پپا کا پوائنٹ آف ویو سمجھ آ گیا تھا۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

ان کے سوشل سرکل میں اکثریت بگڑے ہوئے رئیس زادوں کی تھی اسی لیے وہ بیٹے کے مستقبل کے لیے فکر مند تھے۔ اسے بگڑنے سے بچانا باپ ہونے کے ناتے ان کی فطری خواہش تھی۔ شاہ زیب نے مسکرا کر ماں کو مطمئن کرتے ہوئے چائے کا گھونٹ بھرا۔ وہ ہلکی پھلکی ہو گئیں کہ انہیں بیٹے پر اپنا فیصلہ نہیں تھوپنا پڑا تھا۔

☆☆☆

سردی زوروں پر تھی۔ سورج نے شکل نہ دکھانے کا پختہ ارادہ کر رکھا تھا۔ دو روز سے دھوپ نہیں نکلی تھی۔ آج بھی سہ پہر تک دھوپ نکلنے کے کوئی آثار نہ تھے۔ ان کے اینول ایگزامز قریب تھے، وہ رضائی میں گھسی اسٹڈی میں محو مونگ پھلیوں سے بھی مکمل انصاف کر رہی تھی کہ دفعتاً اس کا دل پڑھائی سے اچاٹ ہو گیا۔ اس نے کتاب بند کر کے رضائی پرے ہٹائی اور لانگ کوٹ پہن کر ہڈ سر پر جماتے ہوئے دونوں ہاتھوں کو رگڑتی سردی کی شدت کم کرتی... تو قیر ولا سے ملحقہ پورشن میں چلی آئی۔

''لڑکی کبھی تم پڑھ بھی لیا کرو۔'' وہ لان عبور کر کے اندرونی حصے کے داخلی دروازے تک آئی تو اندر سے نکلتے حمدان سے ٹکراتے، ٹکراتے بچی۔ وہ پنک لانگ کوٹ میں سردی سے گلابی پڑتے چہرے سمیت بے حد دلکش و معصوم لگ رہی تھی۔ حمدان نے اسے دلچسپی سے دیکھتے ہوئے چھیڑا۔

''سوری، میں نمرہ نہیں ہوں۔'' اس نے برا مانے بغیر ترنت جواب دیا۔ وہ حقیقتاً نمرہ جتنی پڑھاکو نہ تھی۔ اسی لیے دونوں کے مارکس میں بہت فرق ہوتا تھا۔ نمرہ اس سے زیادہ محنت کرتی تھی تو زائد نمبرز لینا بھی اسی کا حق تھا۔ اسے نمرہ سے حسد ہرگز نہیں تھا۔ اس نے کہیں جانے کے لیے نک سک تیار حمدان پر نگاہ ڈالی۔ وہ دوست کی طرف کام سے جا رہا تھا اور اس کی جلد واپسی ناممکن تھی۔ دلِ ناداں اس کے جانے کے تصور سے ہی اداس ہوا جا رہا تھا۔

''اسی لیے سمجھا رہا ہوں، تم بھی پڑھا کرو.....'' حمدان نے اس کی حاضر جوابی سے بھرپور حظ اٹھاتے ہوئے ٹھہر کر اس کے چہرے پر فرصت سے پُرشوق نگاہیں جما دیں۔

''شاید تم کہیں جا رہے تھے۔'' بجھے دل اس کے جانے کا سوچ کر ہی اداس ہو گیا تھا مگر اس کی گرم پُرشوق نگاہیں سہنا بھی کہاں آسان کام تھا۔ اس نے... کڑبڑا کر بات بنائی۔

''ہوں مگر.....'' حمدان نے مسکراتے ہوئے سر ہلاتے ہوئے دانستہ بات ادھوری چھوڑی۔

''مگر کیا؟'' وہ اس کے سامنے کمزور پڑ کر خود کو عیاں نہیں کرنا چاہتی تھی۔ وہ دونوں محبت کے خاموش بندھن میں بندھے تھے۔ ان میں کبھی لفظی اظہارِ محبت کی نوبت نہیں آئی تھی۔ حمدان نے کبھی لفظاً اظہارِ محبت نہیں کیا تھا تو وہ کیوں صنفِ نازک ہو کر پہل کرتی۔ اس نے لہجہ مضبوط کرتے ہوئے دھڑکتے دل سے استفسار کیا۔

''کچھ نہیں..... میں ضروری کام سے جا رہا ہوں شاید مجھے واپسی پر دیر ہو جائے۔'' حمدان نے سہولت سے بات ٹال دی۔ اس نے دو طرفہ محبت کا یقین ہونے کے باوجود کبھی اظہارِ محبت نہیں کیا تھا۔ وہ مناسب وقت پر اپنے جذبے لائبہ پر عیاں کرنا چاہتا تھا سو وہ بات بدل گیا۔

''تو جاؤ..... روکا کس نے ہے۔'' حمدان نے بات بنائی تو بے نام سی اداسی وجود میں اترنے لگی۔ دل محبوب سے اظہارِ محبت سننے کا متمنی تھا۔ وہ رکھائی سے کہتی واپس مڑ گئی اس کا موڈ سخت آف ہو چکا تھا۔

''ہائیں.....'' حمدان حیرت سے کندھے اچکا کر اسے جاتا دیکھتا رہ پھر وہ بے پروائی سے باہر نکل گیا۔

☆☆☆

کوئی وعدہ نہیں ہم میں
نہ آپس میں بہت باتیں
نہ ملنے میں بہت شوخی
نہ آخر شب منا جاتیں
مگر اک ان کہی سہی ہے
جو ہم دونوں سمجھتے ہیں
عجب اک سرخوشی سی ہے
جو ہم دونوں سمجھتے ہیں
یہ سارے دلربا منظر
طلسمی چاندنی راتیں
سنہری دھوپ کے موسم

Waqar Azeem
Pakistanipoint.Com

یا ہلکی سکھ کی برساتیں
کبھی اِک ضد میں رہتے ہیں
مجھے پیہم یہ کہتے ہیں
محبت یوں نہیں اچھی
محبت یوں نہیں اچھی

وہ بھاگتی ہوئی آ کر اوندھے منہ بیڈ پر گر گئی۔ دل بے حد اداس تھا اک بے نام سی بے چینی جسم و جان میں پیوست ہوئی جا رہی تھی۔ وہ حمدان کو بے حد چاہتی تھی دل کو بھی دو طرفہ محبت کا یقین تھا اسی لیے اس نے کبھی اس سے اظہار محبت سننے کی شدید چاہ نہیں کی تھی۔

حمدان سلجھا ہوا دھیمے مزاج کا بندہ تھا۔ لائبہ کو اس کا ہر روپ بھاتا تھا، وہ اپنے بڑوں کے فیصلے سے آگاہ تھی۔ اس کے خیال میں اظہارِ محبت نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا آخر وہ صرف اسی کا تو تھا۔ گو حمدان نے کبھی زبان سے اقرار محبت نہ کیا تھا مگر ہر بار سامنا ہونے پر اس کی نگاہوں کی بڑھتی چمک محبت کی گواہی تھی۔ وہ اس سے اکثر لایعنی گفتگو کرتا اس کا ہر انداز اظہارِ محبت کا اعلان کرتا۔ وہ حمدان کی فطرت سے واقف تھی سو اس نے کبھی اظہارِ محبت کی ضرورت نہ محسوس کی تھی اس کے لیے تو حمدان کی خاموش محبت ہی زادِ راہ تھی۔

''تم بہت برے ہو حمدان۔'' وہ لڑکی تھی سو وہ لاکھ چاہ کر بھی فطرت سے روگردانی نہیں کر پا رہی تھی۔ عورت فطرتاً اظہارِ محبت چاہتی ہے، اس سے محبت کا نازک پودا تناور درخت بنتا ہے۔ دل نے پہلی بار حمدان سے اداس ہو کر شکوہ کیا تھا۔ کیا تھا جو وہ محبت کا کوئی ننھا جگنو اس کی ہتھیلی پر رکھ دیتا۔ اس نے سر تکیے پر گرا لیا۔ اسے حمدان کو سمجھنے کا دعویٰ تھا۔ اس کی آنکھ سے نہ جانے کیسے ضبط کا اک آنسو نکل کر گال پر پھیل گیا تھا۔ دل کی بستی پر اداسی کے گھنے بادل چھا گئے تھے۔

☆☆☆

وسیع و عریض آفس میں حسن نے ضروری میٹنگ کے لیے سارا اسٹاف جمع کیا ہوا تھا۔

اسٹاف چہ مگوئیاں اور قیاس آرائیوں میں مصروف تھا کہ حسن صاحب اور شاہ زیب اندر داخل ہوئے تمام اسٹاف خاموش ہو گیا۔ وہ دونوں آہستگی سے چلتے اپنی مخصوص نشستوں پر آ گئے۔

"Dear staff her is my son shahzeb hassan"

انہوں نے حسن کا تعارف ان لوگوں سے کروایا۔

وہ بیٹے سے بے حد خوش تھے۔ اس نے باقاعدگی سے آفس جوائن کر کے دلجمعی سے کام شروع کر دیا تھا۔ انہوں نے بیٹے کو اپنی سیٹ سونپنے کا فیصلہ کیا تھا، وہ بزنس سے الگ نہیں ہو رہے تھے بلکہ وہ بیٹے کے ساتھ رہ کر کام کرنا چاہتے تھے۔ اسے اپنی نگرانی میں بزنس کے تمام اسرار و رموز بتانا چاہتے تھے۔ انہوں نے خصوصاً آگاہ کرنے کے لیے اسٹاف کو اکٹھا کیا تھا۔

''یس سر۔'' وہ سارے اسٹاف کی نگاہوں کا مرکز بنا ہوا تھا۔

''شاہ زیب..... آج سے کمپنی کا چیئرمین ہو گا.....'' حسن نے اعلان کیا۔ وہ بھونچکا رہ گیا، وہ سمجھ رہا تھا کہ پپا نے کسی بزنس میٹنگ کے لیے اسٹاف کو کال کی ہے۔

''سر کیا آپ آفس چھوڑ رہے ہیں؟'' اسٹاف کو بھلا کیا اعتراض ہوتا۔ انہوں نے بخوشی فیصلہ قبول کر لیا۔ منظور صاحب نے مسکراتے ہوئے پوچھا تھا۔ وہ کمپنی کے پرانے اور وفادار ملازمین میں سے تھے۔ انہوں نے شاہ زیب کے ذہن میں پنپتے سوال کو زبان دے ڈالی تھی۔

''نہیں، شاہ زیب ینگ ہے، میں اس کی ہیلپ کروں گا۔'' حسن بیٹے کی الجھن بھانپ چکے تھے۔ وہ تمام تر ذمے داریوں کا سوچ کر ایک دم گھبرا گیا تھا۔ انہوں نے بیٹے کے کندھے پر مضبوطی سے ہاتھ رکھ کر بظاہر منظور صاحب کو جواب دیتے ہوئے اسے اپنے... بھرپور ساتھ کی یقین دہانی کرائی تھی۔

''مبارک ہو سر۔'' آفس میں مبارک سلامت کا شور و غل مچ اٹھا۔ حسن چاہتے تھے کہ شاہ زیب بزنس کی باریکیاں سمجھ لے اگرچہ شاہ زیب ذمے داریوں کے اس بار کے لیے ذہنی طور پر تیار نہیں تھا مگر اسے باپ کا مان بھی نہیں توڑنا تھا سو خود کو سنبھالتا سر ہلا کر سب کی مبارک باد کا جواب دینے لگا تھا۔

☆☆☆

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

"کہاں تھیں تم اتنے روز سے؟" موسم نے اپنا چولا بدل کر خنکی کی جگہ حدت اوڑھ لی تھی گو حدت نہیں لگتی تھی مگر خنکی غائب ہو چکی تھی۔ اس کے اینول ایگزامز شروع ہو چکے تھے پیپر دے کر گھر لوٹی تو کام سے باہر جاتے حمدان سے سامنا ہو گیا۔ اس نے دل سے ضد باندھ لی تھی اور پھپھو کے ہاں جانا کم کر دیا تھا۔ دل اپنی وفا اور محبت کی تجدید کے لیے اظہار کا متمنی تھا، وہ دانستہ حمدان سے اقرار محبت سننے کو اس سے گریزاں تھی حمدان کے لہجے میں بے قراری ہی.... بے قراری تھی، اس کی روح تک سرشار ہو گئی۔

"کہیں نہیں..... میں ایگزامز کی تیاری میں بزی تھی۔" لائبہ کندھے اچکا کر بے پروائی سے دانستہ کترا کر گزرنے لگی۔ حمدان نے اس کی غیر حاضری محسوس کی تھی مگر دل کی تمنا کی پیاس نہ بجھی تھی۔

"یار تم نے کوئی فرسٹ ٹائم تو ایگزامز نہیں دیے ہیں جو ہماری طرف آنا ہی چھوڑ دیا۔" وہ اتنی پڑھاکو نہ تھی کہ وہ پڑھائی کے لیے دنیا تج دے۔ حمدان نے نرمی سے استفسار کرتے ہوئے اس کے فرار کی راہ مسدود کر دی تھی۔

"یہ فائنل ایگزامز ہیں۔" لائبہ نے ہوا کے دوش پر اڑتی لٹ کو کانوں کے پیچھے اڑستے ہوئے حمدان کے چہرے پر نگاہ ڈالی تو نظر پلٹنے سے انکاری ہو گئی..... وہ دونوں ہاتھ سینے پر باندھے اسے محبت سے تک رہا تھا۔ وہ جو اس سے اظہار محبت سننے کی متمنی تھی۔ اب وہ خود اقرار محبت کا چلتا پھرتا اشتہار بنی یہ تک فراموش کر بیٹھی تھی کہ وہ اس کے متعلق کیا سوچے گا۔

"لائبہ۔" حمدان نے محظوظ ہوتے ہوئے شرارت سے اس کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ لہرایا۔

"مجھے کام ہے۔" وہ چونکتے ہوئے اپنی وارفتگی پر بلش کر گئی۔ اسے آکورڈ سچویشن کا احساس ہوا تو وہ گھبرا کر کنی کترانے لگی۔ وہ اس سے نگاہیں ملانے سے گریزاں تھی مبادا نظریں دل کا بھید کھول دیں۔ دل الگ تیزی سے دھڑک رہا تھا۔

"آہ....." وہ آگے بڑھی تو کراہ کر رک گئی۔ اس کی نازک کلائی حمدان کے مضبوط ہاتھ میں تھی۔

"لائبہ تمہیں جھوٹ بولنا نہیں آتا۔" لائبہ کی نظریں زبان کا ساتھ نہیں دے رہی تھیں۔ وہ اسے لیے لان میں اپنی مخصوص نشست پر آ گیا۔ فضا میں خوشگواریت گھلی تھی۔ ٹھنڈی ہوا نے خفا کو معطر کر رکھا تھا۔ حمدان اس کے سامنے کھڑا تھا۔ وہ سر جھکا کر اضطراری انداز میں انگلیاں مروڑنے لگی۔ پلکوں کی تیزی سے اٹھتی گرتی چلمن اندرونی خلفشار عیاں کر رہی تھی۔

"لائبہ مجھے اصل بات بتاؤ، کیا ہوا ہے۔" وہ ریڈ کلر کے پرنٹڈ سوٹ میں ملبوس، سرخ پڑتے چہرے سے حمدان کا قرار لوٹ رہی تھی۔ وہ لائبہ کا جھوٹ پکڑ چکا تھا۔ مگر وہ اس کے جھوٹ کی وجہ ...کھوجنے میں ناکام تھا۔

"حمدان تم خود کو کیا سمجھتے ہو؟" وہ خود سے لڑتے، لڑتے تھک کر بری طرح بکھر گئی۔ آنسو بے وجہ آنکھوں سے نکلنے کو بے تاب تھے۔ حمدان کی محبت بھری نظریں، پُرتشویش لہجہ محبت کا عکاس تھا مگر وہ اس کے منہ سے سننا چاہتی تھی۔ عورت کا خمیر وفا سے گندھا ہے اور مرد اظہار محبت سے اس کے دل میں محبت کو مضبوط کرتا ہے۔ حمدان قابل و ذہین تھا مگر اس کا مستقبل محفوظ نہ تھا۔ وہ اظہارِ محبت کے لیے مناسب وقت کا منتظر تھا۔ وہ نوکری کے حصول میں ناکام رہا تھا اور اسے کوئی جھوٹی امید نہیں دلانا چاہتا تھا۔ جبکہ اس کی محبت و توجہ نے لائبہ کی واپسی کے تمام راستے بند کر دیے۔ وہ خود سے بھی خفا لگ رہی تھی۔ حمدان نے چونک کر کھوجتی نظریں اس پر گاڑ دیں اور پھر جیسے رفتہ، رفتہ اس کی الجھن سلجھنے لگی اور اس کی سوچوں کو کنارہ مل گیا۔

"لائبہ میں تمہیں کوئی اذیت نہیں دینا چاہتا۔" حمدان نے پُراضطراب نظریں دور آسمان پر ٹکا دیں۔ اس کی آواز سرگوشی سے بلند نہ تھی۔

"تم مجھے غلط سمجھ رہے ہو حمدان....." لائبہ نے آنسو اپنے اندر اتارتے ہوئے پُراذیت گلہ کیا۔ محبت کا دکھ بھلا اس سے بڑھ کر کیا ہوگا کہ محبوب ہی آپ کو نہ سمجھ سکے۔

"آئی لو یو لائبہ....." حمدان کے لب دھیرے سے پھڑپھڑائے۔ وہ اپنی جگہ ساکت رہ گئی۔ دھیرے، دھیرے اس کی سماعت میں شہد ٹپکا تھا۔ وجود میں خوشگواریت گھلنے لگی۔ دل پر طاری کئی روز کی یاسیت دم دبا

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

کر بھاگ گئی۔ آنکھیں خوشی سے چھلک پڑیں۔

''تم کیا سمجھتی تھیں کہ میں تم سے بے خبر ہوں۔''

حمدان نے محبت سے اسے تکتے ہوئے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ لائبہ کے الفاظ کہیں گم ہوگئے یہ پہلا موقع تھا کہ اس کی بولتی حمدان کے سامنے بالکل بند ہوگئی تھی۔ اس کے چہرے پر حیا کی لالی بکھری تھی۔ فضا میں نغمگی گھلنے لگی تھی۔

☆☆☆

سلمٰی اور قیصر کے دو ہی بچے، توقیر اور نصرت تھے۔ باپ کے وسیع بزنس کو توقیر نے سنبھال کر بامِ عروج پر پہنچا دیا تھا۔ توقیر اور نصرت کی شادیاں دھوم دھام سے ہوئی تھیں۔ قدرت نے توقیر کو لائبہ اور نصرت کو حمدان اور نمرہ سے نوازا تھا۔ وقت خوشیوں کے ہنڈولے میں گزر رہا تھا کہ دفعتاً غم کی آندھی چھا گئی۔ رضا کی روڈ ایکسیڈنٹ میں ڈیتھ ہوگئی اور نصرت بیوہ ہو کر شادی کے چار سال بعد میکے میں آن بسی تھیں۔ قیصر صاحب کی خواہش پر لائبہ اور حمدان کی بچپن میں ہی نسبت طے کردی گئی تھی اور بچوں کو شعور کی منزل طے کرتے ہی آگاہ کردیا تھا۔ وہ دونوں محبت کے رشتے میں بندھے تھے۔ توقیر اور رفعت، حمدان کی تعلیم کی تکمیل کے منتظر تھے۔ توقیر اسے اپنا بزنس سونپنا چاہتے تھے جبکہ وہ جاب میں انٹرسٹڈ تھا۔ وہ بے حد خوددار تھا اسے ماموں سے احسان نہیں لینا تھا۔

توقیر بہن سے بے حد محبت کرتے تھے، وہ بہن کو بزنس اسٹیبلش کرکے دینا چاہتے تھے مگر نصرت نے بیٹے کی خوددار طبیعت کی وجہ سے صاف انکار کردیا۔ وہ بیٹے کی خودداری اور حمیت کو نقصان نہیں پہنچانا چاہتی تھیں۔ حمدان نے دورانِ تعلیم ٹیوشن پڑھا کر اپنی اور بہن کی تعلیم کا بار اٹھایا تھا۔ قیصر صاحب نے جہیز میں بیٹی کو دو دکانیں اور ایک گھر دیا تھا۔ وہ دکانیں اور گھر کرایے پر دے کر میکے آگئیں۔ ان کے گھریلو اخراجات کرایے سے پورے ہوجاتے تھے۔

توقیر اور رفعت بیٹی کو جلد بیاہنا چاہتے تھے مگر حمدان کو بہت ہاتھ پاؤں مارنے کے باوجود نوکری نہیں مل سکی تھی۔ اسے یقین تھا کہ وہ کوئی اچھی جاب ضرور تلاش کرلے گا اور ایسا ہی یقین لائبہ کو بھی تھا۔

☆☆☆

''شاہ زیب تمہیں کوئی لڑکی پسند ہے تو مجھے بتاؤ۔''

وہ باقاعدگی سے آفس میں اپنی ڈیوٹی سرانجام دینے لگا تھا۔ دونوں باپ بیٹا صبح کے گئے شام کو گھر لوٹتے تھے..... عالیہ کو تنہا گھر کی تنہائی ڈستی اور وہ سارا دن بولائی، بولائی پھرتیں۔ شاہ زیب دورانِ تعلیم سہ پہر تک گھر لوٹا آتا تھا اور ماں کو بھرپور کمپنی دیتا تھا مگر اب اس کی واپسی رات کو ہوتی تھی۔ عالیہ کے دماغ میں بہو لانے کا سودا آسمایا۔ انہوں نے اپنے ملنے جلنے والوں میں نگاہ دوڑائی تو انہیں کوئی لڑکی پسند نہیں آئی ناچار انہوں نے بیٹے سے ہی اس کی پسند پوچھ ڈالی تھی۔

''واٹ مما!'' ڈنر کرتے شاہ زیب کو ماں کے غیر متوقع سوال پر زبردست شاک لگا تھا۔

''بیٹا، ہر ماں کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ گھر میں بہو لائے۔'' حسن کو بیوی کی رائے بھائی تھی۔ گھر کا سونا پن بڑھ گیا تھا۔ حسن نے شوخی سے گفتگو میں حصہ لیا۔

''نو مما، ابھی نہیں، آپ دو سال ٹھہر جائیں.....''

شاہ زیب..... سائڈ بزنس شروع کرنا چاہتا تھا اور فی الحال شادی کے موڈ میں ہرگز نہیں تھا۔

''میں آپ کو رات دن کے لیے میڈ رکھ دیتا ہوں۔'' شاہ زیب نے ماننا تھا اور وہ نہ مانا۔ سو اس نے مسئلے کا حل ڈھونڈ نکالا۔

''تم مجھے میڈ رکھ کر دے سکتے ہو، بہو نہیں لا سکتے میرے لیے۔'' وہ برا مان کر خفا ہوگئیں۔ انہیں بیٹے کا مشورہ ایک آنکھ نہ بھایا تھا۔ حسن مسکراتے ہوئے دونوں کی نوک جھوک سے محظوظ ہو رہے تھے۔

''بیٹا ہم تمہیں سائڈ بزنس کرنے سے تو نہیں روک رہے ہیں۔'' حسن اس کی مصروفیت کے بہانے سے بخوبی آگاہ تھے۔ وہ بیوی کے ہم خیال بن گئے۔

''پپا آپ بھی.....'' وہ محاذ پر تنہا رہ گیا تھا۔ مخالف ووٹ زیادہ تھے۔ اس نے بھرپور صدائے احتجاج بلند کی تھی۔

''کیا تم کسی میں انٹرسٹڈ ہو؟'' حسن نے عالیہ کا سوال دُہرایا تھا۔

''نو..... نیور پپا.....'' وہ بری طرح بدکا تھا۔

''مجھے کچھ نہیں پتا..... بس میں تمہارے لیے لڑکی

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

ڈھونڈ لوں گی۔'' عالیہ نے نروٹھے پن سے منہ پھلا کر دونوں ہاتھ اٹھا کر حتمی لہجے میں اعلان کیا۔

''اوکے مما..... ایز یو وش.....'' بالآخر شاہ زیب کو ہتھیار ڈالتے ہی بنی تھی۔

☆☆☆

''ادھر آؤ بیٹا.....'' عالیہ نے اپنی بیسٹ فرینڈ سے کسی اچھی لڑکی کے بارے میں پوچھا تو وہ انہیں لیے اگلے روز ہی تو قیر ولا پہنچ گئیں۔ فائزہ، رفعت کی چھوٹی بہن کی کلاس فیلو تھی۔ اس کا رفعت کے ہاں آنا جانا تھا، وہ نمرہ سے مل چکی تھی۔ فائزہ، عالیہ کو لیے آ گئی..... عالیہ کو نمرہ پہلی ملاقات میں ہی بھائی تھی۔ گوری رنگت، دلکش نقوش، دراز قد نمرہ کسی طور نظر انداز کرنے کے قابل نہیں تھی۔ عالیہ نے محبت سے اپنے قریب اس کے لیے جگہ بنائی تھی۔ ان کی واضح پسندیدگی ڈھکی چھپی نہیں تھی۔ نصرت اور رفعت مطمئن تھیں۔ نصرت نے بیٹی کو اشارہ کیا تو چائے سرو کرتی نروس سی نمرہ، عالیہ کے پہلو میں ٹک گئی۔ اس کے فائنل ایگزامز ہو رہے تھے۔ یہ پہلا موقع تھا سو وہ گھبرا رہی تھی۔

''بہن آپ یہ لیں ناں.....'' عالیہ اس سے چھوٹے، چھوٹے سوالات پوچھ رہی تھیں وہ نروس سی ٹھیک طرح جواب نہیں دے پا رہی تھی۔ اس کی بولڈنیس اور کانفیڈنس اڑنچھو ہو گیا تھا۔ شاید ہر مشرقی لڑکی اس روایتی موقع پر دبوسی بن جاتی ہے اور اس کی ساری بولتی بند ہو جاتی ہے۔ فائزہ نے آتے ہی رفعت سے سارا مدعا بیان کر دیا تھا۔ رفعت انہیں خصوصی پروٹوکول دے رہی تھیں۔ لڑکے کا فیملی بیک گراؤنڈ شاندار تھا۔ رشتہ چھوڑنا سراسر کفرانِ نعمت ہوتا۔ نصرت نے بیٹی کی مشکل آسان کرتے ہوئے عالیہ کی سمت چکن رولز کی پلیٹ ان کی جانب بڑھائی۔

''شاہ زیب میری اکلوتی اولاد ہے۔ وہ ایم بی اے کرنے کے بعد بزنس کر رہا ہے۔ میں اس کی جلد شادی کرنا چاہتی ہوں۔'' عالیہ نے محبت چھلکاتی نظروں سے نمرہ کو دیکھتے ہوئے نصرت کو بتایا تھا۔ عالیہ کی واضح پسندیدگی نے نصرت کے چہرے پر آسودہ مسکراہٹ بکھیر دی تھی۔ وہ اولاد کے فرض سے جلد سبکدوش ہونا چاہتی تھیں۔ اور نمرہ کے ایگزامز ختم ہونے کی منتظر تھیں تاکہ وہ تو قیر سے اس موضوع پر بات کر سکیں۔ قدرت نے ان کی بہت جلد سن لی تھی ان کا رواں، رواں سجدۂ شکر بجا لا رہا تھا۔ وہ بیٹی کو اٹھنے کا اشارہ کر کے عالیہ کی باتیں توجہ سے سننے لگیں۔ وہ ماں کا اشارہ پا کر اٹھ گئی۔

''آپ بھی ہماری طرف چکر لگائیں۔'' دونوں طرف سے ضروری معلومات و تعارف کا تبادلہ ہوا تھا۔ عالیہ نے اٹھنے کا قصد کرتے ہوئے فائزہ کو اشارہ کیا۔ وہ نصرت کو دعوت دینے لگیں۔

''جی ضرور..... ہم گھر میں مشورہ کر کے آپ کو آگاہ کر دیں گے۔'' رفعت نے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے خوش دلی کا مظاہرہ کیا۔ دونوں نند بھاوج میں خاصی بے تکلفی تھی۔ عالیہ کے ہر انداز سے پسندیدگی جھلک رہی تھی تو نصرت کے ہر انداز سے اطمینان اور آسودگی، رفعت اور نصرت انہیں رخصت کرنے گیٹ تک آئی تھیں۔ انہیں بھی رشتہ بھایا تھا۔ انہوں نے رسماً مہلت مانگ لی تھی۔

☆☆☆

''اوہو.....'' وہ دونوں کچن میں موجود تھیں۔ لائبہ اسے مہمانوں کے لیے لوازمات تھما کر اندر بھیج کر کچن میں آ گئی تھی۔ اوپن کچن میں ڈرائنگ روم سے آوازیں صاف سنائی دیتی تھیں۔ سارا دھیان ڈرائنگ روم کی طرف تھا۔ نمرہ گلگوں چہرہ لیے دھڑکتے دل سے کچن میں آئی تو اس کا چہرہ الگ داستان سنا رہا تھا۔ لائبہ شوخ و شریر مسکان چہرے پر سجائے اسے کن انکھیوں سے دیکھنے لگی اور وہ بظاہر مصروف نظر آنے کی۔ اداکاری کر رہی تھی۔

لائبہ بھی اپنے نام کی ایک ہی تھی۔ نمرہ لاکھ خود کو چھپاتی مگر وہ بھی لائبہ تھی۔ اس کی رگ، رگ سے واقف اور دل کا ہر بھید بنا کہے جان لینے والی۔ زندگی میں ایک ایسا دوست و ہمراز ضرور ہونا چاہیے جو بنا کہے ہمارا ہر دکھ اور ہمارے آنسوؤں کے رنگ میں دکھ اور سکھ کو بہ آسانی بوجھ لے۔

نمرہ کو اس کی دوستی پر فخر تھا۔ لائبہ نے کیبنٹ کھنگالتی نمرہ کو نرمی سے کہنی مار کر متوجہ کیا تھا۔ دونوں کی نظریں ملیں اور اگلے پل ان کی ہنسی چھوٹ گئی۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

"بہت مبارک ہو نمرہ....." لائبہ مارے جوش کے شرمائی لجائی نمرہ کے گلے لگ گئی۔ نمرہ کا دل اِک نئے رشتے کے تصور پر عجب لے پر دھڑک اٹھا تھا۔

☆☆☆

"حسن لمیٹڈ میرے شناساؤں میں سے ہیں۔ شاہ زیب کافی سلجھا ہوا اور وجیہہ نوجوان ہے۔" توقیر آفس سے لوٹے تو بیوی کے پاس ان کے لیے ایک خوشخبری تھی۔ وہ حسبِ معمول ڈنر کے بعد ٹی وی پر سیاسی مباحثہ سننے میں محو تھے کہ رفعت نے گفتگو کا آغاز کیا۔ توقیر جوشیلے انداز میں خوشی سے کھل اٹھے۔ رشتہ دیکھا بھالا اور ہم پلہ خاندان سے تھا۔ انہیں زیادہ چھان بین کی ضرورت بھی نہیں تھی۔

"توقیر وہ جلد شادی کے خواہاں ہیں۔" رفعت کے چہرے پر بتاتے ہوئے تذبذب کا رنگ پھیلا تھا۔ جسے وہ بھانپ نہ پائے تھے۔

"تو ہم کردیں گے۔ بھلا اس میں کیا مسئلہ ہے۔" توقیر نے بلا توقف جواب دیا۔ ان کا سب کچھ نصرت اور اس کے بچوں کا تھا۔ انہوں نے نمرہ اور لائبہ میں کبھی کوئی فرق روا نہ رکھا تھا۔

"توقیر....." رفعت ہنوز متذبذب تھیں ان کے چہرے پر خوشی کے رنگ ماند پڑ چکے تھے۔ انہیں لائبہ کی فکر لگ گئی تھی۔

"رفعت تم کھل کر بات کرو....." بالآخر انہوں نے اپنی شریکِ حیات کا تذبذب جان لیا تھا۔ ان کے چہرے کا رنگ پھیکا تھا وہ متعجب ہوگئے۔

"توقیر، لائبہ، میرا مطلب ہے کہ....." رفعت صاف گو اور اچھے دل کی مالک تھیں۔ وہ حاسد نہ تھیں۔ وہ نمرہ سے جیلس نہ تھیں انہیں فطری طور پر ماں ہونے کے ناتے لائبہ کا خیال ستانے لگا تھا۔ حمدان کا مستقبل غیر محفوظ تھا۔ رفعت کی شوہر سے نظر ملی تو انہوں نے گھبرا کر بات ادھوری چھوڑ دی۔ مبادا وہ ان کی نیت پر شک کرنے لگیں۔

"رفعت تم بات مکمل کرو۔" توقیر نے ٹی وی آف کرکے نرمی سے ان کی طرف متوجہ ہوئے۔

"ہم کب تک لائبہ کو بٹھا کر رکھیں گے۔ آپ زور دے کر حمدان کو بزنس میں شامل کریں، وہ اتنا قابل ہو کر نوکری کے لیے جوتیاں چٹخا رہا ہے۔" انہوں نے شوہر کی شہہ پا کر صاف گوئی کا بے دردی سے مظاہرہ کیا۔ انہیں اس پل لائبہ کی خوشیوں کا بھی خیال نہیں آیا تھا۔

"رفعت۔" توقیر کو ان سے اس بات کی توقع نہ تھی وہ نہ جانے کیا سوچے بیٹھی تھیں۔

"تم لائبہ کی خوشیاں بھول رہی ہو۔" وہ بیوی کے دل کی بات پا گئے تھے۔ انہوں نے دبے غصے سے انہیں لتاڑا تھا۔

"میں اس کی ماں ہوں..... والدین اولاد کی نادانی پر اسے ٹوکتے ہیں اور ان کا محفوظ مستقبل بناتے ہیں۔" رفعت انتہا کی حقیقت پسندی سے کام لے رہی تھیں۔ حمدان ٹیوشنز چھوڑ کر نوکری کی تلاش میں سرگرداں تھا مگر ہنوز ناکام تھا وہ خود قائل ہونے کے بجائے شوہر کو قائل کرنے لگیں۔ لائبہ لاکھوں میں ایک تھی اسے بھی کوئی نہ کوئی بہترین رشتہ مل جاتا۔

"رفعت....." توقیر غصے سے دہاڑے۔ وہ باپ ہو کر بیٹی کی پسند سے واقف تھے تو یہ کیسے ممکن تھا کہ رفعت ماں ہو کر انجان ہوتیں۔

"توقیر..... میں نمرہ کی شادی تک انتظار کرلیتی ہوں مگر پھر آپ کو کچھ سوچنا پڑے گا۔" رفعت بیٹی کی ڈھلتی عمر کے تصور سے ہراساں تھیں..... انہوں نے شوہر کے غصے سے دبتے ہوئے آہستگی سے انہیں وارن کیا۔ رفعت سونے کے لیے لیٹیں تو توقیر بھی لائٹ آف کرکے لیٹ گئے۔ جبکہ ان دونوں سے مشورے کے لیے آتی نصرت بوجھل دل لیے پلٹ گئیں۔

☆☆☆

"حمدان مجھے تم سے بات کرنی ہے بیٹا۔" وہ انٹرویو دے کر لوٹا تو تھکاوٹ سے چُور بنا کھانا کھائے ہی آتے ہی سو گیا۔ وہ فریش ہو کر لان میں آیا تو مما پودوں کو پانی دے رہی تھیں۔ غالباً مالی چھٹی پر تھا۔ وہ لان میں رکھی چیئر پر بیٹھا تو نصرت کام ختم کرکے اس کے سامنے آبیٹھیں۔ وہ دو روز سے سخت کشمکش میں تھیں۔ وہ حقیقت پسند تھیں، توقیر بھائی ان کی محبت میں جذباتی پن سے کام

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

لے رہے تھے مگر بھاوج کی تشویش بے جا نہ تھی۔ ان کی جگہ ہوتیں تو شاید وہ بھی ایسا ہی سوچتیں۔

''جی مما۔'' موسم بے حد بھلا تھا۔ پتوں کی نوک پر موتیوں جیسے قطرے اچھے لگ رہے تھے۔ حمدان نے ہاتھ بڑھا کر ایک پتا توڑ لیا۔

''حمدان میں تمہارے لیے فکر مند ہوں بیٹا۔'' عالیہ کا دوبار فون آچکا تھا۔ وہ انہیں اپنے ہاں بلا رہی تھیں جبکہ نصرت کشمکش میں ٹال مٹول سے کام لے رہی تھیں۔ انہوں نے دوٹوک گفتگو کا آغاز کیا۔

''کیا مطلب مما؟'' وہ ناسمجھی سے ماں کو تکنے لگا۔

''حمدان تم بے روزگار ہو، ہم لائبہ کو کب تک بٹھا کر رکھیں گے۔'' نصرت نے دانستہ بیٹے سے نظریں چراتے ہوئے صاف بات کی۔ وہ سناٹے میں رہ گیا۔ سفارش و رشوت ہمارے معاشرے کا ناسور بن چکے ہیں۔ سو وہ لاکھ سر پٹخنے پر بھی بے روزگار تھا اور نہ جانے کب تک وہ یونہی رہتا۔ اسے ماموں پر بار نہیں بننا تھا۔ وہ اپنے زورِ بازو سے خود کو منوانا چاہتا تھا۔

''مما میں صرف جاب کرنا چاہتا ہوں۔'' حمدان نے کمزور لہجے میں انہیں باور کرایا۔ اس کے وجود کی مضبوط عمارت میں یقین پہلی بار متزلزل ہوا تھا۔

''بیٹا میں لائبہ کو زیادہ عرصہ بٹھائے رکھنے کے حق میں نہیں ہوں۔'' حمدان کا چہرہ دکھ و اذیت سے پُر تھا۔ وہ چاہ کر بھی بیٹے سے صاف بات نہ کر سکیں۔ وہ اس کی پسند سے آگاہ تھیں اور اسے دکھی نہیں دیکھ سکتی تھیں۔

''مما میں آپ کو اور ماموں کو پریشان نہیں کرنا چاہتا ہوں۔ آپ میری کامیابی کے لیے بس دعا کیا کریں۔'' دونوں کے بیچ بوجھل خاموشی در آئی تھی۔ حمدان نے محبت سے ماں کے ہاتھ تھام کر انہیں مطمئن کرنے کی سعی کی۔ وہ پریشان تھیں اور اس سے اپنی پریشانی چھپا بھی رہی تھیں۔ نصرت کی عادت تھی کہ جب انہیں کوئی بات چھپانا ہوتی تو وہ لاکھ کریدنے پر بھی نہ بتاتیں۔ سو اُن سے بحث بیکار تھی۔

''اللہ میرے بچے کو ہر قدم پر کامیاب کرے۔'' نصرت نے اپنی تشویش چھپاتے ہوئے محبت سے اس کی پیشانی چوم کر دل سے اسے دعا دی۔ حمدان کے چہرے پر بھی نرم و پُرسکون مسکراہٹ بکھر گئی۔

☆☆☆

''لائبہ میرے کوئی لمبے چوڑے خواب نہیں ہیں۔ مجھے کوئی اچھی سی جاب کی تلاش ہے۔ مگر ہمارے کلچر میں رشوت و سفارش سرایت کر چکے ہیں۔ میں خود کو اپنے زورِ بازو پر منوانا چاہتا ہوں۔'' آج ملنے موقع پر وہ لائبہ کے سامنے بیٹھا دل کی بات کر رہا تھا۔ وہ چند روز سے الجھا، الجھا رہنے لگا تھا گو مما نے اسے دوبارہ کچھ نہیں کہا تھا مگر وہ لائبہ کے لیے بے حد پوزیسو تھا وہ اس موضوع پر کوئی بات کرنا ہی نہیں چاہتا تھا۔ دل صرف لائبہ کی ہمراہی و سنگت کا متمنی تھا۔ وہ اس سے اب تک ایگزامز کی وجہ سے کھل کر بات نہیں کر پایا تھا۔ اسی لیے وہ اس کے ایگزامز سے فارغ ہوتے ہی کالج سے پک کر کے نزدیکی آئس کریم پارلر لے کر آ گیا تھا۔ آج اتفاق سے موقع مل گیا تھا۔

''لائبہ تم میرا ویٹ کرو گی ناں.....'' محبت کا وصف ہے یہ ہر قدم اور ہر موڑ پر اظہارِ محبت اور تجدید وفا چاہتی ہے۔ حمدان کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیسے لائبہ سے تجدید وفا مانگے۔ کوئی یقین، کوئی ایسی آس کہ اس کے بے قرار و بے سکون دل کو چین آ جائے اور اس کے دل و دماغ میں کئی روز سے پلتے خدشات بھک سے اڑ جائیں اس کے دن کا سکون اور رات کی نیند لوٹ آئے۔ حمدان نے ٹیبل پر رکھے لائبہ کے ہاتھ آس و نراس میں گھر کر تھامتے ہوئے استفسار کیا۔ حمدان کے ہاتھوں میں مقید لائبہ کے نازک ہاتھ ساکن رہ گئے۔ وقت کی گردش تھم گئی اور دونوں کے بیچ بوجھل خاموشی حائل ہو گئی۔

''حمدان..... میں اپنی آخری سانس تک تمہارا ساتھ دوں گی۔'' لائبہ کی خاموشی طول پکڑنے لگی تو حمدان پر یاسیت طاری ہونے لگی۔ لائبہ نے اس کی بجھتی مایوس آنکھوں میں جھانک کر اسے مژدہ زندگی سنایا۔

''تھینک یو سو مچ لائبہ..... میں تمہیں زندگی کے کسی موڑ پر کبھی مایوس نہیں کروں گا۔'' حمدان کے چہرے پر سرشاری چھا گئی۔ لائبہ نے اس پر اعتماد کیا تھا۔ وہ کبھی اس کا اعتماد نہیں توڑنا چاہتا تھا۔ اس نے محبت سے لائبہ کے ہاتھوں پر اپنے ہاتھوں کا دباؤ ڈالا۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

''ایکسکیوز می سر.....'' ویٹر آرڈر لیے حاضر تھا اس نے آہستگی سے حمدان کو مخاطب کیا۔ وہ دونوں چونک کر خجل ہوگئے حمدان نے فوراً اس کے ہاتھ چھوڑ دیے۔ لائبہ نے ہاتھ ٹیبل سے کھسکانے میں دیر نہ کی۔ ویٹر چہرے پر ذومعنی مسکراہٹ لیے انہیں آرڈر سرو کرنے لگا۔ دونوں نے اس کے جانے کے بعد اپنے، اپنے کپ سامنے کھسکا کر سر جھکا لیے تھے۔

☆☆☆

''الٰہی میرے بچے کو زندگی کے ہر موڑ پر کامیابی عطا کر کے مدد فرما۔ اسے کبھی کوئی دکھ نہ سہنا پڑے۔'' نصرت نماز کے بعد دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے بارگاہ الٰہی میں ملتجی تھیں۔ رضا نے انہیں آسودہ زندگی دی تھی۔ وہ والدین کی لاڈلی بیٹی تھیں تو رضا کی چہیتی بیوی..... وقت نے پلٹا کھایا تو وہ بچوں سمیت میکے آن بسیں۔ انہوں نے کبھی بچوں کو کوئی کمی نہیں آنے دی تھی۔ ابا جی نے لاشعوری طور پر بیٹی کا مستقبل محفوظ کرنے کے لیے حمدان اور لائبہ کا بچپن میں رشتہ طے کر دیا تھا۔ جو سب کو بخوشی قبول تھا۔ وہ بیٹی کو بدحالی سے بچانا چاہتے تھے۔ ابا جی نے ان پر دوسری شادی کے لیے بے حد دباؤ ڈالا مگر وہ نہ مانیں تو ابا جی نے بھی ان کا بھرپور ساتھ دیا۔ وہ نصرت کا ہر ماہ کا کرایہ اس کے اکاؤنٹ میں جمع کرواتے تھے۔ وہ اب بچوں کی خوشیوں کو دیکھنا چاہتی تھیں۔

☆☆☆

''میرا خیال ہے کہ شادی کے لیے چاند کی پہلی مناسب رہے گی۔'' نصرت کے ہاں کرتے ہی وہ لوگ چند قریبی لوگوں کی موجودگی میں رسم منگنی کر گئے، وہ جلد شادی کے خواہاں تھے۔ حسن کا دوبار فون آچکا تھا۔ توقیر نے نصرت کو بلوا کر رائے مانگی۔ رفعت بے دلی سے بیٹھی ساگ کاٹ رہی تھیں ان کی دلچسپی مفقود تھی گویا وہ ادھر نہ تھیں۔

''اتنی جلدی بھائی۔'' پہلی تو تین ہفتے بعد تھی نصرت کے سنتے ہی ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ انہوں نے تو جہیز کے نام پر بیٹی کے لیے ایک رنگ تک نہ بنائی تھی۔ رفعت کے بھی کان کھڑے ہوئے اور وہ دلچسپی لینے پر مجبور ہوگئیں۔

''نصرت بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے۔ اتنی جلدی کا ہے کی.....'' کچھ بھی سہی انہیں نمرہ، لائبہ سے کم عزیز نہ تھی۔ وہ دونوں کی یکساں شاپنگ کرتی تھیں۔ اگرچہ آج کل ہر چیز ریڈ میڈ بن جاتی ہے مگر تین ہفتوں میں تو بے حد مشکل تھا۔ رفعت نے نند کی تاکید کی وہ دونوں مل کر شاپنگ کرتیں تو اتنی قلیل مدت میں بے حد مشکل تھا۔ نصرت نے زور شور سے تائید اً سر ہلایا۔

''آپ انہیں دو ماہ کا کہہ دیں۔'' نصرت نے سوچ کر بھائی کو مشورہ دیا۔

''دو ماہ۔'' توقیر نے پُرسوچ انداز میں ٹھوڑی رگڑی۔ انہیں ناممکن لگ رہا تھا۔ عالیہ اور حسن کا بس چلتا تو وہ کل ہی بارات لے آتے۔

''مجھے مشکل لگ رہا ہے۔'' توقیر کو وہم تھا کہ لڑکے والے نہیں مانیں گے، ان کی پُرتفکر گہری سوچ میں ڈوبی آواز ابھری۔

''کوئی مشکل وشکل نہیں ہے..... آپ اللہ کا نام لے کر بات تو کر کے دیکھیں۔'' رفعت نے شوہر کو دلاسا دیا..... وہ ساگ کا ٹنا بھول کر شریک گفتگو ہوگئیں۔

''اور اگر وہ نہ مانے تو.....'' توقیر قائل نہیں ہو پا رہے تھے انہیں اتنا بہترین رشتہ ہاتھ سے چھوٹتا لگ رہا تھا۔ نمرہ کو مختصر سسرال ملنا تھا اور ساس بھی نمرہ کی دیوانی تھیں وہ یقیناً سسرال میں راج کرتی، ان کے لہجے میں خدشات بول رہے تھے۔

''توقیر ہم لڑکی والے ہیں اب اسے خالی ہاتھ تو نہیں رخصت کر سکتے۔ اگر ہماری نمرہ کا نصیب اُدھر ہے تو وہ ضرور مانیں گے..... اگر اس کا نصیب نہیں ہے تو اللہ اس سے بھی بہتر سبب پیدا کر دے گا۔'' رفعت نے جہیز کی موٹی، موٹی اور چیدہ، چیدہ اشیا کا سوچا تو وہ ہول اٹھیں۔ لڑکے والے ہتھیلی پر سرسوں جمانے کو تھے جبکہ وہ خالی ہاتھ تھے۔ اتنی جلد شادی کی مکمل تیاری ناممکن تھی، رفعت نے رسانیت سے شوہر کو سمجھایا۔

''بھائی، آپ حسن بھائی سے بات تو کر کے دیکھیں۔'' حسن، شادی کی تاریخ کے لیے فون کر رہے تھے۔ نصرت کو توقیر کا فون کرنا مناسب لگا۔ وہ خود عالیہ سے رابطہ نہیں کرنا چاہتی تھیں۔ نصرت نے بھی ان کی

Iqbal Azeem
Pakistanipoint.com

ہمت بندھائی انہیں رفعت کی بات معقول لگی تھی۔

''ہیلو.....'' توقیر نے اسی وقت حسن کا نمبر ملا کر ان سے مدعا بیان کر ڈالا۔

''توقیر بھائی..... آپ ٹینشن نہ لیں..... ہمارے پاس اللہ کا دیا سب کچھ ہے۔'' حسن نے نرمی سے انہیں جواب دیا۔ عالیہ ان کے پاس بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی تھیں۔ انہوں نے حسن کا نمبر دیکھ کر فون کا اسپیکر آن کر لیا تھا۔ وہ دونوں طرف کی گفتگو سن رہی تھیں ان کا منہ ''دو ماہ'' سن کر لٹک گیا تھا۔

''آپ کی بات درست ہے مگر ہمیں ضروری تیاری تو کرنی ہے۔'' توقیر کو بیوی اور بہن کی بات میں وزن لگا تھا۔ اگر نمرہ اور شاہ زیب کا جوڑ مقدر میں تھا تو وہ بن کر رہنا تھا۔ توقیر نے جواباً رسانیت سے انہیں مخاطب کیا۔

''آپ دس منٹ ویٹ کریں..... میں آپ کو کال بیک کرتا ہوں۔'' عالیہ بجھا چہرہ لیے بیٹھی تھیں حسن کو ان سے مشورہ کرنا مناسب لگا تو انہوں نے فون بند کر دیا۔

''ٹھیک ہے ہیں ویٹ کرتا ہوں۔'' توقیر نے موبائل بند کر کے ٹیبل پر رکھ دیا۔ توقیر نے دونوں کو ساری بات بتا دی۔ کمرے میں بوجھل خاموشی پھیلی تھی۔ انتظار کی گھڑیاں صدیوں پر بھاری محسوس ہو رہی تھیں۔ تینوں نفوس کی مضطرب نگاہیں بار، بار گھڑی پر اٹھتیں۔

''ہیلو.....'' دس منٹ بعد جونہی بیل ہوئی توقیر نے موبائل آن کر کے کان سے لگا لیا۔ ان کے دل کی دھڑکن غیر معمولی طور پر بڑھ گئی تھی۔

''جی، جی.....'' دوسری طرف حسن بات کر رہے تھے کہ ان کی بات سنجیدگی سے سنتے توقیر کے منہ سے وقفے، وقفے سے یہی لفظ نکل رہا تھا۔

''او کے، اللہ حافظ.....'' توقیر نے فون بند کر کے طویل سانس خارج کی۔ ان کا ذہنی بوجھ اتر گیا تھا۔ وہ دونوں انہی کی طرف ہمہ تن گوش تھیں۔

''وہ مان گئے ہیں۔'' حسن نے بیوی سے مشورہ کیا تو انہوں نے صاف انکار کر دیا تھا۔ حسن ذاتی طور پر توقیر کو جانتے تھے وہ اس رشتے کو چھوڑنے کے حق میں نہیں تھے۔ توقیر کی بزنس ساکھ اچھی تھی وہ اپنی ایمانداری اور اصول پسندی کی وجہ سے مشہور تھے۔ بہ صورتِ دیگر عالیہ کو بہو پسند کرنے میں نہ جانے کتنا وقت لگ جاتا..... دو ماہ کی تو بات تھی وقت گزرنے کا پتا بھی نہ چلتا اور انہیں شادی کی تیاری کے لیے مہلت بھی مل جاتی۔ عالیہ کے دل کو ان کی دوسری بات لگی تھی سو وہ کچھ رد و کد کے بعد مان گئیں۔ توقیر نے متشکر انداز میں چہرے پر دونوں ہاتھ پھیرتے ہوئے انہیں بتایا۔

''یا اللہ تیرا لاکھ، لاکھ شکر ہے۔'' ان دونوں کے منہ سے بیک وقت کلمۂ شکر نکلا تھا۔ نصرت کی آنکھیں تشکر بھرے آنسوؤں سے بھر گئیں۔ ان کے سر سے اک بوجھ سرکا تھا۔

''پگلی.....'' رفعت نے محبت سے انہیں اپنے ساتھ لگا کر نرمی سے ان کے آنسو پونچھے۔ رفعت نند سے جہیز کی لسٹ ڈسکس کرنے لگیں۔ توقیر، خالص زنانہ گفتگو سے اکتا کر اپنے کمرے میں چلے گئے تھے۔

☆☆☆

دو ماہ تیزی سے گزر جانے تھے سو شادی کی تیاری خوب زور و شور سے شروع کر دی گئی تھی۔ رفعت اور نصرت کا ایک پاؤں گھر میں ہوتا تو دوسرا بازار میں..... دونوں دن میں دو، دو چکر بھی لگا لیتیں۔ انہیں حمدان کی کل وقتی ڈرائیونگ خدمات میسر تھیں۔ کبھی، کبھار نمرہ اور لائبہ بھی ساتھ ہو لیتیں۔

بیشتر سامان نمرہ کی پسند سے خریدا جا رہا تھا اس روز انہیں نمرہ کے لیے جیولری پسند کرنے جانا تھا کہ عالیہ کا فون آ گیا۔ وہ ولیمہ اور بارات کے ڈریس اور جیولری پسند کرنے کے لیے نمرہ کو ساتھ لے جانا چاہ رہی تھیں۔ ان کے ہاں رواج تھا کہ دلہن کے دونوں دن کے ڈریس دولہا والے اور دولہا کے دونوں دن کے ڈریس دلہن والے خریدتے تھے۔ نصرت نے ان کے رواج کو بخوشی قبول کیا تھا۔ نمرہ تیار ہو رہی تھی کہ ماما آ گئیں۔

''بیٹا تم تیار ہو جاؤ..... شاہ زیب تمہیں پک کرنے آ رہا ہے۔'' عالیہ نے نمرہ کو اس کی پسند کے ڈریس دلوانے کے لیے بلوایا تھا۔ آخر اسی کو ڈریس پہننا تھے۔ مما نے آتے ہی اسے تاکید کی۔

''جی مما.....'' نمرہ کا دل دھڑک اٹھا۔ مما اسے

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

بتا کر چلی گئیں۔ شاہ زیب ان کے ہاں فرسٹ ٹائم آرہا تھا وہ اس کی تواضع میں کوئی کمی نہیں چھوڑنا چاہتی تھیں۔ نمرہ نے ان کے جاتے ہی وارڈروب کھول لی۔ ہر ڈریس نفیس اور برانڈڈ تھا۔ مگر اسے کوئی پسند نہیں آرہا تھا۔ آخر کار اس کی نگاہِ انتخاب فیروزی، سفید نگوں والے ہلکے کامدار سوٹ پر ٹھہری..... اسی نے سوٹ زیب تن کر کے اپنے لانبے ریشمی بال پشت پر کھلے چھوڑ دیے تھے۔ اور میک اپ کے نام پر ہلکی لپ اسٹک اور آئی لائنر لگالیا۔

شاہ زیب آچکا تھا اور حمدان اور مما کے ساتھ محوِ گفتگو تھا۔ مما تھوڑی دیر بعد اسے لینے آئیں تو وہ آئینے کے سامنے کھڑی اپنا تنقیدی جائزہ لے رہی تھی وہ سادگی میں بھی غضب ڈھا رہی تھی۔ انہوں نے آگے بڑھ کر... بے ساختہ اس کی بلائیں لے ڈالیں اور اسے اپنے ہمراہ لیے آگئیں حمدان سے محوِ گفتگو شاہ زیب کی نگاہ اٹھی تو پلٹنا بھول گئی۔ اس نے زندگی میں پہلی بار سادگی بھرا دل موہ لینے والا حسن دیکھا تھا۔ اسے اپنی قسمت پر رشک آیا۔

''السلام علیکم.....'' اپنی قسمت پر نازاں شاہ زیب کی پُرستائش نظریں اسی پر جمی تھیں۔ وہ آئیڈیلزم کا قائل نہ تھا۔ اس نے شریکِ حیات کا جو تصور کھینچ رکھا تھا... وہ اس پر پورا اتری تھی۔ اسے مما پر بے ساختہ پیار آیا جنہوں نے بیٹے کی پسند کو بھی ملحوظِ خاطر رکھا تھا۔ شرمائی لجائی نمرہ اس کی نگاہوں کے ارتکاز سے گھبرا کر سلام کرتی مما کے پہلو میں آٹکی۔

''وعلیکم السلام.....'' ٹکٹکی باندھے شاہ زیب کو دفعتاً آکورڈ سچویشن کا احساس ہوا تو وہ جواباً سلامتی بھیجتا سنبھل کر بیٹھ گیا۔

''آنٹی مما ویٹ کر رہی ہوں گی۔'' گھر میں کوئی دوسری عورت نہ ہونے پر اس نے مما کا شاپنگ میں بھرپور ساتھ دیا تھا۔ مما نے اسے نمرہ کے لیے پسند کرنے کا کہہ کر قابو کیا ہوا تھا اور وہ خوشدلی سے ان کا ساتھ دے رہا تھا۔ شاہ زیب نے چائے ختم کرتے ہی رخصت چاہی تھی۔

''ماشاء اللہ.....'' وہ دونوں انہیں رخصت کرنے گیٹ تک آئے تھے۔ شاہ زیب نے حمدان سے الوداعی مصافحہ کرنے کے بعد نمرہ کے لیے فرنٹ ڈور کھولا... اور اس کے بیٹھنے کے بعد گھوم کر ڈرائیونگ سیٹ سنبھال کر گاڑی روڈ پر ڈال دی تو نصرت نے دل ہی دل میں ان کی نظر اتاری تھی وہ لمحہ بہ لمحہ دور جاتی گاڑی پر نگاہ جمائے دونوں کی خوشیوں کے لیے دعا گو تھیں۔

☆☆☆

''جی مسٹر حمدان.....'' شہر کے مصروف کمرشل ایریا میں ملٹی نیشنل کمپنی کی مین برانچ میں کمپنی کی اہم پوسٹ کے لیے انٹرویو ہو رہے تھے۔ آفس میں جہازی سائز ٹیبل کے دوسری سمت بورڈ ممبران انٹرویو لینے میں محو تھے۔ وہ اس کی سی وی پر آپس میں ڈسکس کر رہے تھے۔ آفس میں چند لمحوں کے لیے خاموشی پھیل گئی۔ وہ اس کے اکیڈمک ریکارڈ کو بغور دیکھ رہے تھے۔ حمدان کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ چند لمحوں کے جانکسل انتظار کے بعد باوقار شخص نے اسے مخاطب کیا۔

''جی سر!'' حمدان کے پُراعتماد چہرے پر ہلکی گھبراہٹ کا شائبہ تھا۔ وہ کچھ پزل لگ رہا تھا حالانکہ یہ اس کا پہلا انٹرویو نہیں تھا۔ حمدان نے بمشکل تھوک نگلا۔

''کمال ہے حمدان..... یہ تمہارا پہلا انٹرویو نہیں ہے۔'' حمدان نے خود کو گھرکتے ہوئے اعتماد بحال کرنا چاہا تھا اور وہ اگلے لمحے خاصا مختلف اور پُراعتماد لگ رہا تھا۔

''آپ کیسی جاب کی تلاش میں ہیں؟'' باقاعدہ انٹرویو کا آغاز کیا گیا۔

''سر مجھے اچھی اور مناسب جاب چاہیے۔ میری قابلیت کے حساب سے۔'' حمدان نے اعتماد سے مخاطب کی آنکھوں میں جھانکا۔

''ہماری مین برانچ کے منیجر کا ٹرانسفر ہو گیا ہے۔ کیا آپ منیجر کی پوسٹ سنبھال سکتے ہیں۔'' قریشی صاحب اس سے خاصے مرعوب ہوئے تھے۔ انہوں نے نرمی سے مسکرا کر استفسار کیا تھا۔

''یس سر..... میں آپ کو مایوس نہیں کروں گا۔'' ایک دم اتنا بڑا عہدہ ملے جانے پر وہ خوشی سے معمور تھا۔ حمدان نے سابقہ اعتماد سے ان کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے جواب دیا۔

''ہوں.....'' قریشی صاحب سر ہلاتے ہوئے پُرسوچ

Waqar Azeem Pakistanipoint

ہنکارا بھر کر اپنے ساتھیوں سے ڈسکس کرنے لگے تھے، ماحول پر دوبارہ خاموشی چھا گئی حمدان پر لمحہ لمحہ بھاری تھا۔

کانگریچولیشن حمدان۔" قریشی صاحب نے اسے مبارک باد دیتے ہوئے یقین دہانی کرائی۔ مارے خوشی کے اس کی آنکھیں بھیگ گئیں اس نے بے اختیار اپنا نچلا لب دانتوں تلے داب کر آنسوؤں کو بہنے سے روکا تھا۔

"جی.....یس سر....." تنخواہ سن کر اس کی قوت گویائی گم ہوگئی اس نے زور شور سے سر اثبات میں ہلایا۔

"ہمیں نوید جیسے قابل اور محنتی نوجوان کی تلاش تھی، آئی ہوپ آپ ہمیں مایوس نہیں کریں گے۔" قریشی صاحب نے سابقہ منیجر کا حوالہ دیا۔ ان کی کمپنی کو کسی قابل اور محنتی نوجوان کی تلاش تھی وہ خوش تھے کہ انہیں جلد گوہر نایاب مل گیا تھا۔

"آف کورس سر۔" حمدان کا رواں، رواں رب کی بارگاہ میں سجدۂ شکر بجالا رہا تھا۔ بالآخر اسے اپنی منزل مل گئی تھی۔

"آپ نیکسٹ ویک سے آفس جوائن کرلیں۔" قریشی صاحب نے اس کے سامنے کنٹریکٹ پیپرز رکھے وہ کپکپاتے ہاتھوں سے کنٹریکٹ سائن کرنے لگا۔

☆☆☆

لاؤنج میں خوش گپیوں میں محو سبھی افراد کے چہروں پر خوشی اور بے فکری چھائی ہوئی تھی۔ حمدان نے طائرانہ نگاہ دوڑائی تو لائبہ غائب تھی۔ اسے آئے آدھ گھنٹا ہوگیا اور لائبہ نے لاؤنج میں جھانک کر نہیں دیکھا تھا۔ وہ لبوں پر دھیمی نرم مسکراہٹ لیے لائبہ کے کمرے میں چلا آیا۔ وہ کمرے میں نہیں تھی اس نے لائبہ کی تلاش میں نگاہ دوڑائی تو ٹیرس کا دروازہ کھلا تھا۔ لائبہ دونوں کہنیاں ریلنگ پر ٹکائے حسین مکھڑے پر سوز لیے ٹیرس پر تھی۔ سنہری آنکھوں کے کنارے کا گلابی پن سرخی میں ڈھل چکا تھا۔ غالباً وہ تھوڑی دیر قبل روئی تھی۔

"لائبہ....." حمدان اس کی پشت پر آن رکا۔ وہ آہٹ پر چونک کر سیدھی ہوئی مگر وہ پلٹی نہیں تھی۔ وہ اس کی خوشبو سے اسے پہچان گئی تھی۔ وہ اس کے سامنے کمزور نہیں پڑنا چاہتی تھی وہ رو رہی تھی یہی خیال اسے تڑپا گیا۔

وہ اس کی آنکھوں کی سرخی دیکھ چکا تھا۔ وہ تڑپ کر آگے بڑھا تو اسے یک دم شدت سے رونا آنے لگا۔ وہ آنکھوں میں آئی نمی چھپانے کو دانستہ رخ پھیر گئی۔ حمدان نے اسے کندھوں سے تھام کر رخ اپنی جانب کیا وہ سر جھکا گئی۔

"تم مجھے کیوں ستاتی ہو۔" آنسو آنکھوں سے پھسل کر گالوں پر لڑھک آئے تھے حمدان نے تڑپ کر اس کے آنسو پونچھتے ہوئے کہا تھا۔

"حمدان....." وہ خود پر کنٹرول کھول بیٹھی تو اس کے کندھے پر سر ٹکا کر رو دی تھی۔ وہ مما کے مبہم رویے سے ہراساں تھی وہ اسے کیا بتاتی کہ وہ پاپا سے اس کے رشتے کے بارے میں کیا، کیا وسوسے ڈالتی ہیں۔ وہ جاب کے لیے کافی فکر مند تھا۔ حمدان اس کا سر سہلانے لگا۔ دفعتاً اسے صورت حال کا ادراک ہوا تو وہ جھینپ کر اس سے الگ ہوگئی اس کے چہرے پر حیا کی لالی پھیلی تھی وہ دل کی دھڑکنیں شمار کرتی ریلنگ پر جھک گئی۔

"میرے پاس ایک گڈ نیوز ہے۔" وہ دل کی دھڑکنیں سننے میں محو تھی۔ اس کے دائیں جانب آواز ابھری۔ حمدان اس کے ساتھ ریلنگ پر جھکا تھا۔

"کیا؟" حمدان کی پرتپش نظریں اس پر جمی تھیں اس میں حمدان سے نظریں ملانے کا یارانہ تھا اس نے جھینپ کر استفسار کیا۔

"مجھے جاب مل گئی ہے۔" اس نے دونوں بازو سینے پر باندھتے ہوئے خوشی و اطمینان سے اسے آگاہ کیا۔ وہ بے حد خوش تھا بالآخر اس نے اپنی منزل پالی تھی۔

"ریئلی....." لائبہ کی مارے خوشی کے چیخ نکل گئی.....اس کے چہرے پر چھائی اداسی و پریشانی کی جگہ خوشی نے لے لی تھی۔ اس کی سنہری آنکھوں کی چمک بڑھ گئی۔ محبت کے جگنو اس کے اردگرد جگمگانے لگے۔

"ہوں....." حمدان نے یقین دہانی کراتے ہوئے دھیما ہنکارا بھرا تھا۔ لائبہ کی آنکھوں میں نمی جھلملانے لگی تھی۔

"یار کیوں رو رہی ہو۔" حمدان نے محبت و شوخی سے اسے چھیڑا تھا۔ منزل دوگام پر تھی۔ اس نے اس کے آنسو اپنی ہتھیلی پر چن لیے تھے۔ حمدان کی نگاہوں میں

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

شوق و محبت کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔

''بدتمیز۔'' لائبہ مسکراتے ہوئے اس کے کندھے پر ہولے سے مکا مارتی اسے دھکیل کر اندر غائب ہوگئی۔ اس میں حمدان کی پُرشوق نگاہیں سہنے کا یارا نہ تھا۔ حمدان کے زوردار قہقہہ نے اس کا پیچھا کیا تھا۔

☆☆☆

ہال میں لوگوں کا جم غفیر تھا۔ قیمتی جیولری اور خوب صورت کپڑوں میں ملبوس بیگمات امارت کا چلتا پھرتا اشتہار لگ رہی تھیں۔ مرد حضرات کاروباری و سیاسی بحث میں محو تھے حمدان کو نوکری ملنے کی دیر تھی۔ نصرت نے سرسوں ہتھیلی پر جمائی تھی وہ اولاد کے فرض سے جلد از جلد سبکدوش ہونا چاہتی تھیں۔ انہوں نے حمدان کی شادی کی ڈیٹ بھی طے کردی تھی۔ توقیر نے بہن کو مایوس نہیں کیا تھا۔ وقت کم تھا لائبہ کی شادی کی شاپنگ دشوار امر تھا۔ انہوں نے بے حد ضروری شاپنگ کی اور لائبہ کا اکاؤنٹ کھلوا کر اس میں جہیز کے نام سے رقم جمع کروادی تھی تاکہ وہ شادی کے بعد سہولت سے اپنی پسند کی شاپنگ کرسکے۔

رفعت بیٹی کو بے حد چاؤ اور مان سے بیاہنا چاہتی تھیں۔ انہوں نے احتجاج کیا تو توقیر نے انہیں بمشکل سمجھا بجھا کر خاموش کرادیا تھا اور لائبہ کی ڈیٹ فکس کردی تھی۔ حمدان کے ولیمے پر نمرہ کی بارات آنا تھی۔ نمرہ دلہناپا بھلائے بے حد ارمانوں اور دھوم دھام سے بھائی کی شادی کے چاؤ پورے کررہی تھی۔

اسٹیج پر لائٹ اور ڈارک فیروزی بھاری کامدار لہنگا سوٹ میں ملبوس لائبہ کی چھب ہی نرالی تھی۔ رفعت بے حد خوش تھیں ان کے سان و گمان میں بھی نہیں تھا کہ انہیں لائبہ کی رخصتی نمرہ سے پہلے کرنا پڑ جائے گی۔ وہ لائبہ کے لیے جتنی متفکر تھیں قدرت نے اتنی ہی آسانی پیدا کی تھی۔ وہ رب کی بے حد شکر گزار تھیں۔ وہ نمرہ کے لیے اداس تھیں، وہ وداع ہوکر جاتی تو ان کے گھر میں ویرانی اتر آتی انہیں تو لائبہ کو بھی رخصت کرنا پڑ گیا۔ دل کو کہیں یہ اطمینان بھی تھا کہ وہ وداع ہوکے دور نہیں جائے گی اور ان کی نگاہوں کے سامنے رہے گی۔

کھانا شروع ہوا تو مہمان کھانے پر ٹوٹ پڑے۔

وہ اسٹیج پر لائبہ کے پاس آگئیں۔ لائبہ کا چہرہ خوشی و اطمینان سے دمک رہا تھا انہیں اپنی اکلوتی اولاد بے حد عزیز تھی۔ لائبہ کے لبوں پر مسکان رقصاں تھی۔ نصرت اس پر واری صدقے جارہی تھیں۔ نمرہ اس کے کانوں میں وقفے وقفے سے کوئی سرگوشی اور اس کے چہرے پر حیا کا گلال بکھر جاتا۔

''اسمائل پلیز۔'' کھانے کے بعد رسموں کے لیے حمدان کو اسٹیج پر لایا گیا۔ ٹو پیس گرے سوٹ میں ملبوس وجیہہ حمدان کو لائبہ کے پہلو میں بٹھایا گیا تو ہر آنکھ میں واضح ستائش تھی دونوں کی جوڑی بلاشبہ چاند سورج کی جوڑی لگ رہی تھی۔ فوٹو سیشن کا آغاز ہوا تو کسی نے بہ آواز بلند کہا تھا۔ لائبہ شرمائی لجائی سنجیدہ صورت لیے سر جھکائے بیٹھی تھی اس نے سر اٹھا کر چہرے پر مسکراہٹ طاری کی تھی۔ اس کی نگاہ حمدان سے ملی تو پلٹنا بھول گئی۔ گرے ٹو پیس میں ملبوس حمدان کی وجاہت سے مقابل دیدنی تھی۔

''اوہو، اوہو.....'' اسٹیج پر سبھی کزنز نے اس کی چوری پکڑ لی تھی اور انہوں نے ہاہوکار مچادی تھی لائبہ نے گھبرا کر سر جھکالیا۔ حمدان کے لبوں پر شوخ مسکراہٹ ٹھہر گئی تھی۔ حمدان نے سب سے نظر بچا کر اس کے گود میں رکھے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر اسے بھرپور ساتھ کا یقین دلایا تھا۔ لائبہ کے لبوں پر آسودہ مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔ دل حمدان کی محبت بھری رفاقت پر بے حد مسرور تھا اسے یقین تھا کہ حمدان کے سنگ خوشیوں بھری زندگی اس کی منتظر تھی۔ دور گگن پر چاند اس کے یقین کی تائید کرتا مسکرا کر آگے بڑھ گیا تھا۔ آسمان پر مسحور کن چاندنی پھیل گئی تھی اور لائبہ کو بھی پڑھے یہ اشعار یاد آگئے۔

محبت جھلملاتی آنکھ میں برسات ہوتی ہے
محبت ذات ہوتی ہے
محبت نیند کی رُت میں حسیں خوابوں کے رستے پر
سلگتی جان کو آتے رت جگوں کی گھات ہوتی ہے
محبت ہار ہوتی ہے کہیں پر جیت ہوتی ہے
کہیں پر محبت مات ہوتی ہے
محبت خوب صورت زندگی کا خواب ہوتی ہے
محبت ذات ہوتی ہے

ماں

سلمیٰ غزل

سوچ، سوچ کر میرا دماغ پھٹ رہا ہے، ہر طرف گمبھیر اندھیرا ہے مایوسی کے سائے ایک عفریت کی طرح میری سمت بڑھ رہے ہیں اور لوگوں کی باتیں، اُن کے طعنے اور ان کا تمسخر میرے وجود کے پرخچے اڑا رہا ہے۔ دل چاہتا ہے کہ خودکشی کرلوں مگر حرام فعل ہے اور پھر تین معصوم بچیوں کا ساتھ.....

"آہ..... شادی سے قبل کا وقت کتنا اچھا تھا، اپنی مرضی سے کھانا، سونا، جاگنا اور اٹھنا بیٹھنا..... میرے ابا مجھے بے حد پیار کرتے تھے وہ حسن کے شیدائی تھے اور میری امی بے حد حسین جس کا انہیں قطعی احساس نہیں تھا، سرخ و سفید رنگت، لمبے گھنے بال، بادامی آنکھیں اور میں اپنی امی کا پرتو تھی اور مجھے خود پر غرور اور ناز بھی

Waqar Azeem
Pakistani Cultural Portal

بہت تھا جبکہ میری دونوں بڑی بہنیں واجبی شکل صورت کی تھیں ابا کی طرح..... اور انہی کی وجہ سے مجھ پر کوئی روک ٹوک یا پابندی نہیں تھی اسکول سے آکر سہیلیوں کے ساتھ کھیلنا کودنا، گڑیوں کی شادی رچانا اور بہنوں سے چھیڑ خانی، یہی میرا مشغلہ تھا اور ابا مجھے اپنا بیٹا ہی مانتے تھے کہ ان کی کوئی نرینہ اولاد نہیں تھی مگر شاید وہ دنیا کے واحد مرد تھے جس کا انہیں ملال بھی نہیں تھا۔ البتہ امی، بیٹے کی کمی شدت سے محسوس کرتی تھیں اور اٹھتے بیٹھتے ٹھنڈی آہیں بھرا کرتیں۔ لیکن ابا کی وجہ سے کچھ کہتی نہیں تھیں، دکھ تو پوتا نہ ہونے کا دادی کو بھی کچھ کم نہیں تھا مگر اللہ کی رضا میں راضی تھیں۔ البتہ ان کے سجدے طویل سے طویل ہوتے جارہے تھے اور وہ اٹھتے بیٹھتے امی کو ایک ہی جملہ بولتی تھیں۔

''بیٹیوں کی تربیت اچھی کرو اور انہیں اعلیٰ تعلیم دلواؤ، اب ہمارا زمانہ نہیں رہا، آج کل پڑھی لکھی لڑکیوں کو سب پسند کرتے ہیں اور پھر سر اٹھا کر جینے کے لیے علم حاصل کرنا ضروری ہے۔'' اور وہ یہ سب مجھے سنانے کو کہتی تھیں۔ کیونکہ میں پڑھنے سے بھاگتی تھی۔ مجھے اسکول جانے سے سخت نفرت تھی۔ صبح صبح اٹھ کر اسکول جانا مجھے سخت زہر لگتا۔ لو بھلا اسکول کے چکر میں صبح ڈھنگ سے ناشتا بھی نہ کرو اور مسلسل پانچ گھنٹے اسکول میں قید رہو۔ میرے پاس اسکول نہ جانے کا روز ایک نیا بہانہ ہوتا تھا کبھی سر میں درد کبھی پیٹ میں..... دادی اور امی مجھے ڈانٹ کر اسکول بھیجنا چاہتی تھیں تو ابا میری ڈھال بن جاتے۔ بس اس طرح وقت گزرتا رہا اور میں نے رو پیٹ کر میٹرک کرلیا اور اعلان کردیا کہ اب مجھے آگے نہیں پڑھنا۔

☆☆☆

دونوں بہنیں..... کالج میں پڑھ رہی تھیں اب امی اور دادی کی دلی خواہش تھی کہ میں گھر داری سیکھ لوں اور کام میں ان کا ہاتھ بٹاؤں لیکن ان کی یہ خواہش بھی حسرت ہی رہی، میری دونوں بہنیں پڑھنے کے علاوہ گھر داری میں بھی طاق تھیں۔ امی سگھڑ تھیں اور انہوں نے سگھڑاپا دونوں بہنوں کو گھول کر پلا دیا تھا۔ جب کالج کی چھٹیاں ہوتیں تو دونوں بہنیں کوکنگ اور سلائی کا کورس کرلیتیں مگر میں ان کے قابو میں نہیں آتی البتہ بننے سنورنے کا مجھے بڑا شوق تھا۔ دادی تو ناراض ہی رہتیں۔

''ارے بہو شازیہ کو سمجھایا کرو، بچیاں تو سادگی میں اچھی لگتی ہیں۔ یہ سارے ارمان شادی کے بعد نکالے، شادی شدہ عورتوں کی طرح میک اپ کرکے بہنوں سے بھی بڑی لگتی ہے مگر اسے کوئی احساس ہی نہیں ہے، لوٹھا کی لوٹھا ہوگئی ہے مگر ننھی منی بنی ہوئی ہے۔'' تب میں معصومیت سے سوال کرتی۔

''دادی یہ لوٹھا کیا ہوتا ہے کہیں آپ نے لوٹے میں ''ھ'' کا اضافہ تو نہیں کردیا۔ آپ سیاستدانوں سے کافی متاثر لگتی ہیں، لوٹا کریسی جن کا ''موٹو'' ہے۔'' دادی غصے میں چپل ہاتھ میں اٹھا لیتیں تو میں جھپاک سے کمرے سے دوڑ لگا دیتی۔ اب تو اکثر امی بھی مجھے سمجھانے بیٹھ جاتیں۔

''دیکھو بیٹا پڑھ کر تم نے نہیں دیا، اب کچھ گھر داری ہی سیکھ لو، یہ شکل صورت کسی کام نہیں آنے والی، شادی کے بعد میری ناک کٹواؤ گی کہ سگھڑ ماں کی پھوہڑ بیٹی۔''

''ایک تو امی آپ لوگوں کی ناکیں پتا نہیں کس میٹریل کی بنی ہوئی ہیں، ہر وقت کٹتی رہتی ہیں۔'' میں منہ بنا کر بولی پھر امی کے تیور دیکھ کر ان کے گلے میں بانہیں ڈال کر شرارت سے کہا۔

''امی آپ میری چھوڑیں آپا، باجی کی فکر کریں کیونکہ میں کسی ٹٹ پونجیے سے شادی کرنے والی نہیں ہوں۔ میں تو راج کرنے کے لیے پیدا ہوئی ہوں اور آپ دیکھیے گا میرے نخرے اٹھانے والا آج نہیں تو کل مل ہی جائے گا۔'' میری اٹھان بھی اچھی تھی اور پھر شکل صورت میں بھی یکتا دونوں بہنوں کی جگہ ہمیشہ مجھے پسند کرلیا جاتا تنگ آکر امی نے مجھ پر سامنے آنے کی پابندی لگا دی۔ غرور آسمان کی بلندیوں پر پہنچ جاتا اور سر فخر سے بلند ہوجاتا یوں یکے بعد دیگرے دونوں بہنیں بیاہی گئیں اور امی نے سکھ کی سانس لی۔ اب گھر والوں

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

کی نظر مجھ پر تھی رشتے تو بہت آرہے تھے مگر میرے ناک بھوں چڑھانے کی وجہ سے امی رشتہ کرنے سے ڈرتی تھیں۔ ظاہر ہے جو حیثیت گھر والوں کی تھی رشتے تو ویسے ہی آنے تھے مگر پھر ایک ایسا رشتہ آیا جو میری مرضی کا تھا کاروباری، وسیع جائداد کا مالک عمر میں کافی فرق تھا، وہ چالیس سال کا اور میں بائیس کی تھی گھر میں میرے سوا کوئی راضی نہیں تھا مگر میری ضد کے آگے سب کو ہار ماننی پڑی اور میں رخصت ہو کر محل جیسے گھر میں آگئی۔ لڑکے والوں کے منع کرنے کے باوجود امی نے دنیا داری اور ناک کٹنے سے بچنے کے لیے کچھ نہ کچھ جہیز دے ہی دیا۔

میک اپ اور خوب صورت کپڑوں نے میرے حسن کو چار چاند لگا دیے تھے ہر طرف سے بس ایک ہی صدا آرہی تھی۔

''ایسا روپ..... دیکھا نہ سنا آفت لگ رہی ہے شازیہ تو.....'' نازیہ آپی نے مجھے رونے سے منع کر دیا تھا کہ میک اپ خراب ہو جائے گا مگر دنیا کو کسی پل چین نہیں..... اب چاروں طرف سے آوازیں آرہی تھیں۔

''اے لو اسے شادی کا کتنا شوق تھا، نکاح کے وقت بھی ایک آنسو نہ ٹپکا۔ میکا چھوڑنے کا کس کو غم نہیں ہوتا مگر یہ تو دیدے پھاڑ پھاڑ کر ہر طرف دیکھ رہی تھی۔ دیدوں کا پانی تو جیسے مر ہی گیا ہو۔''

☆☆☆

میں اپنے خوابوں کی تعبیر پا کر بہت خوش تھی خوب صورت گھر، پیسے کی فراوانی اور میرے شوہر جمشید خان کا والہانہ پیار..... مجھے لگتا دنیا میں ہی جنت مل گئی ہو۔ میرے اس قدر ناز نخرے اٹھائے جاتے کہ میں پلٹ کر میکے کو نہ پوچھتی بلکہ مجھے اپنی بہنوں کی مشینی زندگی دیکھ کر ترس آتا۔ پہلے اسکول پھر کالج اور یونیورسٹی سے نکلیں تو شادی ہوگئی اب گھر داری کے علاوہ اسکولوں میں نوکریاں کر کے شوہروں کو معاشی سہارا دے رہی تھیں۔

''یہ بھی بھلا کوئی زندگی ہے، کولھو کا بیل۔''

پھر اللہ نے مجھے یکے بعد دیگرے تین بیٹیاں دے دیں، بے حد حسین اور خوب صورت..... مجھے تھوڑا سا ملال ہوا لیکن باپ نے ہر بیٹی کی پیدائش پر ایسی خوشی منائی جیسے نرینہ اولاد ہوگئی ہو پھر مجھے غم لگانے کی کیا ضرورت تھی۔ ہر بیٹی کی پیدائش پر اقربا اور غربا کو مدعو کیا جاتا۔ غریبوں میں کھانا تقسیم ہوتا اور ہر لڑکی کے ایسے نخرے اٹھائے جاتے جیسے میکے میں ابا میرے اٹھاتے تھے۔ ایک حادثے میں میرا میکا اجڑ گیا تھا امی، ابا اور دادی حیدر آباد جاتے ہوئے حادثے کا شکار ہو کر دنیا چھوڑ گئے۔ شروع، شروع میں مجھے بہت افسوس ہوا پھر خوشیوں کے ہنڈولے میں جھولنے لگی اور بہنوں کو کبھی میں نے منہ نہیں لگایا۔ البتہ یہ مجھے معلوم تھا کہ ایک کے دو اور دوسری کے تین بیٹے ہیں، بیٹی کوئی نہیں..... جمشید خان کا کیا کاروبار تھا، وہ کیا کرتے تھے اس سے مجھے کوئی غرض نہیں تھی، ویسے وہ ٹھیکیدار جمشید خان کے نام سے جانے پہچانے جاتے تھے۔ میں نے کبھی پڑھ کر نہیں دیا مگر میری تینوں بچیوں کو پڑھنے کے ساتھ، ساتھ ہر کام کا بے حد شوق تھا اور مجھے لگتا کہ نانی کی روح ان میں سما گئی ہے۔ ہر سال کلاس میں اول آتیں پھر آنے کے بعد کبھی کوئی سلائی اسکول چلی جاتی تو کوئی کوکنگ کلاسز جوائن کر لیتی اور جمشید خان بے حد خوش ہوتے خیر خوشی تو مجھے بھی ہوتی تھی اور افسوس بھی کہ کاش میں نے بھی کچھ پڑھ لیا ہوتا۔ ہر طرف میری خوش نصیبی کے چرچے تھے۔ کبھی، کبھی جمشید خان مجھے سمجھانے بیٹھ جاتے۔

''دیکھو کسی دن بیٹھ کر میرے ساتھ سمجھ لو کہ میرا کاروبار کیا ہے۔ دوکانوں سے کتنا کرایہ آتا ہے کیونکہ تمہارے علم میں ہر بات ہونی چاہیے۔'' مگر مجھے ان باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی ہاں یہ مجھے اطمینان تھا کہ گھر میرے ہی نام ہے۔

☆☆☆

میرے لیے تو یہ بہاریں دائمی اور ہمیشہ کے لیے تھیں اور میں نے ان کے روٹھنے کے بارے میں بھولے سے بھی نہیں سوچا تھا۔ میری زندگی کا مقصد تو اچھا کھانا، اوڑھنا، پہننا اور ہنسی خوشی زندگی بسر کرنا تھا

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

اور پھر وہ ہوگیا جس کا میں نے تصور بھی نہیں کیا تھا۔ کاروبار کے سلسلے میں دوسرے شہر جاتے ہوئے جمشید خان کی گاڑی کا ایکسیڈنٹ ہوگیا اور بروقت طبی امداد نہ ملنے سے وہ زندگی کی بازی ہار گئے۔ میرا سہاگ چھن گیا، میرا مان ٹوٹ گیا، میری دنیا اندھیر ہوگئی۔ بیوہ کیا ہوئی ہر رشتہ دور ہوگیا۔ عزیز و اقارب جو کہ ہم نوالہ و ہم پیالہ تھے اب نظریں چرانے لگے تھے۔ مجھے تو ہوش ہی نہیں تھا۔ عدت کے دن سوتے جاگتے گزر گئے۔ مجھے تو یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ جمشید خان نے کہاں، کہاں پیسہ لگایا ہوا تھا۔ دکانیں کرایے پر کہاں ہیں، سب نے طوطے کی طرح آنکھیں پھیر لیں۔ بیٹھے، بیٹھے کھاتے رہو تو قارون کا خزانے بھی ختم ہوجاتے ہیں، تنہائیوں اور مایوسیوں نے مجھے چاروں طرف سے گھیر لیا اس وقت وہی بہنیں اور بہنوئی کام آئے جنہیں میں نے کبھی منہ نہ لگایا تھا اور نہ اپنے اچھے وقتوں میں انہیں پوچھا تھا۔ بہنوں نے اپنے شوہروں سے کہہ کر مکان بکوا کر ایک اوسط درجے کے ایریے میں دو کمروں کا گھر دلوا دیا اور باقی فکس ڈپازٹ کردیا تھا تاکہ آمدنی کا ذریعہ رہے ویسے بھی حکومت کی طرف سے بیواؤں کا منافع زیادہ ہے، میری بچیاں چاندنی کا چھج لے کر پیدا ہوئی تھیں انہوں نے یہ کسمپرسی اور غربت کہاں دیکھی تھی مگر تھیں بے حد سمجھدار میں انہیں سمجھانے بیٹھی تو انیلا سمجھداری سے بولی۔

''امی آپ پریشان نہ ہوں ہم آپ کو کبھی تنگ نہیں کریں گے، آپ کو ہم سے کوئی شکایت نہیں ہوگی۔''

☆☆☆

میری عمر چالیس کے لگ بھگ تھی مگر خوشحالی اور پیسے کی فراوانی نے عمر پر جیسے قدغن لگادی تھی ابھی تک لوگ میرے حسن کی تعریف کرتے اور بیٹیوں کو بہنیں سمجھتے تھے۔ میرے نئے پڑوسی بہت اچھے لوگ تھے۔ خاص طور پر بہزاد بھائی عمر تو ان کی بھی جمشید جتنی ہوگی۔ بیوی ایک بیٹا چھوڑ کر کینسر جیسے موذی مرض کا شکار ہو کر دنیا چھوڑ گئی تھی۔ وہ میرا اور بچیوں کا بے حد خیال رکھتے تھے۔ ان کی بڑی خوبی یہ تھی کہ دروازے سے ہی سودا سلف پکڑا کر چلے جاتے۔ وہ کبھی گھر میں نہیں آئے اور ہمیشہ ان کی نظریں قدموں میں ڈھیر ہوتی تھیں۔ ایک دن ان کے خاندان کی ایک بزرگ خاتون آئیں اور مجھے سمجھانے بیٹھ گئیں۔

''بیٹا تم ابھی جوان ہو، تین بچیوں کا ساتھ..... سوچو یہ پہاڑ جیسی عمر کیسے گزرے گی، آج نہیں تو کل تمہیں احساس ہوگا۔ جوان ہو خوب صورت ہو پھر تین بیٹیوں کا ساتھ میری مانو تو عقدِ ثانی کرلو جو شرعی طور پر تمہارا حق ہے۔ بچیوں کو باپ مل جائے گا اور تمہیں سائبان.....''

''خالہ کیسی باتیں کررہی ہو تین بچیوں کا ساتھ ہے بڑی انیلا نے اس سال میٹرک کرلیا ہے۔ آج نہیں تو کل اس کی شادی کروں گی، اپنے بارے میں تو سوچ بھی نہیں سکتی۔'' میں نے بگڑ کر کہا۔ پر وہ وقتاً فوقتاً آتی رہیں اور میرے کانوں میں شادی کا امرت ٹپکاتی رہیں۔ قطرہ، قطرہ گرے تو پتھر میں بھی سوراخ ہوجاتا ہے۔ مجھے تو ویسے بھی اپنے حسن و جوانی پر بڑا ناز تھا۔ بہنوں کے اپنے سو بکھیڑے تھے، گھر داری، اسکول کی ملازمت، اب تو کم ہی آتی جاتی تھیں۔ پھر جب خالہ نے بہزاد بھائی کے لیے کہا تو میں سوچ میں پڑ گئی۔ اچھے انسان تھے۔ شریف اور نیک فطرت، بیٹا بھی ابھی چھوٹا ہی تھا۔ اچھا ہے بیٹے کی کمی پوری ہوجائے گی۔ میں کافی حد تک راضی تھی مگر مسئلہ لڑکیوں سے بات کرنے کا تھا کیونکہ دو تو ابھی چھوٹی تھیں لیکن انیلا سمجھدار تھی اور وہ بہزاد بھائی سے بھی بہت چڑتی تھی اکثر جب وہ سامان دینے دروازے پر آتے تو خود جاتی اور نہ بہنوں کو بھیجتی بلکہ اس کا اصرار ہوتا تھا کہ امی آپ جا کر سودا لے لیں۔ عدت تو میں نے شرعی طور پر گزاری تھی مگر اس کے بعد بننے سنورنے کے شوق میں کوئی کمی نہیں آئی تھی، میں نے دو تین مرتبہ اس موضوع پر انیلا سے بات کرنی چاہی مگر ہمت ہی نہیں پڑی۔

☆☆☆

میٹرک کے رزلٹ کے بعد انیلا کی چھٹیاں

Waqar Azeem
Pakistanipoint

تھیں۔ باقی دونوں اسکول چلی جاتی تھیں۔ اسے یقین تھا کہ کسی بہترین گورنمنٹ کالج میں اس کا داخلہ ہوجائے گا کیونکہ اس کے نمبر بہت اچھے آئے تھے۔ ڈاکٹر بننا اس کا خواب تھا اور مجھے یقین تھا کہ اس یہ خواب ضرور پورا ہوگا اس کا شوق اور لگن دیکھ کر تو مجھے بھی اپنی جہالت پر افسوس ہوتا تھا اور تعلیم کی اہمیت سے آگہی ہونے لگی تھی کاش میں پڑھی لکھی یا ہنرمند ہوتی۔ میرے بہنوئی نے جب اکاؤنٹ کھلوایا تو چیک کیش کرانا بھی سکھا دیا تھا۔ میٹرک کی سند بھی اس وقت مجھے غنیمت لگ رہی تھی۔ پیسوں کی ضرورت تھی اس لیے میں نے انیلا کو تاکید کی تھی کہ دروازے بند کرلے، اسے پڑھنے کا اس قدر شوق تھا کہ خالی بیٹھنا تو جیسے اس نے سیکھا ہی نہیں تھا۔ اس وقت بھی وہ کوئی کتاب پڑھنے میں گم تھی۔ میں نے دوبارہ تاکید کی کہ یاد سے دروازہ بند کرلے اور دروازہ بھیڑ کر باہر نکل آئی۔ شکر کہ بینک بھی دس منٹ کے فاصلے پر تھا۔ بینک کے قریب پہنچ کر یاد آیا کہ چیک بک تو گھر ہی بھول آئی ہوں سخت کوفت ہوئی۔ مہینے کی شروعات تھی اور بینک میں عام لوگوں کے علاوہ پنشنر کا بھی رش تھا۔ میں نے واپسی کے لیے تیزی سے قدم بڑھائے اور انیلا پر بڑا غصہ آیا۔ ابھی تک دروازہ کھلا ہوا تھا جونہی میں اندر کی طرف بڑھی اندر سے انیلا کی گھٹی گھٹی آواز آئی۔

''انکل آپ فوراً باہر نکل جائیں ورنہ میں شور مچادوں گی۔''

''انیلا بیٹا تم کہاں ہو.....'' میں نے زور سے آواز دی۔ اسی وقت بہزاد بھائی کھسیانی ہنسی ہنستے ہوئے باہر آگئے۔

''اصل میں دروازہ کھلا تھا، تم بھی نہیں تھیں سوچا بچی ڈر نہ جائے اس لیے اندر آگیا۔'' انیلا سہمی ہوئی کمرے کے کونے میں... کھڑی تھی اور تھر، تھر کانپ رہی تھی اس کے دونوں بازو سینے پر بندھے تھے اور دوپٹا قدموں میں پڑا تھا وہ مجھے دیکھ کر لپٹ گئی اور چیخیں مار، مار کر رونے لگی۔ میں نے اس سے ایک لفظ بھی نہ پوچھا نہ اس نے کچھ منہ سے کہا اسے پانی پلا کر ساتھ لیا اور بینک آگئی۔ واپسی میں دنیا بھر کی تھکن چہرے پر طاری تھی اور ایک ہی دن میں، میں خود کو برسوں کا بیمار محسوس کررہی تھی۔ موبائل سے اپنے بہنوئی کو فون کیا جنہوں نے بھائی کی طرح ہر، ہر قدم پر میرا ساتھ دیا تھا۔ ان سے کرایے پر کسی اور محلے میں مکان، ڈھونڈنے کو کہا ساتھ ہی اپنے مکان کو کرایے پر چڑھانے کی درخواست بھی کی انہوں نے بغیر کچھ پوچھے گچھے حامی بھرلی۔ میں نے کمرے میں آکر شیشے میں اپنی شکل دیکھی تو ڈر گئی۔ ایک عمر رسیدہ ماں سفید بالوں اور جھریوں زدہ چہرے کے ساتھ اپنی تینوں بچیوں کو بانہوں میں لیے کھڑی تھی جو جوان عورت نہیں صرف ماں تھی میں بے ساختہ رونے لگی تب ہی تینوں بچیاں لے آکر لپٹ گئیں۔

''امی، ابا زندہ تو نہیں کیا ہوا، ہم تو ہیں نا، آپ ہمیں بیٹیاں نہیں اپنا بیٹا سمجھیں۔ جس ماں کے تین، تین بیٹے ہوں اسے رونے کی قطعی ضرورت نہیں۔ ہم پڑھنے کے ساتھ، ساتھ محنت مشقت کریں گے اور آپ کو بیٹا بن کر دکھائیں گے۔ آپ صرف حوصلہ رکھیں اور ہمت نہ ہاریں جس مالک نے ہمیں پیدا کیا ہے، وہی ہمارے رزق کا بندوبست بھی کرے گا آخر وہ ماں سے ستر گنا زیادہ چاہتا ہے۔''

انیلا کے الفاظ کیا تھے، امرت دھارا تھے جس نے میری زندگی کا رخ ہی موڑ دیا اور میں نے فیصلہ کرلیا کہ میں اب بچیوں کو ماں اور باپ دونوں بن کر پالوں گی اور اپنی زندگی کی کہانی انہیں نہیں دہرانے دوں گی، انہیں اعلیٰ تعلیم کے ساتھ، ساتھ سر اٹھا کر حوصلے کے ساتھ جینا سکھاؤں گی تاکہ بہزاد جیسا کوئی شاطر ماں کی آڑ لے کر بچیوں کی عزت سے کھیلنے کی کوشش نہ کرے۔

حالات اور وقت نے مجھے وقت سے پہلے بوڑھا کردیا تھا کیونکہ یہ تازیانہ سب سے بڑا تھا مگر میں خوش بھی تھی اور پُرعزم بھی۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

مکمل ناول

پریوں کا دیس

مدیحہ شاہد

سیاحوں سے بھری کوسٹر ڈھلوانی سڑک پر رواں دواں تھی۔ عائلہ کھڑکی کے پاس بیٹھی شیشے کے پار نظر آتے قدرت کے حسین نظاروں کو دیکھنے میں محو تھی۔ بلند و بالا پہاڑ جو دیکھنے والی ہر نظر کو کچھ لمحوں کے لیے ساکت کر دیتے، دلفریب وادیاں جن کا حسن سحر انگیز تھا، سرسبز اور سدا بہار درختوں کی قطاریں جن پر کبھی خزاں کا بڑھاپا نہیں اترا تھا، پہاڑوں کے درمیان پتھروں سے بنے راستے جو یقیناً لوگوں نے اپنی آسانی

Waqar Azeem
kistanipoint.com

کے لیے بنائے ہوئے تھے بے انتہا مسحور کُن تھے۔

سورج کی کرنیں وادیوں پر چمک رہی تھیں۔ وہ لوگ گزشتہ رات سے سفر میں تھے۔ صبح کا اجالا پھیلا تو اردگرد کی ہر شے واضح ہوگئی۔ اجالا بھی کیا نعمتِ خداوندی ہے، سورج کی کرنیں زمین پر اترتی ہیں تو اندھیروں کے خوف خود بخود دور ہو جاتے ہیں، آسمان پر تیرتے سفید بادلوں کو دیکھ کر یوں لگتا تھا گویا وہ ان کے ساتھ، ساتھ ہی سفر کرتے جا رہے ہیں۔

اسے محسوس ہو رہا تھا کہ یہ حسین مناظر اس سے بات کر رہے ہیں، یہ سرسبز وادیاں اسے کہانیاں سنا رہی ہیں اور فضا میں پہاڑوں سے گرتے آبشار کے گیتوں کی دُھن پر سب رقصاں ہیں پر ایک زبان خاموشی کی بھی ہوتی ہے جسے صرف محسوس کیا جا سکتا ہے۔

اس کے ساتھ بیٹھی ارما نیک پلو لگائے (ایسا شیپ کا تکیہ جسے لوگ سفر کے دوران استعمال کرتے ہیں) آنکھیں موندے ہوئے تھی۔

''کتنے خوب صورت منظر ہیں۔'' عائلہ موبائل سے ویڈیو بناتی جا رہی تھی۔

''کون سی جگہ ہے یہ؟'' ارما نے ذرا کسمسا کر یونہی آنکھیں موندے ہوئے پوچھا۔

''بالاکوٹ.....'' عائلہ نے جواب دیا۔ وہ بالا کوٹ کا سائن بورڈ پڑھ چکی تھی۔

''جب کیوائی آئے تو مجھے اٹھا دینا۔'' ارما نے اسی انداز میں کہا۔ اس جواب پر عائلہ نے اسے دھیرے سے کہنی ماری۔

''بس کرو سونا.....صبح ہوگئی ہے اور تم بہت سارے خوب صورت نظارے مس کر رہی ہو۔''

''صبح کی نیند بھی بہت خوب صورت ہوتی ہے۔'' ارما بے ساختہ بولی۔

اور اس بات سے تو عائلہ کو بھی اتفاق تھا۔

''ماہرِ نفسیات کہتے ہیں کہ جب انسان ڈپریشن میں مبتلا ہو یا کسی گہرے صدمے کے زیرِ اثر ہو تو اسے پہاڑوں کا سفر ضرور کرنا چاہیے۔ پہاڑوں کا سفر انسان کو بدل دیتا ہے۔'' وہ بلند و بالا پہاڑوں پر چمکتی دھوپ کو دیکھتے ہوئے مدھم آواز میں بولی۔

''ماہرِ نفسیات نے بالکل صحیح کہا ہے.....اب تم مجھے کچھ دیر اور سونے دو.....'' ارما نے ماہرِ نفسیات کی رائے میں عدم دلچسپی کا اظہار کیا۔

''بدذوق لڑکی ہو تم!'' عائلہ نے منہ بنا کر کہا اور موبائل سے خوب صورت مناظر کی ویڈیو بنانے لگی۔

وہ لوگ کل رات دس بجے اس سفر پر نکلے تھے اور اب ایکسائٹمنٹ کے باوجود سفر کی تکان حاوی ہونے لگی تھی۔

عائلہ اور ارما بچپن کی سہیلیاں تھیں۔ ایک ہی اسکول میں، ایک ہی کلاس میں پڑھتی تھیں مگر کچھ سال پہلے عائلہ اپنے والدین کے ساتھ آسٹریلیا شفٹ ہوگئی تھی۔ اس نے وہیں سے اپنی تعلیم مکمل کی اور اب وہیں پر جاب بھی کر رہی تھی۔

وہ بہت سالوں بعد پاکستان آئی تھی اور اس نے ارما سے کہا تھا کہ وہ پاکستان میں گھومنا پھرنا خصوصاً شمالی علاقہ جات کی سیر و تفریح کرنا چاہتی ہے، خاص طور پر وہ پریوں کی جھیل، جھیل سیف الملوک جانا چاہتی ہے۔ بہت سال پہلے، بچپن میں اس نے ایک کہانی پڑھی تھی جس میں ایک مصری لڑکی جھیل سیف الملوک دیکھنے پاکستان آتی ہے اور اپنی فلمی دوست کے گھر ٹھہرتی ہے، اس جھیل کے متعلق یہ کہاوت مشہور تھی کہ چودھویں کی رات کو اس جھیل کے کناروں پر پریاں اترتی ہیں، وہ کہانی آج بھی عائلہ کو یاد تھی اور وہ اتنے سال گزرنے کے بعد بھی اس کہانی کے سحر سے باہر نہیں نکل پائی تھی۔ مگر زندگی نے کبھی موقع ہی نہیں دیا کہ وہ جھیل سیف الملوک کی سیر کرنے جاتی۔ یہ خواہش دل میں لیے وہ دیارِ غیر چلی گئی اور وہاں پڑھائی میں مصروف ہوگئی۔ سال پر سال گزرتے چلے گئے.....تعلیم مکمل کر کے جاب کرنے لگی اور ایک خود مختار زندگی گزارنے لگی۔ خود مختار ہو کر انسان سب سے پہلے اپنی ان دیرینہ خواہشات کو پوری کرتا ہے جو بچپن سے اس کے دل میں گھر کیے بیٹھی ہوتی ہیں۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

عائلہ کے دل میں بھی اس خواہش کا جگنو ہمیشہ روشن رہا۔

وہ چند دن پہلے ہی سڈنی سے لاہور پہنچی تھی اور کل رات وہ لوگ ایک ٹور گروپ کے ساتھ ناران، کاغان کے سفر پر نکل پڑے تھے اور یہ سفر ابھی تک جاری تھا۔

یوں تو عائلہ بہت سالوں سے ارما کے ساتھ رابطے میں تھی مگر دونوں کی اپنی، اپنی مصروفیات بھی تھیں۔ ارما خود بھی جاب کرتی تھی مگر اس نے حال ہی میں ریزائن دیا تھا۔ جاب کی مشکلات اور مسائل ایسے تھے کہ وہ یہ جاب چھوڑنا چاہتی تھی اور کچھ عرصے کے لیے بریک لینا چاہتی تھی۔ اب اس کا سیر و سیاحت کا لمبا پروگرام تھا۔ اسے بھی عائلہ کی طرح شروع سے ہی ٹورزم میں دلچسپی تھی مگر سفر کرنے کے لیے ایک ہم سفر بھی ضروری ہوتا ہے جس کے ساتھ آپ نہ صرف سفر انجوائے کر سکیں بلکہ اس کے ساتھ ذہنی ہم آہنگی بھی ہو۔

بالاکوٹ سے آگے جا کر کوسٹر کیوائی واٹر فال پر رکی۔

کیوائی ایک چھوٹا سا گاؤں ہے جو پہاڑوں سے گرتے آبشار کی وجہ سے مشہور ہے۔ اس آبشار کے پاس ایک ہوٹل بھی واقع ہے جہاں ناران، کاغان جانے والے مسافر کچھ دیر کے لیے راستے میں ٹھہرتے ہیں، پہاڑوں سے گرتے آبشار کے پانی میں لوگوں نے چارپائیاں بھی رکھی ہوئی ہیں جن پر مسافر اور سیاح بیٹھ کر چائے پیتے ہیں، پکوڑے کھاتے ہیں اور قدرتی مناظر کو انجوائے کرتے ہیں۔

''سارا راستہ تم سوتی رہیں، ہم باتیں ہی نہ کر سکے۔ جب میں آسٹریلیا میں تھی تب تم یہی کہتی تھی کہ تمہیں انٹرنیٹ پر باتیں کرنے کا مزہ نہیں آتا اور جب میں پاکستان آؤں گی تو ہم خوب گپیں لگائیں گے۔''

وہ دونوں ٹھنڈے پانی میں بچھی نیلے رنگ کی چارپائی پر بیٹھی ناشتا کر رہی تھیں۔ گرما گرم چائے، انڈا پراٹھا، صبح کے مہکتے اجالوں میں آبشار کے کنارے دیدہ ناشتا کرنے کا لطف ہی کچھ اور تھا..... ہوا میں ہلکی، ہلکی خنکی اور تازگی تھی۔ سامنے پہاڑ سے گرتے آبشار کا پانی ہلکی دھوپ میں چمک رہا تھا۔

ارما نے چائے کا گھونٹ بھرا۔

''میری عادت ہے کہ میں سفر کرتے ہوئے جاگ نہیں سکتی خیر..... تم سناؤ! آسٹریلیا میں اپنے life experiences کے بارے میں بتاؤ، وہاں کی زندگی اور یہاں کی زندگی میں تو بہت فرق ہوگا۔'' اس نے پراٹھے کا لقمہ توڑتے ہوئے کہا۔

عائلہ بے ساختہ مسکرائی۔

''وہاں ایسا ناشتا نہیں ملتا، اگر مل بھی جائے تو ایسا فلیور نہیں ہوتا، یو نو ارما، پاکستانی فوڈ دنیا کا بہترین فوڈ ہے، باہر جا کر ہم سب سے زیادہ جس چیز کو مس کرتے ہیں وہ پاکستانی کھانا ہی ہے۔'' اس نے رغبت سے پراٹھا کھاتے ہوئے کہا۔

''agreed اس بات سے تو کوئی بھی پاکستانی اختلاف نہیں کر سکتا۔'' ارما انڈے پر کالی مرچ چھڑکتے ہوئے بے ساختہ بولی۔

''میں تمہارے ساتھ آسٹریلیا کی تصویریں تو شیئر کرتی رہتی تھی۔ تم تو جانتی ہو کہ ابو نے ایگری کلچر یونیورسٹی سے ڈگری لی ہوئی ہے اور وہاں پر وہ کھیتی باڑی کرتے ہیں، فصلیں اگاتے ہیں، وہاں پر فارمنگ کو بہت اہمیت دی جاتی ہے، اس پروفیشن کی بہت قدر کی جاتی ہے اور لوگوں کو سہولیات بھی فراہم کی جاتی ہیں، وہاں کھیت کے پاس چھوٹی سی سرسبز پہاڑی پر ندی کنارے ہمارا لکڑی کا گھر ہے۔'' عائلہ ناشتا کرتے ہوئے اسے بتا رہی تھی۔ ارما چائے کا کپ تھامے دلچسپی سے اس کی باتیں سنتے ہوئے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''انگلش لٹریچر والی کہانیوں جیسا گھر.....'' وہ بے ساختہ بولی۔

عائلہ ہنسی۔

''تم ابھی تک انگلش کلاسک پڑھتی ہو؟'' wuthering heights اور janeeyre جیسے۔''

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

''ہاں۔'' وہ مسکرائی۔

''تمہیں یاد ہے! میں کہانیوں کی اتنی موٹی کتابیں نہیں پڑھ پاتی تھی تم جو بھی نیا ناول پڑھتیں تو مجھے اس کی کہانی ضرور سنایا کرتی تھیں اور مجھے وہ کہانیاں اور کردار زبانی یاد ہو جاتے تھے۔'' وہ ماضی کی ایک یاد کا دروازہ کھولتے ہوئے ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ ذرا مدھم آواز میں بولی۔

''ہاں..... میں نے اپنا بچپن کتابوں کے ساتھ گزارہ ہے، کتابیں، لائبریری اور کہانیاں..... میں اس تکون سے کبھی باہر ہی نہیں نکلنا چاہتی تھی۔'' ارما نے مدھم مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

عائلہ کو یک دم کوئی خیال آیا۔

''اچھا..... اس لڑکے کے بارے میں بتاؤ! تم جس کی تصویریں بھیجا کرتی تھیں۔'' اس نے اشتیاق سے پوچھا۔

ارما کی مسکراہٹ برف ہوگئی، چہرے پر ایک رنگ آکر گزر گیا۔

''اس کی شادی ہوگئی عائلہ.....'' اس نے انڈا پراٹھا کھاتے ہوئے نارمل انداز میں جواب دیا۔ عائلہ کے ہاتھ میں تھمے کپ سے چائے چھلک گئی۔ اس کے لیے یہ خبر بے حد غیر متوقع تھی، وہ بے یقینی سے ارما کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس انکشاف سے زیادہ حیران کن ارما کے تاثرات تھے۔ وہ روئے دھوئے اور افسوس کیے بغیر اس حوالے سے بات کر رہی تھی۔ آنکھ میں آنسو تھے، نہ چہرے پر غم کی کوئی پرچھائی تھیں جبکہ لڑکیاں تو ان معاملات میں بڑی جذباتی واقع ہوتی ہیں۔

''اس لڑکے کے ماں، باپ نہیں مانے ہوں گے..... ہے ناں.....!'' چند لمحوں بعد اس نے افسوس سے کہا۔ ارما نے بے ساختہ نفی میں سر ہلایا۔

''میرا خیال ہے کہ وہ خود بھی مخلص نہیں تھا ورنہ ماں، باپ اولاد کی خوشی کے لیے کیا نہیں کرتے، میں سمجھتی ہوں کہ ہر بریک اپ کی وجہ والدین نہیں ہوتے، آج کل تو یہ ٹرینڈ نکل پڑا ہے کہ لڑکے، لڑکیوں کے ساتھ باتیں کر کے، گھوم پھر کر صرف اپنا وقت گزارتے ہیں اور لڑکیاں بیوقوف ہوتی ہیں جو اس رویے کو محبت سمجھ لیتی ہیں، میں اب اس موضوع پر کوئی بات نہیں کرنا چاہتی ہوں۔ I have moved on'' اس نے سرد برفیلے تاثرات کے ساتھ سنجیدگی سے کہتے ہوئے بات ہی سمیٹ دی، عائلہ نے بے اختیار گہری سانس لی۔

''چلو چھوڑو اس قصے کو..... میں تو کہوں گی، اچھا ہی ہوا جو ابھی سے اس لڑکے کی اصلیت کے بارے میں پتا چل گیا اور تم دیکھ لینا جس لڑکی کے ساتھ اس کی شادی ہوئی ہے وہ اس کے ساتھ بھی مخلص نہیں ہوگا۔'' عائلہ کے لہجے میں افسوس تھا۔ ارما نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ آبشار کے پانی کو دیکھتے ہوئے خاموشی سے چائے پیتی رہی۔

اس کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر یہ جاننا مشکل تھا کہ اسے اس بات کا افسوس تھا یا نہیں..... ارما کا چہرہ پڑھنا ایک مشکل کام تھا۔ اسے اپنے تاثرات چھپانے میں کمال حاصل تھا۔

''خیر..... تم اپنی امی اور ابو کے بارے میں بتاؤ، ان کا لاہور شفٹ ہونے کا ارادہ نہیں ہے؟'' عائلہ نے موضوع بدلنے کی کوشش کی۔

ارما نے نظریں چرالیں۔

''وہ لوگ تو برسوں سے ملتان میں سیٹلڈ ہیں، وہیں ابا کے آم کے باغات ہیں..... ان کا سارا سیٹ اپ وہاں پر ہے، وہ لوگ وہاں سے سب کچھ چھوڑ کر لاہور کیسے آسکتے ہیں۔'' اس نے سنجیدہ انداز میں کہا۔

''تم تو اپنے پیرنٹس سے ملنے ملتان جاتی رہتی ہوگی؟'' اس نے پرس کی جیب سے ٹشو نکالتے ہوئے یونہی پوچھا۔

''زیادہ نہیں..... وہاں میرا دل نہیں لگتا، تم تو جانتی ہو کہ بچپن سے ہی میں اپنی نانی کے ہاں پلی بڑھی ہوں، میں بہت چھوٹی تھی جب میرے نانا کا انتقال ہوگیا تھا پھر میری نانی مجھے اپنے ساتھ ملتان سے لاہور

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

لے آئی تھیں اور یہیں اسکول میں داخل کروا دیا تھا۔ اس کے بعد میں صرف گرمیوں کی چھٹیوں میں ہی ملتان جایا کرتی تھی۔''

عائلہ نے یہ کہانی بہت بار سنی تھی اتنی بار کہ..... پر اسے یقین تھا کہ یہ کہانی سچ نہیں تھی۔ ارما نے چائے کا کپ چارپائی پر رکھی ٹرے میں رکھا اور دونوں پاؤں پانی میں ڈالے۔ پانی بہت ٹھنڈا تھا..... صاف، شفاف، چمکدار اور یخ.....

''مجھے تو اس ہوٹل کا concept بہت پسند آیا ہے۔ آبشار کے بہتے پانی میں چارپائیاں رکھ کر سیاحوں کا استقبال کرنا۔'' اس نے پیروں سے چھینٹے اڑاتے ہوئے غیر محسوس انداز میں بات بدل دی۔

''ہاں..... it's amazing'' عائلہ نے گہری سانس لے کر اس کی بات کی تائید ضروری سمجھی۔ یہ اس کا فرض تھا اگر اس کی دوست نے بات بدلی تھی تو وہ بھی اس بات کا بھرم قائم رکھتی۔

ناشتے کے بعد ان کی کوسٹر کیوائی سے نکل کر ناران، کاغان کے راستے پر گامزن ہو گئی تھی۔

وادیِ کاغان پاکستان کی خوب صورت ترین وادیوں میں سے ایک ہے، وادیِ کاغان سے گزرتے ہوئے انسان کو یوں لگتا ہے جیسے وہ کسی فیری لینڈ کا سفر کر رہا ہے..... پریوں کے دیس سے گزر رہا ہے۔ سبزہ زار، سرسبز درخت، روانی سے بہتا دریا جس کے کناروں پر بڑے، بڑے صاف پتھر موجود تھے..... اونچے، اونچے پہاڑوں کی خاموشی میں عجب ہیبت تھی اور دریا کے شور میں کئی راز پنہاں تھے۔

''سبز رنگ واقعی کتنا خوب صورت ہوتا ہے، اس میں کتنی تازگی ہوتی ہے۔'' عائلہ نے سوچا۔

راستہ لمبا تھا مگر خوب صورت بھی تھا۔

وہ لوگ شام سے پہلے ناران پہنچے، لمبے سفر کے اختتام پر جو خوشی ہوتی ہے اس کی بات ہی نرالی ہوتی ہے۔ وادیِ ناران کا حسن الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا اس کی خوب صورتی کو مدِ نظر رکھ کر ہی اسے پریوں کا دیس اور پریوں کی وادی کہا گیا ہے۔ ایسی جگہ ان دونوں نے زندگی میں کبھی نہیں دیکھی تھی۔ حسین، سحر انگیز اور دلفریب..... یہاں موسم سرد تھا، فضا میں خنکی تھی۔ ہوٹل انہیں اچھا ملا تھا، کمرا بھی کشادہ تھا..... کمرے میں سامان رکھنے کے بعد انہیں اطمینان ہوا کہ چلو ناران تو پہنچ گئے..... لمبے سفر کے بعد تھوڑا سا آرام کرنا تو ہر مسافر کا حق بنتا ہے۔ ان دنوں ناران میں بجلی نہیں تھی۔ کسی لینڈ سلائڈنگ کی وجہ سے کافی دنوں سے بجلی بند تھی اور تاحال بحال نہ ہو سکی تھی۔ سارے ناران میں جنریٹر چل رہے تھے۔ ان کا ہوٹل ناران بازار میں ہی واقع تھا وہ لوگ ہوٹل سے نکل کر... بہ آسانی بازار میں گھوم پھر سکتے تھے۔

وہ دونوں ذرا آرام کر کے رات کے کھانے سے ذرا پہلے اٹھیں۔ ان کے گروپ کے تھکے ماندے مسافر اپنے، اپنے کمروں میں آرام کر رہے تھے۔ ہوٹل کا بیرا انہیں پانی کی بوتل اور گلاس دینے آیا تو انہوں نے اس سے بازار کے بارے میں کچھ معلومات لیں کیونکہ وہ وہیں کا رہنے والا تھا، اسے بازار اور وہاں کی ہر چیز کے بارے میں علم تھا اور وہ انہیں بہتر طور پر گائڈ کر سکتا تھا۔

ارما کو یاد آیا کہ شبو خالہ نے خاص طور پر اسے ڈرائی فروٹ لے کر آنے کی تاکید کی تھی۔ بیرے نے میز پر پانی کی بوتل اور گلاس رکھے۔

''بات سنیں بھائی! ناران بازار میں بہترین ڈرائی فروٹ کی دکان کون سی ہے؟ ہمیں دیسی اور خالص ڈرائی فروٹ چاہیے، بادام، اخروٹ اور خشک خوبانی.....'' ارما نے سفری بیگ میں سے سوئیٹر نکالتے ہوئے پوچھا۔

''باجی! میرے چچا کے بیٹے کا اپنا ڈرائی فروٹ کی دکان ہے، اِدھر ہوٹل کے قریب ہی ہے، اگر آپ نے اُدھر جانا ہے تو میں آپ کے ساتھ چلتا ہوں، یقین کرو باجی..... جو بندہ بھی اس سے بادام، اخروٹ لے کر جاتا ہے بار، بار فون کر کے منگواتا ہے۔'' اس نے مستعدی سے جواب دیا، وہ پٹھان تھا اور پختون لہجے

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

میں اردو بولتا تھا۔

''اچھا! تو پھر آپ ہمیں اس دکان تک لے جائیں۔'' عائلہ نے گلاس میں پانی ڈالتے ہوئے کہا۔

''ہاں جی ضرور..... اور بھی کوئی کام ہو تو ام کو بتادیں۔ اِدھر بہت لوگ آتے ہیں، گھومنے پھرنے، سیر کرنے اور کچھ لوگ تو صرف دریائے کنہار کی مچھلی کھانے کے لیے آتے ہیں۔ ہمارا تو کام ہی یہی ہے، لوگوں کی خدمت کرنا، ابھی اکتوبر، نومبر میں ناران کے راستے بند ہو جائیں گے اور پھر اتنی برف باری ہوگی کہ ہمارا گھر سے نکلنا مشکل ہو جائے گا۔ آج کل سیاحوں کا موسم ہے، لوگ یہاں آجا رہے ہیں اور اِدھر کے لوگوں کا کاروبار بھی چل رہا ہے۔'' اس نے اپنے مخصوص انداز میں کہا۔

عائلہ نے پانی پی کر گلاس میز پر رکھا اور ارما کو دیکھا۔

''ارما! چلو بازار دیکھ لیتے ہیں، ڈرائی فروٹ بھی لے لیں گے اور مزید دکانیں بھی دیکھ لیں گے۔ ہمیں آئیڈیا ہو جائے گا کہ یہاں کیا کچھ ملتا ہے۔''

''ہاں چلو ٹھیک ہے۔'' ارما نے تائیدی انداز میں سر ہلایا پھر اس نے اس بیرے کی طرف دیکھا۔

''آپ کا نام کیا ہے بھائی! کبھی ضرورت پڑی تو آپ کو بلانے میں آسانی ہوگی۔'' اس نے پوچھا۔

''امارا نام پربت نارانی ہے، اِدھر ہمیں سب لالا نارانی کہتے ہیں، آپ ہوٹل میں کسی کو بھی بول دینا کہ لالا نارانی کو بلا دو، ہم تک پیغام پہنچ جائے گا۔'' اس نے پُراعتماد انداز میں جواب دیا۔ وہ اونچا، لمبا مگر دبلا پتلا صاف رنگت کا حامل شخص تھا۔ سلیٹی رنگ کی شلوار قمیص پر اس نے سیاہ گرم چادر اوڑھ رکھی تھی۔

''اچھا لالا نارانی! اگر ہمیں لاہور جا کر یہاں سے کوئی چیز منگوانی ہو تو کیا آپ ہماری مدد کر سکتے ہیں؟'' ارما نے بے ساختہ پوچھا۔

''ہاں جی باجی کیوں نہیں، بہت سے لوگ ایسا کرتے ہیں، یہ جس ٹور گروپ کے ساتھ آپ لوگ آئے ہو، یہ تو ہر ہفتے سیاحوں کو لے کر لاہور سے یہاں آتا ہے، سب لوگ ہمارے ہی ہوٹل میں ٹھہرتے ہیں۔ اس گروپ کا گائڈ اختر بھائی ہمارا جگری دوست ہے، آپ نے جو کچھ منگوانا ہو ہم کو بتا دینا، ہم بھجوا دے گا۔''

لالا نارانی نے منٹوں میں مسئلے کا حل بھی نکال لیا۔

''ٹھیک ہے لالا نارانی... پھر ہم آپ کو ضرور بتائیں گے۔'' اس نے اطمینان بھرے انداز میں کہا۔

''باجی یہاں پر ان دنوں بجلی نہیں ہے۔ جنریٹر شام چھ بجے سے صبح چھ بجے تک چلتا ہے۔ ہم دن میں جنریٹر نہیں چلاتے ہیں آپ لوگ موبائل، جنریٹر چلنے کے ٹیم (ٹائم) پر چارج کر لینا۔ صبح پانچ بجے سے دن بارہ بجے تک گرم پانی بھی آئے گا، اِدھر ہر چیز اپنے ٹائم سے چلتی ہے۔ اگر آپ لوگوں نے کپڑے استری کروانے ہیں تو صبح چھ سے دو بجے تک باہر گلی میں دھوبی بیٹھتا ہے، کوئلوں والی استری سے سب لوگوں کے کپڑے استری کرتا ہے۔ باجی کسی بھی چیز کی ضرورت ہو تو باہر ریسپشن پر بتا دینا۔'' لالا نارانی نے اہم معلومات پہنچانے کا فرض بھی ادا کیا۔

''اچھا..... یہاں ہر چیز کی ٹائمنگ ہے۔'' وہ دونوں حیران ہوئیں۔

''شکر یہ کہ آپ نے یہ باتیں بروقت بتا دیں اب چلیں بازار چلتے ہیں، ہمیں رات کے کھانے سے پہلے واپس آنا ہوگا۔'' ارما اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولی۔

پھر وہ دونوں لالا نارانی کے ہمراہ بازار آگئیں۔ ڈھلوانی راستے سے گزرتے ہوئے، اردگرد کی دکانیں دیکھتے ہوئے وہ باتیں کرتے ہوئے چلتی جا رہی تھیں۔ بازار کی سڑک کشادہ تھی اور سڑک کے دونوں طرف دکانیں تھیں۔ ہر طرف سیاحوں کا رش تھا، لوگ چائے، کافی، سوپ پیتے ہوئے آس پاس سے گزرتے جا رہے تھے۔ لالا نارانی کسی چاک و چوبند گائڈ کی طرح ان کے آگے، آگے چلتا جا رہا تھا، چاروں طرف پہاڑ تھے۔

''یہ پہاڑ کتنے بلند ہیں، پتا نہیں یہاں لوگ کیسے رہتے ہوں گے۔ باقی شہروں سے اتنی دور، الگ، تھلگ..... پہاڑوں میں رہنا آسان نہیں ہوتا۔''

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

عائلہ دور نظر آتے پہاڑوں پر بنے مکانوں سے جھانکتی ٹمٹماتی روشنیوں کو دیکھ کر کہہ رہی تھی۔

''یہ لوگ اس لائف اسٹائل کے عادی ہوں گے۔ آج کل کے دور میں بھی بہت سے لوگ بجلی اور گیس جیسی سہولیات کے بغیر بھی زندگی گزار رہے ہیں، نیچر کے قریب رہنے والوں کو شاید ان سہولیات کی عدم موجودگی سے زیادہ فرق بھی نہیں پڑتا۔'' ارما نے بے ساختہ کہا۔

پہاڑوں پر کافی آبادی تھی۔ بے شمار مکانات بنے ہوئے تھے۔ کچھ گھروں میں جنریٹر چل رہے تھے اور کچھ میں لالٹین کی روشنیاں تھیں۔

''اس علاقے پر اور یہاں کے لوگوں کے لائف اسٹائل پر تو کوئی ڈاکومینٹری بنی چاہیے۔'' عائلہ نے کہا۔

ارما کی نظر دور پہاڑوں پر ہی ٹھہر گئی تھی۔

''میرا دل چاہ رہا ہے کہ ہم بھی ایک دن ایسے ہی کسی گھر میں گزاریں، وہ بھی ایک ایڈونچر ہوگا۔ جنگل کے پاس لکڑی اور پتھروں سے بنا کوئی گھر ہو، اس گھر میں لالٹین اور دیوں کی روشنی ہو، باغ میں خوبانی کے درخت ہوں اور جھاڑیوں میں جگنو چمکتے ہوں، پیور..... ٹریڈیشنل ہوم.....'' ارما نے عجیب خواہش کا اظہار کیا۔

''آئیڈیا تو اچھا ہے مگر ہم جس ماحول اور لائف اسٹائل کے عادی ہیں، اس طرح کے گھر میں بس ایک دن ہی گزار سکتے ہیں۔'' عائلہ نے دکان کے باہر گرم شالیں دیکھتے ہوئے کہا۔

''آئی وش کہ ہم کسی روایتی گھر میں ایک ایسا دن گزار سکیں۔'' ارما نے جذب کے عالم میں یوں کہا جیسے انسان کسی انوکھی اور انجانی خواہش کا اظہار کرتا ہے۔

''پھر تو ہمیں بھیڑ بکریاں بھی چرانی ہوں گی، چشمے سے پانی بھی بھر کر لانا ہوگا..... جنگل سے لکڑیاں بھی کاٹ کر لانی ہوں گی۔'' عائلہ بے ساختہ مسکرائی۔

''اسے ہی تو اصل ایڈونچر کہتے ہیں۔'' ارما نے بے ساختہ بولی۔

''ایڈونچر کا کریز ہی تو ہمیں یہاں تک لے آیا ہے۔'' عائلہ نے موسم کی خنکی محسوس کر کے سوئیٹر کی جیبوں میں ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا۔ ان کے آگے چلتا لالا نارانی خشک میوہ جات کی اِک بڑی سی دکان کے سامنے رک گیا۔ وہ دونوں بھی اس دکان میں داخل ہوگئیں۔

انجیر، بادام، اخروٹ، چلغوزے، خشک خوبانی، پستے، میوے، اس دکان میں ڈرائی فروٹ کی بہت ورائٹی تھی اور گاہکوں کا رش بھی تھا۔ لوگ ذوق وشوق سے یہ میوہ خرید رہے تھے۔ لالا نارانی نے دکاندار سے ہاتھ ملایا پھر اپنی زبان میں کوئی بات کی کہ وہ جوش و خروش سے عائلہ اور ارما کی طرف متوجہ ہوا۔

''باجی! کون سا ڈرائی فروٹ چاہیے؟'' اس نے استقبال کرتی مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا۔

''اچھے والے بادام دینا بھائی..... بہترین کوالٹی کے ہوں۔'' ارما نے سامنے رکھے ہوئے باداموں کو چھو کر کہا۔

''یہ دیکھو باجی چترالی بادام..... چترال کے بادام سے اچھا بادام تم کو پورے ملک میں کہیں نہیں ملے گا۔ دیسی اور خالص ہے۔'' دکاندار نے مستعدی سے سنہری رنگ کے بڑے، بڑے بادام دکھاتے ہوئے کہا۔ وہ بادام دیکھنے میں ہی خوب صورت لگ رہے تھے۔

''یوں تو ہمارے پاس چائنا سے آیا ہوا ڈرائی فروٹ بھی موجود ہے۔'' دکاندار نے کہا۔

''نہیں، ہمیں چائنا والا ڈرائی فروٹ نہیں چاہیے، ہمیں دیسی ڈرائی فروٹ دکھاؤ بھائی۔'' ارما فوراً بولی۔

''ارما! یہ چترالی کے بادام لے لیتے ہیں، یہ اچھے لگ رہے ہیں اور پھر یہ ہر جگہ سے نہیں ملتے۔'' وہ دونوں آپس میں باتوں میں مصروف ہوگئیں۔

''ہاں ٹھیک ہے، کیا دو کلو بادام کافی ہوں گے؟ شبو خالہ نے خاص طور پر منگوائے ہیں۔''

''ہاں تو دو تین کلو ہم اپنے لیے بھی لے لیتے ہیں، آلمنڈ کیک بنائیں گے، بار، بار تو ہم نے یہاں نہیں آنا، یہ ڈرائی فروٹ تو یہاں کی اسپیشل سوغات ہے۔''

''چلو ٹھیک ہے پھر پانچ کلو بہت ہوں گے۔''

''اخروٹ بھی خرید لیتے ہیں، مجھے یاد ہے بچپن

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

میں تمہاری نانی اخروٹ کا حلوا بنایا کرتی تھیں جو تم اکثر لنچ باکس میں اسکول بھی لے کر آیا کرتی تھی۔''

''وہ بچپن کی باتیں تھیں اب تو اخروٹ کا حلوا بھی ہمیں خود ہی بنانا پڑے گا۔''

''ہاں تو بنالیں گے، آسٹریلیا میں بھی کوکنگ اور بیکنگ خود ہی کرتی تھی۔''

''مگر یہ اخروٹ تو باہر سے کالے لگ رہے ہیں۔'' ارما نے اخروٹ اٹھا کر الٹ پلٹ کر دیکھتے ہوئے کہا۔

اب کی بار ان دونوں کی باتیں سنتے ہوئے دکاندار نے دخل دینا ضروری سمجھا۔

''باجی! یہ اخروٹ باہر سے کالے ضرور نظر آرہے ہیں مگر یہ دیسی ہیں، ان کا ذائقہ بھی اچھا ہے اور ان میں طاقت بھی ہے، چترال میں اخروٹ کے باغ ہیں، یہ ہم وہیں سے لے کر آتے ہیں۔''

''تو آپ ایسا کریں کہ تین کلو اخروٹ اور پانچ کلو بادام دے دیں۔'' ارما نے فیصلہ کرتے ہوئے کہا۔

''پانچ کلو بادام ہمارے لیے بھی پیک کر دیں۔'' اس کے عقب سے بھاری مردانہ آواز آئی۔ ایسی آواز جس کا سحر ہر سننے والے کو چونکا دیتا۔

''جی صاحب!'' دکاندار مستعدی سے بادام لفافے میں ڈالنے میں مصروف ہوگیا۔

ارما نے بے ساختہ گردن موڑ کر دیکھا۔

نیلی جینز پر سیاہ جیکٹ پہنے وہ دراز قد اور خوش شکل نوجوان تھا..... سرخ و سفید رنگت، سنہری آنکھیں اور ڈارک براؤن بال..... وہ جو کوئی بھی تھا بے حد شاندار بندہ تھا۔ اسے دیکھ کر یوں لگتا کہ شاید وہ کوئی امریکن یا یورپین ہے۔

ایک پل کے لیے اس نے بھی ارما کی طرف دیکھا، ایک لمحے کے لیے دونوں کی نظریں ملیں اس کی بے حد گہری سنہری آنکھوں میں مقابل کو مسمرائز کر دینے کی صلاحیت تھی۔ ارما نے گڑبڑا کر رخ پھیر لیا۔

دکاندار بادام اور اخروٹ پیک کرنے میں مصروف تھا۔ لالا نارانی اپنے کسی شناسا سے بات چیت کر رہا تھا۔ وہ دونوں ڈرائی فروٹ دیکھتے ہوئے دکان کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک آگئیں۔ عائلہ نے ارما کے کان میں سرگوشی کی۔

''تم نے وہ بندہ دیکھا ہے جو بادام خرید رہا ہے؟ کتنا ہینڈسم ہے، ہالی وڈ کا ہیرو لگ رہا ہے۔''

''don't tell me کہ ایسا کیریکٹر تم نے games of thrones میں دیکھا ہے۔'' اس نے بھی سرگوشی کرتے ہوئے کہا۔

عائلہ بے ساختہ ہنسی۔

وہ ان سے ذرا فاصلے پر پُراعتماد انداز میں کھڑا والٹ سے نوٹ نکال رہا تھا پھر اس نے بلا ارادہ ہی اِک سرسری نظر دیوار کے ساتھ کھڑی کان میں کھسر پھسر کرتی لڑکیوں پر ڈالی۔

ایک باب کٹ بالوں والی لڑکی تھی جس نے جینز پر سرخ سویٹر پہن رکھا تھا اور ہاتھ میں پرس تھاما ہوا تھا۔ دوسری لمبے بالوں والی اور سنہری رنگت کی حامل دبلی پتلی مگر دراز قد لڑکی تھی۔ اس نے جینز پر سفید رنگ کا کرتا اور نیلے رنگ کا سویٹر پہنا ہوا تھا۔ اس کے کندھے پر سیاہ رنگ کا بیگ بھی تھا..... اس لڑکی کو دیکھ کر وہ ایک لمحے کے لیے چونکا تھا، یہ ارما تھی۔

''شاید اسے پتا چل گیا ہے کہ ہم اس کے بارے میں باتیں کر رہے ہیں، اسی لیے تو ابھی اس نے ہماری طرف دیکھا ہے۔'' عائلہ نے پھر ارما کے کان میں سرگوشی کی۔

''یونہی اس کی نظر پڑ گئی ہوگی، حیران ہوا ہوگا کہ ناران کے بازار میں اتنی خوب صورت اور اسٹائلش لڑکیاں کہاں سے آگئیں۔'' ارما نے زیرِلب مسکرا کر دھیمی آواز میں کہا۔

''اس خوش فہمی پر میرا قہقہہ لگانے کو دل چاہ رہا ہے۔'' عائلہ نے بہ مشکل اپنی ہنسی روکی۔ یک دم دکاندار نے انہیں متوجہ کیا۔

''باجی..... یہ آپ کا سامان پیک ہوگیا ہے۔''

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

''بھائی ایک کلو خشک خوبانی اور ایک کلو چلغوزے بھی پیک کر دیں۔'' عائلہ نے کہا۔

''میرا خیال ہے اتنا ڈرائی فروٹ کافی ہے۔'' ارما پرس میں سے روپے نکالتے ہوئے بولی۔

''ہاں، کچھ ہم اپنے لیے رکھ لیں گے، کچھ تم اپنے رشتے داروں کو گفٹ کر دینا۔'' ارما نے تائیدی انداز میں سر ہلا دیا پھر رقم ادا کی۔

''باجی.....! یہ سامان ہم اٹھا لیتا ہے۔'' لالا نارانی نے پھرتی سے سارے لفافے اٹھا لیے۔

''شکریہ لالا نارانی.....'' وہ ممنون انداز میں بولی۔

پھر جب وہ دونوں دکان سے باہر جانے لگیں تو وہ شاندار بندہ وہاں نہیں تھا۔

''ارے وہ بندہ تو چلا گیا۔'' عائلہ نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے بے ساختہ کہا۔

''ظاہر ہے، وہ ڈرائی فروٹ لینے آیا تھا۔ سو لے کر چلا گیا۔'' ارما نے کندھے اچکا کر جواب دیا۔

''کیا ہوتا اگر وہ ہمیں دیکھ کر کچھ دیر کے لیے ٹھہر جاتا۔'' عائلہ کو اس بندے کے یوں غائب ہو جانے کا افسوس ہوا۔

''شریف آدمی ہوگا، خوب صورت لڑکیوں کو دیکھ کر اس نے خواہ مخواہ فری ہونے کی کوشش نہیں کی۔'' ارما مسکرا کر شوخی سے بولی۔ وہ دونوں آپس میں اس طرح کی کھٹی میٹھی باتیں کرتی رہتی تھیں۔

''اور نہ ہی خوب صورت لڑکیوں کو کوئی لفٹ کروائی۔'' عائلہ نے منہ بنا کر کہا۔

''اُف.....ایسے شریف لڑکے تو اب نایاب ہو گئے ہیں۔'' ارما نے شوخ لہجے میں کہا۔

لالا نارانی ان کا سامان اٹھائے ڈھلوانی راستے پر مہارت سے قدم رکھتا ان کے آگے، آگے چلتا جا رہا تھا۔

''خیر جو بھی ہے، بندہ بہت ہینڈسم تھا۔'' عائلہ نے اعتراف کیا۔

''اور مغرور بھی۔'' وہ بے ساختہ بولی۔

''اور عجیب بھی..... حسین لڑکیوں کو اگنور کر کے چلے جانا عجیب بات ہی تو ہے.....اگر میں اسے اردو میں بات کرتے ہوئے نہ دیکھ لیتی تو اسے کوئی فارنر ہی سمجھتی۔'' عائلہ نے کہا۔

''چلو چھوڑو اس ذکر کو..... پتا نہیں کون تھا، ہم خواہ مخواہ ہی اسے ڈسکس کر رہے ہیں۔'' ارما نے کندھے اچکاتے ہوئے بات سمیٹی۔ اسے، اس کی وہ نگاہ یاد آئی جو دل میں اترتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔ وہ گہری آنکھیں جن میں عجب مقناطیسی کشش تھی۔ چڑھائی چڑھتے ہوئے اسے اندازہ ہوا جیسے ان سنہری آنکھوں کے سورج اس کے دل کی زمین پر روشنی بکھیر چکے تھے، اس روشنی نے اس کے دل کے اس کونے کو چھوا تھا، جہاں برسوں سے اندھیرا تھا۔ اس احساس نے اسے خوفزدہ کر دیا۔ اس کے قدموں کی رفتار سست پڑ گئی، بعض دفعہ انسان چاہتے ہوئے بھی کسی کو اپنی زندگی کے اندھیروں کے متعلق بتا نہیں پاتا، چاہتے ہوئے بھی کسی پر اعتبار نہیں کر پاتا۔

''ارما! کیا تھک گئی ہو؟'' عائلہ نے اس کی سست روی کو محسوس کرتے ہوئے کہا۔ وہ گڑبڑا گئی۔

''ہاں.....سفر کی تکان بھی تو نہیں اتری.....اور ہم سیر کو چل دیے۔'' ارما نے بات بناتے ہوئے بجھی ہوئی آواز میں کہا۔

''ہاں.....تھکن تو ہوگئی ہے اور کل صبح، صبح ٹور گروپ والوں نے بابوسر ٹاپ کے لیے بھی نکلنا ہے۔ میرا تو خیال ہے کہ ہم کل کا دن ریسٹ کرتے ہیں، آرام سے اٹھیں گے، گھومیں پھریں گے، بازار سے شاپنگ کریں گے، تھکن بھی اتر جائے گی اور ہم انجوائے بھی کر لیں گے۔ تمہارا کیا خیال ہے؟'' عائلہ نے کہتے ہوئے اس کی رائے بھی لی۔

''ہاں ٹھیک ہے۔''

اس نے دور پہاڑوں پر اتری تاریکی کو دیکھتے ہوئے عدم توجہی سے کہا۔

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

''ابھی ہوٹل واپس جا کر اختر بھائی کو بتا دیتے ہیں کہ ہم کل بابوسر ٹاپ جانے میں انٹرسٹڈ نہیں ہیں، اس لیے ہمیں صبح نہ جگائیں۔'' عائلہ نے کہا۔

ارما نے کوئی جواب نہیں دیا صرف سر ہلا دیا۔ وہ دور پہاڑوں پر اتری تاریکی میں نظر آتی ننھی منی مدھم روشنیوں کو دیکھتے ہوئے کہیں کھو گئی۔

''میں بھی کتنی پاگل ہوں۔ دکان پر ملنے والے ایک اجنبی کے بارے میں خواہ مخواہ ہی سوچ رہی ہوں۔ ایسا بھی وہ کسی ریاست کا شہزادہ نہیں تھا جس سے میری نظر ملی اور وہ میرے حواسوں پر سوار ہو گیا۔'' اس نے سر جھٹکتے ہوئے خود کو سرزنش کی۔

ہوٹل آ چکا تھا، ان کے گروپ کے کچھ لوگ ہوٹل کے گیٹ کے پاس ہی کھڑے تھے۔ گروپ کے گائڈ اختر بھائی سب لوگوں کو ایک جگہ جمع کر رہے تھے، سب نے مل کر رات کے کھانے کے لیے ریسٹورنٹ جانا تھا۔ اختر بھائی کا تعلق اسکردو سے تھا۔ بھوری آنکھوں اور سفید رنگت والے دبلے پتلے اختر بھائی ہر وقت لوگوں کے ساتھ سر کھپاتے ہوئے اور کسی نہ کسی کام میں مصروف نظر آتے۔

ارما تیزی سے کمرے میں گئی اور ڈرائی فروٹ کے تھیلے رکھ کر واپس اسی جگہ آ گئی۔

گروپ کے لوگ پورے ہوئے تو اختر بھائی سب کو قریبی ریسٹورنٹ لے گئے۔ کھانے کے بعد ہوٹل واپس آ کر وہ دونوں ایسی سوئیں کہ پھر صبح بارہ بجے ہی ان کی آنکھ کھلی۔

☆☆☆

دن کے اجالوں میں وادیِ ناران کی خوب صورتی آنکھوں کو خیرہ کر دینے والی تھی۔ سبز پہاڑوں پر ہلکی دھوپ چمک رہی تھی۔

وہ دونوں دن کے بارہ بجے آرام سے اٹھیں۔ ان کا گروپ صبح نو بجے ہی بابوسر ٹاپ کے لیے روانہ ہو چکا تھا مگر انہوں نے اختر بھائی کو رات کو ہی بتا دیا تھا کہ وہ بابوسر ٹاپ پر نہیں جانا چاہتیں، ایک تو وہ بہت اونچائی پر تھا اور دوسرے وہاں ان دنوں رش کی وجہ سے کئی گھنٹوں کے لیے ٹریفک جام ہو جاتا تھا اور وہ مسلسل سفر کی وجہ سے خود کو تھکانا نہیں چاہتی تھیں۔

وہ دونوں تیار ہو کر ہوٹل سے باہر نکلیں۔ کل رات بازار میں گھوم پھر کر انہیں بہت سی جگہوں کے بارے میں پتا چل چکا تھا۔ انہوں نے قریبی ریسٹورنٹ میں مزیدار ناشتا کیا پھر سوچا کہ چلو کچھ شاپنگ کر لی جائے۔

مختلف دکانوں سے انہوں نے کافی چیزیں خریدیں۔ پھر وہ روایتی ملبوسات، زیورات اور دیگر اشیا کی ایک بڑی سی دکان میں داخل ہو گئیں۔ وہاں لکڑی کے ڈیکوریشن پیس، چترالی ٹوپیاں، کڑھائی والی رنگین گرم شالیں، دھاگے اور شیشوں کے کام سے مزین ہاتھ سے بنے ہوئے پرس بھی تھے۔ لکڑی کے ایک تختے پر کڑھائی والے کشن کور اور میز پوش بھی ترتیب سے رکھے ہوئے تھے اور کونے میں نصب شیشے کی الماری میں رکھے چاندی کے زیورات بھی چمک رہے تھے۔

عائلہ ہینڈی کرافٹس دیکھنے میں مگن ہو گئی جبکہ ارما زیورات کے قریب آ گئی۔ دکاندار مستعدی سے اسے مختلف زیورات دکھانے لگا۔ چاندی کا ہار، جھمکے اور ماتھا پٹی اسے بہت اچھی لگی۔

''باجی! یہ سیٹ خالص چاندی کا بنا ہوا ہے۔'' دکاندار نے پیشہ ورانہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ ارما کو یہ زیورات بہت پسند آئے۔

''کیا یہاں کی دلہنیں اپنی شادی پر یہی زیورات پہنتی ہیں؟'' اس نے دلچسپی سے پوچھا۔

''ہاں جی باجی، اس علاقے کی خواتین چاندی کے زیور پہنتی ہیں۔ شادی بیاہ پر بھی یہی روایتی زیورات پہنے جاتے ہیں۔ ہمارے پاس بہت ورائٹی ہے۔ چاندی کے ہار، گلوبند، پازیب، چوڑیاں، کنگن.. بس آپ پسند کریں ہم آپ کو رعایت بھی کر دیں گے۔'' دکاندار شیشے کے کاؤنٹر پر مختلف زیورات رکھتے ہوئے بولا۔

ارما کو خوشی ہوئی کہ یہاں کے لوگوں نے اپنی روایتوں اور کلچر کو برقرار رکھا ہوا تھا اور دکاندار بھی بڑی

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

خوش اخلاقی کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ اس نے بے اختیار ..... چاندی کی ماتھا پٹی اٹھائی۔

''باجی! پہن کر دیکھیں، اس دیوار پر آئینہ لگا ہے۔ آپ کو بھی آئینے میں دیکھ کر اندازہ ہو جائے گا کہ کون سی چیز کتنی سج رہی ہے۔'' دکاندار نے دیوار میں نصب لکڑی کے فریم والے آئینے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

ارما نے ماتھا پٹی پہن کر آئینے میں اپنا عکس دیکھا۔ وہ اس کے ماتھے پر سج گئی تھی۔ سیاہ بالوں پر چمکتی موتیوں کی لڑیوں کے درمیان اِک چاند چمک رہا تھا۔

''واؤ..... بیوٹی فل۔'' اس نے آئینے میں اپنا عکس دیکھ کر خود کو بے اختیار سراہا۔ یک دم آئینے میں اِک اور عکس ابھرا۔ اس کے عقب میں وہی بندہ کھڑا تھا جسے کل رات اس نے خشک میوے والی دکان پر دیکھا تھا۔ وہ چترالی ٹوپی پہن کر آئینے میں دیکھ رہا تھا۔ دفعتاً اس کی نظر آئینے میں نظر آتے ارما کے عکس پر پڑی تو ٹھہر گئی۔

دوسری بار اس شخص سے اس کی نظر ٹکرائی تھی اور اسے یوں لگا جیسے وہ ایک لمحہ صدیوں پر بھاری ہو گیا۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ شخص آنکھوں سے بات کرنے کا عادی ہے۔ اس کی سنہری اور بے حد گہری آنکھوں کی چمک نے اس کے دل پر دستک دی تھی۔ اس شخص کی نظر بھی چاندی کے زیور پہننے والی لڑکی کے عکس کو دیکھ کر مبہوت رہ گئی۔ ارما گھبرا کر آئینے کے سامنے سے ہٹ گئی۔ اس کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ اس نے ماتھا پٹی اتار کر کاؤنٹر پر رکھی۔

''یہ سیٹ پیک کر دیں، کتنے کا ہے؟'' وہ اپنی وکھلاہٹ پر قابو پاتے ہوئے سر جھکا کر پرس میں سے پیسے نکالنے لگی۔

''اچھا باجی، کچھ اور پسند کریں گی؟'' دکاندار نے قیمت بتا کر مسکرا کر کہا۔

''نہیں بس یہی کافی ہے۔'' وہ مدھم آواز میں بولی۔

دکاندار سیٹ ڈبے میں ڈالنے لگا۔

دکان میں رش بڑھنے لگا۔ سیاح آتے جا رہے تھے اور مختلف چیزیں دیکھ رہے تھے۔ عائلہ ہاتھ میں لفافے تھامے اس کے قریب آ گئی۔

''کیا خریدا ہے تم نے؟'' اس نے پاس آ کر پوچھا۔

''میں نے جیولری لی ہے، تم بھی پسند کر لو۔'' اس نے جواباً کہا۔

''تمہیں تو پتا ہے کہ مجھے جیولری پہننے کا بالکل شوق نہیں ہے۔'' عائلہ نے کندھے اچکا کر کہا۔

''اچھا تو پھر چلو یہاں سے چلتے ہیں۔'' ارما نے کہا پھر اس کی آواز سرگوشی میں ڈھل گئی۔

''میں نے ابھی اس بندے کی جھلک دیکھی ہے جسے ہم نے کل ڈرائی فروٹ والی دکان میں دیکھا تھا۔''

ارما کی بات سن کر عائلہ بری طرح چونک گئی۔

''اچھا! کہاں ہے وہ؟'' عائلہ نے اِدھر اُدھر دیکھا پھر مڑ کر پوری دکان میں ایک طائرانہ نظر دوڑائی مگر وہ کہیں نظر نہ آیا۔

''شاید چلا گیا ہے۔ میں نے اسے دیکھا تھا، وہ چترالی ٹوپی پہن کر دیکھ رہا تھا۔'' ارما نے کاؤنٹر پر سے شاپر اٹھاتے ہوئے سرگوشی کی۔

''آدمی ہے یا چھلاوا..... اِدھر نظر آیا، اُدھر غائب ہو گیا۔'' عائلہ نے کچھ حیرانی سے کہا۔

''لڑکے ہماری طرح شاپنگ میں گھنٹوں ضائع نہیں کرتے۔'' وہ دکان سے باہر نکلتے ہوئے بولی۔

''لگتا ہے کہ اسے اس بات کا اندازہ ہے کہ وہ کافی ہینڈسم اور ڈیشنگ بندہ ہے اور لڑکیاں اسے مڑ، مڑ کر دیکھتی ہیں۔ اسی لیے تو وہ خود کو ہیرو سمجھتا ہے۔ اب یہاں پر ایک ہی بازار ہے جس میں ساری دکانیں، ہوٹل، ریسٹورنٹ موجود ہیں تو لوگ کسی نہ کسی موڑ پر مل ہی جاتے ہیں۔'' عائلہ نے کہا۔

وہ دونوں اب دریا کی طرف جا رہی تھیں۔

''دیکھو! اب وہ شخص ہمیں کس موڑ پر ملتا ہے؟'' ارما کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

''کیا اس نے چترالی ٹوپی خریدی تھی؟'' عائلہ نے پوچھا۔

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

''پتا نہیں، میں تو دکان میں لگے آئینے میں زیور پہن کر دیکھ رہی تھی کہ اچانک آئینے میں مجھے اس کا عکس نظر آیا۔ ایک لمحے کے لیے اس سے میری نظر ملی تھی اور اس ایک لمحے نے ہی مجھے چونکا دیا۔ اس شخص کے دیکھنے کا انداز پُراسرار تھا۔ مجھے لگتا ہے کہ وہ کوئی عام آدمی نہیں ہے۔'' ارما نے پُرسوچ انداز میں کہا۔

''کیا واقعی؟'' عائلہ چونک گئی۔ اسے یہ سن کر حیرت ہوئی۔

''ہاں..... نہ جانے وہ کون ہے۔ کوئی سیاح یا مسافر یا کوئی اور..... مجھے تو وہ کوئی detective لگتا ہے۔ ایک لمحے میں نظر آتا ہے، اگلے لمحے غائب ہو جاتا ہے۔'' وہ کچھ سوچتے ہوئے بولی۔

''مجھے تو وہ کوئی غیر ملکی لگتا ہے، شاید اس کی ماں انگریز ہوگی۔'' عائلہ نے اندازہ لگایا۔

''دیکھتے ہیں کہ وہ اگلی بار ہمیں کہاں نظر آتا ہے۔ نظر آتا بھی ہے یا نہیں۔'' ارما نے عائلہ کا ہاتھ تھامے سڑک کنارے چلتے ہوئے کہا۔

''ہاں let's see..... کیا پتا کہ وہ ہمیں اگلی بار نظر ہی نہ آئے۔'' عائلہ نے امکان ظاہر کیا۔

ارما خاموش ہوگئی۔ اس نے اس بات کا جواب نہیں دیا۔ پتا نہیں اسے ایسا کیوں لگتا تھا کہ وہ اگلی بار بھی انہیں نظر آئے گا۔ اسے بار، بار اس کی وہ نگاہ یاد آتی۔ اس کی گہری آنکھوں میں کئی بھید چھپے تھے۔ وہ کون تھا، اس کا نام کیا تھا، وہ کہاں کا رہنے والا تھا۔ ایسے بے شمار سوال تھے اور اس کے پاس کسی ایک سوال کا جواب بھی نہیں تھا، اس کے باوجود وہ اس شخص کے خیال سے دامن نہیں چھڑا پائی تھی۔ سڑک کنارے چلتے ہوئے گہری سانس لے کر اس نے اس کے خیال کو ذہن سے جھٹکنے کی کوشش کی۔

وہ دونوں وادی میں گھومتی پھرتی رہیں۔ انہوں نے دریا کے پاس بنے ریسٹورنٹ میں دوپہر کا کھانا کھایا، کھانے کے بعد وہ دریا کے کنارے چلی آئیں اور دریا سے ذرا فاصلے پر ایک بڑے پتھر پر بیٹھ گئیں۔ دریا کے کنارے تیز ہوا تھی۔ شور مچاتا روانی سے بہتا دریائے کنہار جس کی تیزی اور روانی کو دیکھ کر ڈر بھی لگتا ہے۔

''اس دریا کو دیکھو! پانی اتنی تیزی سے بہتا جا رہا ہے کہ دیکھنے والا ایکسائٹڈ ہونے کے ساتھ خوف زدہ بھی ہو جاتا ہے۔ پہاڑوں پر برف پگھلتی ہے تو ان گلیشیئرز کا سارا پانی دریا میں آ گرتا ہے۔'' ارما نے ہوا سے اڑتے بال ایک ہاتھ سے سمیٹے۔

''شور بھی تو کتنا ہے اس دریا کا۔ مجھے تو جھیل سیف الملوک جانے کا انتظار ہے۔ میں تو وہ جگہ دیکھنے کو بہت بے تاب ہوں۔ پریوں کی جھیل، پریوں کا دیس۔'' عائلہ بے تابی سے بولی۔

''ہم کل صبح سویرے ہی جھیل سیف الملوک کے لیے روانہ ہو جائیں گے۔ بس ایک دن اور انتظار کر لو۔'' ارما مسکرا کر بولی۔

عائلہ نے ہوا کی خنکی محسوس کرتے ہوئے اپنے گرد شال اچھی طرح لپیٹی۔

''خیر تم اسکول کے باقی لوگوں کے بارے میں بتاؤ۔ کس، کس سے ملاقات ہوئی؟ کون ابھی تک غائب ہے؟ کس کی شادی ہوگئی؟ کس کی نہیں ہوئی، باقی کلاس فیلوز سے تمہارا کوئی رابطہ ہے؟'' عائلہ نے دلچسپی سے پوچھا۔ اسے برسوں پرانی باتیں دُہرانے کی عادت تھی۔

''میرا کسی سے بھی کوئی رابطہ نہیں ہے۔'' ارما کے جواب نے اسے مایوس کیا۔

''کسی سے کبھی ملاقات بھی نہیں ہوئی؟'' عائلہ نے حیرت زدہ انداز میں پوچھا۔ بھلا ایک ہی شہر میں رہتے ہوئے یہ کیسے ممکن تھا۔

''نہیں، میں خود اپنی جاب میں کافی مصروف ہوگئی تھی۔ کیریئر بنانے کی جدوجہد میں انسان کسی اور طرف توجہ ہی نہیں دے پاتا اور پھر نانی کی طبیعت بھی ٹھیک نہیں رہتی تھی، ان کے ساتھ ڈاکٹر کے پاس جانا، گھر بار دیکھنا، ان کی دوائیوں اور کھانے پینے کا خیال رکھنا۔ میں اپنی زندگی میں اتنا بزی رہی کہ کسی سے کوئی رابطہ ہی نہ کر سکی۔'' ارما نے سنجیدگی سے توجیہہ پیش کی۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

معروف قانون داں اور سرگودھا شہر کا فخر محترمہ سعدیہ ہما شیخ جو شاعرہ، کالم نگار، دانشور، مصنفہ بھی بہترین ہیں ان کی اعلیٰ ادبی سرگرمیوں کے لیے آل پاکستان رائٹ زویلفیئر فاؤنڈیشن پاکستان کے زیر اہتمام تربیتی ورکشاپ میں بطور اسپیکر شرکت کرنے اور ایوارڈ ملنے پر تمام ادبی و قانونی حلقے مبارک باد پیش کرتے ہیں۔

عائلہ نے پاؤں کے نیچے سے پتھر ہٹاتے ہوئے بہت سے بھولے بسرے ناموں کو یاد کرنے کی کوشش کی۔

''کتنی کلاس فیلوز تھیں ہماری..... عائشہ سلیم، فاخرہ خالد، میمونہ اصغر، ثوبیہ اسلام، سارہ اسلم، نائلہ مصطفیٰ، فرح بشیر وغیرہ، وغیرہ۔ کچھ تو اب میرے ساتھ فیس بک پر موجود ہیں اور کچھ باوجود کوشش کے نہیں مل سکیں۔ شادی کے بعد لڑکیوں کا سرنیم بھی بدل جاتا ہے ناں، اس لیے سوشل میڈیا پر انہیں ڈھونڈنا مشکل ہو جاتا ہے۔'' عائلہ نے دریا کے دوسرے کنارے پر نظر آتے گھنے درختوں کی طرف دیکھتے ہوئے پُرسوچ انداز میں یاد کرتے ہوئے کہا۔

ارما اسے بتا نہ سکی کہ پرانی یادوں کے جنگل جو عائلہ کو ہمیشہ سے دلفریب لگتے ہیں پر اسے ان سے وحشت ہوتی ہے۔ وہ کبھی مڑ کر پیچھے نہیں دیکھنا چاہتی تھی اور نہ ہی ماضی کے کسی موڑ پر ٹھہرنا چاہتی تھی۔

''ہاں..... شاید سب لوگ اپنی، اپنی زندگیوں کے مدار میں گم ہو چکے ہیں۔ آج کل کی تیز رفتار زندگی کی مصروفیات انسان کو بہت سے پرانے رشتوں سے دور کر دیتی ہے۔'' وہ آسمان پر تیرتے بادلوں کو دیکھتے ہوئے بے توجہی سے بولی۔ اس نے اس ذکر میں زیادہ دلچسپی نہیں لی۔

''تمہیں یاد ہے؟ میٹرک میں ہماری کلاس ٹیچر مس سلطانہ مسعود تھیں جو اکثر ساڑی پہنتی تھیں اور بالوں میں بڑا سا کلپ لگایا کرتی تھیں۔ ان کی بیٹی صدف مسعود بھی ہماری کلاس میں پڑھتی تھی۔ گوری سی، گولڈن بالوں والی..... اسکول کے زمانے میں بھی بہت فیشن ایبل تھی۔ اسے یہ لگتا تھا جیسے وہ اسکول کی سب سے حسین لڑکی ہے اور شاید اسی وجہ سے وہ ہر ایک سے لڑائی کرتی تھی۔ ٹیچر کی بیٹی ہونے کا فائدہ اٹھاتی تھی۔ عجیب بات تھی ٹیچر کی بیٹی ہونے کے باوجود بڑی نالائق تھی جبکہ سب ایکٹرز اور فلموں کے نام اسے زبانی یاد ہوتے تھے مگر وہ مجھے سوشل میڈیا پر نہیں ملی۔'' عائلہ نے یاد کرتے ہوئے کہا۔

اتنے سال گزرنے کے بعد بھی اسے صدف مسعود یاد تھی کیونکہ بہت سے حوالوں کی وجہ سے وہ اسکول کی مشہور و معروف طالبہ تھی۔ ارما کے چہرے پر سایہ سا لہرایا۔

''صدف کی شادی ہو گئی ہے اور مسز مسعود ریٹائر ہو گئیں۔'' اس نے ہوا سے اڑتے بالوں کو سمیٹتے ہوئے سنجیدہ آواز میں کہا۔

''اچھا، کس سے ہوئی صدف کی شادی؟'' عائلہ نے بے ساختہ پوچھا۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

ایک لمحے کے لیے وہ چپ ہوگئی۔ پھر دریا کے پانی کو دیکھتے ہوئے اس نے گہری سانس لے کر مدھم آواز میں انکشاف کیا۔

''اسی لڑکے سے..... جس کی تصویریں میں تمہیں دکھایا کرتی تھی۔''

عائلہ ہکا بکا رہ گئی۔ اسے اس قسم کا کوئی انکشاف سننے کی امید نہیں تھی۔ وہ بے یقینی کے عالم میں ارما کی شکل دیکھتی رہی۔

''کیا؟ یہ کیا کہہ رہی ہو تم؟ یہ کیسے ہوسکتا ہے؟''

اسے یہ بات سن کر شاک لگا تھا اسے اس بات کی سمجھ ہی نہیں آئی۔ اس کے الفاظ، جملے بے ربط ہوگئے۔

''یہ ہو چکا ہے۔ صدف مسعود اس لڑکے کی فرسٹ کزن بھی تھی۔'' اس نے ایک اور انکشاف کیا۔

عائلہ کو ان انکشافات سے زیادہ ارما کے تاثرات حیرت زدہ کررہے تھے یا تو وہ بڑی کمپوزڈ شخصیت کی مالک تھی۔ یا اسے اپنے دل کی باتیں اور تاثرات چھپانے میں کمال حاصل تھا۔ یہ بھی حیرت انگیز بات تھی کہ ارما نے اس عمر میں یہ کمال کیسے سیکھا۔ یہ کمال تو بڑے بڑے تیس مار خان اور سورما نہیں سیکھ پاتے۔

''مگر صدف تو اس زمانے میں بھی کسی کو پسند کرتی تھی، اس کا اپنے کسی کزن کے ساتھ چکر بھی تھا۔'' عائلہ کو یاد آیا۔

ارما نے پھیکے پڑتے چہرے کے ساتھ بے ساختہ اسے دیکھا۔

''وہ وہی لڑکا تھا۔'' اس نے ایک اور انکشاف کیا۔ سوال و جواب کا یہ حیرت کدہ الجھتا جارہا تھا۔

''تو کیا مسز مسعود اور صدف کو تمہارے اور اس لڑکے کے بارے میں پتا تھا؟ اور اگر انہیں معلوم تھا تو اس کے باوجود مسز مسعود نے اپنی بیٹی کی شادی اس لڑکے کے ساتھ کیوں کی؟ اور جب اس لڑکے کا صدف کے ساتھ اتنے سالوں پرانا افیئر تھا اور اس نے شادی بھی اسی کے ساتھ کرنی تھی تو اسے تمہاری طرف بڑھنے کی کیا ضرورت تھی؟ کیا صدف نے تم سے کسی بات کا انتقام لیا ہے؟'' عائلہ نے شاک کے عالم میں پوچھا۔

ارما نے گہری سانس لے کر نظریں چرائیں۔ آسمان بادلوں سے ڈھک گیا تو اجالوں کا رنگ مدھم پڑ گیا۔

''چھوڑو اس قصے کو۔ جو گزر گیا سو گزر گیا۔ اب ان باتوں کا کیا فائدہ؟ اور ویسے بھی جوڑے تو آسمانوں پر بنتے ہیں۔'' ارما نے بجھی ہوئی آواز میں کہا۔

''ارما؟ کیا اس لڑکے نے تمہارے ساتھ جان بوجھ کر فلرٹ کیا تھا؟'' عائلہ کچھ دیر ارما کا چہرہ دیکھتی رہی پھر وہ خود کو یہ سوال کرنے سے روک نہ سکی۔

ارما کے چہرے پر اداسی کی شام اتر آئی۔

''عائلہ ہم یہاں یہ باتیں کرنے تو نہیں آئے ہیں۔ ہم یہاں انجوائے کرنے آئے ہیں اور ویسے بھی اب ان باتوں میں کچھ نہیں رکھا۔ پرانے اور غیر اہم قصے بھول جانے چاہئیں۔ میں ان یادوں کو دُہرانا نہیں چاہتی ہوں۔ اگر ہم بار، بار اس قصے کو چھیڑتے رہیں گے تو میں ان تلخ یادوں کو کیسے بھلا سکوں گی۔'' ارما نے نرمی سے اسے ٹوک دیا۔ یہ موضوع اس کے لیے تکلیف دہ تھا اور اس نے تکلیف دہ کانٹوں کو اپنی زندگی سے نکال پھینکا تھا۔

''یو آر رائٹ۔'' کچھ دیر بعد عائلہ نے گہری سانس بھر کر کہا۔

پھر عائلہ نے اس حوالے سے کوئی بات نہیں کی۔ مگر یہ کہانی اس کے ذہن میں الجھ کر رہ گئی۔ مسز مسعود، صدف مسعود اور وہ فلرٹ اور دھوکے باز لڑکا جس کا اسے نام بھی معلوم نہیں تھا اور اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ ارما سے اس کا نام پوچھتی۔ خیر اب اس کا نام جو بھی تھا، اس سے کیا فرق پڑتا تھا۔ وہ ارما کی زندگی سے جاچکا تھا۔ شادی بھی کرچکا تھا، وہ بھی ارما کی پرانی کلاس فیلو کے ساتھ..... وہ کوئی عجیب ہی لڑکا تھا۔ عائلہ کو یوں لگا جیسے یہ دھوکے اور انتقام کی اِک عجیب داستان تھی اور ارما اس کا ذکر بھی کرنا نہیں چاہتی تھی۔ اسے اس لڑکے پر بری طرح غصہ آیا۔

''چلو چلتے ہیں۔ وہ لوگ تو بابو سر ٹاپ سے پتا

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

نہیں کب واپس آئیں گے۔'' کچھ دیر بعد ارما آہستگی سے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ اپنے گرد شال لپیٹتے ہوئے پتھروں کی روش پر کھڑی ہوگئی۔

''ہاں، چلو۔'' وہ سنجیدگی سے کہتے ہوئے ارما کے ساتھ قدم ملا کر چلنے لگی۔

واپسی کے سفر میں خاموشی ان کی ہم سفر تھی۔ ہوٹل کی طرف جاتے ہوئے ارما کا چہرہ سنجیدہ تھا اور عائلہ کو اس سنجیدگی سے خوف محسوس ہوا۔ وہ اپنے اس خوف کو بڑھانا نہیں چاہتی تھی، اس لیے اس نے دوبارہ اس سے کوئی سوال نہیں کیا۔

ہوٹل کی طرف جاتے ہوئے وہ قیمتی پتھروں کی ایک دکان پر بے ساختہ رک گئی۔ وہ قیمتی پتھروں کی ایک چھوٹی سی دکان تھی، جہاں لکڑی کی میز پر مختلف رنگوں کی شعاعیں بکھیرتے قیمتی پتھر پڑے ہوئے تھے۔

''کیا یہ پتھر اصلی ہیں؟'' ارما نے اشتیاق سے ہلکے نیلے رنگ کا ایک پتھر اٹھا کر دلچسپی سے پوچھا۔ دکاندار فوراً اس کی طرف متوجہ ہوا۔

''جی باجی! یہ اصلی پتھر ہیں۔ پہاڑوں کی زمین میں سے نکلتے ہیں اور یہیں سے سارے ملک میں بھجوائے جاتے ہیں۔ یہ دیکھیں، عقیق، مرجان، زمرد، فیروزہ، یاقوت، نیلم۔'' وہ مستعدی سے مختلف پتھر دکھا رہا تھا۔

''اچھے خوب صورت پتھر ہیں۔ نانی کے لیے لے لیتی ہوں۔ انہیں قیمتی پتھروں کا شوق ہے۔'' ارما سبز رنگ کے پتھر کو ہتھیلی پر رکھتے ہوئے بولی۔

''آپ پتھر پسند کرلیں۔ ہم لوگ جیولری بھی تیار کرتے ہیں۔ اگر آپ چاہیں تو ہم آپ کے لیے ان پتھروں سے جڑاؤ سیٹ بھی بنوا سکتے ہیں۔ ہم ہر طرح کے ڈیزائن تیار کرتے ہیں۔ یہ تو گاہک کی مرضی پر منحصر ہے کہ وہ کیسے زیورات پسند کرتا ہے۔'' دکاندار نے کہا۔

''مگر اس میں تو بہت دن لگیں گے، ہم لوگ تو ہوں واپس جا رہے ہیں۔'' ارما نے بے ساختہ کہا۔

''پتھر یہاں سے لے لو، جیولری ہم لاہور سے بنوا لیں گے۔'' عائلہ نے مشورہ دیا اس کی بات معقول تھی۔

ننگے

پیاسوں کے گرد سراب
معذوروں کے آگے دیواریں
اور نابیناؤں کے راستے میں
کیل بونے والے
شاید اپنے، اپنے گریبان کہیں گم کر بیٹھے ہیں

ناظمہ شاہین اعوان، واہ کینٹ

شاید دکان میں ان کے پیچھے کوئی گاہک آیا تھا۔ دکاندار کسی کو دیکھ کر چونکا پھر اس نے پھرتی سے لکڑی کی الماری کی دراز سے ایک چھوٹی سی ڈبیا نکالی جس میں ایک انگوٹھی سجی ہوئی تھی۔ کسی قیمتی پتھر سے مزین وہ چاندی کی مردانہ انگوٹھی تھی جس میں کئی رنگ تھے۔ نیلا، سبز اور سنہرا..... وہ کوئی خاص پتھر تھا کہ دیکھنے والے کی نظر اس پر ٹھہر سی جاتی۔

''یہ کس کی انگوٹھی ہے؟'' ارما نے اس انگوٹھی کو دیکھتے ہوئے بے ساختہ پوچھا۔

''جی یہ کبی صاحب کی ہے۔ آرڈر پر تیار کی ہے۔ خالص چاندی میں بنی ہے۔'' دکاندار نے بتایا پھر ان دونوں کے پیچھے کھڑے کسی شخص کو مخاطب کیا۔

''سالار صاحب! آپ کی انگوٹھی تیار ہے جی، آپ دیکھ کر تسلی کر لیجیے۔''

ان دونوں نے کوئی توجہ نہ دی کہ ان کے پیچھے کون کھڑا ہے۔ سوچا کہ دکان ہے، یہاں گاہک تو آتے جاتے رہتے ہیں۔ وہ مختلف پتھر اٹھا، اٹھا کر دیکھتی رہیں۔

''بہت خوب لالا، ہم تو آپ کے فن اور ہنر کے قدردان ہیں۔ اور دیکھے بغیر بھی بتا سکتے ہیں کہ یہ انگوٹھی کس قدر محنت اور نفاست سے تیار کی گئی ہے۔'' وہی گمبھیر، بھاری اور سحر انگیز آواز آئی۔ دفعتاً پیچھے کھڑے شخص نے ذرا بلند آواز میں کہا۔ ارما کا دل زور سے دھڑکا۔ وہ مڑ کر دیکھے بغیر بھی بتا سکتی تھی کہ وہ کون تھا۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

''شکریہ سالار صاحب... پھر خدمت کا موقع دیجیے گا۔'' دکاندار اس بات پر خوش ہو گیا۔

''شیور.....''

''تو اس کا نام سالار ہے۔'' ارما نے پلکیں جھپکاتے ہوئے دھڑکتے دل کے ساتھ سوچا۔

عائلہ نے اس سنہری موقع کو ضائع نہیں کیا۔

''بات سنیں، کیا ہم آپ کی یہ رنگ دیکھ سکتے ہیں؟'' اس نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے شائستگی سے کہا۔

''شیور۔'' وہ بے نیازی سے بولا۔

عائلہ نے ڈبیا کھول کر انگوٹھی ارما کو دکھائی۔

''یہ رنگ تو واقعی خوب صورت ہے اور بڑی محنت سے تیار کی گئی ہے۔'' اس نے ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

''ہاں جی، باجی! دور، دور سے لوگ ہم سے قیمتی پتھروں کے زیورات بنوانے آتے ہیں، ہم تو بہت سالوں سے یہ کام کر رہے ہیں۔'' دکاندار نے بھی یہ بتانا ضروری سمجھا۔

سالار نے اس تعریف پر کسی قسم کی خوش اخلاقی کا مظاہرہ نہیں کیا۔ وہ سنجیدہ چہرے کے ساتھ پُراعتماد انداز میں کھڑا تھا پھر اس نے والٹ میں سے چند نوٹ نکال کر دکاندار کو دے کر بل کی ادائیگی کی۔

''شکریہ سالار صاحب..... دوبارہ ضرور آیئے گا۔'' وہ پیشہ ورانہ مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

عائلہ نے وہ رنگ کیس سالار کی طرف بڑھا دیا۔ سالار نے ایک نظر خاموش کھڑی ارما پر ڈالی پھر ڈبیا اپنی جینز کی جیب میں ڈال کر باہر چلا گیا۔

اس کے جانے کے بعد ارما نے نانی کے لیے کچھ قیمتی پتھر خریدے پھر وہ دونوں بھی دکان سے باہر آ گئیں۔

''بندہ مغرور ہے۔'' عائلہ نے تبصرہ کیا۔

''ویسے انگوٹھی خوب صورت تھی۔'' ارما نے.... بے ساختہ کہا۔

''ہم ہی اسے ہر وقت ڈسکس کرتے رہتے ہیں ورنہ وہ تو ہمیں بالکل لفٹ نہیں کرواتا، وہ کتنی بار مختلف جگہوں پر ہمیں ملا ہے مگر مجال ہے کہ کسی کرٹسی کا مظاہرہ کیا ہو۔'' عائلہ کو اس کا یہ انداز برا لگا۔

''پتا نہیں کیوں، وہ مجھے پُراسرار آدمی لگتا ہے۔ وہ ہم سے خوش اخلاقی سے بھی بات کر سکتا تھا مگر شاید اسے لوگوں کے ساتھ فرینک ہونا پسند نہیں ہے اور ایسا رویہ وہ لوگ اختیار کرتے ہیں جن کی زندگی میں کوئی اسرار ہوتا ہے جسے وہ لوگوں کی نظر سے ہمیشہ مخفی رکھنا چاہتے ہیں۔'' ارما نے پُرسوچ انداز میں کہا۔ اس نے سالار کی آنکھوں کو پڑھ لیا تھا۔

''اُف..... مجھے تو اس فلاسفی کی سمجھ ہی نہیں آئی۔'' عائلہ نے بے ساختہ کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔

''یہ فلاسفی نہیں سائیکالوجی ہے۔'' ارما مدھم انداز میں مسکرائی۔

''واٹ ایور..... اب اگر وہ بندہ سالار ہمیں دوبارہ نظر آیا تو ہم نے بھی اسے اگنور کر دینا ہے، ہمیں کیا ضرورت ہے کہ خواہ مخواہ اس بداخلاق اور مغرور بندے کی باتیں کرتے رہیں۔ ٹھیک ہے، بندہ ہینڈسم اور شاندار ہے مگر ہم بھی کسی سے کم نہیں ہیں۔'' عائلہ نے منہ بنا کر کہا۔ وہ دونوں باتیں کرتے ہوئے ہوٹل آ گئیں۔ سامنے سے لالا نارانی آ رہا تھا۔

''لالا نارانی! کیا اختر بھائی وغیرہ بابوسر ٹاپ سے واپس آ گئے ہیں؟'' عائلہ نے لالا نارانی کو دیکھتے ہی پوچھا۔

''نہیں باجی! وہ لوگ تو دیر سے ہی آئیں گے کیا آپ لوگوں کے لیے چائے لے آؤں؟'' لالا نارانی جیسی بہترین مہمان نوازی بھی بہت کم لوگوں کا خاصہ ہوتی ہے۔

''جی ہاں چائے بنوا دیں... لالا نارانی! آپ کی میزبانی کو ہم لاہور جا کر بھی یاد کریں گے۔'' عائلہ نے مسکرا کر کہا پھر وہ دونوں کمرے میں آ گئیں۔

اختر بھائی وغیرہ بابوسر ٹاپ سے شام ڈھلے واپس آئے۔ تھکے ہارے مسافر آتے ساتھ ہی اپنے، اپنے کمروں میں آرام کرنے چلے گئے۔

PakistaniPoint www.pakistanipoint.com

رات کا کھانا اختر بھائی نے ہوٹل میں ہی منگوا لیا تھا۔ صبح ان سب کو جھیل سیف الملوک جانا تھا اور ہر کسی کو اس حسین صبح کا انتظار تھا۔

☆☆☆

اگلے دن وہ لوگ اپنے ٹوئر گروپ کے ساتھ صبح سویرے چھ بجے ہی جھیل سیف الملوک کے لیے جیپوں میں روانہ ہوئے۔ ایک جیپ میں چھ لوگ سوار تھے۔ جھیل سیف الملوک پہاڑ کی اونچائی پر واقع تھی اور اس تک جانے والا راستہ کچی سڑک پر مشتمل تھا اور اتنی اونچائی پر صرف لوکل جیپ میں ہی جایا جا سکتا تھا۔ یہ ایک چیلنجنگ اور کسی حد تک خطرناک راستہ تھا۔ وہ لوگ بہ آواز بلند دعائیں پڑھتے، آیت الکرسی اور درود شریف کا ورد کرتے رہے۔ جیسے ہی جیپ کوئی خطرناک موڑ کاٹتی، حسبی اللہ کی صدائیں بلند ہو جاتیں۔ بالآخر کچھ راستہ سڑک اور کچھ گلیشئرز طے کرنے کے بعد وہ لوگ جھیل سیف الملوک پہنچ گئے تھے۔ ہر کسی کے لیے یہ ایک یادگار سفر تھا۔

برف پوش پہاڑوں میں گھری خوب صورت سبزی مائل نیلے پانی کی جھیل پر دور سے ہی نظر پڑی تو عائلہ کو یوں لگا جیسے برسوں پرانا اِک خواب پورا ہو گیا ہو۔ قدرت کا اِک حسین، سحر انگیز اور دلفریب نظارہ جسے دیکھنے کے لیے لوگ دشوار گزار راستوں کا سفر طے کر کے دور، دور سے آتے ہیں۔ جیپ نے انہیں جھیل سے ذرا فاصلے پر اتارا تھا۔

جھیل سیف الملوک اس سے کہیں زیادہ خوب صورت تھی جتنا انہوں نے اس کے بارے میں سنا تھا۔ دور سے نظر آتا شفاف پانی دن کے اجالے میں چمک رہا تھا۔ پہاڑوں کے بیچ پیالے کی شکل میں آدھی برف کی چادر سے ڈھکی اس جھیل کو دیکھنے کے لیے لوگ دور دراز کے علاقوں سے آتے اور کسی شاعر کی طرح اس کے حسن کے قصیدے پڑھتے۔

"It's beautiful mesmerizing"

عائلہ پلکیں جھپکائے بغیر جھیل کو دیکھتے ہوئے، ارما کا بازو تھامے جھیل تک جانے والے راستے پر چلتے ہوئے بولی۔

اختر بھائی سب سے آگے تھے، گروپ کے باقی لوگ ان کے پیچھے چلتے جا رہے تھے۔ صبح، صبح لوگوں کا رش بھی نہیں تھا۔

''ایسا منظر میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ پیور نیچرل بیوٹی، قدرت کا حسین شاہکار۔'' ارما نے ٹھنڈی اور سُبک ہوا کی تازگی محسوس کرتے ہوئے لمبی سانس کھینچ کر سرخوشی کے عالم میں کہا۔

''احسان کیا ہے تم نے مجھ پر جو مجھے یہاں لے آئی ہو۔'' عائلہ کی آواز میں ایکسائٹمنٹ تھی۔

''تو پھر اس احسان کو ہمیشہ یاد رکھنا۔'' ارما پتھروں کے راستے پر چلتے ہوئے بے ساختہ مسکرا کر بولی۔

''ہاں جی، تو میں نے کب انکار کیا ہے۔ میں تو مانتی ہوں کہ بھئی دوست ہو تو ارما جیسی ہو۔'' عائلہ نے مسکراتی آواز میں کہا۔

''مجھے یاد ہے کہ اسکول میں جب ہم مائی بیسٹ فرینڈ پر مضمون لکھا کرتے تھے تو اس میں تم میرا نام لکھتی تھیں اور میں تمہارا.....'' اسے ایک بہت پرانی بات اچانک یاد آئی۔ عائلہ بے ساختہ ہنسی۔

''ہاں، اسکول کے دن، زندگی کے بہترین دن تھے۔ اب تو یوں لگتا ہے کہ وہ دن کسی تتلی کی طرح تیزی سے اڑ گئے، بس یادوں میں رہ گئے۔''

''شکر کرو کہ جوانی میں ہم نے جھیل سیف الملوک دیکھ لی۔ جوانی میں گھوم پھر رہے ہیں، نئی، نئی جگہیں دیکھ رہے ہیں، ایڈونچرز کر رہے ہیں، ورنہ بڑھاپے میں گھومنے پھرنے کا کیا فائدہ! اس وقت تو انسان شوگر، بلڈ پریشر اور جوڑوں کے درد کا مریض بن جاتا ہے۔'' اس نے اپنی لاجک پیش کی۔

''یہ تو تم نے ٹھیک کہا زندگی کے سارے ضروری کام جوانی میں ہی کر لینے چاہئیں۔'' عائلہ نے سر ہلاتے ہوئے تائید کی۔ وہ دونوں باتیں کرتے ہوئے اونچے نیچے راستوں پر چلتی ہوئی جھیل کے پاس پہنچ چکی تھیں۔

زمرد رنگ جیسا سبز پانی جس کے اطراف بلند و

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

بالا برف سے ڈھکے پہاڑ تھے۔ جھیل کے شفاف پانی میں پہاڑوں پر جمی برف کا سفید عکس بھی نظر آرہا تھا اور کنارے پر لکڑی کی کشتیاں بھی موجود تھیں۔

اختر بھائی جھیل کنارے ٹھہر گئے۔ ''وہ جو برف سے ڈھکا پہاڑ ہے ناں اسے ملکہ پربت کہتے ہیں۔ وہ وادی کاغان کی بلند ترین چوٹی ہے، اس پہاڑ کو سر کرنا..... بے حد مشکل ہے۔ بہت سے کوہ پیماؤں نے یہ کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکے۔'' اختر بھائی دور نظر آتے برف سے ڈھکے پہاڑ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتا رہے تھے۔

''ملکہ پربت یعنی پہاڑوں کی ملکہ۔ میں نے اس کے بارے میں بہت سی کہانیاں سن رکھی ہیں۔'' ارما نے بے ساختہ کہا۔

''ہاں، میں نے بھی۔'' عائلہ کو بہت سے واقعات یاد آئے۔

اختر بھائی لکڑی کی کشتی کے پاس چلے آئے۔

''آپ میں سے جو لوگ کشتی میں بیٹھنا چاہتے ہیں وہ اس طرف آجائیں، کشتی جھیل کے آخری کنارے تک نہیں جائے گی، بس جھیل میں آدھا چکر لگا کر واپس آجائے گی۔ بہت سے ذرائع کے مطابق ابھی تک اس جھیل کی گہرائی ناپی نہیں جا سکی اس لیے اس کی گہرائی کے متعلق اندازہ لگانا مشکل ہے۔ اس سلسلے میں یہاں بے شمار ٹیمیں آئیں مگر اس جھیل کی گہرائی تاحال معلوم نہیں ہو سکی۔'' اختر بھائی نے ذرا بلند آواز میں کہا۔

''کتنی گہری ہو گی یہ جھیل؟ یہ بھی تو ایک مسٹری ہے۔'' عائلہ نے حیران ہوتے ہوئے کہا۔

''پتا نہیں، اس بارے میں کچھ کہنا مشکل ہے۔ اس جھیل کے حوالے سے بہت سی کہانیاں اور myths مشہور ہیں۔'' ارما نے جھیل کے پانی میں چمکتی سورج کی کرنوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''پھر کشتی میں بیٹھیں؟'' عائلہ نے پوچھا۔

''ہاں، سب لوگ بیٹھے رہے ہیں تو ہم بھی بیٹھ جاتے ہیں۔'' اس نے ہوا سے اڑتے بالوں کو ایک ہاتھ سے پیچھے کرتے ہوئے کہا۔

ان کا سارا گروپ جھیل کے کنارے پر کشتی کے پاس جمع ہو گیا تھا۔ اختر بھائی ملاح کے ساتھ بات چیت میں مصروف ہو گئے۔ کشتی کو رنگ برنگے مصنوعی پھولوں سے سجایا ہوا تھا اور کشتی کے اگلے حصے کے کونے میں پاکستانی پرچم بھی لہرا رہا تھا۔ ان پہاڑوں میں حب الوطنی کا یہ اظہار سب کو ہی پسند آیا۔

دفعتاً عائلہ نے ارما کو چونکاتے ہوئے انداز میں دھیرے سے کہنی ماری۔

''وہ دیکھو ارما! وہی بندہ سالار..... وہ بھی یہاں آیا ہوا ہے۔'' اس کی دھیمی آواز میں حیرانی تھی۔

ارما چونکی پھر اس نے بے ساختہ مڑ کر دیکھا۔ وہ وہی تھا، نیلی جینز پر اپنی مخصوص سیاہ جیکٹ پہنے، پُراعتماد انداز میں پتھروں کی روش پر کھڑا تھا۔ اس کے بائیں بازو پر عقاب بیٹھا تھا اور وہ فوٹو گرافر سے تصویر بنوا رہا تھا۔ ایسے بہت سے سیاحی مقامات پر لوگوں کے پاس شاہین، عقاب اور آسٹریلین طوطے ہوتے ہیں جن کے ساتھ سیاح تصویریں بنواتے ہیں۔

''وہ بھی ہماری طرح جھیل سیف الملوک دیکھنے آیا ہو گا۔'' ارما نے اسے دیکھتے ہوئے کہا پھر اختر بھائی کی بلند آواز نے سب کو متوجہ کیا۔

''چلیں سب لوگ کشتی میں بیٹھ جائیں، ایک کشتی میں آٹھ لوگ بیٹھیں گے۔''

وہ لوگ باری، باری کشتی میں بیٹھنے لگے۔ گروپ کے سب لوگ ہی ایکسائٹڈ تھے۔

ارما نے ذرا سا جھک کر جھیل کے پانی کو ہاتھ لگایا۔ پانی یخ ٹھنڈا تھا۔

''سبز پانیوں کا سفر کتنا خوب صورت ہے۔ مجھے تو ویسے بھی پانی میں سفر کرنا بہت fascinate کرتا رہا ہے۔'' وہ ایکسائٹڈ انداز میں پانی اچھالتے ہوئے بولی۔

کشتی کے اگلے سرے پر پاکستانی پرچم ہوا کے دوش پر لہرا رہا تھا۔ سُبک ہوا کے جھونکے ان کے ساتھ، ساتھ سفر کرتے جا رہے تھے اور ملاح پانی میں مہارت سے چپو چلاتا جا رہا تھا۔

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

اختر بھائی نے سب کو متوجہ کر کے جھیل سیف الملوک کے بارے میں مشہور لوک داستان کے بارے میں بتانا شروع کیا۔ ''کہا جاتا ہے کہ سیف مصر کا شہزادہ تھا۔ ایک دن اس نے خواب میں برف سے ڈھکے پہاڑوں کے درمیان سبز پانی کی ایسی حسین جھیل کو دیکھا جس کا حسن الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ جھیل کے کنارے اس نے پریوں کی شہزادی بدیع الجمال کو دیکھا جو چودھویں کی رات اپنی ہم جولیوں کے ساتھ جھیل پر آیا کرتی تھی۔ وہ اتنی خوب صورت اور حسین پری تھی کہ شہزادہ سیف اس کے حسن کا دیوانہ ہو گیا۔ وہ اکثر یہی خواب دیکھتا تھا جو بھی اس کی باتیں سنتا تو یقین نہ کرتا۔ ایک دن شہزادہ سیف اپنا ملک چھوڑ کر اس جھیل کی تلاش میں نکلا اور برسوں سفر کرتا رہا۔ اس کی حالت دیوانوں جیسی ہو گئی' پھر راستے میں اسے ایک بزرگ ملے جنہوں نے اسے یہاں تک پہنچنے میں مدد دی۔ انہوں نے اسے سلیمانی ٹوپی دی جسے پہن کر وہ سب کی نظروں سے اوجھل ہو جاتا۔''

ارما نے دلچسپی سے یہ کہانی سنتے ہوئے دور کنارے پر دیکھا۔ وہ شخص جھیل کے کنارے پر ہی کھڑا تھا اور پانی میں دور جاتی کشتی کو ہی دیکھ رہا تھا۔ وہ کیسا اجنبی تھا، نہ شناسا تھا اور نہ اپنا تھا لیکن اجنبی نہیں رہا تھا۔

''پریوں کی شہزادی بدیع الجمال ایک خوفناک دیو کی قید میں تھی جس کا نام دیو سفید تھا۔ شہزادے سیف نے چالیس دن تک چلا کاٹا جس کے بعد وہ پری شہزادی کو دیکھ سکتا تھا۔ برسوں کی جدوجہد کے بعد ایک دن بالآخر وہ اس جھیل پر پہنچے میں کامیاب ہو گیا۔ وہ چودھویں کی رات تھی جب پری بدیع الجمال جھیل پر آئی تھی جہاں اس کی ملاقات شہزادے سیف سے ہوئی۔ اس جگہ جہاں شہزادہ اور پری ملے تھے اس جگہ کو ملوک کہا جانے لگا بعد میں اس جھیل کا نام سیف الملوک پڑ گیا۔ دیو سفید نے ان دونوں کو تلاش کرنے کی بہت کوشش کی مگر وہ ناکام ہوا۔ پری شہزادی کی جدائی کے غم میں وہ اتنا رویا کہ اس کے آنسوؤں سے اک جھیل بن گئی جسے آنسو جھیل کہتے ہیں بعد میں دیو سفید نے پہاڑ سے چھلانگ لگا کر خودکشی کر لی تھی۔ صوفی شاعر میاں محمد بخش نے اس کہانی کو نظم میں بھی بیان کیا ہے۔'' اختر بھائی یہ مشہور لوک داستان سنا رہے تھے۔

''کہاں ہے آنسو جھیل؟'' کشتی میں بیٹھی ایک لڑکی نے پوچھا۔

''آنسو جھیل یہاں سے بہت دور ہے اور وہ آنسو کی شکل جیسی ہے اور کوہ ہمالیہ کی بلند ترین جھیلوں میں سے ایک ہے۔ وہ ملکہ پربت کے قریب ہے اور وہاں تک خچروں اور گھوڑوں پر سوار ہو کر کئی گھنٹوں کی مسافت طے کرنے کے بعد ہی پہنچا جا سکتا ہے۔'' اختر بھائی نے جواب دیا۔

''شہزادے سیف اور پری بدیع الجمال کی یہ کہانی تو بہت دلچسپ ہے۔'' عائلہ نے مسکرا کر کہا۔

''لوک داستانوں کی یہی خصوصیت ہوتی ہے کہ وہ اتنی دلچسپ ہوتی ہیں کہ نسل در نسل سفر کرتی ہیں۔ ہو سکتا ہے زبان در زبان اس میں کمی بیشی بھی ہوتی رہی ہو۔'' ارما مسکراتے ہوئے بولی۔

کشتی ایک چکر لگا کر واپس آ گئی۔ کشتی سے اتر کر گروپ کے لوگ اِدھر اُدھر چلے گئے۔ اختر بھائی نے سب کو جیپ کے پاس آ جانے کا ایک ٹائم دے دیا تھا، کچھ لوگ چائے پینے چلے گئے، کچھ تصویریں بنوانے میں مصروف ہو گئے۔ وہ دونوں جھیل سے ذرا فاصلے پر پتھر پر بیٹھ گئیں۔ سبز پانی کی جھیل پر سورج کی کرنیں، چمک رہی تھیں۔ آسمان پر بادل تیر رہے تھے۔

قدرت کے اس خوب صورت منظر نے ارما کے دل کو چھو لیا تھا۔ اس نے آہستگی سے سر پر دوپٹا اوڑھا اور ذکرِ الٰہی میں مشغول ہو گئی۔ اس کے دل میں خیال آیا کہ قدرت کی ایسی حسین جگہ پر آ کر رب کی حمد و ثنا بھی کرنی چاہیے۔ عائلہ کچھ دیر اسے دیکھتی رہی۔

لوگ ٹولیوں کی صورت جھیل کے قریب جاتے نظر آ رہے تھے پارکنگ میں کھڑی جیپوں میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ جھیل پر سیاحوں کا رش بڑھنے لگا۔ جھیل

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

سے ذرا فاصلے پر اک مسجد بھی تھی۔

''مجھے یاد ہے کہ تم شروع سے ہی کافی مذہبی ہوا کرتی تھی۔ پنجگانہ نمازیں پڑھتی تھیں۔ روزے رکھتی تھیں۔'' کچھ دیر بعد عائلہ نے ارما سے کہا۔ ارما مدھم انداز میں مسکرائی۔

''میں سمجھتی ہوں کہ صرف نماز پڑھنے اور روزہ رکھنے سے انسان مذہبی نہیں بن جاتا۔ یہ تو ہمارے فرائض ہیں۔ انہیں ہمیں ہر صورت ادا کرنا چاہیے۔ میرا خیال ہے کہ مذہبی شخص وہ ہوتا ہے جو مذہب کے احکامات کو سمجھتا ہے اور ان پر عمل کرتا ہے۔'' ارما نے کہا۔

''یہ تو ہے..... خیر میں اتنے سالوں بعد پاکستان آئی ہوں تو یہاں پر سب کچھ بدل گیا ہے۔ لوگوں کے مزاج، رویّے، عادات، انداز، یہاں بہت کچھ بدل گیا ہے۔ میں رات کو کل کی باتوں کے بارے میں بہت دیر تک سوچتی رہی اور حیران ہوتی رہی مگر تلخ اور دکھ دینے والی یادوں کا ذکر بھی نہیں کرنا چاہیے۔ تمہارا اب زندگی کے بارے میں کیا پلان ہے؟ جاب کرو گی یا پھر شادی؟'' عائلہ نے سنجیدگی سے کہا۔

''ابھی میں نے کچھ نہیں سوچا۔ ابھی میں صرف ٹریول کرنا چاہتی ہوں۔ گھومنا پھرنا چاہتی ہوں۔ زندگی کے اس نئے رخ کو دیکھنا چاہتی ہوں مگر تم نے اپنی شادی کے بارے میں کیا سوچا ہے۔'' ارما نے جھیل کے سبز پانی کو دیکھتے ہوئے عائلہ سے پوچھا۔

''ابھی تو کچھ نہیں سوچا مگر ممی، پاپا چاہتے ہیں کہ میری شادی پاکستان میں ہی ہو۔'' عائلہ نے مسکرا کر کہا۔

''تو پھر ڈھونڈتے ہیں کسی کو پاکستان میں۔'' ارما شوخی سے مسکرائی۔

''کبھی نہ کبھی کوئی مل ہی جائے گا۔'' عائلہ نے ہنس کر کہا۔

''کسی نہ کسی موڑ پر..... ہاتھوں میں گلاب لیے کھڑا ہوگا۔'' ارما نے چہرے سے بال ہٹاتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

''میں بھی شہزادہ سیف کی طرح کسی کو تلاش کرنے کے سفر میں نکل پڑتی ہوں۔ لوگ کہتے ہیں کہ اس جھیل پر پریاں اترتی ہیں۔ شہزادے نے تو چالیس دن کا چلہ کاٹا تھا تب کہیں جا کر اسے پری نظر آئی تھی مگر یہاں آ کر ہمیں یوں محسوس ہو رہا ہے کہ یہاں آنے والے ہر انسان کو پریوں کی موجودگی محسوس ہوتی ہے یہاں آنے والا ہر بندہ جان جاتا ہے کہ یہ پریوں کا دیس ہے۔'' عائلہ نے گہری سانس لے کر تازہ ہوا کی تازگی کو محسوس کرتے ہوئے کہا پھر پہاڑوں پر بکھری برف کو دیکھنے لگی۔

''ہاں یہاں بیٹھ کر کتنا سکون مل رہا ہے ناں! کتنا اچھا لگ رہا ہے اس اجالے میں جھیل کنارے بیٹھ کر۔ اس جگہ آ کر یوں لگتا ہے جیسے انسان اس جھیل کے حسن اور خوب صورتی میں کھو کر اپنے دکھ اور غم بھلا دیتا ہے۔ نارسائی کے زخم مندمل ہو جاتے ہیں اور اجڑی ہوئی خواہشوں پر نئی کونپلیں پھوٹنے لگتی ہیں، نفسیاتی الجھنیں پُرسکون ہو جاتی ہیں۔ کوئی بات ہے اس جگہ میں..... کوئی خاص بات..... کوئی گہرا اسرار.....'' وہ دور پتھروں پر بہتے جھیل کے پانی کو دیکھتے ہوئے بولی۔

''ہاں ہو سکتا ہے اس جگہ کے متعلق بڑی myths اور مسٹری ہے، بڑی داستانیں اور کہانیاں مشہور ہیں۔'' عائلہ نے تائیدی انداز میں کہا۔

''جو انسان جھیل سیف الملوک دیکھ لیتا ہے اس کے دل و دماغ پر اس کے حسن کا نقش ہمیشہ تازہ رہتا ہے۔''

کچھ دیر بعد وہ دونوں وہاں سے اٹھ گئیں۔ جیپ کی طرف جاتے ہوئے ارما نے سالار کو دیکھا۔ وہ جھیل کے دوسرے کنارے پر جیکٹ کی جیبوں میں دونوں ہاتھ ڈالے کھڑا تھا اور ان کی طرف ہی دیکھ رہا تھا۔ اس کا دل بے ساختہ دھڑکا پتا نہیں اس شخص کو دیکھ کر وہ ہپناٹائز سی کیوں ہو جایا کرتی تھی۔ وہ سر جھٹک کر آگے چلنے لگی۔

بے حد حسین یادیں دل میں لیے وہ لوگ جھیل سے واپس آئے تو موسم ابر آلود تھا۔ ہلکی، ہلکی بارش ہونے لگی تو فضا میں خنکی بڑھ گئی۔ بارش کی وجہ سے انہوں نے باقی کا دن ہوٹل میں ہی گزارہ۔ لالا نارانی

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

ہوٹل میں ہی ان کے لیے دوپہر کا کھانا لے آیا تھا۔

''یہ لو باجی! گرم، گرم چپلی کباب اور روٹیاں، اس تھرماس میں سبز چائے بھی ہے۔ یہ ناران کے اسپیشل چپلی کباب ہیں۔ میدانی علاقوں کے لوگ یہاں آکر بہت شوق سے کھاتے ہیں۔'' لالا نارانی نے سینٹر ٹیبل پر کھانا لگاتے ہوئے کہا۔ کبابوں کی اشتہا انگیز خوشبو ہر طرف پھیل گئی۔

''شکریہ لالا نارانی..... اس پورے ٹرپ پر آپ نے ہمارا بہت خیال رکھا ہے۔'' ارمانے مسکرا کر کہا۔

''باجی! اس میں شکریے کی کیا بات ہے۔ یہ تو ہمارا فرض ہے۔ سیاح اور مہمان تو ہمارے لیے رحمت ہیں۔ یہ جب اس وادی میں آتے ہیں تو ہر طرف خوشی کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ سب کا کاروبار بھی چلتا ہے۔ ورنہ جاڑے کے موسم میں تو یہاں ہر طرف برف ہی برف نظر آتی ہے۔'' لالا نارانی نے اپنے مخصوص انداز میں کہا وہ دونوں کھانا کھانے لگیں۔

''لالا نارانی! ہم دوبارہ یہاں ضرور آئیں گے۔'' ارمانے کباب کھاتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

''ہاں باجی، ضرور آنا۔ آپ لوگ کھانا کھاؤ اور کسی چیز کی ضرورت ہو تو بتا دینا۔'' وہ کہتے ہوئے باہر چلا گیا۔ کھانا واقعی بہت لذیذ تھا۔

''میں تو ابھی تک جھیل سیف الملوک کے بارے میں ہی سوچ رہی ہوں۔ چمکتا ہوا سبز پانی، برف سے ڈھکے پہاڑ، ملکہ پربت، لکڑی کی کشتی، پریاں، لوک داستان، شہزادہ سیف، پری شہزادی بدیع الجمال..... اگر میں کوئی رائٹر ہوتی تو ضرور اک حسین سفرنامہ تحریر کرتی۔'' ارمانے کہا۔

''مستنصر حسین تارڑ صاحب کے سفرنامے پڑھے ہیں ناں تم نے؟'' عائلہ نے پلیٹ میں چٹنی ڈالتے ہوئے کہا۔

''ہاں، وہ سفرنامے پڑھ کر ہی میرا ٹریولنگ کا شوق اور بڑھا اور مجھ میں ہمت پیدا ہوئی کہ میں پہاڑوں کے سفر پر نکل سکوں، بس تمہارے پاکستان آنے کا انتظار کر رہی تھی۔'' ارمانے کہا۔

اچانک نانی کے فون نے اسے چونکا دیا۔ یہاں سگنلز کا مسئلہ تھا، کبھی بات ہوتی تو کبھی کال کٹ جاتی۔

''ہیلو نانی..... السلام علیکم..... کیسی ہیں آپ؟'' ارمانے خوشگوار انداز میں کہا۔

''ارما! کب واپس آنا ہے تم نے؟'' دوسری طرف نانی کی سنجیدہ آواز ابھری۔ ان کی آواز کی غیر معمولی سنجیدگی پر وہ ٹھٹک گئی۔ وہ ان کے لہجے کے سب رنگ پہچانتی تھی۔

''نانی! ہم لوگ کل واپس آرہے ہیں اور میں آپ کے لیے ایک سرپرائز بھی لے کر آرہی ہوں۔'' اس نے مسکراتی آواز میں کہتے ہوئی نانی کو خوش کرنے کی کوشش کی۔

''جب تم آؤ گی تو سرپرائز بھی دیکھ لوں گی۔'' نانی کی سنجیدگی برقرار رہی۔

''نانی! ہم لوگ آج جھیل سیف الملوک گئے تھے۔ وہ اتنی خوب صورت جھیل ہے کہ کیا بتاؤں! وہ کیفیت، وہ اطمینان بھری خوشی میں الفاظ میں بیان نہیں کر سکتی ہوں۔ وہاں جا کر مجھے یوں لگا جیسے واقعی وہاں پریاں رہتی ہیں۔'' اس نے مسکراتے ہوئے انہیں بتایا۔

''چلو اچھی بات ہے کہ تمہاری خواہش پوری ہو گئی۔ عائلہ کیسی ہے؟ اس نے بھی خوب انجوائے کیا ہو گا؟'' نانی نے اسی سنجیدگی کے ساتھ کہا۔

''جی ہاں، عائلہ تو بہت خوش ہے۔ آپ کو سلام کہہ رہی ہے۔ ہم دونوں نے بہت انجوائے کیا۔ خوب سیر و تفریح کی اور شاپنگ بھی کی۔ آپ کے اور شبو خالہ کے لیے میں نے ڈرائی فروٹ بھی لیا ہے؟'' وہ روانی سے کہہ رہی تھی۔ ساتھ، ساتھ چپلی کباب کے مزے بھی لے رہی تھی۔

''تمہارے امی، ابو بھی ملتان سے یہاں آئے ہوئے ہیں اور بار، بار تمہارے بارے میں پوچھ رہے ہیں۔'' نانی نے سنجیدہ انداز میں کہا۔ وہ چونک گئی۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

''اچھا! وہ لوگ اچانک کیسے آگئے؟ ایک ہفتے پہلے تک تو ان کا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ کیا وہ کسی کام سے آئے ہیں؟'' اسے یہ سن کر حیرت ہوئی تھی۔

''تم سے ملنے بھی تو آسکتے ہیں ناں؟'' نانی کے اس جملے نے اسے مزید حیرت زدہ کردیا۔

''کہیں آپ مذاق تو نہیں کررہیں نانی؟'' وہ احمقانہ پن سے بولی۔

چٹنی میں ڈبو کر چپلی کباب کھاتی عائلہ نے چونک کر اسے دیکھا۔

''ارما! میں بھلا مذاق کیوں کروں گی؟ تم واپس آجاؤ ہم پھر اس موضوع پر بات کریں گے۔ وہ لوگ دراصل تمہارے رشتے کے سلسلے میں آئے ہیں۔'' نانی نے رازداری سے بتایا۔

ارما نے بمشکل اپنی ناگواری چھپائی۔ اسے اندازہ ہوا کہ اس موضوع پر اس وقت فون پر بات نہیں کی جاسکتی ہے۔

''ٹھیک ہے نانی..... میں اس بارے میں واپس آکر بات کروں گی۔'' وہ کچھ سوچتے ہوئے سنجیدہ انداز میں بولی۔

اس بات نے تو اس کا سارا موڈ ہی خراب کردیا تھا۔ وہ اتنی دور پہاڑوں میں سیر و تفریح کرنے آئی تھی مگر گھر والوں نے وہاں بھی آرام و سکون سے رہنے نہیں دیا۔

''میں نے تو سویرا اور کمال کو کہہ دیا ہے کہ اگر یہ رشتہ ارما کو پسند آیا پھر ہی ہم ہاں کہیں گے۔'' نانی نے اس کی بجھی ہوئی آواز سن کر اسے تسلی دی۔

''جی اچھا کیا آپ نے۔'' اس نے پھیکے سے انداز میں بے دلی سے کہا۔

وہ عائلہ کی موجودگی میں اور کیا کہتی مگر اس نے سوچ لیا تھا کہ اس معرکے سے اسے شطرنج کی طرح چالیں چلتے ہوئے نمٹنا تھا۔ لائن ڈراپ ہوگئی تھی۔ اس نے بے دلی سے موبائل تکیے کے پاس رکھ دیا۔ اس کا موڈ بری طرح آف ہوچکا تھا۔ اس نے دوبارہ فون ملانے کی کوشش نہیں کی کہ ضروری پیغام تو اسے مل ہی چکا تھا۔

''کیا ہوا خیریت ہے؟ کیا کہہ رہی تھیں نانی؟'' عائلہ نے فکرمندی سے پوچھا۔

''ہاں، خیریت ہے۔ میری امی، ابو کسی کام کے سلسلے میں ملتان سے لاہور آئے ہیں۔ نانی انہی کے بارے میں بتا رہی تھیں۔'' اس نے جبراً مسکراتے ہوئے کہا پھر کھانا کھانے لگی۔

''اچھا چلو اچھی بات ہے۔ ہم واپس جائیں گے تو تمہارے امی، ابو بھی موجود ہوں گے۔ ان سے بھی ملاقات ہوجائے گی۔'' عائلہ نے مسکرا کر کہا۔

ارما کو زبردستی مسکرانا پڑا۔ وہ اس موضوع سے پہلو بچانا چاہتی تھی یہ موضوع اسے دکھ دیتا تھا۔ کھانا ختم کرنے کے بعد وہ بیڈ سے اتر کر کھڑکی کے پاس آئی۔ سرد ہوا کے جھونکے نے اس کے چہرے کی اداسی کو پڑھ لیا تھا۔ اس نے اداس آنکھوں سے باہر برستی بارش کو دیکھا۔

''بارش تیز ہوگئی ہے۔ ہم کہیں باہر بھی نہیں جا سکتے۔'' عائلہ نے بارش کا شور سنتے ہوئے کہا۔

اسے محسوس ہوگیا تھا کہ کوئی ایسی بات ضرور تھی جو ارما اس سے چھپانا چاہتی تھی۔ کوئی راز، کوئی اسرار، کوئی بھید ایسا ضرور تھا۔

''ہاں، کل ہم نے لمبا سفر کرنا ہے تو آج آرام کر لیتے ہیں۔'' ارما نے مڑے بغیر جواب دیا۔ وہ اپنی آنکھوں کی نمی کو عائلہ سے چھپالینا چاہتی تھی۔ وہ کھڑکی کے پار برستی بارش کو دیکھتی رہی۔ کھڑکی کے پار ہوٹل کا چھوٹا سا لان نظر آرہا تھا۔ لان کے دوسری طرف برآمدہ تھا جہاں اس کے گروپ کے کچھ لوگ اختر بھائی کے ساتھ کرسیوں پر بیٹھے ہاتھ میں چینی کی پیالیاں تھامے قہوہ پی رہے تھے۔ لالا نارانی سب کے لیے کرسیاں لگا رہا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے برآمدہ لوگوں سے بھر گیا اور لوگ بارش کے نظارے انجوائے کرنے برآمدے کا رخ کرنے لگے۔

صرف وہ دونوں تھیں جو کمرے میں ہی بیٹھی رہیں پھر سارا دن انہوں نے اسی کمرے میں گزارہ۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

☆☆☆

موسلا دھار بارش ہو رہی تھی۔ بادلوں کی گرج چمک اور کڑکتی بجلیاں ہر کسی کا دل دہلا رہی تھی۔

یہ وادیِ کاغان کے ایک گاؤں کے گھر کا منظر تھا۔ سبز پہاڑی پر واقع لکڑی اور پتھروں سے بنے اس گھر میں اِک چھوٹا سا باغیچہ تھا جس میں خوبانی اور سیب کے درخت لگے ہوئے تھے۔ خوبانی کے درخت کے علاوہ اور بھی درخت تھے ایک پر کسی نے جھولا بھی ڈالا ہوا تھا۔ برآمدے میں اِک تندور بھی تھا۔ کچھ جنگلی پھولوں کی بیلیں بھی گھر کے اطراف چڑھی ہوئی تھیں۔

شام سے رات ہوگئی مگر بارش نہ رکی۔ رات کے سناٹے میں بارش کا شور گونجتا رہا۔ نہ جانے رات کا کون سا پہر تھا جب لکڑی کے دروازے پر کسی نے بے حد... محتاط انداز میں دستک دی۔ بی بی جان اس وقت تہجد کی نماز کے لیے اٹھتی تھیں۔

''اس وقت کون آگیا۔ رات کے اس پہر..... طوفانی بارش میں۔''

وہ ایک ہاتھ میں لالٹین تھامے دوسرے ہاتھ میں چھتری لیے حیران، پریشان سے انداز میں احتیاط سے چلتے ہوئے دروازے تک آئیں۔

دستک کا یہ انداز شناسا تھا۔ ان کا دل بے ساختہ دھڑکا۔

''کون ہے؟'' انہوں نے دھیمی مگر بارعب آواز میں پوچھا۔

''بی بی جان! میں ہوں شندور خان۔'' باہر سے آواز آئی پھر یہ آواز بارش کے شور میں کہیں گم ہوگئی۔ بی بی جان کے ہاتھ میں تھامی لالٹین لرز گئی۔ اس آواز کو سننے کے لیے ان کی عمر رسیدہ سماعتوں نے کتنا انتظار کیا تھا۔ دستک کی آواز سنتے ہی انہیں الہام ہوگیا تھا کہ یہ دستک شندور خان کی ہی تھی۔ کچھ چیزوں کے بارے میں دل خود بخود باخبر ہو جاتا ہے۔

دروازہ کھولتے ہوئے ان کے ہاتھ ذرا کانپے۔ انہوں نے بے تابی سے لوہے کی زنجیر ہٹائی اور دروازہ کھل گیا۔

وہ سامنے بارش میں بھیگتا ہوا کھڑا تھا۔ لالٹین کی مدھم روشنی میں وہ اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے نم اور حیران آنکھوں سے مسکرائیں۔

''شندور خان.....!''

ان کی کپکپاتی آواز میں خوشی کی لہر تھی۔

وہ محتاط انداز میں اندر آیا پھر اس نے بڑی آہستگی سے باغیچے کا دروازہ بند کیا۔

''کیسی ہیں آپ بی بی جان؟'' وہ مسکراتے ہوئے مدھم آواز میں بولا۔ وہ رات کے اس پہر اس طوفانی بارش میں بھی تازہ دم لگ رہا تھا۔

''میں ٹھیک ہوں بیٹا مگر تم یوں اچانک؟ اس وقت کہاں سے آرہے ہو؟ اکیلے ہو؟'' انہوں نے ہاتھ میں پکڑی لالٹین کو ذرا بلند کیا اور مدھم روشنی میں نظر آتے شندور خان کے بھیگے مگر مسکراتے چہرے کو بہت محبت سے دیکھا، ان کے لہجے میں شفقت کے ساتھ فکرمندی بھی تھی۔

''جی..... میں کچھ لوگوں کے ساتھ یہاں آیا تھا مگر وہ لوگ کل ہی واپس چلے گئے اور میں اِک ضروری کام کی وجہ سے رک گیا تھا۔ ابھی واپس جا رہا تھا کہ طوفانی بارش کی وجہ سے مجھے آدھے سفر میں ہی رکنا پڑا، آگے راستہ بھی خراب ہے۔'' اس نے گیلی مٹی پر چلتے ہوئے بہت دھیمی آواز میں بتایا پھر وہ ذرا رکا۔

''خان بابا کہاں ہیں؟'' اس نے آہستہ سے پوچھا۔

''اپنے کمرے میں سو رہے ہیں۔ کل شام ان کی ڈیوٹی ہے۔'' بی بی جان نے بھی دھیمی آواز میں جواب دیا۔

''اور آپ ضرور تہجد کی نماز کے لیے اٹھی ہوں گی۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولا۔ بی بی جان بھی... بے ساختہ مسکرا دیں۔ اس کا اندازہ درست تھا۔ دور رہنے کے باوجود بھی وہ ان کا مزاج شناس تھا۔ فاصلوں کے باوجود وہ ان کے دل کے قریب رہتا تھا۔

وہ دونوں ساتھ چلتے ہوئے صحن کے کونے میں

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

بنے کمرے میں آ گئے۔ یہ کمرا باقی گھر سے ذرا الگ تھلگ بنا ہوا تھا۔ کمرے میں آ کر بی بی جان نے میز پر لالٹین رکھی پھر کھڑکی کے ساتھ رکھے دیے کو روشن کیا۔ کمرے میں مدھم سی روشنی جگمگانے لگی۔

''حکم خان کہاں ہے، کیا وہ بھی سو رہا ہے؟'' شندور خان نے پوچھا۔

''وہ تو ڈیوٹی پر گیا ہے کل دن کو ہی واپس آئے گا۔'' بی بی جان نے جواب دیا۔

وہ دونوں بہت دھیمی آواز میں بات کر رہے تھے۔ رات کی تاریکی میں بارش کا شور تھا۔ بادلوں کی گرج چمک کی ہیبت کم نہ ہوئی تھی۔

''زرمینہ تو سو رہی ہوگی۔'' وہ بان کی چارپائی پر بیٹھ گیا جس پر کھدر کی چادر بچھی ہوئی تھی۔ اس کے کپڑے گیلے تھے اور بالوں سے بھی پانی ٹپک رہا تھا مگر اسے پروا نہیں تھی وہ مسکرا رہا تھا اور اس کا چہرہ پُرسکون تھا۔

''ہاں..... سارا دن کڑھائی والی چادریں اور موتیوں کے مکرامے بناتی رہی ہے۔ آج تو وہ بہت تھک گئی تھی۔''

''کیا ضرورت ہے اتنی سلائی کڑھائی اور محنت مشقت کرنے کی۔ اس طرح تو اس کی نظر خراب ہو جائے گی، اسے عینک لگ جائے گی۔'' بی بی جان کے جواب پر وہ ذرا خفا ہوا۔

اس کے لہجے میں فکرمندی تھی۔ کمرے میں بچھی دری پر مختلف رنگوں کے دھاگے، اون کے گولے، چادریں، مکرامے کی ڈوریاں اور موتی ستارے پڑے ہوئے تھے۔ اس نے ناپسندیدہ نظروں سے ان سب چیزوں کو دیکھا۔ بی بی جان اس کی اس بات پر یوں مسکرائیں جیسے کوئی کسی ننھے منے بچے کی معصومانہ سی بات پر مسکراتا ہے۔

''ہاتھ کے ہنر کو اگر استعمال میں نہ لایا جائے تو ہنر کو زنگ لگ جاتا ہے اور زنگ تو بہت ہی بری چیز ہوتی ہے، چاہے چیزوں کو لگے یا پھر انسانوں کے ہنر کو..... اور سلائی کڑھائی کے کام کے بڑے فائدے ہیں۔ زرمینہ مصروف بھی رہتی ہے اور چار پیسے بھی آ جاتے ہیں اور پھر وہ اپنے جہیز کے لیے بھی کچھ چیزیں بنا لے گی۔ کیا خبر کب اس کا رشتہ طے ہو جائے۔'' بی بی جان نے کہا۔

شندور خان کے تاثرات یک دم بدلے۔ رات کی تاریکی کا سایہ اس کے چہرے پر بھی اتر آیا۔

''کیا آپ لوگ زرمینہ کی شادی بھی کسی ٹرک ڈرائیور سے کر دیں گے؟'' اس نے بجھے دل کے ساتھ یہ سوال کیا۔ اس کی آواز میں افسوس تھا، بی بی جان چند لمحے خاموش رہیں پھر انہوں نے نظریں چرا لیں بعض سوالوں کے جواب دینا ضروری نہیں ہوتے۔ وہ اسے کیا بتاتیں کہ اس گھر کے لوگ شندور خان جیسے انقلابی خیالات کے مالک نہیں تھے۔ یہاں حقوق کی نہیں، ضرورتوں کی بات ہوتی۔ روایتوں کے کشکول میں قربانیوں کا تقاضا کیا جاتا۔ بھلا شندور خان یہ باتیں کہاں سمجھ سکتا تھا۔

وہ گہری سانس لے کر لالٹین ہاتھ میں لیے دروازے کی طرف بڑھیں۔

''میں تمہارے لیے کپڑے لے کر آتی ہوں۔ دیکھو تو کیسے بھیگ گئے ہو۔ ٹھنڈ لگ گئی تو بیمار پڑ جاؤ گے۔'' وہ دھیمی آواز میں فکرمندی سے کہتے ہوئے لالٹین والا ہاتھ بلند کیے کمرے سے باہر چلی گئیں۔

شندور خان چہرے پر افسوس کا رنگ لیے وہیں بیٹھا رہا پھر اس نے اپنے جوتے اتار کر چارپائی کے نیچے رکھے۔ اور کسی گہری سوچ میں گم ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد... بی بی جان کی واپسی ہوئی۔ ان کے ہاتھ میں نیلے رنگ کا مردانہ شلوار قمیص کا جوڑا اور سفید رنگ کا تولیا تھا۔

''یہ لو، کپڑے بدل لو۔ موسم بھی سرد ہو رہا ہے۔ میں تمہارے لیے کچھ کھانے کو لاتی ہوں۔'' انہوں نے یہ چیزیں چارپائی کے کونے پر رکھتے ہوئے فکرمندی سے کہا۔ ان کی شفیق آواز اس کے دل کو مقناطیس کی طرح کھینچتی تھی۔

''رہنے دیں بی بی جان..... کھڑ پڑ کی آوازوں

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

سے کسی کی آنکھ کھل جائے گی۔'' اس نے نرمی سے انہیں روکا وہ اپنی وجہ سے کسی کو بے آرام نہیں کرنا چاہتا تھا۔

''ارے نہیں بیٹا! اب ہمیں اتنا تجربہ ہو چکا ہے کہ آواز پیدا کیے بغیر ہی سارے کام کر لیتے ہیں۔'' وہ مسکرا کر کہتے ہوئے باہر چلی گئیں۔

اس عمر میں بھی وہ چاق و چوبند تھیں۔ اکثر جب گھر کے مرد گھر پر نہیں ہوتے تھے تو وہ جنگل سے لکڑیاں بھی کاٹ کر لاتیں، پہاڑی چشمے سے پانی بھی خود بھر کر لاتیں، تندور میں روٹیاں بھی لگایا کرتیں اور گھر کے کام کاج کے ساتھ سلائی کڑھائی کا کام بھی کرتیں۔

شندور خان کے نزدیک بی بی جان ایک آئیڈیل عورت تھیں۔ سادگی کا پیکر، محنت کش اور جفاکش، صابر اور شاکر عورت..... وہ ہمیشہ خاموشی سے کاموں میں مصروف رہتیں اور نم آنکھوں کے ساتھ مسکرایا کرتیں، انہوں نے اپنے دکھ اور غم دل میں ہی چھپا لیے۔ نہ کبھی کسی کی مدد لی، نہ کسی کا احسان لیا، نہ کسی سے کوئی حق مانگا اور نہ کسی سے کوئی تقاضا کیا۔ جنگل کے کنارے بنے اس گھر میں برسوں محنت مشقت کرتے گزار دیے۔ کسی سے گلہ کیا نہ شکوہ۔ توکل اور قناعت کے سہارے عمر گزار دی۔

اس نے ہمیشہ سے انہیں ایسے ہی دیکھا تھا۔ کاموں میں مصروف ہر کسی کا خیال رکھتے ہوئے، ہر کسی سے محبت سے پیش آتے ہوئے، لوگوں کی خدمت کرتے ہوئے، وہ اسے بہت بلندی پر کھڑی نظر آتیں۔

اڑی رنگت کے سادہ سے کپڑوں میں ملبوس، پیوند لگی چادر اوڑھے بی بی جان کی محبت میں وہ کھنچا چلا آتا۔ محبت میں بڑی طاقت ہوتی ہے۔ یہ لوگوں کو میلوں کے فاصلے سے بھی کسی مقناطیس کی طرح کھینچ لیتی ہے۔

وہ شہر کی تیز رفتار زندگی میں بھی اونچے پہاڑوں میں گھری وادیوں میں بنے اس گاؤں کو یاد کرتا جہاں پہاڑوں سے چشمے پھوٹتے تھے اور سدا بہار درختوں پر فاختاؤں کا بسیرا تھا۔ جہاں درختوں میں چھپی کوئل صبح شام نغمے بکھیرتی اور جہاں سبزے اور جنگلی پھولوں سے گھرے اس گھر میں بی بی جان رہتی تھیں۔

شہر میں رہتے ہوئے بھی اس کے دل کا ایک حصہ یہیں کہیں آباد تھا۔

جب بی بی جان ٹرے میں کھانا لے کر آئیں تو وہ کپڑے بدل کر چارپائی پر آرام سے نیم دراز تھا۔

بی بی جان نے کھانے کی ٹرے کمرے کے وسط میں بچھی دری پر رکھی۔ گڑ والے چاول، ساگ اور پنیر کی روٹی، سلور کے پیالے میں ٹھنڈا پانی بھی تھا۔

''آجاؤ بیٹا..... کھانا کھالو۔''

وہ فوراً اٹھ کر آیا اور دری پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا۔

''دریا خان کی کیا خیر خبر ہے؟'' وہ روٹی کا لقمہ توڑتے ہوئے بولا۔

''ٹھیک ہے، اپنے گھر میں خوش ہے۔ ہم نے خود ہی اسے کہا تھا کہ وہ اپنے بیوی بچوں کو لے کر الگ ہو جائے۔ یہاں پر لڑائی جھگڑے ہوتے تھے۔ اچھا ہی ہوا کہ وہ الگ ہو گیا اب اسے ہم سے کوئی گلہ شکوہ بھی نہیں ہے۔ قریب ہی ہے اس کا گھر..... آتا جاتا رہتا ہے وہ۔'' وہ اس کے پاس بیٹھتے ہوئے سنجیدگی سے بولیں۔

''چلیں اچھا ہی ہوا۔ اب اپنی ذمے داریاں خود اٹھائیں گے تو پتا چلے گا۔ صبح ہوتے ہی بارش تھم جائے گی تو میں چلا جاؤں گا۔ رات کا سفر خطرناک تھا۔ یہاں سے گزرتے ہوئے مجھے خیال آیا کہ رات کو کچھ دیر یہیں ٹھہر جاتا ہوں، اس بہانے آپ سے بھی مل لوں گا۔ میں یہ بھی جانتا تھا کہ اگر خان بابا نے مجھے یہاں دیکھ لیا تو وہ ناراض ہوں گے مگر مجھے ان کی ناراضی کا خوف بھی یہاں آنے سے نہیں روک سکا۔'' وہ رغبت سے کھانا کھاتے ہوئے بولا۔ ایک لمحے کے لیے بی بی جان خاموش ہو گئیں۔ وہ جانتی تھیں کہ وہ بہادر ہے مگر بعض دفعہ عقلمندی بہادری سے زیادہ ضروری ہوتی ہے۔

''تمہارے خان بابا کو معلوم نہیں ہو گا کہ تم یہاں آئے تھے۔ بیٹا! میں نہیں چاہتی کہ تمہاری مشکلات اور مسائل میں اضافہ ہو۔ یہاں تو ذرا سی بات کا بتنگڑ بنتے دیر نہیں لگتی۔ خیر تم تو صبح ہوتے ہی

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

چلے جاؤ گے۔ جب شہر پہنچ گے تو زرینہ کے موبائل پر خیریت کی اطلاع دے دینا۔ مجھے تسلی ہو جائے گی۔'' انہوں نے شفقت بھری آواز میں کہا۔ ان کے بوڑھے چہرے کی جھریوں میں بھی اِک حسن تھا اور اس حسن کی قدر کوئی شندور خان سے پوچھتا۔ وہ بہت محبت اور عقیدت سے ان کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔

''جی ضرور..... زرینہ سے تو ویسے بھی اکثر میری بات ہوتی رہتی ہے۔ کاش میں آپ کو شہر لے جا سکتا۔'' اس کی آواز میں حسرت تھی۔ یہ خواہش کسی چڑیا کی طرح اس کے دل کے اسیر خانے میں قید رہی تھی۔ انہوں نے ہولے سے سر جھٹکا۔

''میں کیا کروں گی شہر جا کر، ہم یہیں ٹھیک ہیں بیٹا۔ یہاں اپنا گھر بار ہے، مال مویشی ہیں۔ پھل دار درخت ہیں اور پھر ہم اسی رہن سہن کے عادی ہیں۔ شہر جا کر تو ہم خود بھی بے آرام ہوں گے اور دوسروں کو بھی بے آرام کریں گے۔ شہر کی آب و ہوا ہمیں راس نہیں آئے گی۔ جنگل کے پھول جنگل میں ہی کھلے اچھے لگتے ہیں۔'' وہ سادگی سے بولیں۔ وہ گہری سانس لے کر خاموش ہو گیا۔ وہ ان کی مجبوریاں سمجھتا تھا مگر نہ جانے کیوں اسے یقین تھا کہ ایک دن ایسا ضرور آئے گا جب بی بی جان ان مجبوریوں کی بیڑیوں سے آزاد ہو جائیں گی۔ اس نے کھانا کھا لیا تھا اور اب ہاتھ دھونے کی غرض سے اٹھا تھا۔ دفعتاً بی بی جان کو کوئی خیال آیا۔

''تم بتاؤ بیٹا! شادی کا کیا ارادہ ہے؟'' ان کے چہرے کی لکیروں میں مسکراہٹ کی روشنی چمکنے لگی۔ وہ اس بات پر چونکا پھر مسکرا دیا۔

''ارادہ نیک ہے۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

''خیر سے وہ وقت بھی آئے جب ہم تمہارے سر پر سہرا سجا دیکھیں۔'' وہ خوش ہو گئیں۔ صبح ہونے لگی تو بارش تھم گئی۔ صبح کا اجالا پھیلتے ہی وہ جانے کو اٹھ کھڑا ہوا۔

''چلتا ہوں بی بی جان..... لمبے سفر پر جانا ہے۔ صبح بھی ہو گئی ہے اور اب بارش بھی رک گئی ہے۔''

''اچھا بیٹا..... خیر سے جاؤ۔'' صبح کا اجالا پھیلا تو بی بی جان نے لالٹین اور دیا بجھا دیا تھا۔

''شادی کی تاریخ طے ہو تو پہلے سے بتا دینا۔ تمہاری دلہن کے لیے گوٹے کناری کا جوڑا اپنے ہاتھوں سے تیار کروں گی۔'' ان کی آواز میں خوشی اور جوش و خروش تھا۔

وہ بے ساختہ مسکرا دیا۔ بڑھاپا کتنا معصوم ہوتا ہے بلکہ بچپن اور بڑھاپا دونوں ہی معصوم ہوتے ہیں، یہ سارے رولے تو جوانی نے ڈالے ہوتے ہیں۔

وہ دروازے کی طرف جاتے ہوئے رکا۔ پھر پلٹا اور اس نے اپنی جیب سے چند نوٹ نکال کر چارپائی پر پڑے تکیے کے نیچے رکھے۔

''یہ میری طرف سے آپ کے اور زرینہ کے لیے چھوٹا سا تحفہ ہے۔ اپنی پسند کے جوڑے بنوا لیجیے گا۔'' وہ بن کہے ہی ان کی ضرورتوں کا خیال رکھتا تھا۔ وہ صرف ان کی مجبوریوں کو ہی نہیں بلکہ ان کی خودداری کو بھی سمجھتا تھا۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

شندور خان چلا گیا۔ بی بی جان نے لکڑی کے دروازے پر لوہے کی زنجیر گرا دی۔ دروازے سے لپٹے سرخ پھول بھی اداس ہو گئے۔

صبح کے اجالے کو خبر بھی نہ ہوئی کہ رات کو وہاں کون آیا تھا۔ انہوں نے آنکھ کے کنارے پر ٹھہری نمی کو چادر کے کونے سے صاف کیا اور بھاری ہوتے دل کے ساتھ اندر چلی آئیں۔

دن میں زرینہ نے شندور خان کے گیلے کپڑے پڑے دیکھے تو حیران ہوئی۔ وہ فوراً بی بی جان کے پاس باورچی خانے میں گئی۔ ''بی بی جان! کیا رات کو شندور لالا آئے تھے؟''

اس نے بی بی جان کے سامنے پیڑھی پر بیٹھتے ہوئے دھیمے مگر محتاط انداز میں پوچھا۔ لہجے میں دبا، دبا جوش بھی تھا۔ بی بی جان ہانڈی میں ڈوئی چلا رہی تھیں۔ اس کا سوال سن کر بے ساختہ ان کے ہاتھ میں پکڑی ڈوئی ڈگمگائی پھر انہوں نے چونک کر زرینہ کی طرف

دیکھا۔ اس لڑکی سے وہ کوئی بھی راز نہیں چھپا سکتی تھیں۔

''وہاں دروازے کے پیچھے شندور لالا کے گیلے کپڑے پڑے تھے، میں نے پہچان لیے۔'' اس نے ان کے اس طرح چونک کر دیکھنے پر وضاحت دی۔ وہ سترہ، اٹھارہ برس کی نوعمر اور لاابالی لڑکی تھی۔ بی بی جان دوبارہ ہانڈی کی طرف متوجہ ہوگئیں۔

''ہاں وہ سفر میں تھا۔ بارش اور طوفان کی وجہ سے رات کو سفر نہیں کر پا رہا تھا۔ اس لیے کچھ دیر کے لیے وہ یہاں آیا تھا اور صبح ہوتے ہی چلا گیا۔ تم کسی سے اس کے آنے کا ذکر نہ کرنا۔'' انہوں نے آہستہ آواز میں کہتے ہوئے تاکید کی۔

''مجھے پتا ہے۔ بھلا یہ بھی کوئی بتانے والی بات ہے۔ آپ مجھے بھی جگا دیتیں، میں بھی لالا سے مل لیتی۔'' وہ بڑی، بڑی روشن آنکھیں پھیلائے مدھم آواز میں بولی۔

''اگلی بار آئے گا تب مل لینا۔'' انہیں یقین تھا کہ وہ اگلی بار بھی ضرور آئے گا۔ ہزار رکاوٹیں بھی اس کا راستہ نہیں روک سکتی تھیں۔

''پتا نہیں لالا اگلی بار کب آئیں گے؟'' وہ منہ بسور کر بولی۔ اسے شندور لالا سے نہ ملنے کا افسوس تھا۔

''تمہارے ابا اٹھ گئے ہیں؟'' بی بی جان نے پوچھا۔

''ہاں، تھوڑی دیر تک جاگ جائیں گے۔ شام کو انہوں نے ڈیوٹی پر جو جانا ہے۔ اس لیے دن میں خوب سوئیں گے۔ ابا چلے جائیں گے تو میں لالا کے کپڑے دھو کر کمرے میں ہی پھیلا دوں گی۔'' زرمینہ نے جواباً کہا۔

''ہاں ٹھیک ہے، شندور خان کہہ رہا تھا کہ شہر پہنچ کر زرمینہ کے فون پر خیریت کی اطلاع دوں گا۔ اس کی خیریت کا پیغام آجائے تو مجھے بتا دینا۔'' انہوں نے اسے تاکید کی۔

''جی ٹھیک ہے، میسج یا فون تو وہ کر ہی لیں گے۔ میں تو ان سے ناراض ہوں۔ وہ یہاں آئے اور مجھ سے ملے بغیر ہی چلے گئے۔'' وہ خفا ہوئی۔

بی بی جان نے مسکرا کر اس کے خفا چہرے کو دیکھا پھر چادر کے کونے میں بندھے چند روپے نکال کر زرمینہ کی طرف بڑھائے۔ ''شندور خان یہ تمہارے لیے دے کر گیا ہے۔ کہہ رہا تھا اپنی پسند سے جوڑا خرید لینا۔''

''ہائے سچ۔'' وہ بچوں کی طرح خوش ہوگئی۔

''کتنے اچھے ہیں لالا..... ہمارا کتنا خیال رکھتے ہیں۔ انہیں ہمارا کتنا احساس ہے۔ انہیں اپنے حالات کے بارے میں کچھ نہ بھی بتایا جائے پھر بھی وہ سمجھ جاتے ہیں۔''

بی بی جان نے فوراً اسے چپ رہنے کا اشارہ کیا۔

''آہستہ بولو..... کوئی سن لے گا۔'' وہ دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے محتاط انداز میں ٹوکتے ہوئے بولیں۔

زرمینہ نے بے ساختہ منہ پر ہاتھ رکھ لیا پھر خوشی، خوشی روپے اپنی اوڑھنی کے کونے میں باندھ لیے۔

''شکر ہے کہ دریا لالا الگ ہو گئے ورنہ تو ہم لوگ ہر وقت ڈرے سہمے ہی رہتے تھے کہ اب کہیں یہ نہ ہو جائے، کہیں وہ نہ ہو جائے..... ان کی بیگم تو بس ہر کسی کی جاسوسی ہی کرتی رہتی تھیں اور شندور لالا کا تو یہاں آنا ہی مشکل ہو گیا تھا۔'' زرمینہ اطمینان بھرے انداز میں بولی۔

''اچھا! بس اب بار، بار اس بات کا ذکر نہ کرو۔ جاؤ، جا کر یہ پیسے سنبھال کر رکھو اور اپنے ابا کو جا کر دیکھو، اٹھ گئے ہوں گے۔ حکم خان بھی کام سے بس آتا ہی ہوگا۔'' انہوں نے ہانڈی میں نمک ڈالتے ہوئے سنجیدہ انداز میں بات سمیٹ دی۔ زرمینہ اوڑھنی سنبھالتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اسے اس گھر کے اصولوں اور پابندیوں کے بارے میں اچھی طرح پتا تھا نہ جانے اسے کیوں لگتا تھا کہ ایک دن ان کے گھر میں ایک زبردست انقلاب آئے گا جو بہت کچھ بدل دے گا اور یہ شندور خان کے مرہونِ منت ہی ہوگا۔

اور اسے اس دن کا انتظار تھا۔

☆☆☆

موسم ابر آلود ہونے کے باوجود وہ لوگ واپسی

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

کے سفر کی روانگی کے لیے تیار تھے، ہوٹل کی بکنگ بھی ختم ہو چکی تھی۔ اور ٹوئر گروپ کو بھی مقررہ وقت پر واپس پہنچنا تھا۔ ٹرانسپورٹ کا مسئلہ بھی تھا کہ ڈرائیور کو واپس جا کر کسی اگلے ٹوئر کے لیے نکلنا تھا۔ عائلہ نے لالا نارانی سے اس کا فون نمبر لے لیا تاکہ وہ لوگ بوقتِ ضرورت ناران سے مطلوبہ چیزیں بھی منگوا سکیں۔

بارش اور خراب موسم کے باوجود وہ لوگ لاہور کے لیے روانہ ہو گئے..... ناران سے نکل کر وادیِ... کاغان میں وہ لوگ ایک لینڈ سلائڈنگ میں پھنس گئے۔ آگے راستہ بند تھا اور اس وجہ سے ٹریفک بھی جام ہو گیا۔ سب مسافر اور سیاح پریشان تھے انہیں خدشہ تھا کہ اب سارا دن سڑک پر گزارنا پڑے گا۔ امدادی ٹیموں سے رابطہ کیا گیا اور سب لوگ راستہ کھلنے کا انتظار کرنے لگے۔ اس صورتِ حال نے لوگوں کو پریشان کر دیا تھا کہ موسم بھی سرد ہو رہا تھا۔

مون سون کے موسم میں یہاں لینڈ سلائڈنگ معمول کی بات تھی..... بعض دفعہ مقامی لوگ اپنی مدد آپ کے تحت راستہ صاف کرنے کی کوشش کرتے پھر امدادی ٹیمیں پہنچ کر راستہ کلیئر کرتیں..... یہ تو لینڈ سلائڈنگ کی شدت پر منحصر ہوتا کہ کتنی دیر میں روڈ صاف کیا جا سکتا ہے..... بعض دفعہ چند گھنٹے ہی لگتے اور بعض دفعہ تو دو، تین دن لگ جاتے۔

عائلہ اور ارما ایڈونچر کو ایسی خوفناک صورت اختیار کرتے دیکھ کر پریشان اور ہراساں ہو گئیں۔ یوں سڑک پر کھڑی کوسٹر میں وہ لوگ بھلا کتنی دیر تک بیٹھ سکتے تھے باہر بارش اور طوفان تھا اور ان کے پاس کھانے پینے کا سامان بھی محدود تھا۔ آگے راستہ بند تھا اور اس بارے میں کچھ کہا بھی نہیں جا سکتا تھا کہ یہ راستہ کب کھلے گا۔ اختر بھائی اس بارش میں بھی پہاڑوں پر بھاگتے دوڑتے پھر رہے تھے۔ جب کافی دیر تک وہ لوگ کوسٹر میں محصور بیٹھے رہے تو ڈرائیور نے سوچ بچار کے بعد ایک حل پیش کیا۔

''میرا دوست ڈرائیور اِدھر قریب ہی رہتا ہے..... میں جا کر اس سے بات کرتا ہوں کہ وہ کچھ دیر کے لیے ان مسافروں کو اپنے گھر میں پناہ دے، دے جیسے ہی راستہ کلیئر ہو گا ہم لوگ یہاں سے نکل جائیں گے، امدادی ٹیموں سے رابطہ کیا ہے۔ انہیں یہاں پہنچنے میں وقت لگے گا کہ موسم خراب ہے، مقامی لوگ راستے کو صاف کرنے کی کوشش تو کر رہے ہیں مگر اس میں بہت وقت لگے گا۔'' ڈرائیور نے حالات کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے کہا۔

اختر بھائی کو بھی یہ حل معقول نظر آیا۔

''ٹھیک ہے تم جا کر اس سے بات کر لو..... کیا خبر وہ اپنے گھر میں اتنے لوگوں کو پناہ دے سکتا ہے یا نہیں؟'' اختر بھائی نے فکرمندی سے کہا۔

''جا کر معلوم کرتا ہوں، کیا خبر کوئی انتظام ہو جائے، اس کا گھر سامنے پہاڑی پر ہی ہے جہاں سے چشمہ بہتا ہوا نظر آ رہا ہے۔''

اس نے ذرا فاصلے پر اِک سرسبز پہاڑی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ جہاں سے پانی کا شفاف چشمہ بہتا دکھائی دے رہا تھا۔ ڈرائیور نے کہتے ہوئے کسی مسافر سے چھتری لی اور وہاں سے چلا گیا۔

حکم خان اسے راستے میں ہی مل گیا۔ اس نے حکم خان کو ساری بات بتائی۔ حکم خان کو پہلے ہی خبر مل چکی تھی کہ آگے لینڈ سلائڈنگ کی وجہ سے راستہ بند ہے اور اس بارش اور طوفان میں مسافر سڑک پر پریشان ہو رہے ہیں۔

''میرے گھر میں خواتین ہیں اس لیے میں لڑکوں کو گھر میں نہیں رکھ سکوں گا۔ ان کے لیے کوئی اور انتظام کرنا پڑے گا۔ ہاں خواتین میرے ساتھ آ جائیں۔'' حکم خان نے ساری بات سن کر جواب دیا۔ یہ حل کسی حد تک معقول تھا۔

''ٹھیک ہے جب تک راستہ بحال نہیں ہوتا تم خواتین کو اپنے گھر لے جاؤ۔ بارش بہت ہے اور سردی بھی بڑھ گئی ہے، مسافروں کے پاس کھانے پینے کا سامان بھی کم ہے۔ ہم تمہیں برسوں سے جانتے ہیں حکم

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

خان اس لیے تم پر اعتبار کر کے یہ ذمے داری تمہیں سونپ رہے ہیں۔ اس مشکل وقت میں اگر تم نے ہماری مدد کی تو سمجھو یہ ہم پر احسان کرو گے۔'' ڈرائیور نے ممنون انداز میں سنجیدگی سے کہا اسے ان حالات میں سفر کرنے کا تجربہ تھا۔

شمالی علاقہ جات میں موسم کی شدت کے مسائل سے نپٹنا آسان نہیں ہوتا کہ یہاں بلند و بالا پہاڑ رقبوں پر پھیلے ہوئے ہیں اور ان حالات میں مواصلات کے ذرائع بھی کمزور ہو جاتے ہیں۔ حکم خان نے بے اختیار ڈرائیور کا شانہ تھپتھپایا۔

'' فکر نہ کرو لالا..... تمہاری ذمے داری اب ہماری ذمے داری ہے۔ برسوں کی دوستی کے بعد بھی احسان کی بات کرتے ہو؟ بے فکر ہو جاؤ، جب تک راستہ صاف نہیں ہو جاتا تمہارے مسافر ہمارے مہمان رہیں گے۔ اس مقام سے ذرا آگے ہمارے جاننے والے کا ہوٹل ہے جہاں شیڈ بھی لگا ہوا ہے اور بیٹھنے کے لیے کرسیاں بھی ہیں تم اپنے مرد مسافروں کو وہاں لے کر جا سکتے ہو..... اسے میرا پیغام دے دینا وہ تم لوگوں کی مدد ضرور کرے گا..... ان پہاڑوں کے رہنے والے لوگ بہت ہمدرد اور رحم دل ہوتے ہیں، ایسی صورتِ حال میں مسافروں کی مدد کرتے ہیں۔'' حکم خان نے ایک گھنے درخت کے نیچے کھڑے ہوئے ہوئے کہا۔

'' ٹھیک ہے، میں ان کو لے کر وہاں جاتا ہوں، تم خواتین کو اپنے گھر لے جاؤ.....'' ڈرائیور نے اطمینان سے کہا۔

اس ٹور گروپ میں پانچ لڑکیاں اور آٹھ لڑکے تھے۔ ڈرائیور لڑکوں کو لے کر چائے والے ہوٹل کی طرف چلا گیا اور حکم خان، اختر بھائی کے ہمراہ لڑکیوں کو اپنے گھر لے آیا۔

اختر بھائی نے لڑکیوں کو تاکید کی کہ جب تک وہ انہیں لینے نہ آئیں، وہ اسی گھر میں رہیں پھر وہ انہیں دروازے پر چھوڑ کر واپس چلے گئے۔

ڈری، سہمی اور پریشان حال لڑکیوں کو اس طوفان میں یہ پناہ گاہ غنیمت لگی، بھیگے کپڑوں پر چادر لپیٹے، ہاتھ میں چھتری تھامے وہ بارش میں بھیگے ہوئے پھولوں سے سجے لکڑی کے دروازے سے اندر آ گئیں اور احتیاط سے چلتے ہوئے چھوٹے سے باغیچے کو پار کرتے ہوئے برآمدے میں آ گئیں۔

حکم خان نے کونے میں بنے اِک کمرے کا دروازہ کھولا اور انہیں اندر جانے کا اشارہ کیا پھر وہ... بی بی جان کو بلانے چلا گیا۔

اس کمرے میں آ کر انہیں سکون کا احساس ہوا۔ یہ ایک چھوٹا سا کمرا تھا جس میں دیوار کے ساتھ اِک چارپائی پڑی تھی اور کمرے کے وسط میں دری بچھی تھی جس پر دھاگوں کا ڈبا اور دست کاری کا سامان پڑا تھا۔

کچھ دیر بعد بی بی جان افتاں و خیزاں کمرے میں آئیں۔ انہوں نے ڈری سہمی اور پانی میں بھیگی خوفزدہ چہرے والی مسافر لڑکیوں کو دیکھ کر تسلی دی۔

'' بچیوں آرام سے بیٹھ جاؤ، اسے اپنا ہی گھر سمجھو۔ اِدھر بارش میں سفر کرنے والوں کے ساتھ اکثر ایسا ہو جاتا ہے فکر نہ کرو اور خوفزدہ ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ یوں سمجھ لو کہ اس بہانے ہم پہاڑی لوگوں کو شہر کے مسافروں کی میزبانی کرنے کا موقع مل گیا ہے۔ تم سب شہر سے آئی ہو ناں.....'' انہوں نے شفیق اور نرم آواز میں کہا۔

ان کی بات پر لڑکیوں کے خوفزدہ چہروں پر اطمینان کا تاثر ابھرا۔ اور انہیں احساس ہوا کہ اس پناہ میں تحفظ تھا۔

بی بی جان سرخ و سفید رنگت اور کانچ جیسی نیلی آنکھوں والی بوڑھی خاتون تھیں اور پھول دار کپڑوں میں ملبوس تھیں۔ انہوں نے سیاہ چادر اوڑھی ہوئی تھی۔ ان کے بال مہندی لگانے کے باعث سرخ ہو چکے تھے۔

عائلہ اون سے بنی رنگین دری پر بیٹھ گئی۔

'' ہم لاہور سے یہاں سیر و تفریح کرنے کے لیے آئے تھے اور اب واپس جا رہے تھے کہ لینڈ سلائڈنگ کی وجہ سے راستہ بلاک ہو گیا، اب دیکھیں کہ یہ راستہ کب

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

صاف ہوتا ہے۔'' عائلہ نے شائستگی سے بتایا۔

''اچھا تو تم سب لاہور شہر سے آئی ہو۔'' کانچ جیسی آنکھوں میں کرن سی چمکی۔

''جی ہاں.....'' عائلہ مسکرائی، اسے احساس ہوا کہ اس علاقے کے لوگ اس عمر میں بھی کس قدر خوب صورت تھے۔

''یہ کمرا چھوٹا ہے تم سب لوگ آرام سے نہیں بیٹھ سکتیں اس لیے کچھ لوگ دوسرے کمرے میں آجاؤ۔'' بی بی جان نے شفقت بھرے لہجے میں کہا۔

''چلو ہم دوسرے کمرے میں چلتے ہیں۔'' ایک لڑکی نے بالوں سے ٹپکتے پانی کو دوپٹے سے صاف کرتے ہوئے فوراً کہا۔

''آنٹی ہم تو یہیں ٹھیک ہیں، یہ کمرا باغ کے پاس ہے اور مجھے تو یہیں رہنا اچھا لگ رہا ہے۔'' ارما نے کھڑکی کا پردہ سرکاتے ہوئے باہر بارش میں بھیگے درختوں اور پودوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''جیسی تمہاری مرضی بیٹا.....مگر مجھے آنٹی وانٹی نہ کہو، تم سب مجھے بی بی جان کہہ سکتی ہو۔'' بی بی جان ہولے سے مسکرائیں۔

''بی بی جان.....'' وہ چونک کر بولیں۔

''ہاں، یہاں سب لوگ مجھے بی بی جان ہی کہتے ہیں، تم لوگ آرام سے اطمینان سے بیٹھو، میں تم لوگوں کے لیے کھانے پینے کا انتظام کرتی ہوں۔'' بی بی جان کہتے ہوئے تینوں لڑکیوں کو لے کر دوسرے کمرے میں چلی گئیں، کچھ دیر بعد حکم خان نے کمرے میں آکر آتش دان میں لکڑیاں جلائیں تو کمرے میں پُرسکون سی حدت پھیل گئی۔

''پتا نہیں راستہ کب صاف ہوگا؟ امدادی ٹیمیں پہنچیں ہیں یا نہیں؟ پتا نہیں ہمیں کب تک یہاں رکنا پڑے گا۔'' عائلہ نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

''مون سون میں اکثر یہاں ایسے حالات ہوجاتے ہیں۔ جیسے ہی کوئی اچھی خبر ملے گی تو اختر بھائی فوراً یہاں آکر ہمیں اطلاع دیں گے۔'' ارما نے اسے تسلی دی پھر کھڑکی کے پاس رکھے دیے کو دلچسپی سے دیکھتے ہوئے اسے چھوا۔

''یہ دیکھو! مٹی کا دیا! مجھے تو یہاں آکر انگلش کا کلاسک ناول یاد آرہا ہے جس میں پہاڑوں پر بنا اِک لکڑی کا کاٹیج ہوتا ہے جس میں رات کو دیے روشن ہوتے ہیں اور جس کے کمرے کی کھڑکی سے پھولوں سے بھرا گارڈن نظر آتا ہے، کاش میں کوئی شاعرہ ہوتی اور william words worth (انگریزی ادب کے شاعر کا نام) کی طرح قدرتی مناظر کی خوب صورتی پر نظمیں لکھ پاتی جو پڑھنے والوں کے دلوں کو.... بے اختیار چھو لیتیں۔'' وہ کھڑکی کے پار بارش میں بھیگتے منظر دیکھ کر بے اختیار بولی۔

باغ میں جگہ، جگہ پانی جمع ہوگیا تھا جس کی سطح پر پتے تیرتے دکھائی دے رہے تھے، لکڑی کا جھولا تیز ہوا کی وجہ سے جھوم رہا تھا اور درختوں میں چھپی کوئل کے نغموں کی آواز بھی آرہی تھی۔ دفعتاً عائلہ کو کچھ یاد آیا۔

''ارما! تم ہی نے تو کہا تھا کہ کاش ہم ایک دن کسی ایسے گھر میں گزاریں۔ ہرے، بھرے جنگل میں لکڑی اور پتھروں سے بنا گھر ہو جس میں ایک چھوٹا سا باغ ہو جس میں خوبانی کے درخت ہوں اور لکڑی کے دروازے سے پھولوں کی بیل لپٹی ہوئی ہو اور جہاں رات کو دیے روشن ہوتے ہوں، کاش تم اس وقت کچھ اور مانگ لیتیں۔''

عائلہ کو ارما کی پہاڑوں پر کہی بات یاد آئی۔ ارما جیسے کسی خواب سے جاگی۔ ناران کی وادی میں ڈھلوانی راستے پر چلتے ہوئے پہاڑوں کو دیکھتے ہوئے اس نے اسی خواہش کا تو اظہار کیا تھا۔

''ہاں.....مگر وہ تو میں نے یونہی کہہ دیا تھا۔'' ارما کھوئے، کھوئے انداز میں بولی۔

''تو تمہاری وہ خواہش پوری ہوگئی، بارش اور طوفان سے بچنے کے لیے ہم لکڑی اور پتھروں سے بنے اس گھر میں آگئے۔ اس گھر کے پاس پہاڑی پر میں نے پانی کا چشمہ بھی دیکھا تھا۔ یہاں باغ بھی ہے اور باغ میں اور درختوں کے ساتھ خوبانی کا درخت بھی ہے جس

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

پر کسی نے جھولا بھی ڈالا ہوا ہے۔ بارش تھمے گی تو تم جا کر اس جھولے پر بھی بیٹھ سکتی ہو اور پھر تو موسم کا لطف بھی دوبالا ہو جائے گا۔ درختوں میں چھپی کوئل کے گیتوں کی آواز بھی آ رہی ہے اور بھی بہت سے پرندے درخت کی گھنی شاخوں میں چھپے بیٹھے ہوں گے۔ کسی شاخ پر چڑیا کا گھونسلا بھی ہوگا اور اگر ہم یہاں شام تک ٹھہرے رہے تو اس کمرے میں کھڑکی کے پاس رکھا دیا بھی روشن ہو جائے گا اور شاید ہم لوگ آج اسی کمرے میں اس رنگین دری پر بیٹھ کر کینڈل لائٹ ڈنر بھی کریں گے۔'' عائلہ نے خوب صورت منظر کشی کی۔

اس کی بات سنتے ہوئے اچانک ارما کی نظر دیوار کے ساتھ رکھی چارپائی کے نیچے کسی شے پر ٹھہر گئی۔ وہ کچھ لمحوں کے لیے ساکت اور ششدر رہ گئی۔ اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ روانی سے بولتی عائلہ اس کے چہرے کے بدلتے تاثرات دیکھ کر ٹھٹک گئی۔

''کیا ہوا ارما؟'' اس نے ارما کے چہرے پر پھیلی حیرت کو دیکھ کر بے ساختہ پوچھا۔

ارما اسی شاک کے عالم میں ذرا جھکی اور اس نے چارپائی کے نیچے سے کسی چیز کو اٹھایا تھا، وہ ایک انگوٹھی تھی۔

عائلہ تیزی سے اٹھ کر ارما کے پاس آئی اور اس کے ہاتھ میں موجود انگوٹھی دیکھ کر وہ بھی ششدر رہ گئی۔ وہ قیمتی پتھر سے مزین چاندی کی انگوٹھی تھی۔ اس پتھر میں تین رنگ نظر آ رہے تھے۔ نیلا، سبز اور سنہرا..... وہ وہی انگوٹھی تھی جسے انہوں نے قیمتی پتھروں والی دکان پر دیکھا تھا اور دکاندار نے وہ سالار کو دی تھی۔ بھلا ایک دن پہلے دیکھی گئی انگوٹھی کو وہ دونوں کیسے بھول سکتی تھیں۔

''یہ تو وہی انگوٹھی ہے جسے ہم نے اس دکان پر دیکھا تھا مگر یہ یہاں کیسے آ گئی؟ یہ تو اس لڑکے سالار کی ہے۔'' عائلہ نے ششدر انداز میں کہا۔ ارما بھی حیران تھی۔

''معلوم نہیں، شاید وہ یہاں آیا ہوگا۔'' اس نے سوچتے ہوئے اندازہ لگایا۔ عائلہ نے بے ساختہ سر ثبات میں ہلایا۔

''ہو سکتا ہے۔'' اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

''چلو بی بی جان سے اس بارے میں پوچھتے ہیں۔'' ارما نے کہتے ہوئے وہ انگوٹھی مٹھی میں قید کر لی۔ پھر وہ دونوں باہر برآمدے میں آئیں جہاں بی بی جان تندور پر روٹیاں لگا رہی تھیں۔ ان کے پاس پھول دار اوڑھنی لیے ایک نوعمر لڑکی بیٹھی تھی جو پکی ہوئی روٹیاں تندور سے نکال کر قریب پڑے رنگین چنگیر میں رکھتی جا رہی تھی۔ بی بی جان نے انہیں پاس آتے دیکھا تو مسکرائیں۔

''روٹیاں تیار ہو رہی ہیں، تم لوگوں کے ساتھ آئے مسافر لڑکوں کو بھی کھانا بھجوانا ہے..... یہاں تو موسم اسی طرح بدلتا رہتا ہے، کبھی دھوپ تو کبھی بارش.....'' انہوں نے مہارت سے روٹی بیلتے ہوئے کہا۔

''آپ کو اچانک اتنے لوگوں کے لیے کھانا تیار کرنا پڑا..... ہماری وجہ سے آپ لوگوں کو خواہ مخواہ زحمت اٹھانا پڑی۔ محدود وسائل میں یک دم اتنے انتظامات کرنا واقعی مشکل کام ہے۔'' ارما ان سے ذرا فاصلے پر بیٹھتے ہوئے شائستگی سے بولی۔

''ایسی کوئی بات نہیں ہے بیٹا، مہمان بوجھ نہیں رحمت ہوتے ہیں، ہم تو خوش ہیں کہ ہمیں مسافروں کی میزبانی کا موقع ملا ہے اور ہم کسی کے کام آنے کا وسیلہ بنے ہیں۔'' بی بی جان نے مسکرا کر کہا۔

''آپ کا باغ بہت خوب صورت ہے اگر بارش نہ ہوتی تو ہم اس جھولے پر ضرور بیٹھتے۔'' عائلہ نے بارش کی رم جھم میں بھیگتے باغ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''یہ جھولا میری بیٹی زرینہ کا ہے، جب یہ چھوٹی تھی تو اس جھولے پر بیٹھتی تھی۔'' بی بی جان کی بات پر زرینہ بھی مسکرا دی۔

ارما نے چند اِدھر اُدھر کی باتوں کے بعد اس انگوٹھی کے بارے میں دریافت کیا۔

''یہ انگوٹھی کمرے میں گری ہوئی تھی، کس کی ہے یہ؟'' اس نے مٹھی کھول کر وہ انگوٹھی دکھائی۔ آٹے کا پیڑا بناتی بی بی جان یک دم چونکیں۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

''ارے یہ تو شندور خان کی ہے۔''

''شندور خان.....؟'' ارما اور عائلہ نے سوالیہ انداز میں انہیں دیکھا۔ یہ نام ان کے لیے اجنبی تھا۔

''ہاں شندور خان..... ہمارا رشتے دار ہے، یوں تو وہ شہر میں رہتا ہے مگر کبھی کبھار یہاں آجاتا ہے۔'' وہ دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہوگئیں۔

''اچھا.....؟ کیا کام کرتا ہے وہ؟'' ارما نے تجسس آمیز انداز میں پوچھا۔

''وہ گاڑیوں کا کام کرتا ہے۔'' انہوں نے مہارت سے روٹی بیلتے ہوئے جواب دیا۔

''گاڑیوں کا کام؟'' وہ بے ساختہ بولی۔ اسے اندازہ ہوا کہ اک اجنبی کے بارے میں اتنے سوالات کرنا مناسب نہیں ہے۔

''وہ ٹرک ڈرائیور ہے۔'' اب کی بار جواب زرینہ نے دیا تھا۔ وہ چنگیری میں رکھے رومال میں روٹیاں لپیٹ رہی تھی۔

''ٹرک ڈرائیور؟'' ان دونوں نے بے یقینی سے ایک دوسرے کو دیکھا۔

''ہاں میرا بھائی حکم خان بھی ٹرک ڈرائیور ہے۔ ہمارے علاقے کے زیادہ تر لوگ اسی روزگار سے وابستہ ہیں۔'' زرینہ نے ان دونوں کے چہرے پر پھیلی حیرت کو دیکھ کر کہا۔

''ارے بیٹا، ان علاقوں میں کارخانے اور ملیں تو ہیں نہیں جہاں لوگوں کو آسانی سے نوکریاں مل جائیں اور نہ ہی شہروں کی طرح بڑے، بڑے دفتر ہیں، ان علاقوں میں زیادہ تر لوگوں کا روزگار سیر و سیاحت، چائے کے ہوٹلوں اور ڈرائیوری سے جڑا ہوا ہے.....؟'' بی بی جان نے تندور پر روٹی لگاتے ہوئے کہا۔

ارما سوچ میں گم ہوگئی۔

''کیا یہ انگوٹھی میں رکھ لوں؟ میں آپ کو اس کی قیمت ادا کرنے کو تیار ہوں۔'' چند لمحوں بعد ارما نے عجیب خواہش کا اظہار کیا۔

''ارے قیمت کی بات نہیں ہے، تم ہماری مہمان ہو، اسے رکھنا چاہتی ہو تو بے شک رکھ لو۔'' بی بی جان نے فراخدلی کا مظاہرہ کیا۔

''کہیں شندور خان اس بات پر ناراض نہ ہو جائے۔'' عائلہ بے ساختہ بولی۔

زرینہ ہنسی۔

''ارے نہیں بیٹا... وہ چھوٹی، چھوٹی باتوں پر ناراض ہونے والا نہیں ہے اور پھر ایک انگوٹھی مہمان کی خواہش سے زیادہ اہم نہیں ہوتی اور شندور خان بھی اس بات کو سمجھتا ہے۔ وہ بڑے دل والا بندہ ہے۔'' بی بی جان نے مسکرا کر شندور خان کی تعریف کی۔

ارما چند لمحے اس انگوٹھی کو دیکھتی رہی پھر اس نے اسے دوبارہ مٹھی میں قید کرلیا۔ وہ جانتی تھی کہ وہ انگوٹھی اس کے لیے کتنی قیمتی تھی۔

روٹیاں پک چکی تھیں۔ زرینہ روٹیوں سے بھرا چنگیر باورچی خانے میں لے گئی۔ بی بی جان کھانے کے انتظام میں مصروف ہوگئیں۔ وہ دونوں واپس کمرے میں آگئیں۔

آتشدان میں لکڑیاں جل رہی تھیں، کمرے میں سکون دیتی حدت تھی، وہ دونوں آتشدان کے قریب ہی بیٹھ گئیں۔ ان کے گیلے کپڑے اب سوکھ چکے تھے۔ ارما نے مٹھی کھول کر وہ انگوٹھی دیکھی۔

''بی بی جان تو کہہ رہی ہیں کہ یہ انگوٹھی ان کے کسی رشتے دار کی ہے جس کا نام شندور خان ہے اور جو ایک ٹرک ڈرائیور ہے۔'' عائلہ نے اپنی شال چارپائی پر پھیلاتے ہوئے کہا۔

''یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ اس ٹرک ڈرائیور شندور خان نے یہ انگوٹھی اسی دکان سے بنوائی ہو، جیولر ایک ہی ڈیزائن کی بہت سی انگوٹھیاں تیار کرسکتا ہے یہ اس کا کوئی مشہور ڈیزائن ہوگا۔'' ارما نے انگوٹھی کو دیکھتے ہوئے اندازہ لگایا۔

''ہاں شاید ایسا ہی ہو، اب سالار کوئی ٹرک ڈرائیور تو ہو نہیں سکتا۔'' عائلہ نے کہا۔

''سالار اور شندور خان دو مختلف لوگ ہیں۔ اور

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

کیا معلوم کہ یہ پتھر ان علاقوں کا خاص پتھر ہو، ویسے بھی ان پہاڑوں میں بڑے خزانے ہیں۔'' ارمانے آتش دان کے پاس ہاتھ سینکتے ہوئے کہا۔

''پھر بھی یہ انگوٹھی تم نے اپنے پاس کیوں رکھ لی۔'' عائلہ نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''یہ انگوٹھی مجھے پسند آئی ہے۔'' اس نے کہا۔

''مگر یہ تو مردانہ انگوٹھی ہے، تم اس کا کیا کرو گی؟'' عائلہ نے شوخی سے پوچھا۔

''یونہی یہ مجھے اچھی لگی۔ تمہیں تو پتا ہے کہ مجھے انٹیک چیزیں جمع کرنے کا شوق ہے۔'' ارمانے اس انگوٹھی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''اچھا..... جیسی تمہاری مرضی..... تم نے نانی کو انفارم کردیا ہے کہ ہم یہاں لینڈ سلائڈنگ میں پھنس گئے ہیں۔'' عائلہ نے کہا۔

''یہاں سگنلز کا مسئلہ ہے مگر میں نے انہیں میسج کردیا ہے کہ ہمیں لاہور پہنچنے میں دیر ہوجائے گی، یہ میسج پڑھ کر وہ پریشان تو ہوں گی مگر اطلاع دینا بھی ضروری تھا۔'' ارمانے کہا۔

زرینہ ٹرے میں ان کے لیے کھانا لے آئی۔ ماش کی دال، خمیری روٹیاں اور پودینے کی چٹنی..... کھانا دیکھ کر ان کی بھوک چمک اٹھی۔ خوف اور پریشانی نے ان کے حواس سلب کردیے تھے جب خوف کا احساس دور ہوا تو بھوک، پیاس بھی محسوس ہونے لگی۔

''کیا کوئی خبر آئی ہے؟'' عائلہ نے پوچھا۔

''حکم لالا مسافروں کے لیے کھانا لینے آئے تھے، انہوں نے بتایا ہے کہ لینڈ سلائڈنگ اتنی شدید نوعیت کی نہیں ہے، تین چار گھنٹوں میں روڈ صاف ہوجائے گا..... گاؤں کے لوگ بھی راستے سے پتھروں کو ہٹانے کی کوشش کررہے ہیں۔'' زرینہ نے اطلاع دی۔

''اچھا! واقعی.....'' عائلہ نے خوشی کا اظہار کیا۔

''جی ہاں..... آپ لوگوں کو مزید کسی چیز کی ضرورت ہو تو بتادیں۔'' وہ مسکرا کر بولی تو اس کے سیب جیسے گالوں پر ڈمپل پڑنے لگے۔

''ہم تنگ کرنے والے مہمان نہیں ہیں..... اس تواضع اور مہمان نوازی کا بہت شکریہ.....'' ارمانے خوشبودار خمیری روٹی جس پر مکھن بھی لگا تھا کا لقمہ توڑتے ہوئے ممنون انداز میں کہا۔

''یہ انگوٹھی آپ کو بہت اچھی لگی ہے؟'' زرینہ نے دری پر پڑی اس انگوٹھی کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں..... بہت زیادہ..... اپنے رشتے دار شندور خان کو میری طرف سے شکریہ کہہ دینا۔'' ارمانے کہا تو زرینہ بے ساختہ ہنسی۔

''ضرور کہہ دوں گی۔'' وہ مسکرا کر بولی۔

''اس بہانے ہمیں یہاں کے روایتی کھانے، کھانے کا بھی اتفاق ہوگیا۔'' عائلہ نے کھانا کھاتے ہوئے کہا۔

''یہ سارا سامان تمہارا ہے کیا؟ کیا کام کرتی ہو تم؟'' ارمانے دری پر پڑے دست کاری کے سامان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

''جی ہاں..... یہ میرا سامان ہے، میں موتیوں کے مکرامے اور کڑھائی والی چادریں بناتی ہوں..... پھر حکم لالا یہ چیزیں بازار کی دکان پر دے آتے ہیں۔ اس سے تھوڑی بہت آمدنی ہوجاتی ہے۔'' زرینہ نے بتایا۔

''بہت خوب..... گھر بیٹھے ہی محنت کرکے کما لیتی ہو..... زبردست، ویمن ایمپاورمنٹ۔'' عائلہ نے اسے بے اختیار سراہا۔ وہ اتنی سی تعریف پر شرما گئی۔

''تمہارا گھر بہت خوب صورت ہے۔ کاش ہمارا گھر بھی کسی جنگل کے کنارے واقع ہوتا۔'' ارمانے کہا۔

زرینہ کو یوں لگا جیسے وہ مذاق کررہی ہے۔ شہر میں بسنے والے لوگوں کو بھلا جنگل میں رہنے کا شوق کب ہوتا ہے۔ ایک یہ لڑکی تھی جو جنگل میں رہنا چاہتی تھی..... اور ایک شندور خان تھا جو شہر کی رونقیں چھوڑ کر بہانے، بہانے سے یہاں بھاگا چلا آتا۔

''ابھی تو دوپہر ہے مگر کیا تم ہمارے لیے یہ دیا

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

روشن کرسکتی ہو؟ میری فینٹسی تھی کہ میں کسی ایسے گھر میں رہوں جہاں دیے روشن کیے جاتے ہوں۔'' ارما نے عجب خواہش کا اظہار کیا۔

''کیوں نہیں..... میں یہ دیا روشن کردیتی ہوں۔'' زرمینہ نے اٹھ کر دیا جلایا۔ دیے کی جلتی لو نے کمرے میں ایک عجب رنگ بکھیر دیا۔

''دیے کی روشنی کتنی اچھی لگ رہی ہے ناں.....'' وہ خوش ہوکر بولی۔

''یہ شہری لڑکیاں کتنی بے حد دلچسپ باتیں کرتی ہیں۔'' زرمینہ مسکرائی اور سوچنے لگی۔ کھانے کے بعد زرمینہ ٹرے اٹھا کر باورچی خانے میں چلی گئی۔ بارش تھم چکی تھی۔ شام سے ذرا پہلے اختر بھائی بھاگے، بھاگے آئے کہ تین، چار گھنٹوں کی مشقت کے بعد بالآخر راستہ اس حد تک صاف ہوگیا تھا کہ وہاں سے گاڑیاں آہستگی سے گزر جاتیں۔

وہ بی بی جان اور زرمینہ کو شکریہ کے ساتھ، ساتھ الوداع کہتے ہوئے وہاں سے آگئیں۔

واپسی کا سفر تھکا دینے والا تھا۔ پریوں کے دیس سے واپس جاتے ہوئے دل بھی اداس تھا۔ اک طویل سفر گزارنے کے بعد وہ لوگ آدھی رات کے قریب لاہور پہنچ گئے تھے۔ یہاں بھی بارش ہوئی تھی جو اب تھم چکی تھی مگر سڑکیں گیلی تھیں۔

''شکر ہے کہ گھر پہنچ گئے۔'' گھر کے سامنے کوسٹر سے اترتے ہوئے ارما نے بے ساختہ کہا۔ پھر گیٹ کے باہر لگی بیل بجائی۔

''نانی جاگ رہی ہوں گی؟'' عائلہ نے رات کی تاریکی میں ڈوبی سنسان سڑک کے کنارے اپنا پھیوں والا سوٹ کیس گھسیٹتے ہوئے کہا۔

''راستے میں فون تو کیا تھا میں نے نانی کو.....'' ارما نے کہتے ہوئے دوسری دفعہ بیل بجائی۔ اختر بھائی نے کوسٹر جب تک کھڑی رکھی جب تک وہ دونوں اندر نہ چلی گئیں۔ اندر سے ارما کے ابو بڑبڑاتے ہوئے گیٹ کی طرف آئے۔

''رات کے ڈھائی، تین بجے گیٹ پر گھنٹیاں بجائی جارہی ہیں، یہ انسانوں کے آرام کرنے کا وقت ہوتا ہے مگر یہاں لوگوں کو بوڑھے لوگوں کی نیند اور آرام کی کیا پروا.....؟ میں پوچھتا ہوں کہ کیا یہ شریف لڑکیوں کے گھر آنے کا وقت ہے؟'' کرخت آواز اور درشت لہجے میں وہ غصے سے بولتے ہوئے گیٹ کھولنے لگے۔

عائلہ تو اس استقبال پر انگشت بدنداں رہ گئی۔ اسے لگا جیسے وہ کسی غلط گھر کے گیٹ کے سامنے آکھڑی ہوئی ہے، ارما کے گھر میں بھلا اتنا بدتہذیب کون تھا۔

ارما کے چہرے کے تاثرات برف ہوگئے۔ وہ عائلہ کے سامنے ہونے والی اس شرمندگی کو کڑوا گھونٹ سمجھ کر پی گئی۔

''ابا جی ہم ناران، کاغان سے آرہے ہیں، راستے میں بارش اور طوفان کی وجہ سے ایک لینڈ سلائڈنگ میں بری طرح پھنس گئے تھے اس لیے واپس پہنچتے ہوئے دیر ہوگئی۔'' ارما نے ان کا لہجہ نظر انداز کرکے سنجیدہ انداز میں کہا۔ لمبے سفر سے آنے کے بعد رات کے اس پہر یوں گیٹ پر کھڑے ہوکر جرح کرنے کا اس کا بالکل کوئی ارادہ نہیں تھا۔

''تو کس نے کہا تھا کہ اکیلی لڑکیاں اس موسم میں پہاڑوں کی سیر کو نکل پڑیں..... یہاں ملک کے کیا حالات ہیں اور لوگوں کو سیر سپاٹوں اور موج مستیوں سے ہی فرصت نہیں ہے، جب کوئی روک ٹوک نہ ہو اور لڑکیوں کو حد سے زیادہ آزادی دے دی جائے تو پھر یہی کچھ ہوتا ہے۔'' وہ کرخت انداز میں بولے۔

عائلہ خوفزدہ ہوگئی۔ ارما نے بے بسی سے انہیں دیکھا۔

''کیا یہ وہی لڑکی ہے جو آسٹریلیا سے آئی ہے؟'' انہوں نے ارما کے پیچھے ڈرے سہمے انداز میں کھڑی عائلہ کو گھورتے ہوئے پوچھا۔

وہ گہرے سانولے رنگ کے ادھیڑ عمر فربہی مائل شخص تھے، عائلہ کو تو یقین ہی نہیں آیا کہ وہ ارما جیسی خوب صورت لڑکی کے والد تھے۔

''جی ہاں.....!'' ارما نے گردن موڑ کر ایک نظر عائلہ کے خوفزدہ چہرے پر ڈالی۔ برسوں سے سینت،

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

سینت کر رکھے بھرم میں دراڑ پڑ گئی تھی۔

''بہت خوب..... دنیا گھوم پھر کر دل نہ بھرا جو جہاز پکڑ کر یہاں بھی سیر و تفریح کرنے چلی آئیں..... بھلا اب کون سی کسر باقی رہ گئی تھی۔'' وہ درشت انداز اور طنزیہ آواز میں بولے۔ بدمزاجی اور بدتہذیبی کے اس اظہار پر عائلہ کے چہرے کا رنگ سفید پڑ گیا۔

ارمانے بہ مشکل غصہ ضبط کیا۔ طویل مسافت کی تھکن کے بعد اس قسم کی گفتگو سننے کی اس میں بالکل ہمت نہیں تھی۔

''ابا جی! ہم طویل سفر سے تھکے ہوئے آئے ہیں، یہ باتیں کل بھی ہو سکتی ہیں..... چلو عائلہ.....'' اس نے سپاٹ سے انداز میں کہتے ہوئے عائلہ کا بازو تھاما اور اندر کی طرف چلی گئی۔

ابا جی بڑبڑاتے ہوئے گیٹ بند کرنے لگے۔

کمرے میں آکر انہوں نے سکون کی سانس لی۔ گیٹ سے اس کمرے تک کے سفر کی دہشت نے عائلہ کو سہما کر رکھ دیا تھا۔ ارما بھی بہت اپ سیٹ تھی مگر وہ عائلہ کے سامنے خود کو نارمل ظاہر کرنا چاہتی تھی۔ اسے ٹوٹے ہوئے بھرم کو دوبارہ سے جوڑ کر دنیا کے سامنے رکھنا تھا۔

''اُف ارما! مجھے تو یقین ہی نہیں آیا کہ وہ تمہارے والد ہیں، اتنے غصیلے، بدمزاج اور عجیب سی باتیں کرنے والے..... مجھے تو انہیں دیکھ کر اتنا خوف محسوس ہوا کہ بتا نہیں سکتی۔'' وہ جھرجھری لے کر بیڈ پر بیٹھ گئی۔ ارمانے دیوار کے ساتھ سوٹ کیس رکھے۔

''تم ان کی باتوں کی وجہ سے پریشان نہ ہو، ان کا تو مزاج ہی ایسا ہے اب اس عمر میں وہ اپنی عادات اور فطرت تو بدل نہیں سکتے ناں۔ تم ان کی باتوں کے بارے میں نہ سوچو..... وہ یہاں مہمان ہیں، دو چار دن بعد واپس ملتان چلے جائیں گے۔'' ارمانے اس کی دلجوئی کرنے کی کوشش کی۔ مگر عائلہ کا خوف دور نہ ہوا۔

''بیٹی سفر سے تھکی ہاری آئی ہے، بجائے اس کا حال چال پوچھنے کے، گیٹ پر ہی باتیں سنانے اور طعنے دینے لگ گئے۔ ان کے انداز میں کوئی فکرمندی نہیں تھی، صرف طنز تھا۔'' عائلہ کو ان کا رویہ برا لگنے کے ساتھ، ساتھ بہت عجیب بھی لگا تھا۔

''انہوں نے اپنے سوا کبھی کسی کی فکر نہیں کی۔ ہوتے ہیں اس دنیا میں ایسے لوگ بھی..... میں نے تم سے کہا ہے ناں..... کہ تم پریشان نہ ہو۔ ابھی نانی سو رہی ہوں گی، صبح ان سے مل کر بات کروں گی..... ان سب معاملات کو نانی ہی ہینڈل کر سکتی ہیں۔ تم سو جاؤ..... میں بھی بہت تھک گئی ہوں، لمبے سفر سے آنے کے بعد انسان اپنے بستر کو دیکھ کر کتنی خوشی محسوس کرتا ہے۔'' وہ واقعی تھکی ہوئی تھیں اس لیے منہ ہاتھ دھونے کے بعد سونے کے لیے لیٹ گئی تھیں۔

تھکن کے باوجود آنکھوں سے نیند دور تھی۔ گھر آنے پر اس قسم کے استقبال نے دل بوجھل کر دیا تھا۔

وہ اس وقت ان سب باتوں سے فرار چاہتی تھی اور یہ فرار اسے نیند میں ہی مل سکتا تھا۔ اس نے سونے کی کوشش کی۔ اک یاد اسے دور پہاڑوں پر لے گئی۔ پریوں کے دیس کی وادی میں، جہاں جھیل کنارے بیٹھ کر انسان اپنے دکھ اور غم بھول جاتا ہے..... وہ آنکھیں بند کیے لیٹی تھی مگر اک اجنبی کے قدموں کی چاپ محسوس کر رہی تھی۔ اس نے گھبرا کر آنکھیں کھولیں، اس اجنبی کی پُراسرار نگاہوں نے یہاں تک اس کا تعاقب کیا تھا، وہ پلکیں جھپکنے لگی۔

پہاڑوں سے وہ اک اجنبی کی یاد کو بھی ساتھ لے کر آئی تھی۔

خوابناک ماحول کی دلچسپ کہانی کہ جس میں حسین قدرتی نظاروں کا بیان ہے، مناظر کی فسوں خیزی ہے اور ساتھ ساتھ جنوں خیز جذبوں کا اظہار..... دو مختلف ماحول کا بیان آگے کیا رنگ دکھاتا ہے۔ یہ سب جاننے کے لیے مزید پڑھیے ماہ ستمبر کے شمارے میں.....

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

شمعِ ہدایت

اختر شجاعت

تقدیر..... کاتبِ الٰہی

تمام تر حمد وثنا اللہ رب العزت کے لیے ہے جو ہمارا مالک، خالق اور رازق ہے۔ بے شک ہمارا رب اپنی ذات میں واحد ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں، یکتا ہے۔ جس کی مثل کوئی نہیں، بے نیاز ہے جس کی ضد نہیں۔ منفرد ہے جس کے مانند کوئی نہیں..... وہ ایسا واحد اور قدیم ہے جس کا اول کوئی نہیں، وہ ازل سے ہے جس کی کوئی ابتدا نہیں۔ اس کا وجود ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔ جس کا کوئی آخر نہیں وہ ابدی ہے۔ جس کی کوئی انتہا نہیں۔ ہمیشہ قائم اور باقی رہنے والا ہے۔ وہی اول، وہی آخر، وہی ظاہر، وہی باطن، وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ وہ کوئی جسم نہیں جس کی تصویر کشی کی جائے۔ (وہ جسم سے پاک ہے) وہ ہر چیز پر نگہبان ہے۔ اس عالم کو وجود عطا کرنے والی ذات اللہ تبارک وتعالیٰ کی ہے۔ کوئی بھی چیز اس کی قدرت اور علم سے خارج نہیں۔ ہر چیز اس کے احاطے میں ہے۔

درود وسلام ہو پیارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جو تمام رسولوں کے سردار ہیں اور اہلِ ایمان کے رہنما و رہبر ان کی تمام آل پر اور ان کے تمام اصحابؓ پر۔

آج ہمارا موضوع ''تقدیر'' ہے۔ جس کے لغوی معنی ہیں۔ قسمت۔ نصیب، بخت۔ مقدر۔

اللہ تعالیٰ نے تمام کائنات کی پیدائش سے پہلے ہر نیکی اور ہر بدی اپنے ازلی علم کے مطابق لکھ دی ہے۔ جیسا ہونے والا تھا اور ہر انسان اپنی مرضی اور خوشی سے جو کچھ کرنے والا تھا۔ اللہ رب العزت نے اپنے علم سے جانا اور وہی لوحِ محفوظ میں لکھ لیا۔ اس کا نام ''تقدیر یا قضا'' ہے۔

ایسا ہرگز نہیں کہ جو اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا ہے ویسا ہی ہمیں کرنا پڑتا ہے اور ہم ویسا کرنے پر مجبور ہیں بلکہ جیسا کام ہم اپنے ارادے سے کرنے والے تھے ویسا اس نے لکھ دیا ہے یہی تقدیر ہے۔

عقیدۂ تقدیر یہ ہے کہ دنیا میں جو کچھ اب تک ہوا ہے اور جو کچھ ہو رہا ہے اور جو کچھ آئندہ ہوگا، وہ اللہ تعالیٰ کے فیصلۂ ازلی کے مطابق ہوا ہے، ہو رہا ہے اور ہوتا رہے گا۔ یعنی جیسا ہونے والا تھا اور جیسا ہم کرنے والے تھے اس عظیم ذات نے اپنے ازلی علم کے مطابق جانا اور لکھ دیا۔

اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے لیے تقدیر بنائی ہے۔ اس نے ہر چیز کو ایک اندازے کے مطابق پیدا کیا۔

آقا نبی کریمؐ نے فرمایا..... کہ کوئی بندہ اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک وہ چار چیزوں پر سچے دل سے ایمان نہ لائے۔ اول (1) یہ گواہی دینا کہ نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے اور بے شک میں اللہ کا رسول ہوں اس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ (2) موت کو سچ جانے۔ (3) ایمان لائے موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونے پر۔ (4) ایمان لائے تقدیر پر یعنی اس کو سچا جانے۔ تقدیر کے مطابق یہ عقیدہ رکھنا بھی ضروری ہے کہ تقدیر تین قسم کی ہے۔ (1) تقدیر مبرم حقیقی۔ (2) تقدیر معلق محض۔ (3) مشابہ مبرم۔

WaqarAzeem
Pakistanipoint.com

تقدیر کے متعلق محض نظریۂ جبر یعنی انسان ہر اچھائی اور برائی کرنے پر مجبور ہے (جیسا کہ عوام الناس سمجھتے ہیں)

یہ نظریہ رکھنا تقاضائے ایمان کے برعکس ہے ایسا ہی نظریۂ قدر یعنی انسان کو کھلی چھٹی ہے جو چاہے کرے یہ بھی نظریۂ تقدیر کے خلاف ہے۔ اس لیے انسان کو پتھر کی طرح مجبور یا خودمختار سمجھنا دونوں جہالت اور گمراہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک کام کرنے اور نہ کرنے کا اختیار دیا ہے۔ اس کے ساتھ عقل و تمیز بھی عطا کی ہے۔ تاکہ اچھے اور برے، نفع و نقصان کو پہچان سکے دونوں طرح کے اسباب مہیا کر دیے ہیں۔ اب انسان اپنی مرضی سے اچھا کام کرے اور چاہے تو اپنی مرضی سے برا کام کرے۔ اچھے کام پر ثواب اور برے کام پر اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دینا ہوگا اور اس کی سزا پائے گا۔ جنت اور دوزخ جزا اور سزا کے لیے برحق ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کی رہنمائی کے لیے انبیائے کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا۔ جنہوں نے نیکی اور بدی کی تمیز کرائی۔ آسمانی کتابیں اور صحیفے بھی نازل فرمائے جو انسان کی ہدایت کے لیے تھے۔

جو کچھ اللہ تعالیٰ نے ہماری تقدیر میں لکھ دیا ہم اس کے مطابق عمل کر رہے ہیں ایسا نہیں ہے بلکہ جو کچھ ہم نے دنیا میں آنے کے بعد کرنا تھا اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کے مطابق اس کو پہلے سے ہی تحریر کر دیا۔ اس کا مطلب ہے کہ جو کچھ ہم نے کرنا تھا وہ تقدیر میں پہلے ہی سے لکھ دیا گیا ہے۔

تقدیر مبرم (اسے تقدیر معین بھی کہتے ہیں)

یہ وہ تقدیر اور قضا ہے جو کسی صورت نہیں ٹل سکتی یہ ہمارے رب نے ہمارے لیے جو لکھ دی ہے اس کو تبدیل کرنے کا اختیار صرف رب کو ہے۔ انسان دخل نہیں دے سکتا۔ جیسے موت کا وقت۔ رزق، عزت وغیرہ..... تقدیر معین مبرم کل تقدیر کا پانچ فیصد ہے۔ باقی پچانوے فیصد تقدیر معلق ہے۔

باقی زندگی تقدیر معلق کے ماتحت ہے اور یہ تقدیر براہ راست ہماری نیتوں اور اعمال کے ساتھ منسلک ہے۔ اگر ایک شخص کی نیت صاف ہے اور اعمال صالح ہیں تو یقینی طور پر اس کی زندگی بہت اچھی ہوگی اس کے برعکس اگر ایک شخص کی نیت و اعمال نیک نہیں ہیں تو اس کی زندگی بھی ویسی ہی ہوگی۔

تقدیر کی دوسری قسم معلق محض ہے اور یہ وہ ہے جس کا ٹلنا کسی چیز پر موقوف اور معلق ہے..... اور فرشتوں کو اس تقدیر کے ٹلنے کا علم دے دیا گیا ہے۔ یہ تقدیر اکثر اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی دعا اور توجہ سے ٹل جاتی ہے اور وہ من جانب اللہ اس تک رسائی رکھتے ہیں۔ حدیث پاک میں اس تقدیر کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ تقدیر کو صرف دعا ہی ٹال سکتی ہے۔

تیسری معلق شبیہ مبرم یہ وہ تقدیر ہے جس کا ٹلنا اللہ تعالیٰ کے علم میں کسی چیز پر موقوف ہے۔ اس تقدیر تک اللہ تعالیٰ کے خاص الخاص اور مقبول بندوں کی رسائی ہوتی ہے اور ان کی دعا سے ٹل جاتی ہے ---- بے شک دعا قضائے مبرم کو ٹال دیتی ہے۔

☆☆☆

انسان کا برے کاموں کو کرنے کے بعد تقدیر کی طرف منسوب کرنا یا یہ کہنا کہ برائی میرے مقدر میں لکھی تھی لہٰذا برا کام میں نے کرنا ہی تھا۔ یہ بات بالکل تقاضائے ایمان کے خلاف ہے اور ناجائز ہے۔ کیونکہ برائی عموماً انسان اپنے نفس کی خواہشات پر کرتا ہے۔ اس کے برعکس یہ عقیدہ رکھنا چاہیے کہ نامعلوم اطاعتِ الٰہی میں کون سی کمی ہوگئی ہے جس کی بنا پر اس کا نفس برائی میں ملوث ہو گیا ہے۔ علما کا کہنا ہے کہ جو کامیابی ہمیں حاصل ہوتی ہے اس کے متعلق یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ یہ سب کچھ ہماری کوششوں کا نتیجہ ہے بلکہ یہ سمجھنا چاہیے کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کا نتیجہ ہے۔ ایسے ہی اگر کوشش کے باوجود کوئی کام نہ ہو تو اسے بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت سمجھنا چاہیے۔

تقدیر کا انکار بندے کو ایمان سے خارج کر دیتا

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

ہے۔ اس لیے مسئلہ تقدیر بے حد نازک ہے۔ کسی صورت میں اللہ تعالیٰ سے گلہ نہیں کرنا چاہیے۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ اکثر عوام الناس نے یہ تاثر لے لیا ہے کہ مسئلہ تقدیر کا مفہوم توشۂ تقدیر کے سامنے تمام مخلوق بالخصوص انسانوں کی بے بسی اور مکمل مجبوری ہے عوام کے خیال میں مسئلہ تقدیر کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو مجبور اور مقید کر دیا ہے۔ اس غلط تاثر کو سمجھنے کے لیے ہمیں دو الفاظ پر غور کرنا اور سمجھنا ہے۔ ''قضا و قدر''

''قدر'' کا لغوی مفہوم اندازہ کرنا۔ وزن کرنا طے کرنا اور مقرر کرنا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

''اور ہر چیز کو ہم نے کتاب روشن یعنی لوحِ محفوظ میں لکھ رکھا ہے۔'' (سورۂ یٰسین)

نیز فرمایا۔

''خدا جس کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے (اور جس کو چاہتا ہے) قائم رکھتا ہے اور اسی کے پاس اصل کتاب ہے۔'' (سورۂ رعد)

ان آیات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ تمام کائنات بشمول بنی نوع انسان کے احوال و کوائف کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس ازل سے موجود ہے۔ جسے اس نے ''اُم الکتاب یا لوحِ محفوظ'' میں حفاظت سے لکھا ہوا ہے۔ اور کائنات کا کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ ذرہ بھی اس کلیے سے ماورا نہیں۔

حدیث مبارکہ ہے کہ سرور کائناتؐ نے فرمایا..... ''اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال قبل مخلوقات کی تقدیریں لکھ دی تھیں جبکہ اس کا عرش پانی پر تھا۔''

ایک دوسری روایت میں ہے کہ

''سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو تخلیق فرمایا اور اسے حکم دیا کہ لکھ۔ اس نے عرض کیا کہ کیا لکھوں؟ فرمایا مخلوقات کی تقدیریں لکھو چنانچہ اس نے جو چیز ہو چکی تھی اور جو چیز ہونے والی تھی سب لکھ دیں۔''

قضا کا مفہوم تخلیق اور قدر کا مفہوم اختیار ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ساتوں آسمان زمین اور کائنات کے طبقات پیدا کیے۔ ان میں موجود لطیف و کثیف مخلوق کی تخلیق فرمائی یہ اللہ تعالیٰ کی قضا ہے..... یہاں قضا کا لفظ خلق یعنی پیدائش کے معنوں میں ہے جبکہ قدر کا مفہوم اختیار (چننا) ہے۔

اس طرح ان دو لفظوں میں یعنی قضا و قدر میں تخلیق کائنات اور اس کی بقا و سالمیت کا راز پنہاں ہے جس کی بنیاد پر قدرت کا یہ عظیم کارخانہ تخلیق کیا گیا اور اس کے ایک، ایک ذرے کو ادراک و شعور بخشا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں انسان کے لیے اچھائی اور برائی تخلیق کر کے اسے اس میں سے کسی ایک کو منتخب کرنے اور اپنے عمل کے لیے مخصوص کر لینے کا اختیار یعنی قدرت عطا فرمائی ہے۔ وہ چاہے تو نیکی کرے اور چاہے تو بدی کو اپنا وتیرہ بنائے۔ چنانچہ سورۂ بلد میں ہے کہ ''بھلا اس کو ہم نے دو آنکھیں نہیں دیں اور زبان اور دو ہونٹ (نہیں دیے یہ چیزیں بھی دیں) اور اس کو خیر و شر دونوں کے راستے بھی دکھا دیے۔''

بالفاظ دیگر اللہ تعالیٰ نے انسان کو جس قدر ظاہری اور باطنی صلاحیتیں عطا فرمائی ہیں اس کا واضح مقصد یہ ہے کہ اگر وہ چاہے تو اپنی صلاحیتوں کو راہِ خیر میں صرف کر کے مراتبِ کمال سے ہمکنار ہو جائے اور چاہے تو اپنی قوتوں کو بدی کے بیج بونے اور کاٹنے کے لیے وقف کر دے۔

انسان جو کچھ کرے گا اس کا بدلہ پائے گا۔ رسول اللہؐ نے فرمایا..... جب کوئی شخص نیک کام کرتا ہے تو اس کے دل پر نور کا ایک نقطہ ثبت ہو جاتا ہے اور اگر وہ نیکیاں کرتا چلا جائے تو اس کا دل بقعہ نور بن جاتا ہے۔ اس کے برعکس کوئی شخص برائی کرتا ہے اور اللہ کے آگے توبہ نہیں کرتا تو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ لگا دیا جاتا ہے۔ اب اگر وہ شخص توبہ کرے تو وہ نقطہ مٹا دیا جاتا ہے توبہ نہ کرے بلکہ دوسرا گناہ کرے پھر تیسرا اور اسی طرح گناہ پر گناہ کرتا چلا جائے تو ہر گناہ پر اس کے دل

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

پر ایک، ایک نقطہ بڑھا دیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کا پورا دل سیاہ پڑ جاتا ہے اور پھر اس میں قبول حق کی کوئی صلاحیت باقی نہیں رہتی ..... آپؐ نے ارشاد فرمایا۔ ''یہی وہ ران (زنگ) ہے۔'' پھر بندہ مجسمہ شیطنیت اور شر بن جاتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا ان پر ظلم نہیں بلکہ یہ خود ان کے اعمال کا نتیجہ ہے انہوں نے جو کچھ چاہا تھا اس کا انجام انہیں دکھا دیا گیا۔

☆☆☆

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو تخلیق کائنات سے پہلے آزادی اور اختیارات دینے کا جو فیصلہ کیا تھا اس کا نام قدر ہے۔ اس اندازے پر مبنی علم کا نام قضا ہے جیسے کوئی انتہائی قابل اور تجربے کار استاد اپنے شاگردوں میں سے کسی ایک کے متعلق کہہ دے کہ فلاں طالب علم ضرور فیل ہوگا اور ایک سال بعد جب وہ فیل ہو جائے تو کیا استاد کا ایک سال پہلے اس کا فیل ہونے کی پیشگوئی کرنا اس کے ناکام ہونے کا باعث ہو یا اس کا اپنا عمل..... ظاہر ہے کہ استاد کا اعلان بچے کے مستقبل کو متاثر نہیں کر سکتا۔ اگر وہ محنت کرتا تو اسے یہ ناکامی نصیب نہ ہوتی۔ البتہ استاد کا ایک سال قبل بتا دینا اس کے کمالِ علمی اور مہارت نامے کی دلیل ہے۔

حضرت مولانا رومؒ نے دو بہترین حکایات پیش کی ہیں۔ آپؒ فرماتے ہیں۔ ''ایک مرتبہ ایک چور کو شاہی پیادے پکڑ کر کوتوال کے پاس لائے اور بتایا کہ اس شخص کو ہم نے چوری کرتے ہوئے موقع پر گرفتار کیا ہے۔ کوتوال نے چور سے پوچھا کہ تو نے چوری کی ہے؟ اس نے جواب دیا۔ ہاں لیکن میں نے جو کچھ کیا خدا کے علم سے کیا تو جانتا ہے کہ کائنات کا ایک ذرہ بھی خدا کے حکم سے باہر نہیں ہے، یہ سن کر کوتوال نے سپاہیوں سے کہا اسے درخت سے الٹا لٹکا کر اتنا مارو کہ کھایا پیا سب بھول جائے..... یہ حکم سن کر چور گڑگڑانے اور رونے لگا تو کوتوال نے کہا اب کیوں روتا ہے؟ یہ کام میں بھی خدا کے حکم ہی سے کر رہا ہوں۔'' اسی طرح ایک شخص بغیر کسی اجازت کے باغ میں جا گھسا اور درخت پر چڑھ کر پھل توڑنے لگا۔ اتنے میں باغ کا مالک آ گیا۔ اس نے جو پھل توڑتے دیکھا تو بولا..... ارے او بے حیا! یہ کیا حرکت ہے؟ پھل توڑنے والے نے جواب دیا اگر اللہ کا بندہ اللہ کی پیدا کی ہوئی چیز توڑ کر کھائے تو اس میں بے حیائی کی کون سی بات ہے؟ خدائے بے نیاز کی نعمتوں پر سانپ بن کر بیٹھنے والا تو کون ہے؟ یہ سن کر باغ کے مالک نے اپنے نوکر سے کہا ذرا مضبوط سی رسی اور ڈنڈا لے آؤ تاکہ میں اس اللہ کے بندے کو جواب دوں۔ غلام نے تھوڑی ہی دیر میں دونوں چیزیں لا دیں۔ باغ کے مالک نے چور کو اسی درخت سے باندھا اور اس کی پیٹھ پر ڈنڈے برسانا شروع کر دیے۔ چور نے کہا ارے بھائی کچھ تو خدا کا خوف کرو کیا مجھے مار ڈالے گا۔ اس نے جواب دیا۔ چیخو مت۔ اللہ کی پیدا کی ہوئی لکڑی سے اللہ کا ایک بندہ اللہ کے دوسرے بندے کو مار رہا ہے آخر اس نے اپنے عقیدے سے توبہ کی۔ اور اقرار کیا بے شک انسان کو قوت اختیار حاصل ہے۔

مولائے کائنات حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں کہ ''اللہ تعالیٰ انسان سے اس وقت راضی ہوتا ہے جب انسان اپنی تقدیر پر راضی ہوتا ہے۔''

''توکل اس کا نام ہے کہ انسان اپنی قوت اور طاقت سے ہٹ کر تقدیر الٰہی پر راضی رہے۔''

حضرت عیسیٰ بن معاذؒ کی ایک بیٹی تھی۔ ایک دن لڑکی نے اپنی والدہ سے کہا کہ مجھے فلاں چیز کھلائیں..... اس کی والدہ نے کہا۔ خدا سے مانگو..... لڑکی نے کہا مجھے شرم آتی ہے کہ میں اپنی نفسانی خواہش کے لیے اللہ سے سوال کروں، تم جو کچھ دو گی وہ بھی اسی کی جانب سے ہوگا اور وہ میری تقدیر کا حصہ ہوگا۔

☆☆☆

ایک مرتبہ ایک شخص نے روزگار سے تنگ آ کر شہر کو چھوڑنا چاہا جب بزرگ سے رخصت ہونے کو گیا تو انہوں نے پوچھا۔ ''کہاں اور کیوں جاتے ہو؟ اس

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

نے کہا اس شہر کو چھوڑ کر جا رہا ہوں شاید روزگار میں بہتری ہو جائے اس بزرگ نے کہا..... اچھا تو اس شہر کے خدا کو میرا سلام کہنا..... نوجوان حیران رہ گیا اور کہا حضرت کیا وہاں کا خدا کوئی اور ہے؟ خدا تو ایک ہی ہے..... اس بزرگ نے کہا اے نادان! جب تو اتنا جانتا ہے کہ خدا ہر جگہ ایک ہے تو کیا اتنا بھی نہیں جانتا کہ اس شہر میں اور اس شہر میں تیرا مقدر ایک ہی ہے۔ جا فراخ دلی سے اطاعتِ الٰہی میں مشغول ہو جا۔ پھر دیکھ کہ تجھے اللہ کی طرف سے کیا، کیا نعمتیں ملتی ہیں۔"

ڈاکٹر محمد اقبالؒ کا نظریہ تقدیر کے بارے میں اچھا لگا۔ وہ لکھتے ہیں کہ

حیوان و جمادات ہیں تابعِ تقدیر
مومن ہے تو تابع ہے فرمانِ الٰہی

علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ حیوان و جمادات تقدیر کے تابع ہیں مثلاً شیر کی تقدیر میں لکھا ہے کہ وہ گھاس نہیں کھاتا گوشت ہی کھاتا ہے، اسی طرح ایک پتھر کی تقدیر میں ہے کہ اس نے نہ ہی بولنا ہے اور نہ ہی چلنا ہے تو تقدیر میں جو لکھ دیا گیا وہ اس پر عمل کر رہے ہیں لیکن جہاں تک مومن کا تعلق ہے تو وہ تقدیر کے چکر میں نہیں پڑتا بلکہ وہ یہ دیکھتا ہے کہ میرے اللہ کا کیا حکم ہے، اس کے رسول کا کیا حکم ہے؟ اس کے مطابق عمل کرے گا۔

ایک مومن کو یہ دیکھنا ہے کہ میں جو اس دنیا میں ہوں یہ دارالعمل ہے یہاں جو بوؤں گا وہی قیامت میں کاٹوں گا..... اگر اس دنیا میں اللہ کو راضی کر لیا تو آخرت میں نجات ہے۔ مومن کو بتا دیا گیا ہے کہ اللہ اور اس کا رسول کن، کن کاموں سے راضی ہوتے ہیں انتہائی واضح ہدایات موجود ہیں۔

اللہ عزوجل چاہے تو تقدیر کو بھی بدل دے وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

حدیث مبارکہ ہے کہ "صدقہ بلا کو کھا جاتا ہے۔"

اور مزید ارشاد ہے کہ "قضا نہیں بدلتی مگر دعا سے۔"

جب انسان پر پریشانی آجائے تو وہ صدقہ خیرات کرے..... کیونکہ صدقات سے مصیبت ٹلتی ہے۔ دعا مومن کا بہت بڑا ہتھیار ہے۔ اللہ کی بارگاہ میں دعا کرے اور نیک لوگوں سے دعا کرائے۔

کیونکہ نیک لوگوں سے اللہ کی رحمت زیادہ قریب ہوتی ہے کہ وہ مقامِ قرب پر ہوتے ہیں۔ جن کو اللہ تعالیٰ طاقت عطا فرمائے جن پر اپنا خصوصی کرم فرمائے وہ بیماروں کو شفا بلکہ مُردوں کو بھی زندہ فرما دیتے ہیں جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام مٹی سے پرندہ بنا کر پھونک مار کر اسے اڑا دیا کرتے تھے۔

☆☆☆

حضرت پیر مہر علی شاہؒ ایک مرتبہ تسبیح ہاتھ میں پکڑے اسٹیشن پر گاڑی کا انتظار کر رہے تھے۔ اتفاق سے وہاں ایک انگریز بھی اسٹیشن پر انتظار میں ٹہل رہا تھا۔ اس نے آپؒ کے ہاتھ میں تسبیح دیکھ کر سوال کیا۔ آپ کے ہاتھ میں یہ کیا ہے؟ اتفاق سے انگریز نے گلے میں پستول لٹکائی ہوئی تھی۔ آپؒ نے پوچھا یہ تیرے پاس کیا ہے؟ اس نے جواب دیا یہ میرا ہتھیار ہے..... آپؒ نے فرمایا۔ یہ تسبیح میرا ہتھیار ہے۔ انگریز نے پھر پوچھا آپ کا ہتھیار کیا کام کرتا ہے؟ تب آپؒ نے پلٹ کر سوال کیا تیرا ہتھیار کیا کام کرتا ہے؟

انگریز نے پستول نکالا اور درخت پر بیٹھے ایک پرندے کو نشانہ بنایا اور فائر کر دیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے پرندہ پھڑ پھڑاتا ہوا زمین پر آگرا۔ اور مر گیا۔ انگریز بولا۔ میرا ہتھیار تو یہ کام کرتا ہے اب آپ بتائیں کہ بھلا آپ کا ہتھیار کیا کام کرتا ہے؟

حضرت مہر علی شاہؒ نے درود پاک پڑھا اور اس پرندے پر تسبیح گھمائی فوراً وہ پرندہ زندہ ہو کر اڑ گیا۔ آپؒ نے ارشاد فرمایا کہ میرا ہتھیار یہ کام کرتا ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ کے مقربین بندے ہیں جن کی دعاؤں سے مصیبتیں ٹل جاتی ہیں۔

بخارا کا بادشاہ بے اولاد تھا۔ اس نے نامور

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

طبیبوں کے نسخے آزمائے علما کے کہنے پر ضرورت مندوں میں دولت تقسیم کی۔ لیکن کوئی دوا کام نہ آئی۔ آخر ایک وزیر نے بادشاہ کو مشورہ دیا اور کہا کہ یہاں حضرت لعل شہباز قلندرؒ کی خانقاہ ہے آپ اس نوجوان درویش سے رجوع کریں تو عجب نہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کی مشکل آسان فرمادے۔

ان دنوں حضرت لعل شہباز قلندرؒ بخارا میں مقیم تھے۔ بخارا کے بادشاہ کو وزیر کی بات پر یقین نہیں آیا لیکن وہ تخت کے وارث کی تلاش میں تھک چکا تھا اس لیے وہ بالآخر حضرت لعل شہباز قلندرؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا۔ ''شیخ! دینے والے نے مجھے سب کچھ دے رکھا ہے مگر میں اولاد کی نعمت سے محروم ہوں میرے لیے دعا فرمائیں کہ خالق کائنات مجھے بے نشان ہونے سے بچالے۔''

''کوئی کتنا بھی کثیر الاولاد ہو مگر بے نشانی ہر شے کا مقدر ہے۔'' شاہ بخارا کی بات سن کر حضرت لعل شہباز قلندر نے جواب دیا۔

''میں اس بے نشانی کی بات نہیں کر رہا ہوں، مجھے اپنے تخت و تاج کا وارث چاہیے۔''

''سب کچھ اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے جس نے تمہیں تخت و تاج بخشے ہیں وہی اولاد بھی عطا کرے گا، اسی کے آگے دامن پھیلائے رکھو۔'' حضرت شہبازؒ نے شاہ بخارا کو ٹالنے کی غرض سے فرمایا۔

''شیخ! میرے گناہ مجھے مایوسی کی طرف کھینچے چلے جارہے ہیں اگر میری التجاؤں میں تاثیر ہوتی تو میری مراد پوری ہو چکی ہوتی۔'' شاہ بخارا نے غم زدہ لہجے میں کہا۔

شاہ بخارا کی عاجزی اور بیچارگی دیکھ کر حضرت لعل شہباز قلندرؒ نے آنکھیں بند کرلیں ایسا محسوس ہوتا تھا کہ آپؒ جیسے مراقبے میں ہیں پھر کچھ دیر بعد حضرت قلندرؒ نے سر اٹھایا اور بولے۔ ''تمہیں بحکم خدا تخت کا وارث تو مل جائے گا مگر اس کی ایک شرط ہے۔''

''شیخ! مجھے ہر شرط منظور ہے۔'' شاہ بخارا حضرت شہباز قلندرؒ کی زبان سے اولاد کی نوید سن کر بے اختیار ہو گیا۔

''تمہارے شہزادے میں آدھا حصہ ہمارا ہو گا۔'' حضرت لعل شہباز قلندرؒ نے شاہ بخارا کے سامنے اپنی شرط پیش کردی۔

''آدھا حصہ؟'' شاہ بخارا حیرت زدہ رہ گیا۔

''شیخ! میں آپ کی بات سمجھا نہیں۔''

''وقت تو آنے دو سب کچھ سمجھ جاؤ گے۔'' حضرت لعل شہباز قلندرؒ نے بے نیازانہ کہا اور شاہ بخارا سرشاری اور حیرت کے عالم میں قلندرؒ کی خانقاہ سے اٹھ کر چلا گیا۔

پھر تقریباً ایک سال بعد قصرِ شاہی خوشی سے گونج اٹھا۔ سب شاہ بخارا کو فرزند کی ولادت پر مبارک باد دے رہے تھے مگر شاہ بخارا کی سماعتوں میں قلندر کے الفاظ گونج رہے تھے۔ ''بحکم خدا شہزادہ تو دنیا میں آجائے گا مگر اس میں ہمارا آدھا حصہ ہوگا۔''

شاہ بخارا آپؒ کے اس مبہم اشارے سے یہ سمجھا کہ آپؒ سیم و زر کے طلبگار ہوں گے۔ لہٰذا وہ انتہائی قیمتی تحائف لے کر حضرت شہباز قلندرؒ کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ آپؒ نے جب یہ لعل و جواہر دینار و درہم سے بھرے ہوئے طلائی خوانوں کو دیکھا تو شاہ بخارا کو مخاطب کرکے فرمایا۔ ''یہ کیا ہے؟''

''آپ کا حصہ۔'' شاہ بخارا نے مسرت آمیز لہجے میں عرض کیا۔

''یہ تو میرا حصہ نہیں ہے۔'' آپؒ نے تحائف کی طرف اشارہ کیا۔

''آپ ہی نے تو یہ شرط رکھی تھی کہ ولی عہد سلطنت میں آدھا حصہ آپ کا ہوگا۔'' شاہ بخارا نے حیران ہو کر کہا۔

''شہزادہ کہاں ہے اسے میرے پاس لے کر آؤ میں خود ولی عہد سلطنت سے اپنا حصہ وصول کرلوں گا۔'' شاہ بخارا اب بھی قلندر کی بات سمجھنے سے قاصر تھا۔ وہ خانقاہ سے اٹھا اور شہزادے کو لے کر انؒ کی خدمت

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

میں حاضر ہوا۔

حضرت قلندرؒ نے بڑی محبت سے بخارا کے ولی عہد سلطنت کو اپنی آغوش میں لے لیا۔ کچھ دیر تک بہت غور سے شہزادے کو دیکھتے رہے پھر اپنی گدڑی (خرقے) میں چھپالیا۔ شاہ بخارا اور اس کے وزرا دم بخود تھے۔ حضرت شہباز قلندرؒ ولی عہد سلطنت کو کچھ دیر تک اپنے سینے سے لگائے رہے۔ پھر خوب صورت شہزادے کو شاہ بخارا کی طرف بڑھاتے ہوئے فرمایا۔

''اب تم جو چاہو کرو ہم نے اپنا حصہ وصول کرلیا۔'' شاہ بخارا اور ان کے مصاحب ایک عارف کے رمز و کنایات کو بھلا کیا سمجھتے..... وقت گزرتا رہا۔ اور شہزادہ جوان ہوگیا پھر شاہ بخارا کے انتقال کے بعد شہزادہ تخت نشین ہوا۔ حضرت لعل شہباز قلندرؒ نے ولی عہد کا نام ''ادھم'' رکھا تھا اور اب وہی شہزادہ سلطان ادھم کے نام سے بلخ اور بخارا پر حکومت کررہا تھا۔

روایت ہے کہ سلطان ادھم نے کئی سال تک عدل و انصاف اور پاکبازی کے ساتھ حکومت کی اس کے عہد میں سب پُرسکون زندگی بسر کررہے تھے۔ اچانک سلطان ادھم نے اپنے وزرا کو اور امرا کو طلب کرکے کہا۔ ''میرا دل اس فانی دنیا سے اچاٹ ہوچکا ہے۔ اس لیے اپنی ذمے داریوں سے سبکدوش ہونا چاہتا ہوں۔''

وزرا اور امرا نے آپ کو بہت سمجھایا مگر سلطان ادھم نے کہا کہ ''میں نے بہت چاہا کہ میں اس آواز کو نظرانداز کردوں مگر اب مجھے اپنے ارادوں پر اختیار نہیں رہا۔ وہ آواز مجھے بلارہی ہے۔''

وہ کس کی آواز ہے؟ جس نے بادشاہ کے سکون کو منتشر کردیا ہے وزرا سمجھنے سے قاصر تھے۔

''تم اس آواز کو نہیں پہچان سکتے مجھے جانا ہوگا اور اسی میں میری سلامتی ہے۔'' اس کے بعد سلطان اپنے چچازاد بھائی کے حق میں دستبردار ہوگیا پھر اس نے درویشانہ لباس پہنا اور حضرت لعل شہباز قلندرؒ کی تلاش میں بلخ و بخارا کی حدود سے نکل گیا۔ سلطان ادھم بہت دانا اور ذہین تھا وہ اپنی دنیا فروخت کرکے آخرت خریدنا چاہتا تھا پھر وہ بابا شہباز کی تلاش اور جستجو میں در، در بھٹکتا رہا۔ پاؤں آبلوں سے بھر گئے بالآخر ایک دن بامراد ہوا اور اس نے سہیون پہنچ کر اپنا سر نیاز حضرت لعل شہباز قلندرؒ کے قدموں میں رکھ دیا۔ ''سلطان کیسے ہو؟'' حضرت لعل شہباز قلندرؒ نے اپنا دستِ مبارک سلطان ادھم کے سر پر رکھ دیا۔

''شیخ! بہت مضطرب ہوں دل کی خلش چین سے بیٹھنے نہیں دیتی۔'' سلطان کے آنسو بابا قلندر کے قدموں کو بھگو رہے تھے۔

''اگر سلطانی چھوڑ کر فقیری مل جائے تو یہ بہت سستا سودا ہوگا۔'' حضرت شہباز قلندرؒ نے فرمایا۔

''شیخ! میں نجات کا طالب ہوں۔'' سلطان ادھم نے کہا۔

''اس سے مانگتے رہو نجات بھی مل جائے گی۔''

اس کے بعد آپؒ نے سلطان کو اپنے حلقۂ بیعت میں شامل کرلیا پھر طویل ریاضت و مجاہدات کے بعد سلطان ادھم حضرت قلندرؒ کے حکم سے خیرپور کی پہاڑی پر چلہ کش ہوگئے۔ آپ نے باقی عمر وہیں گزاری اور وفات کے بعد اسی مقام پر دفن ہوگئے۔ بہرکیف حضرت لعل شہباز قلندرؒ نے سلطان ادھم سے اپنا نصف حصہ اس طرح وصول کیا کہ ان کی آدھی زندگی فقیری میں بسر ہوئی۔

☆☆☆

تقدیر کا انکار بندے کو ایمان سے خارج کردیتا ہے۔ اس لیے مسئلہ تقدیر بڑا نازک ہے۔ کسی بھی صورت میں اللہ تعالیٰ سے گلہ نہیں کرنا چاہیے بلکہ تقدیر کے منکر کے ساتھ تعلقات رکھنا بھی درست نہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ہمارے نبی اکرمؐ نے ارشاد فرمایا۔ ''تقدیر کے منکر اس امت کے مجوسی (آگ پوجنے والے) ہیں۔ اگر وہ بیمار ہوجائیں تو ان کی عیادت نہ کرو اور اگر وہ مرجائیں تو ان کا جنازہ نہ پڑھو۔''

قضا و قدر کے مسائل عام عقل سے بالاتر ہیں

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

البتہ مشاہدہ یا روحانی کشف کے ذریعے تقدیر کے مسائل بالکل عیاں ہوجاتے ہیں۔ اس لیے عام طور پر تقدیر کے مسائل میں الجھنے کو اچھا قرار نہیں دیا گیا یا ہر وقت تقدیر کے امور کو زیرِ بحث بنائے رکھنا ہلاکت اور نامرادی کی دلیل ہے اس لیے صوفیا اور علما نے اس پر بحث کرنے سے منع فرمایا ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدسؐ ہمارے پاس تشریف لائے اور ہم (صحابہ) اس وقت تقدیر پر بحث و تکرار کررہے تھے تو حضور اقدس کا چہرہ مبارک غضب و ناراضی کی وجہ سے انار کے دانے کی طرح سرخ ہوگیا۔ فرمایا۔ ''تمہیں اس بات کا حکم دیا گیا ہے؟ کیا میں یہی بات تمہارے پاس دے کر بھیجا گیا ہوں؟ تم سے پہلے لوگوں نے جب تقدیر میں بحث کی تو وہ ہلاک ہوگئے۔ میں تمہیں قسم دے کر منع کرتا ہوں کہ تقدیر میں بحث و تکرار نہ کرنا۔''

☆☆☆

بندے کے لیے اللہ رب العزت کی طرف سے سوچنے کا یہ مقام ہے کہ اے انسان! تو اس کائنات میں تصرف کرنے والی واحد مخلوق تھا۔ کائنات کا ایک، ایک ذرہ اللہ نے انسان کی غلامی میں دیا تھا اگر اس کی اطاعت اختیار کیے رہتا تو ہر وجود سرنگوں رہتا۔ تو اس کائنات میں اللہ کی محبت اور اطاعت کے ذریعے مقبول بندہ بننے آیا تھا لیکن تجھے کس نے گمراہ کردیا؟ تو نے یہ کیسے فرض کرلیا کہ رب کے تقدیری فیصلوں نے تجھے مجبور اور پابند بنا دیا ہے؟ تجھے قرآن اور حدیث کی صورت میں روشن ہدایات دی گئی تھیں۔ بتا دیا گیا تھا تو اپنے افعال اور اپنے اعمال پر پورا، پورا اختیار رکھتا ہے۔ اسی اختیار کی بنا پر تجھے تیری نیکی کا صلہ ملے گا اور برائی کی سزا دی جائے گی لیکن دنیا اور اس کی اندھی ہوس نے آنکھوں پر پٹی باندھ دی ہے۔ خواہشات کے غلام بن گئے ذمے داری قبول کرنے کے بجائے ہر مسئلہ تقدیر پر ڈالتے رہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے کسی نے اس مسئلے کی بابت پوچھا تو آپؓ نے فرمایا۔ ''اپنی ایک ٹانگ اوپر اٹھاؤ۔ اس نے اٹھالی۔ پھر فرمایا۔ اب دوسری بھی اٹھاؤ۔ اس نے عرض کیا یہ تو ناممکن ہے۔ فرمایا پہلی حد انسان کے اختیار کی تھی اور دوسری حد اس کی مجبوری کی ہے۔''

انسان کی حقیقی حیثیت ''بین القدر والجبر'' ہے جو ایک معتدل کیفیت سے عبارت ہے فی الواقع اسے اختیار و ارادے کی مکمل آزادی ہے لیکن اس کی آزادی میں افراط ہے نہ تفریط۔

بس اللہ رب العزت کی بارگاہ میں یہی دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اپنا اطاعت گزار، شکر گزار اور آقاؐ کی سنت کی پیروی پر عمل کرنے والا بنائے۔ تاکہ روزِ حشر ہم اپنے رب کے سامنے سرخرو ہوسکیں الٰہی آمین۔

آخر حرف

حرف آخر: اپنے بہت پیارے رب کی بارگاہ میں دعا گو ہوں کہ اس مضمون میں دانستہ یا نادانستہ کوئی غلطی کوئی کمی یا کوئی کوتاہی سرکار دوعالمؐ کے احکامات یا فرمودات کے خلاف ہو گئی ہو تو اے میرے مہربان رب اپنی اس گناہ گار کم فہم کنیز کو معاف فرمادے کہ اے میرے رب! تو معاف کرنے والا ہے۔

یہ مضمون بھی اپنے عنوان کے لحاظ سے بہت وسعت رکھتا ہے۔ بہت مشکل اور صبر آزما ہوتا ہے ایک وسیع ٹاپک کو سمیٹنا..... بہر حال اللہ ہی مددگار ہے۔

میری کوشش ہمیشہ ہی نیک نیتی پر مبنی ہوتی ہے۔ ان تمام قابلِ احترام ہستیوں کی بے حد شکر گزار ہوں کہ جن کی کتب سے میں نے یہ مضامین منتخب کیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے، اور ہمارے لیے توشۂ آخرت ہو، آمین۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

نزہت اصغر

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

نہایت ملنسار، با صلاحیت
اور ہر دلعزیز قلمکار

غزالہ عزیز

سے دلکش گفتگو

عزیز بہنو! کہیے کیسے مزاج ہیں..... ایک لمبے عرصے کے بعد آپ کی بزم میں حاضری دے رہے ہیں کہ گزشتہ چند ماہ کے حالات آپ کے سامنے ہیں..... رائٹرز سے انٹرویو کا یہ سلسلہ آپ کی فرمائش پر ہی پیش کیا جاتا ہے۔ اس بار ایک بہت ٹیلنٹڈ تحریر نگار کہ جن کے مسحور کُن افسانے تو آپ پاکیزہ میں پڑھتے ہیں اور ڈرامے چینلز پر دیکھتے ہیں۔ یہ اپنی شخصیت میں بہت ملنسار، سادہ مزاج اور پُر خلوص ہستی کی مالک

ہیں۔ ہماری بہت اچھی دوست ہیں، آیئے غزالہ عزیز سے گفتگو کا آغاز کرتے ہیں کہ انہوں نے یہ کامیاب ادبی سفر کیسے طے کیا۔

☆☆☆

پاکیزہ ✧..... خوش آمدید غزالہ..... آج آپ ہماری بزم میں حاضر ہیں..... کیا تاثرات ہیں؟

غزالہ عزیز ❖..... بہت خوشی، بہت حیرانی! یہ میرے لیے اعزاز کی بات ہے۔ آپ نے اپنی بزم میں بطور ''مہمان'' انوائٹ کیا۔ بہت شکریہ، نوازش اور عزت افزائی ہے۔ (یہ تو آپ رائٹرز کا حق ہے)

پاکیزہ ✧..... اچھا پہلے تو اپنے قلمی سفر کا آغاز بتایئے کب پہلی کہانی لکھی؟

غزالہ عزیز ❖..... پہلی شارٹ اسٹوری کسی ڈائجسٹ میں نہیں جنگ اخبار کے سنڈے میگزین میں افغانی کچرا چننے والے بچوں پر لکھی تھی۔ عنوان یاد نہیں ہے۔ اسکول لائف میں اس وقت پڑھ رہی تھی۔

پاکیزہ ✧..... تعلیمی اعتبار سے کیا، کیا مدارج طے کیے؟

غزالہ عزیز ❖..... پولیٹیکل سائنس میں ماسٹرز کیا ہے۔

پاکیزہ ✧..... کچھ مختصراً اپنی فیملی کا بھی تعارف کروا دیجیے؟

غزالہ عزیز ❖..... ہم چھ بہنیں اور ایک بھائی ہیں، سب میرید اور اپنی فیملی میں خوش باش لائف گزار رہے ہیں۔ قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ اردو ادب کے معروف شاعر مولانا حسرت موہانی میری والدہ کے پرنانا تھے۔ والدہ بھی اعلیٰ ادبی ذوق رکھتی تھیں۔ (جبھی تو ادبی ذوق وشوق اور صلاحیت آپ میں بھی ہے۔)

پاکیزہ ✧..... اچھا تو آپ کے قلمی سفر نے کیا، کیا رکاوٹیں سہیں اور گھر والوں نے کہاں تک حوصلہ افزائی کی؟

غزالہ عزیز ❖..... کوئی رکاوٹ نہیں آئی الحمدللہ۔ والدہ (مرحومہ) کو ادب سے بے حد لگاؤ تھا۔ گھر والوں نے ہمیشہ سپورٹ کیا ہے۔ میرے لکھنے سے والدہ بہت خوش ہوا کرتی تھیں۔ (بے شک گھر والوں کی حوصلہ افزائی سے ہی صلاحیتیں پروان چڑھتی ہیں)

پاکیزہ ✧..... پاکیزہ سے ناتا جوڑنے کی رُوداد بھی کچھ گوش گزار کیجیے؟

غزالہ عزیز ❖..... پاکیزہ سے ناتا جوڑنے کی مختصر رُوداد یہ ہے کہ ماہنامہ پاکیزہ اپنے ہم عصر رسائل اور جرائد میں اپنے الگ اور منفرد طرزِ اسلوب کے باعث میرے لیے کشش کا باعث بنا۔ اور میں نے اس میں اپنا افسانہ بھیجا جو دو تین ماہ بعد ہی شائع ہوگیا۔ جو میرے لیے بے حد خوشی کا باعث تھا۔ حالانکہ اس وقت میں دوسرے رسالوں اور دیگر ماہناموں میں لکھ رہی تھی۔ لیکن انجم آپی کی محبت،

غزالہ عزیز اپنی ساتھی مصنفات کے ہمراہ

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

رہنمائی اور حوصلہ افزائی نے پاکیزہ کی محفل میں بطور رائٹر کے متعارف کرایا۔ لیکن میں نے باقاعدگی سے پاکیزہ میں لکھنا پیاری اور نفیس مزاج رکھنے والی دھیما اور میٹھا بولنے والی نزہت اصغر کے ایڈیٹر بننے کے بعد شروع کیا ہے۔ (اُف میں کہاں جاؤں غزالہ) اور یہ ساتھ وقت کے ساتھ پائدار، مضبوط اور مستحکم ہوا ہے۔ نزہت بطور ایڈیٹر قابل اور محنتی ہونے کے ساتھ بحیثیت انسان بہترین شخصیت کی مالک ہیں۔ کیونکہ ان کا اخلاق اور مزاج بے حد نفیس ہے۔ بہت پُرخلوص اور ہمدرد دوست کی حیثیت رکھتی ہیں۔ (ذرّہ نوازی ہے آپ کی..... انجم باجی نے بھی ہمیشہ نئے لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی کی)

پاکیزہ ✧..... مخالفت کس انداز سے سہی مطلب تنقیدی تبصرے پڑھنے کو ملے؟

غزالہ عزیز ❖..... مخالفت تو نہیں ہوئی..... لیکن بحیثیت رائٹر کے دوسری رائٹرز خواتین کی طرح میری تحریر پر یعنی ''افسانوں'' کی تعریف اور تنقیدی تبصرے پڑھنے کو ملے ہیں۔ جنہوں نے مایوس نہیں کیا۔ بلکہ مزید بہتری کی گنجائش کے ساتھ آگے بڑھنے کی تحریک دی۔

پاکیزہ ✧..... یہ بتایئے غزالہ کہ آپ نے ڈراما نگاری میں بھی خوب نام کمایا۔ اس طرف کیسے دھیان گیا؟

غزالہ عزیز ❖..... ڈراما نگاری کی طرف رجحان اس طرح بنا کہ ہماری دیگر ڈائجسٹ رائٹرز ٹی وی ڈراما انڈسٹری میں اچھا کام کر رہی تھیں۔ ان کو دیکھ کر مجھے بھی تحریک ملی۔ شوق ہوا۔ میں بھی ٹی وی اسکرین پر اپنی تحریروں پر اسکرپٹ کی صورت میں اپنے فیورٹ ایکٹرز کو ایکٹ کرتے ہوئے دیکھوں۔ ٹی وی اسکرین پر ڈرامے کی صنف میں اپنی صلاحیتوں کو آزماؤں۔ اب تک تقریباً دس کے قریب سیریلز کر چکی ہوں پھر سنگل پلیز اور ٹیلی فلمز بھی کی ہیں۔ مشہور سیریلز میں۔ بھابی، باندی، میرے ہرجائی، بات ہے رسوائی کی، کلیاں میرے آنگن کی، بیٹی جیسی، اگر تم نہ ہوتے، بوجھ، میرا مان رکھنا، ٹھوکر قابلِ ذکر ہیں۔

پاکیزہ ✧..... افسانہ و ناولٹ نگاری اور ڈراما نگاری میں کیا فرق محسوس کیا؟

غزالہ عزیز ❖..... صنف کا فرق تو ہے ہی..... اسلوب اور ویژن کا فرق بھی ہے۔ فنی اور تیکنیکی باریکیوں کے علاوہ ڈراما نگاری کے ذریعے اپنی سوچ اور تخلیقی صلاحیتوں کو زیادہ بڑے کینوس پر پورٹرے کیا جاسکتا ہے۔

پاکیزہ ✧..... کبھی ڈراما آرٹسٹ نے بھی آپ کو ہدایات دیں کہ یہ مناسب نہیں ہے، یہ لکھیں؟

غزالہ عزیز ❖..... ڈراما آرٹسٹ نے تو کبھی گائڈ لائن نہیں دی۔ البتہ ڈراما ڈائریکٹر اور پراجیکٹ ٹیم اپنی تجاویز اور مشورے ضرور دیتے ہیں جیسے کہ ایک ٹیم ورک ہوتا ہے۔ مطلب اسکرپٹ رائٹر ہی لکھتا ہے۔ البتہ اس میں اسکرپٹ ایڈیٹر اور کانٹیٹ ہیڈ وغیرہ گائڈ لائنز بھی دیتے ہیں اور مشورے بھی..... جیسے ہم changes وغیرہ کا نام دیتے ہیں۔

پاکیزہ ✧..... اگر ایسی صورتِ حال ہو تو ایک رائٹر کس طرح آزادانہ لکھ سکتا ہے؟

غزالہ عزیز ❖..... ویسے تو ہر ڈراما رائٹر اپنی ذہنی صلاحیتوں کے مطابق کسی بھی سوشل ایشو پر آزادانہ طور پر لکھنے کا حق رکھتا ہے۔ اور اس حق کو استعمال بھی کرتا ہے۔ مگر الیکٹرانک میڈیا میں چینلز کی کچھ اپنی پالیسی بھی ہوتی ہے۔ کمرشل ازم کی بھی اہمیت ہوتی ہے۔ پیمرا کی پالیسی کو بھی مدِنظر رکھا جاتا ہے کہ رائٹر کسی بھی سوشل ایشو پر کس حد تک آزادانہ طور پر لکھ سکتا ہے۔ کچھ پابندیاں ہوتی ہیں کچھ کمرشل ازم کا خیال ہوتا ہے اور پھر چینل کی پالیسی بھی میٹر کرتی ہے۔ لہٰذا آج کل ان چیزوں کو مدِنظر یا ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے رائٹرز ڈراما لکھ رہے ہیں۔ البتہ اپنی سوچ یا طرزِ فکر کے ذریعے معاشرے کی فرسودہ روایات اور سوچ میں مثبت تبدیلی لانے کے لیے ایک ڈراما رائٹر بالکل آزادانہ طور پر لکھ

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

غزالہ عزیز، رخسانہ سہام کے ہمراہ

رہا ہے اور لکھ سکتا ہے۔

پاکیزہ ✧.....غزالہ آپ بہت کوآپریٹو ہیں.....کہانی فوری چھپنے پر بھی مصر نہیں ہوتیں اور اگر کوئی نوآموز رہنمائی مانگیں تو بلاتکلف بلکہ بہت خوش مزاجی سے انہیں گائڈ کرتی ہیں کیا تمام لکھنے والیاں اس حد تک تعاون کرتی ہیں؟ اگر نہیں تو کیوں؟

غزالہ عزیز ❖.....یہ امر قابلِ افسوس ہے کہ تمام میل یا فی میل رائٹرز اپنے جونیئرز کو رہنمائی اور تعاون فراہم نہ کریں.....علم ہو یا ہنر یہ تو اللہ کی امانت اور عطا ہوتی ہے۔ اسے پھیلانا اور بانٹنا ضروری ہوتا ہے بلکہ ذمے داری ہوتی ہے۔ کیونکہ امانت کو لوٹایا جاتا ہے۔ پھیلایا جاتا ہے جو عالم یا ہنر مند ایسا نہیں کرتے وہ یقیناً خیانت کے مرتکب ہوتے ہیں، یہ مثال ہے.....لہٰذا جو سینئر رائٹرز اپنے جونیئرز کے ساتھ تعاون اور رہنمائی نہیں کرتے وہ یقیناً دوسروں کو اس مقام پر دیکھنا نہیں چاہتے جس مقام پر وہ خود موجود ہوتے ہیں۔ میرے نزدیک رہنمائی یا تعاون نہ کرنا خیانت ہی ہوتی ہے۔ (بالکل درست کہا)

پاکیزہ ✧.....ہاں یہ شاید ہر انسان کی فطرت کے مطابق ہی ہوتا ہے اگر یہ سمجھ لیا جائے کہ کسی کی رہنمائی کرنا بھی صدقۂ جاریہ ہے تو کوئی نوآموز برسوں بھٹکتا نہ پھرے، آپ کا کیا خیال ہے؟

غزالہ عزیز ❖.....یقیناً رہنمائی دینے والا، راستہ دکھانے والا دوسروں کے لیے صدقۂ جاریہ ہی بنتا ہے۔ لیکن یہ ہر انسان کی سوچ اور فطرت پر دلالت (ڈیپینڈ) کرتا ہے۔ وہ کس چیز کو اپنے حق میں بہتر سمجھتا ہے۔ صدقۂ جاریہ یا پھر خیانت.....!

پاکیزہ ✧.....آپ اتنے عرصے سے لکھ رہی ہیں کتابی شکل میں اپنی کاوشیں لانے کا خیال کبھی آیا؟

غزالہ عزیز ❖.....کتابی شکل میں میرے افسانوں کا مجموعہ، عین سے عورت شائع ہو چکا ہے۔ اس کے علاوہ ناولٹ کا مجموعہ ایمان، امید، روشنی کتابی شکل میں شائع ہو چکے ہیں۔ ایمان، امید، روشنی، علی میاں پبلی کیشنز کی طرف سے شائع ہوا۔ اس کے علاوہ ایک شعری مجموعہ تیار ہے مگر ڈراما رائٹنگ (اسکرپٹ رائٹنگ) کی مصروفیت میں خواب و خیال ہو کر رہ گیا ہے۔ اگر کوئی پبلشنگ ہاؤس شائع کرنا... چاہے تو ضرور دوں گی۔

پاکیزہ ✧.....اب ذرا اپنی پسندیدگی و ناپسندیدگی کا بھی اظہار کر دیں مثلاً پسندیدہ لباس، موسم، تفریحی مقام، رشتہ، شخصیت، ملک، پھول، خوشبو۔

غزالہ عزیز ❖.....شلوار، قمیص، دوپٹا، برسات اور موسم سرما، دوستی کا رشتہ، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شخصیت پسندیدہ ہے۔ تفریحی مقام تو پورا پاکستان ہے، پھول چنبیلی، موتیا۔

پاکیزہ ✧.....فارغ اوقات میں کیا مشغولیات ہیں یا یوں بتائیے کہ دیگر مشاغل کیا ہیں؟

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

غزالہ عزیز ❖.....بک ریڈنگ، (ان میں ڈائجسٹ بھی شامل ہیں) اسکرپٹ رائٹنگ۔

پاکیزہ ✧.....اچھا یہ بتائیں کہ گھریلو امور میں کس حد تک سرگرم رہتی ہیں۔ مطلب گھر والوں کو آپ کی مصروفیت کے باعث گلے شکوے تو نہیں ہوتے؟ اور آپ کس حد تک اپنے دوستوں، سہیلیوں ملنے جلنے والوں سے رابطے میں رہتی ہیں؟

غزالہ عزیز ❖.....فیملی کو شکایت کا موقع نہیں دیتی۔ کوکنگ خود کرتی ہوں، البتہ رشتے داروں سے ملنا، جلنا کم رہتا ہے۔ مصروفیت کے باعث.....کوشش رہتی ہے کہ دوستوں اور رشتے داروں کو شکایت کا موقع نہ دیا جائے۔

پاکیزہ ✧.....آج تو رائٹرز کی ایک کھیپ ٹی وی چینلز کی طرف چلی گئی ہے تو پرنٹ میڈیا پر بھی ایک اور نسل چھا چکی ہے مگر دیکھا گیا ہے کہ سینئر اپنے جونیئرز کو کم ہی سراہ رہے ہیں۔ آپ کے ساتھ تو ایسی صورت نہیں؟

غزالہ عزیز ❖.....پرنٹ میڈیا پر واقعی نئی نسل چھا چکی ہے۔ جو باصلاحیت بھی ہے اور قابل بھی۔ میں آج کل تمام نوجوان باصلاحیت لکھاریوں کو بہت شوق سے پڑھتی ہوں اور امید رکھتی ہوں کہ آگے بھی مزید بہترین اور باصلاحیت نوجوان پرنٹ میڈیا میں اپنی صلاحیتوں کا لوہا منواتے رہیں گے۔ آج کل کے نوجوان رائٹرز میں بہت سے اچھے اور مشہور نام ہیں۔

پاکیزہ ✧.....پہلے ادیب صرف معاشرے کی نبض پر ہاتھ رکھے ہوتے تھے اب یہ شعبہ بھی کمرشلائز ہو گیا ہے تو وہ سحر انگیز، موثر اور قابلِ غور فن پارے سامنے نہیں آ رہے، کیا وجہ ہے؟

غزالہ عزیز ❖.....جواب کسی حد تک آپ کے سوال میں ہی موجود ہے۔ (بہت شکریہ) ایک وجہ کمرشل ازم بھی ہے۔ لیکن معاشرے کی نبض پر مضبوط ہاتھ اور گہری شعوری نظر رکھنے والے ادیب آج بھی موجود ہیں لیکن تعداد میں قلیل ضرور ہیں۔ کیونکہ پہلے زمانوں میں ادب کو پڑھا اور ادیب کو سراہا جاتا تھا۔ اب ادب کم پڑھا جاتا ہے۔ اس لیے منظرِ عام پر بھی کم ہی فن پارے آتے ہیں۔ مگر یہ سچ ہے ادب اور ادیب کا سنہری دور گزر چکا ہے۔ اگر آج کل کی نوجوان ادیب کا ذکر کروں تو آمنہ مفتی کا نام لے سکتی ہوں۔

پاکیزہ ✧.....اپنی پسندیدہ تحریر کے بارے میں بھی بتائیے؟

غزالہ عزیز ❖.....پیر کامل، زاویہ۔

پاکیزہ ✧.....پاکیزہ کے حوالے سے اپنے خیالات کا اظہار بھی ضرور کیجیے؟

غزالہ عزیز ❖.....ماہنامہ پاکیزہ دیگر رسائل اور جرائد کے مقابلے میں ایک منفرد طرزِ اسلوب کا حامل ڈائجسٹ ہے۔ جس میں شائع ہونے والی کہانیاں ہمارے معاشرے اور اس میں بسنے والے لوگوں کو زندگی کے حقائق سے ہی روشناس نہیں کراتیں بلکہ بحیثیت قوم ہماری معاشرتی اقدار، روایات کی پاسداری اور نئی نسل میں مثبت طرزِ فکر اور شعور کی بیداری میں اہم کردار ادا کر رہی ہیں۔ نئی سوچ اور شعور کو پروان چڑھا رہی ہیں.....پاکیزہ اپنی بہترین کہانیوں اور منفرد سلسلوں کے ساتھ دیگر جرائد میں الگ اور نمایاں مقام رکھتا ہے۔ (بہت نوازش، ہم اپنی رائٹرز کی آرا، تجاویز اور قارئین کی حوصلہ افزائی سے ہی آگے بڑھتے ہیں)

پاکیزہ ✧.....نوجوان نسل کے نام کوئی پیغام.....اگرچہ آپ بھی اس کی نمائندگی کر رہی ہیں؟

غزالہ عزیز ❖.....نوجوان نسل کے نام یہی پیغام ہے کہ باادب بانصیب، بے ادب بے نصیب.... یاد رکھیں محنت اور مسلسل کوشش ہی کامیابی کی کنجی ہے۔ محنت، لگن اور کوشش وہ راستہ ہے جس پر چل کر کامیابی (منزل) نصیب ہوتی ہے۔ (بالکل درست غزالہ ڈیئر)

پاکیزہ ✧.....ہماری بزم کے بارے میں آپ کے قیمتی خیالات؟

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

غزالہ عزیز، اداکارہ ثانیہ سعید کے ہمراہ

غزالہ عزیز ❖..... ہماری بزم، پاکیزہ کا بہترین اور میرا پسندیدہ سلسلہ ہے۔ آپ نے مجھے اس بزم میں شرکت کا موقع دیا۔ میں بہت شکر گزار ہوں، نزہت آپ کا بہت شکریہ..... آپ اپنی بہترین صلاحیتوں اور خوبیوں کو منوا رہی ہیں، خدا کرے مزید کامیابیاں آپ کے ہم قدم ہوں، آمین..... اہل علم و ہنر کو متعارف کرانا بھی صدقۂ جاریہ ہے۔ لہٰذا شکریہ واجب ہے، خوش رہیں، اور آخر میں ماہنامہ پاکیزہ کا بے حد شکریہ جس نے مجھے اپنی تخلیقی صلاحیتوں کے اظہار کے لیے پلیٹ فارم دیا۔ پاکیزہ سے جڑے تمام دوستوں کو سلام کہیے گا (جی ضرور)

پاکیزہ ✧..... تمام بہنوں اور دوستوں کی طرف سے آپ کو وعلیکم السلام..... اور بہت سی دعائیں..... بہت شکریہ غزالہ کہ آپ نے اپنے قیمتی وقت سے ہماری بزم کے لیے چند ساعتیں نکال لیں۔ اب آپ کی نئی تحریر کا انتظار رہے گا۔

☆☆☆

پیاری بہنو! یقیناً آپ کو ہماری باصلاحیت رائٹر غزالہ عزیز کی گفتگو پسند آئی ہوگی۔ اپنی رائے سے ضرور نوازیے گا۔ اللہ پاک سے دعا ہے کہ اشاعت کا یہ سلسلہ جاری و ساری رہے اور تمام دنیا کے حالات بہتر ہو جائیں۔ خصوصاً عالم اسلام اور ہمارے ملک پاکستان میں خوشحالی، امن اور سکون کا دور دورہ ہو۔ الٰہی آمین.....

بہنو! انٹرویو تو تقریباً مکمل ہی ہو چکا تھا کہ غزالہ عزیز کے والد کی بیماری کی خبر آئی۔ ابھی دعائے صحت ہی کر رہے تھے کہ ان کے انتقال کی خبر آ گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون..... مگر غزالہ نے اپنی پروفیشنل ذمے داری کو سمجھتے ہوئے ہمارے ساتھ بھرپور تعاون کیا اور انٹرویو بروقت مکمل کروایا۔ اللہ پاک غزالہ کے والد ماجد کی مغفرت کرے اور اہلِ خانہ کو صبرِ جمیل عطا ہو، الٰہی آمین..... ادارہ لواحقین کے غم میں برابر کا شریک ہے۔

جنوں کے راستے یوں تو کٹھن سے لگتے ہیں
مگر یہ راستے منزل تلک نکلتے ہیں
زمانہ ہر قدم پہ راہ روکنے والا
عزائم پختہ ہوں جن کے وہ کب بھٹکتے ہیں

☆☆☆

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

2020ء کیا ایک انتہائی تباہ کن سال رہا؟

ناہید فاطمہ حسنین

ستارہ شناس اور علم الاعداد سے واقفیت رکھنے والے افراد کا دعویٰ ہے کہ جب بھی دنیا میں ایک جیسے دو digit ساتھ آتے ہیں دنیا میں بڑے پیمانے پر اموات ہوتی ہیں۔ اور یہی دعویٰ انہوں نے 2020ء کے سال کے حوالے سے کیا ہے۔ بہرحال اس سے قطع نظر کہ اس دعویٰ میں کتنی صداقت ہے۔ جب ہم 2020ء پر نظر ڈالتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ اس سال نے پوری دنیا کو خون سے رنگین کر دیا۔ اور جب پاکستان کی صورتِ حال پر توجہ کرتے ہیں تو صورت حال یہاں بھی بہت گھمبیر نظر آتی ہے۔

2020ء شاید ایسا سال ہے کہ جس کے گزرنے کے بعد ہم میں سے کوئی بھی یہ نہیں کہے گا کہ ”سال گزر گیا اور پتا بھی نہیں چلا“۔

اس سال پوری دنیا کو ایک وبا کا سامنا کرنا پڑا جس نے ہزاروں جانوں کا نذرانہ لیا۔

اسی سال سخن کی دنیا کو بھی کافی نقصان اٹھانا پڑا..... ہم نے جن قد آور ہستیوں کو کھویا ان میں سے چند کا ذکر کرنا مناسب سمجھتی ہوں۔

دوست محمد فیضی

فیضی صاحب اسم بامسمّٰی تھے۔

ادب میں اور عام زندگی میں ہر ایک کے ساتھ مخلص ہر ایک کے دوست.....

انتہائی منکسر المزاج ادب دوست، ادب پرور شہر کی کم ہی تقریبات ہوں گی جس میں وہ شریک نہ ہوں پی تلی گفتگو اور گفتگو کے فن سے واقف..... لبوں پر ہر دم رہنے والی مسکراہٹ ان کی شخصیت کا حصہ بن گئی تھی۔ جاسوسی پبلیکیشن کے بانی و روح رواں جناب معراج رسول کے وہ دیرینہ ساتھی تھے۔ ماہنامہ پاکیزہ کی جب سالگرہ منائی گئی یا ماہنامہ دلکش کا اجرا دوست محمد فیضی صاحب بحیثیت مسند نشین شریک تھے اور اپنی گفتگو سے سب کی توجہ اپنی جانب مبذول کرواتے رہے۔

ان کے معراج رسول صاحب سے بہت اچھے مراسم رہے۔ جسے معراج رسول صاحب کے بعد بھی نبھاتے رہے۔

وہ عذرا رسول کا بے حد احترام کرتے تھے اور جاسوسی پبلیکیشن کی ہر تقریب کو اپنی تقریب کہتے اور سمجھتے تھے۔

اس ادارے سے نکلنے والے ڈائجسٹ ان کے مطالعے میں رہتے تھے۔ انہوں نے معراج رسول صاحب اور ان کے بعد عذرا رسول کو ہمیشہ اردو زبان و ادب کی خدمات کرنے پر بہترین الفاظ میں سراہا۔ افسوس یہ سال جاتے ہوئے انہیں اپنے ہمراہ لے گیا۔

منظر ایوبی

منظر ایوبی ادب کا ایک بڑا قد آور نام۔

جنہوں نے ادب کی تقریباً تمام اصناف میں طبع آزمائی کی۔

ایوبی صاحب بھارت کے ضلع یوپی کے شہر بدایوں میں پیدا ہوئے۔ پاکستان آ کر اپنا تعلیمی سلسلہ آگے بڑھایا اور کراچی یونیورسٹی سے ماسٹر ڈگری لی۔ بطور پیشہ درس و تدریس سے وابستہ رہے۔

ان کا ترنم بہت خوبصورت تھا وہ مشاعرہ لوٹنے کے ہنر سے واقف تھے۔ کینئر شعراء میں شمار ہونے کے سبب زیادہ تر منصب صدارت قبول کرتے۔ جوان جہان صاحبزادی کے کینسر میں مبتلا ہو کر انتقال کر جانے کے سبب خود کو بہت تنہا محسوس کرتے کیونکہ وہی صاحبزادی والدہ کے انتقال کے بعد ان کی دیکھ بھال کرتی تھیں۔ آخری دنوں میں دل کے مرض میں مبتلا ہو گئے تھے اور مشاعروں میں جانا کم کر دیا تھا۔

دل کا دورہ جانبر نہ ہو سکا ثابت ہوا اور وہ اپنے خالقِ حقیقی

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

سے جا ملے۔

طارق عزیز

طارق عزیز کو اگر ہم فخرِ پاکستان کہیں تو بے جا نہ ہوگا۔
پاکستان ٹیلی وژن کا انتہائی قدیم تفریحی اور معلوماتی پروگرام نیلام گھر طارق عزیز کی پہچان بن گیا تھا۔ ان کی پاکستان اور اردو زبان و ادب سے محبت کسی سے ڈھکی چھپی نہ تھی۔

انہوں نے اپنے پروگرام کے ذریعے ہمیشہ وطن اور اردو کی محبت کو اجاگر کیا۔ ان کا پروگرام ہمیشہ ''پاکستان پائندہ باد'' کے خوب صورت الفاظ پر اختتام پزیر ہوتا۔ ان کے پروگرام میں ہمیشہ ایک سیگمنٹ شعر و شاعری کا ہوتا جس سے وہ طالب علموں کے لہجے اور تلفظ کو سنوارتے۔ گو وہ اہل زبان نہ تھے مگر ان کی اردو زبان دانی کے آگے بہت سے اہل زبان پانی بھرتے نظر آتے ہیں۔

الفاظ کی درست ادائیگی جملوں کی نشست و برخاست ان کی لہجے کی توانائی ان کے بولنے میں نمایاں تھی۔

شعر و ادب سے دلچسپی کے سبب ان کا ایک شعری مجموعہ ''ہمزاد دادکھ'' منظرِ عام پر آچکا ہے۔

وہ ایک درویش صفت شخص تھے۔

اللہ کی مصلحت سے کوئی اولاد نہ ہوئی۔

انتہائی محبِ وطن اور مرتے وقت بھی حب الوطنی کی اعلیٰ مثال قائم کرتے ہوئے اپنی تمام جائیداد پاکستان کے نام کر گئے۔

ایسے نایاب گوہر روز روز پیدا نہیں ہوتے۔

اطہر شاہ خان جیدی

دنیائے فن و ثقافت کا روشن اور قد آور نام۔
جس نے مزاح کی دنیا میں ایک منفرد انداز متعارف کروایا۔

وہ اداکار ہونے کے ساتھ، ساتھ ڈراما نگار بھی تھے۔
اپنے ڈراموں کے مزاحیہ اور مرکزی کردار وہ خود ہی ادا کرتے تھے۔

اس کے ساتھ ساتھ وہ ادب و شاعری سے بھی شغف رکھتے تھے وہ باقاعدہ مخصوص انداز میں مزاحیہ کلام پڑھتے اور ڈھیروں داد وصول کرتے۔ شاعری میں ان کا تخلص ''جیدی'' تھا۔ ڈراموں کے مزاحیہ کردار کا نام بھی یہی انہوں نے اپنے لیے پسند کیا۔

وہ اپنی آواز، حرکات و سکنات اور حلیے کو بدل کر ڈرامے میں مزاح کا عنصر پیدا کرتے۔ اس دور میں بچہ بچہ جیدی کے کردار کو پسند کرتا تھا اور ان کی نقل اتارا کرتا۔

افسوس پرائیویٹ چینل کی بھرمار نے جیدی جیسے لیجنڈ کو نظر انداز کیا اور ان کے اوصاف سے کسی نے فیض اٹھانا پسند نہ کیا۔

آخری عمر میں وہ کافی بیمار اور کمزور ہوگئے تھے اور اپنے صاحبزادے کو جو بیرونِ ملک مقیم تھا یاد کرتے تھے۔ جو ''وبا'' کے اس دور میں لاک ڈاؤن کے سبب ان سے مل نہیں پا رہا تھا۔

انہیں پاکستان ٹیلی وژن کا اثاثہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔
ڈرامے کی آخری قسط تک جیدی کو شربت تو نہ ملا مگر ہماری خدا سے دعا ہے کہ جنت میں آقا انہیں آبِ کوثر ضرور پلائیں۔ الٰہی آمین.....

گلزار دھلوی

ہندو مذہب کی سب سے پوتر اور اونچی ذات پنڈت گھرانے میں آنند موہن زتشی گلزار دہلوی 7 جولائی 1926ء کو دہلی کے گلی کشمیراں محلے میں پیدا ہوئے۔
گنگا جمنی تہذیب کے علم بردار تھے۔
ہندوستان کے پہلے اردو میگزین سائنس کی دنیا کے مدیر رہے۔

ان کا مجموعۂ کلام گلزار غزل 2000ء اور کلیات گلزار دھلوی 2010 میں شائع ہوئی۔ انہیں بہت سے ایوارڈز سے نوازا گیا جن میں ایوارڈ میر تقی میر 2009ء عبدالکلام ایوارڈ 2015ء لائف اچیومنٹ ایوارڈ 2018ء قابلِ ذکر ہیں۔

جون 2020ء میں دہلی میں عالمی وبا covid19 کا شکار کر 12 جون کو 94 برس میں اس جہاں سے رخصت ہوئے۔

وہ بلاشبہ اردو زبان و ادب کے لیے ایک سرمایہ کی حیثیت رکھتے تھے۔
ایک دھوپ تھی جو ساتھ گئی آفتاب کے۔

عارف شفیق

معروف عوامی شاعر عارف شفیق، شفیق بریلوی کے صاحبزادے تھے۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

آپ ایک عوامی شاعر تھے جن کے بہت زیادہ اشعار زبانِ زدِ عام رہے۔

''غریبِ شہر تو فاقوں سے مر گیا عارف
امیرِ شہر نے ہیرے سے خودکشی کر لی''

''اپنے کاندھوں پر اٹھائے پھر رہا ہوں اپنی لاش
ساتھ میرے باپ کے کیوں مجھ کو دفنایا نہیں''

''مجھے جو خاص عقیدت یہ پنجتنؑ سے ہے
یہی نجات کا رستہ دکھائی دیتا ہے''

انہیں شہرِ کراچی سے خاص عقیدت تھی۔ وہ اس شہر کے ساتھ ہونے والی زیادتیوں اور ناانصافیوں پر کڑھتے تھے۔ پھر ان کا قلم ایسے، ایسے شاہکار تخلیق کرتا جس کی گونج پوری دنیا میں سنائی دیتی۔ مگر افسوس ایوانوں میں گہری نیند سوئے حکام کے کانوں پر کبھی جوں تک نہیں رینگی۔

ناصر زیدی

اردو ادب اور صحافت کا ایک ایسا روشن نام کتابیں جن کا اوڑھنا بچھونا رہیں۔ جنھوں نے سوشل میڈیا کے آنکھوں کو چُندھیانے والے دور میں بھی کتاب سے دوستی جوڑے رکھی۔

مظفر گڑھ (یوپی انڈیا) ان کی جائے پیدائش مگر قیام پاکستان کے بعد سے لاہور میں رہائش پذیر ہوئے۔

اسلامیہ کالج سول لائن لاہور کے مجلّے ''فاران'' کے مدیر رہے۔ اس کے علاوہ وہ فلمی، مذہبی، ادبی اور خواتین کے رسائل کے مدیر کے طور پر فرائض انجام دیتے رہے۔

اس کے علاوہ وہ ادبی جریدے ''ادبِ لطیف'' کے پندرہ سال تک مدیر رہے۔ بعد ازاں آپ اسلام آباد چلے گئے اور مختلف وزرائے اعظم وصدور کے اسپیچ رائیٹر بھی رہے۔

یہیں وہ ریڈیو پاکستان اسلام آباد اسٹوڈیوز سے منسلک ہوگئے اور ایک پروگرام ''کتاب نما'' کرتے تھے جس کے آغاز میں وہ ایک جملہ بولتے ''اللہ شوق دے تو کتابیں پڑھا کرو'' جس سے ان کی کتاب دوستی کا ثبوت ملتا ہے۔ وہ ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے فی البدیہہ بولنے والے بیسٹ پروگرام تھے۔

انوار احمد زئی

انوار احمد زئی ایک ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے جو بہ یک وقت ادیب صحافی ماہرِ تعلیم شاعر سفرنامہ نویس محقق اور افسانہ نگار تھے..... یہی رنگارنگی ان کی زندگی میں نمایاں تھی۔

اس کے ساتھ ہی وہ ایک بہترین مقرر بھی تھے۔ جو فن خطابت کے جوہر سے مالا مال تھے۔ میں جتنے ان ادبی پروگراموں میں شریک ہوئی جہاں زئی صاحب بطور مہمان مدعو تھے میں نے کبھی انہیں لکھی تقریر پڑھتے نہیں دیکھا۔ وہ ہر پروگرام میں فی البدیہہ اور انتہائی شستہ گفتگو کرتے انہیں لفظوں کو برتنے کا ہنر آتا تھا۔ ان کی تعلیمی قابلیت اور استعداد کا اندازہ اس سے لگایئے کہ وہ ایم اے انگلش، ایم اے اردو ایم اے سوشیالوجی، ایل ایل بی، بی ایڈ تھے۔

میٹرک اور انٹر بورڈ کے .... چیئرمین رہ چکے تھے۔ انہیں اردو انگریزی فارسی سندھی اور متعدد علاقائی زبانوں پر عبور حاصل تھا۔

تعلیمی شعبہ میں ان کی خدمات بلاشبہ یاد رکھی جائیں گی۔

2020 نے ہم سے ایک نابغہ روزگار شخصیت چھین لی۔

سرور جاوید

سرور جاوید کمیٹڈ ترقی پسند تھے موجودہ دور میں وہ نام نہاد ترقی پسندوں تک کو آئینہ دکھا دیتے تھے۔ کبھی اپنے اصولوں پر سودے بازی نہیں کی زمانے کے برے بن گئے مگر اپنے اصولوں پر ڈٹے رہے۔ 22 جون 1947ء کو پیدا ہوئے۔ وہ ادب کی ایک متحرک شخصیت تھے۔ شاعر ادیب صحافی اور ناقد تھے بہت کم لوگوں کے علم میں ہوگا کہ وہ ایک ماہر تعلیم بھی تھے۔

تنقید میں وہ دوستوں تک کو رعایت دینے کے قائل نہ تھے۔ جس کسی کی کتاب پر تنقید کرتے اس کے عیوب کی نشاندہی ضرور کرتے۔ وہ انتہائی بے باک ونڈر ادیب کے ساتھ نڈر آدمی بھی تھے۔

غزل کے اچھے شاعر تھے یا نظم کے اس کا فیصلہ تو وقت ہی کرے گا۔ دونوں اصناف میں ان کے کمالات نمایاں ہیں وہیں ان کی تنقید بھی اعلیٰ پائے کی ہوتی تھی۔

ان کی نصف بہتر ایک شاعرہ تھیں جو ان کی زندگی ہی میں داغِ مفارقت دے گئی تھیں.....

افسوس کہ 2020ء کا طوفانی سیلِ رواں کیسی کیسی یا ہنر، باصلاحیت شخصیات اور بے حد قیمتی ہیرے اپنے ساتھ بہالے گیا لیکن تاریخ شعر وادب کے صفحات میں ان سب کا نام یاد رکھا جائے گا۔

☆☆☆

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

بیرونِ ملک مقیم پاکستانیوں کی زندگی پر کورونا وائرس کی وبا کے اثرات

شائستہ زریں

معزز قارئین! السلام علیکم

خوف، اندیشوں، آس و نراس کی ان ناخوشگوار ساعتوں میں آنے والے خوشگوار وقت کی امید میں ہم سب جی رہے ہیں۔ گزشتہ ماہ ہم نے ''کورونا اور لاک ڈاؤن کے انسانی زندگی پر اثرات'' کے حوالے سے چند خواتین کی آرا پر مشتمل رپورٹ پیش کی تھی کہ جو یہ اذیت ناک گھڑیاں اپنے وطن اور اپنے خونی رشتوں کے درمیان رہ کر گزار رہے ہیں۔ ایک ہی شہر میں رہنے اور سماجی رابطے میں فاصلے کے باوجود اس احساس سے مطمئن ہیں کہ ہم سب ایک جگہ اپنے پیارے وطن میں تو ہیں۔ لیکن جو دیارِ غیر میں مقیم ہیں ان کا درد ہم سے سوا ہے کہ وہ بیک وقت عزیز وطن اور اپنے رشتوں سے دوری کے عذاب جھیل رہے ہیں۔ یہ ایام ہماری بہ نسبت ان کے لیے زیادہ گراں ہیں۔ چونکہ ابھی تک ساری دنیا اس وبا اور لاک ڈاؤن ہی کے زیرِ اثر ہے۔ سو ہم نے دنیا کے مختلف ممالک میں رہائش پزیر چند ہم وطنوں سے معلوم کیا کہ

سوال ۱: کورونا وبا کے زیرِ اثر ہونے والے لاک ڈاؤن میں وطن اور خونی رشتوں سے دوری کے احساس کے ساتھ یہ ایام کیسے گزر رہے ہیں؟

سوال ۲: اس صورتِ حال میں خود آپ نے اپنی زندگی میں نمایاں تبدیلی کیا محسوس کی اور اس سے کیا سیکھا؟

نیلوفر عباسی

(آرٹسٹ، براڈکاسٹر، قلمکار۔ نیویارک)

۱: جب کوئی حالت یا چیز جبراً مسلط کر دی جائے تو وہ تکلیف دہ ہوتی ہے۔ وطن اور عزیزوں سے دوری بہت تکلیف دہ ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ ان لوگوں کی بھی کمی محسوس ہوتی ہے جن سے کوئی خاص روابط نہیں ہوتے۔ میں خوش نصیب ہوں کہ میری immediate family تو میرے ساتھ امریکا میں ہی ہے۔ اس لیے لاک ڈاؤن کا وہ اثر میرے اوپر نہیں کہ جن کے پیارے ان سے بہت دور ہیں اور وہ ان سے نہیں مل سکتے،

ضرورت ایجاد کی ماں ہوتی ہے۔ لوگوں نے سماجی فاصلہ رکھتے ہوئے ایک دوسرے سے ملنے کے کئی راستے اور طریقے وضع کر لیے ہیں۔ دنیا کے انداز اور طور طریقے بدل گئے ہیں۔ ہر ایک کو انہی کو ملحوظ رکھ کر اپنے رات اور دن گزارنے پڑ رہے ہیں۔ اور ہم بھی اسی کشتی کے سوار ہیں۔

۲: میں ہمیشہ سے ایک بہت سادہ اور نارمل زندگی گزارنے کی عادی ہوں۔ اسی لیے کسی بھی قسم کے حالات میں ایڈجسٹ کر لیتی ہوں۔ کورونا کے عذاب نے دنیا کو جس مشکل سے دوچار کر رکھا ہے اس کے ساتھ، ساتھ کچھ اچھی باتیں بھی لوگوں کے لیے ذریعہ بنی ہیں جیسے کہ ایک دوسرے کی موجودگی، رشتوں کی اہمیت، برے وقت میں ایک دوسرے کے ساتھ کھڑے ہونا۔ اس میں سماجی فاصلے کا خاص خیال ہی کیوں نہ ہو۔ کفایت شعاری بھی سکھا دی ہے۔ لوگ کھانے پینے کی چیزیں جس بے دردی سے یہاں امریکا میں گارنیج کر دیا کرتے تھے اب اول تو پکاتے ہی کم مقدار میں ہیں اور بچ بھی جائے تو فریز کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ

aqar Azeem
kistanipoint.com

سے دعا ہے کہ اس ناگہانی کورونا وائرس سے جلد از جلد نجات دلوائے اور دنیا ایک بار پھر اپنی نارمل روٹین پر واپس آجائے، آمین۔

دردانہ انصاری

(سابق پروڈیوسر، براڈ کاسٹر، صحافی بی بی سی ورلڈ سروس۔ پہلی مسلمان اعزازی کمانڈر رائل نیوی انگلینڈ)

ا: ایک تو کورونا اوپر سے اپنوں سے دور ہونے کا رونا یہ کس کو تکلیف نہیں دے گا یہی دعا کرتے رہتے ہیں کہ اپنے جہاں بھی ہوں وہ خیر سے ہوں اور اپنے تو کیا؟ پرائے بھی جہاں بھی ہیں خیریت سے رہیں۔ کیونکہ ان چار، پانچ مہینوں میں اتنی زیادہ بری خبریں ہر طرف سے آرہی ہیں کہ خدا کی پناہ۔ اپنوں کی یاد کسے نہیں آتی؟ اور ویسے چاہے آپ نہ ملیں تو اور بات ہوتی ہے لیکن اگر آپ پر کوئی پابندی ہو جائے کسی طرح کی کہ بھئی آپ نہیں جا سکتے تو اور زیادہ تکلیف دہ بات ہو جاتی ہے۔ آج کل تو یہ ہوا ہے کہ زوم کے ذریعے، واٹس ایپ کال کے ذریعے آپ کم سے کم ایک دوسرے سے بات کر لیتے ہیں۔ ایک دوسرے کی شکل بھی دیکھ لیتے ہیں۔ یہ بھی ہو سکتا تھا ... کہ انٹرنیٹ پورا بند ہو جاتا کیونکہ کچھ بعید نہیں تھا، بس اپنے دل کو تسلی دیتے ہیں۔ آپ اپنوں سے دور ہیں وطن سے دور ہیں اور دعا کرتے رہتے ہیں کہ وہاں خیریت رہے۔ جیسی کہ خبریں آتی رہتی ہیں اس سے انسان کا دل اور ڈرتا چلا جاتا ہے۔ لیکن آسان بات نہیں ہے۔ پتا نہیں یہ وقت ہمیں صبر سکھا رہا ہے یا ہمیں اپنوں سے دوری کی طرح ڈال رہا ہے۔ سمجھ میں بات بالکل نہیں آتی۔ لیکن جو کچھ بھی ہے خدا کرے کہ اس کا انجام اور زیادہ بھیانک نہ ہو۔ اپنے پیارے جہاں بھی ہیں ان سے ملنا چاہیے۔ جو جہاں گیا ہے وہ بیچارہ وہیں بندھ کر رہ گیا۔ یہاں کی پروازیں نہیں چل رہیں وہاں کی نہیں چل رہیں ہیں۔ وہ نہیں آسکتے یہاں سے لوگ نہیں جا سکتے۔ ایک عجب عالم ہے۔ جو کبھی کسی نے تصور بھی نہیں کیا تھا کہ آپ اپنے ذہنوں کو اس کے لیے تیار بھی رکھیں۔ جب انسان کسی بات کے لیے کسی بھی وقت کے لیے ذہنی طور پر تیار ہوتا ہے تو اس کے لیے تھوڑا ہوم ورک کر لیتا ہے۔ یہاں تو اس کی بھی گنجائش نہیں ملی کہ اچانک ایک دم سے پتا چلا کہ ایسی وبا آئی کہ دنیا ٹھپ ہو گئی۔ دعا ہے کہ جو نہیں مل پا رہے ہیں اللہ ان کو خیر سے اپنوں سے ملائے۔ کسی کے ماں باپ وہاں ہیں کسی کے بچے یہاں ہیں۔ بعض لوگ گھر میں بھی اکیلے ہیں اور بند ہیں۔ خوش قسمت ہیں وہ جن کے رشتے دار، دوست احباب ان کے پاس ہیں۔ میری والدہ بھی برطانیہ سے پاکستان گئی ہوئی ہیں۔ شکر ہے خیر سے ہیں اور ان کے آس پاس ان کے پیارے موجود ہیں۔ میری اپنی بیٹی پاکستان میں ہے۔ بالکل اکیلی رہ کر کام کرتی ہے اور کام میں اتنی مصروف رہتی ہے مگر پھر بھی انسان کو کبھی تو شدت سے احساس ہوتا ہے کہ کب بند گھر سے باہر نکلیں گے۔ یہاں سے بیٹھ کر میں اپنی بیٹی کو سمجھاتی رہتی ہوں کہ دیکھو ہماری طرح کتنے لوگ ہیں دنیا بھر میں جو برے حالوں میں ہیں۔ ہم تو بہت اچھے حالوں میں ہیں تو ہمیں ان سے سیکھنا چاہیے۔ اور اپنی سوچ سمجھ کو قائم رکھنا چاہیے تاکہ اس میں کہیں دیمک نہ لگ جائے۔ خدا نہ کرے وہ کہیں جم کر نہ رہ جائے ٹھیک ہے آپ کے معمولات اور کام ویسے نہیں ہو رہے جیسے ہوتے تھے۔ مگر بہتری کے لیے سوچنا نہ چھوڑیے سب کے لیے مشکل وقت ہے، ان شاء اللہ یہ مشکل وقت بھی گزر جائے گا۔ اور اچھا وقت آئے گا۔

۲: تبدیلی یہ آئی کہ زوم میٹنگز میں میرے اپنے بہت سے کام سدھر گئے۔ گھر سے نکلنے کی ضرورت پڑی نہ ہمیں اپنے آپ کو تیار کرنے کی ضرورت پڑی۔ کتنا وقت ہم نے بچایا اور اس مشکل وقت سے کچھ اچھے نکات بھی نکالے۔ اس وقت نے ہمیں صبر کرنا اور اکتفا کرنا سکھا دیا۔ قدرت نے یہ چیزیں ہمارے سامنے لا کے کھڑی کر دی

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

ہیں اس مہلک وقت میں۔ اس سے ہوسکتا ہے کہ ہم اچھے انسان بن جائیں۔ ہمارے رشتوں کے احساس سچ میں منتقل ہو جائیں۔ ضروری نہیں کہ کسی سے آدھے دل سے بات کریں۔ کیوں نہ ہم کسی سے بات کریں تو اپنے دل کی پوری سچائی سے اچھی باتیں اس تک پہنچا دیں غیر ضروری باتوں سے نکل جائیں۔ خدا کرے کہ ہم لوگ ان تمام حالات میں اچھے انسان بن جائیں، آمین۔

ڈاکٹر نجمہ فرمان
(مشی گن۔ یو ایس اے)

ا: اپنے وطن سے محبت فطری ہے اور میرے تمام خونی رشتے پاکستان میں ہیں خدا ان سب کو کورونا کی وبا سے دور رکھے، آمین! ان کی فکر بہت زیادہ لگی رہتی ہے، میسنجر پر رابطہ رہتا ہے۔

کئی دوست اور ہر دلعزیز شاگرد بھی کورونا کا شکار ہوئے۔ آنکھوں میں آنسو آگئے۔ شاگردوں سے پیار اپنی اولاد سے کم نہیں ہوتا۔ یہ کورونا وبا میں جانے والے شاگردوں کے بعد معلوم ہوا۔ ان کی مغفرت کی دعا کرنا نہیں بھولتی۔

۲: سب سے بڑی تبدیلی تو یہ آئی کہ شکر کرنا بہت آگیا۔ خدا سے مانگنا کم اور شکر کی تسبیح بہت زیادہ شامل دعا ہے۔ دوسروں کے دکھ پر درد زیادہ محسوس ہوتا ہے۔ کورونا وبا کا شکار افراد نے اپنوں سے دور رہ کر تکلیف جھیلی یا موت سے گلے ملے۔ جبکہ دکھ میں اپنے بہت بڑا سہارا ہوتے ہیں۔ دل کو بار، بار سمجھانا پڑتا ہے کہ اب وہ وقت آگیا ہے کہ اکیلے جینے کی عادت ڈالنی چاہیے۔ خدا کا شکر ہے کہ فیس بک اور اسکائپ نے اکیلے پن کو سورج عطا کیا۔

تسنیم منیر علوی
(قلمکار۔ دوبئی)

ا: کورونا کے زیرِ اثر لاک ڈاؤن میں ہم نے ''خود ساختہ'' آئسولیشن اختیار کی اور یہ مثبت سوچ رکھی کہ مشکل وقت آیا ہے تو گزر بھی جائے گا بے شک وطن کی یاد آتی ہے لیکن جدید ٹیکنالوجی کی بدولت ''زوم'' کی سہولت سے فائدہ اٹھایا اور وطن میں مقیم بہن بھائیوں سے تفصیلی ملاقات کرلی۔ اس وبا نے انسان کو اپنی حیثیت یاد دلادی ایک نادیدہ جرثومے نے کل عالم کو تگنی کا ناچ نچا دیا۔ ہم جیسے کمزور دل والے مزید اللہ سے قریب ہوگئے۔ موبائل کا استعمال کم کردیا کیونکہ افواہوں، نیم حکیم اور جعلی ٹوٹکے بھرے پیغامات بھیج، بھیج کر صحیح اور غلط میں غرقاب کردیا اور ہم جو ''ابھی تو میں جوان ہوں'' کی تصویر بنے بیٹھے تھے۔ یار دوستوں نے خوب ہی آئینہ دکھایا کہ اپنا آپ دیکھتے رہے گئے۔ جدائی اور دوری کے زمانے میں اکثر احباب ہماری صحت کی وجہ سے فکرمند پائے گئے۔ انہوں نے یاد دلایا تو ہمیں یاد آیا کہ ہم گھر میں رہنا ہے کیونکہ ''آپ کی عمر کے لوگ اس وبا کے آسانی سے شکار ہوسکتے ہیں۔'' فون کرنے والے پیاروں کا آخری جملہ یوں ہوتا ہے کہ ''اپنا بہت خیال رکھیں کیونکہ آپ کی عمر.....'' پھر ایک دن کراچی سے پرانی دوست کا فون آیا اس نے جب الوداعی جملہ ادا کیا کہ ''دیکھو اپنا بہت خیال رکھنا'' ہم نے جملہ ادھورا ہی رہنے دیا ''ہاں تم بھی کیونکہ تمہاری عمر'' ہمارے جملے کے اختتام سے پہلے فون بند۔ ہاہاہا.....

۲: نمایاں تبدیلی یہ کیا کم ہوئی کہ خود سے ملاقات ہوگئی۔ اللہ سے قربت بڑھ گئی۔ صبر وقناعت کا جذبہ بیدار ہوگیا کہ کم سے کم میں بھی بہت اچھا گزارہ ہوسکتا ہے۔ شاپنگ، پارٹیاں سیر وتفریح کو بہ آسانی ٹالا جاسکتا ہے۔ رمضان شریف میں پارٹیز پر پابندی نے تو اس کا بہت مثبت حل نکالا، ضرورت مند، مزدور اور ہوم ڈیلیوری والوں کے لیے افطاری کے پیکٹ بنا، بنا کر دروازے کے باہر رکھ دیے۔ اس سے خوب صورت حل اور کیا نکل سکتا ہے۔ اپنی بود وباش آسانی سے سادہ اور آرام دہ کیا جانا کوئی مشکل نہیں..... بازار بند کوچۂ یار بند، درِ جاناں بند تو کیا ہوا دل کے دروازے تو کھلے ہیں۔ یہاں قانون کی حکمرانی ہے (کاش وطنِ عزیز میں بھی ایسا ہی ہوتا) اس لیے شرطہ (پولیس) کی گاڑی سامنے سے گزر جانے پر ہی لوگ اپنا

Waqar Azeem
Pakistanipoint.Com

ماسک درست کرنے لگتے۔ سبق اس دشتِ تنہائی نے یہ سکھایا کہ وقت کو کیسے ترتیب دیا جا سکتا ہے سو آن لائن مشاعرے ادبی پروگرام سے دل بہلانا۔ لازوال مدھر گیت سنے، پی ٹی وی کے یادگار ڈرامے دیکھ کر دل کشاں کشاں اسی دیار میں لے چلا۔ اور تو اور ہم نے تو قبل تقسیم کے یادگار مشاعرے کہ جن میں جگر، حسرت، جاں نثار اختر، شکیل بدایونی مجاز کو غزل سرا دیکھ لیا اور سرشار ہوئے۔ اپنے کمرے کی اداسی پر رحم کرنے کے بجائے کھڑکی سے دوستی کر لی اور یہ آکسیجن کا کام کرتی رہی۔ اب احساس ہوا..... انسانی زندگی میں ''دریچہ'' کیا کردار ادا کرتا ہے۔ اس تبدیلی نے تو ہوش ٹھکانے لگا دیے۔ ''ورنہ ہم بھی تھے ٹھکانے کے آدمی'' ان وبا کے دنوں میں یادوں کے دیے جھلملا اٹھے اور یوں ہم یادوں کی کہکشاں سجا بیٹھے۔ اللہ سے دعا ہے کہ یہ وبا جلد از جلد دنیا سے نیست و نابود ہو اور دنیا اس سے محفوظ ہو کر دوبارہ سے اپنے مدار میں آجائے۔

نفیسہ آرا
(ڈریس ڈیزائنر۔ راس الخیمہ یو اے ای)

۱: لاک ڈاؤن کی وجہ سے وطن سے دوری کا احساس بہت زیادہ بڑھ گیا ہے۔ پہلے تو یہ احساس تھا ہم کسی بھی وقت جا کر اپنوں سے مل سکتے ہیں مگر پابندی گھٹن کو بڑھا رہی ہے۔ سگے اور خونی رشتے پاس ہوں تو کڑا وقت بھی جلد گزر جاتا ہے، دوست، احباب، رشتے دار ہی ہمارے ڈر اور خوف کے جذبات کو کم کرتے ہیں اور تسلی رہتی ہے۔ یہ بڑا کٹھن وقت ہے۔

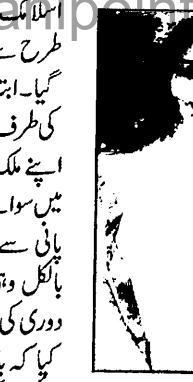

۲: اس صورتِ حال نے یہ سبق دیا ہے کہ انسان اپنی تقدیر کے آگے بے بس ہے۔ ہمارا رب ہی واحد ذات ہے جو ہمیں بچا سکتی ہے۔ وہی ہماری حفاظت کرنے والا ہے۔ ہمیں اپنے رب سے تعلق کو اور مضبوط بنانا ہے۔

رعنا کہکشاں
(واشنگٹن۔ یو ایس اے)

۱: وطن اور اپنوں سے دور ہر وقت ان کی یاد ستاتی ہے اور زیادہ وقت ان کی صحت و سلامتی کی دعائیں مانگتے گزرتا ہے۔

۲: پوری زندگی ہی بدل گئی ہے۔ عبادت کا دورانیہ بڑھ گیا ہے۔ اس بات پر یقین پختہ ہو گیا کہ ہر چیز فانی ہے۔ قائم رہنے والی ذات صرف اللہ کی ہے۔ موت... برحق ہے۔ خاتمہ جہاں بھی ہو بالخیر ایمان ہو۔ یہی سیکھا کہ مشکل وقت میں خدا کے سوا کوئی کام نہیں آتا۔

افشاں آفریدی
(قلمکار۔ جرمنی)

۱: پچھلے ۱۹ سال سے جرمنی میں مقیم ہوں تو خونی رشتوں اور وطن سے دوری تو تھی ہی اور ظاہر ہے وہ اب بھی ہے اور اس کمی کو اپنے اردگرد کے لوگوں سے پوری کرنے کی کوشش کرتی ہوں۔ یہاں پر پاکستانی کمیونٹی کے ساتھ اچھے تعلقات ہیں۔ الحمدللہ، جانا آنا بھی تھا۔ اسلامک اسکول میں پڑھانا، درس کی کلاسز لینے جانا، اس طرح سے جو ملنا جلنا تھا لاک ڈاؤن میں وہ سارا بند ہو گیا۔ ابتدائی دو تین ہفتے تو خوف میں مبتلا رہے۔ بچوں کی طرف سے بھی پریشانی۔ دیارِ غیر میں خیال آتا ہے کہ اپنے ملک چلے جائیں لیکن ادھر بھی پریشانی۔ ایسے وقت میں سوائے اپنی فیملی کے کوئی نہیں۔ لیکن یہ ہے کہ مچھلی پانی سے باہر نکال دی جائے جیسا وہ محسوس کرتی ہے بالکل وہی اذیت محسوس ہوتی ہے، خونی رشتوں سے دوری کی اس تکلیف میں اس حقیقت نے اور بھی اضافہ کیا کہ بالآخر لوگ ہماری جدائی کے عادی ہوتے چلے جائیں گے۔

۲: تبدیلی یہ محسوس کی کہ میں گھر میں رہنا زیادہ پسند کرتی ہوں لیکن اس دوران میں نے اپنے شوہر اور بچوں کو گھر سے نہیں نکلنے دیا۔ باہر کے سارے کام خود کیے۔ میں نے محسوس کیا کوئی چیز منع ہو جائے تو ناپسند ہونے کے باوجود فطرتاً اس بارے میں سوچتے ضرور ہیں۔ سیکھا

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

یہ کہ کسی بھی وقت زندگی میں کچھ بھی ہوسکتا ہے جس کا انسان تصور بھی نہیں کرسکتا سو ہر بات کے لیے ذہنی طور پر خود کو تیار رکھنا چاہیے، اللہ تعالیٰ ہر طرح کے فتنے سے دور رکھے، آمین۔

تحسین ثروت
(گھریلو خاتون۔ نیو جرسی یو ایس اے)

ا: کتابِ زیست کے اوراق پلٹوں تو اپنے شہر کراچی میں گزرے حالات وواقعات اور منظر نامے میں کئی لاک ڈاؤن اور ہڑتالیں دیکھیں مگر یہ لاک ڈاؤن دیارِ غیر میں بیٹھے اپنوں کو سوچتے اور ان کی فکرو احوال کو جاننے میں گزارہ۔ عجیب طرزِ حال ہوگیا ہے۔ خوف اور اندیشوں کے بادل چھائے رہتے ہیں۔ خفقان جیسی حالت ہو گئی ہے کہ کہیں کوئی افسردہ خبر نہ مل جائے۔

بس روز وشب دعا کرتے رہتے ہیں۔ اللہ سب کو اپنی امان میں رکھے آمین!

۲: اللہ کا شکر ہے کہ ہمارے دین اسلام میں جو صفائی اور احتیاط کی تعلیم دی گئی ہے اگر اس کے ہر جز پر عمل کیا جائے تو اس مہلک وبا کے بارے میں بتائی گئی۔ ساری احتیاطیں اس میں شامل ہیں، بات کامل یقین کی ہے..... بے شک احتیاط علاج سے بہتر ہے۔

فاخرہ گل
(قلمکار۔ اٹلی)

ا: کورونا نے جس طرح ساری دنیا اور اس کے نظام کو تہس نہس کر دیا ہے اس طرح اس وبا نے انسانی نفسیات پر بھی گہرا اثر ڈالا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اپنوں سے دور رہنے والے ہمارے جیسے تمام لوگ اب اپنے پیاروں سے متعلق پہلے سے کہیں زیادہ محتاط ہوگئے اور اپنا خیال رکھنے کی تلقین پہلے سے زیادہ ہونے لگی ہے۔ عوام کی طرف سے اس وبا کو سنجیدہ نہ لینے، حفاظتی تدابیر نہ اپنانے اور احتیاط نہ کیے جانے کی وجہ سے پاکستان میں رہنے والے اپنے عزیز رشتے داروں کے متعلق فکر رہنے لگی ہے اور سب کو اپنی خصوصی دعاؤں میں یاد رکھتے ہوئے اللہ کریم سے دعا کی جاتی ہے کہ وہ تمام انسانوں کو کورونا سمیت تمام وبائی اور لاعلاج امراض سے دور رکھے، آمین۔

۲: اس صورتِ حال میں پہلے کی بہ نسبت گھر میں رہنے کا بہت زیادہ وقت ملا۔ اور احساس ہوا کہ ہم نے بہت سی غیر ضروری چیزیں اپنائی ہوئی تھیں۔ اور بہت کچھ ایسا تھا جس کو ہم نے مکمل طور پر نظر انداز کیے رکھا مثلاً گھر میں مددگار کو وبا کے باعث چھٹی دینے کے بعد کئی بار سوچا کہ گھر چھوٹا سا ہوتا کہ صفائی ستھرائی فوراً کی جاسکے۔ وارڈروب میں موجود بے شمار لباس ہونے کے باوجود انہیں استعمال کا موقع نہ ملنے پر خیال آیا کہ فارمل کپڑوں کی بہ نسبت روزمرہ کے لباس زیادہ سکون کا باعث بنتے ہیں۔ باہر کھانا کھانے اور ہر ماہ شاپنگ کیے بغیر بھی زندہ رہا جاسکتا ہے۔ ملک کو اسپتالوں کی ضرورت بازاروں سے زیادہ ہے۔ صفائی نصف ایمان ہونے کے ساتھ، ساتھ مکمل جہاں بھی ہے۔ بہت سی چیزیں اصل حقیقت کے ساتھ آشکار ہوئیں جن کا یاد رکھنا ہی ہماری بقا کے لیے بہتر ہے۔

شیریں درانی
(رائٹر، سوشل ورکر، شاعرہ۔ دبئی، یو اے ای)

ا: ہم سب سے دور ہیں اور اللہ کی رضا میں راضی ہیں۔ دعائیں مانگ رہے ہیں۔ صبر کر رہے ہیں اور اللہ سے اُمید کر رہے ہیں کہ ان شاء اللہ یہ وبا ایک نہ ایک دن ضرور ختم ہو جائے گی۔ پھر ویسے ہی حالات ہو جائیں گے نارمل۔ تو اُمید پر دنیا قائم ہے اسی اُمید پر ہم دن گزار رہے ہیں۔ اور گھر پر ہی ہیں باہر جاتے ہوئے ڈر لگتا ہے۔ بہت زیادہ خوف وہراس ہے۔ خدانخواستہ ایسی ان دیکھی وبا اس سے بچنا مشکل بلکہ ناممکن ہے۔ دعاؤں کے ساتھ ساتھ احتیاط بھی بہت کر رہے ہیں۔

۲: کرونا کے بعد ہم میں بہت زیادہ تبدیلی آگئی ہے۔ پہلے سے زیادہ اللہ کے قریب ہوگئے ہیں۔ پہلے کبھی قرآن مجید پڑھتے تھے کبھی نہیں پڑھتے تھے۔ کبھی کم

Waqar Azeem Pakistanipoint

کبھی زیادہ اب ترجمے اور تفسیر کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ پہلے باہر جاتے ہوئے نمازیں چھوٹ جاتی تھیں۔ اب نمازوں کی بہت پابندی شروع کر دی، چونکہ اب نمازوں کے اوقات میں ہم گھر پر ہی ہوتے ہیں اس لیے الحمد للہ نماز قضا نہیں ہوتی۔ اور بچوں کے ساتھ مل کر نماز پڑھتے ہیں۔ اور بہت مزہ آتا ہے۔ اللہ سے بہت زیادہ دعائیں مانگ رہے ہیں۔ اپنے خاندان کے لیے۔، اپنے ملک کے لیے اور انسانیت کے لیے۔ اللہ ہمیں اس امتحان میں سرخرو کرے آمین۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

صبا سجاد

(سوشل ورکر، پاکستان ایسوسی ایشن ورکنگ کمیٹی دبئی)

ا: ادارۂ پاکیزہ کا بہت شکریہ کہ انہوں نے ہم وطن سے دور رہنے والوں سے کرونا کی اس آزمائش کے دور میں جذبات واحساسات معلوم کیے۔ اگر میں اپنی بات کروں تو دبئی میں تو ہمیشہ اس قسم کا ماحول رہا ہے۔ رشتے داریاں تو خیر اتنی نہیں لیکن باربی کیو کے پروگرام ارینج کیے جاتے ہیں۔ ظاہر سی بات ہے وہ سب بند ہو گئے۔ اس لاک ڈاؤن میں ایک بہت بڑا فائدہ یہ ہوا کہ بچوں کی سوچیں وقت سے پہلے پختہ ہو گئیں۔ نوٹ بک اور موبائل سے ہٹ کر ان کو وقت ملا اپنی نانیوں، دادیوں اور گھر کے بزرگوں کے پاس بیٹھنے کا۔ اس طرح بوڑھوں کو احساس نہیں ہوا کہ ہم بوڑھے ہو گئے اور بچوں کو احساس نہیں ہوا کہ ہم بڑے ہو گئے۔ بچوں نے بڑوں کے تجربات سے بہت کچھ سیکھا۔ پاکستان میں تو عموماً تایا، چچا سب ساتھ ہی رہتے ہیں۔ یہاں اس قسم کا کوئی ماحول نہیں تو ایسا لگا وہ پرانا وقت لوٹ آیا۔ ہو جس طرح کا وقت ہم گزار آئے ہیں۔ اپنی نانی جان اور دادی جان کے ساتھ ہمارے بچوں کو بھی وہی وقت گزارنے کا موقع ملا۔

۲: جہاں تک تبدیلی کا تعلق ہے تو کچھ لوگ تو ویسے ہی رہے ہیں جیسے وہ اس وبا کے آنے سے پہلے تھے۔ لیکن ؎

سامان سو برس کا پل کی خبر نہیں

اتنے بڑے بڑے پلانرز کے ہوتے ہوئے ایک دم اس جرثومے کا آنا جو نظر بھی نہیں آرہا نے زندگی کو اتنا بدل دیا کہ لوگ گھروں میں مقید ہو کر رہ گئے۔ پوری دنیا اس صورتِ حال کا مقابلہ کر رہی ہے۔ فطرت کے خلاف کوئی بھی عمل ہوتا ہے تو فطرت اپنا رنگ ضرور دکھاتی ہے۔ پھر یہ کہنے والے لوگ کہ ہم سپر پاور ہیں، ہمارے پاس ساری طاقتیں موجود ہیں تو یہ غلط بات ہے۔ اب وہ اس بات کو سمجھ بھی رہے ہوں گے کہ ایک جرثومے نے بتا دیا کہ ہم نظر بھی نہیں آسکتے اور اتنی تباہی بھی پھیلا سکتے ہیں۔ تو پروردگارِ عالم کی کتنی رحمتیں اور برکتیں ہیں جو ہمیں نظر نہیں آتیں لیکن وہ اپنے بندوں پر ہمیشہ نازل کرتا رہتا ہے۔ بہت سی رحمتیں اور برکتیں ہماری دعاؤں کی قبولیت کے نتیجے میں ہمیں بھیجتا ہے۔ اللہ کی ذات پر کامل یقین رکھیں۔ اس لاک ڈاؤن کے ہوتے ہوئے کافی لوگ ذہنی طور پر ڈسٹرب ہوئے اور بہت سے رشتے دار، عزیز و اقارب ہمیشہ کے لیے بچھڑ گئے۔ ان سب لوگوں کے لیے دعائے مغفرت ہے۔ بس یہ ڈر لگا رہتا ہے کہ ہم اپنے پیاروں کے لیے کوئی مشکل پیدا نہ کریں۔ دوسرا ابھی اپنی جگہ اتنا ہی ڈرا ہوا ہے۔

معاشی مسائل بھی بہت آئے کیونکہ سب بند تھا تو لوگ ذہنی ونفسیاتی طور پر بھی بیماریوں کا شکار ہوئے۔ یہ ہمارے لیے آزمائش ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا

فرمان ہے کہ ”اگر کوئی بھی سختی یا مشکل آپ کو اللہ کے قریب لاکر کھڑا کر دیتی ہے تو وہ آپ کے اوپر آزمائش ہے اور اگر اللہ سے دور کر دیتی ہے تو آپ کے لیے عذاب ہے“ قولِ معصوم سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ایک آزمائش ہے جو وبا کی صورت ہم پر مسلط کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر مومن کو اس آزمائش سے نکالے۔ الٰہی آمین الحمد للہ بحیثیت مسلمان تمام اذکار و عبادات پہلے بھی بجالاتی تھی لیکن اب سب وقت پر ادا ہوتے ہیں۔ ظاہر سی بات ہے ملازمت پیشہ خواتین ان کی پابندی نہیں کر پاتی تھیں تو ان کو بہت وقت ملا۔

بہت سی خواتین نے معدے کی راہ سے شوہروں کے دل میں جگہ بنانے کے لیے بہت اچھے طریقے سے مٹن کے پکوان بنائے۔ بچوں کو توجہ زیادہ ملی تو، تو وہ بہت خوش اور پہلے سے بڑھ کر پُراعتماد ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کے ساتھ ساتھ ہمارے ملک پاکستان کی بھی بہت حفاظت کرے آمین۔

سروش چغتائی
(ہوسٹ، کالمسٹ، صحافی، مغنیہ
مسی ساگا کینیڈا)

ا: وطن سے دوری تو ویسے بھی سوہانِ روح ہوتی ہے۔ خاص طور پر جب زندگی میں کوئی بڑی خوشی یا غم ہو تو باہر بسنے والے اپنوں سے دوری کو بہت محسوس کرتے ہیں۔ اس بار کورونا کی وجہ سے جو لاک ڈاؤن آرڈرز آئے ہیں، جو زندگی منجمد ہوئی ہے۔ اس سے دو چیزیں ہوئی ہیں۔ ایک تو کیونکہ مشاہدے میں آرہا ہے کہ پاکستان میں لوگ کورونا کی احتیاطوں پر باہر کے ممالک کی طرح سختی سے عمل نہیں کر رہے اس سے مسائل بڑھنے کا خدشہ ہے۔ اس وجہ سے پاکستان میں رہنے والے لوگوں

کی بہت فکر ہے ان کی صحت کے حوالے سے۔ دوسرے روزمرہ کی مصروفیت کم ہونے کی وجہ سے ہم اپنوں سے بہت زیادہ رابطے میں ہیں، اپنی امی اور بہن سے میں روزانہ بات کرتی ہوں، رشتے داروں اور احباب سے بھی قدرے زیادہ بات ہوتی ہے۔ یوں ہم ایک دوسرے کے زیادہ قریب آگئے ہیں۔ فاصلوں کا احساس کم ہو گیا ہے۔

۲: اسلام نے صفائی کو جو نصف ایمان قرار دیا ہے اس کی اہمیت بہت واضح اور اجاگر ہوئی ہے۔ ساتھ ہی socializing کم ہونے کی وجہ سے فیملی کے افراد ایک دوسرے کے قریب ہوئے ہیں۔ جن کی لاک ڈاؤن کی وجہ سے نوکری چلی گئی ہے۔ گھر سے کام کرنے کے نئے رجحان متعارف ہو رہے ہیں۔ جو ایک بہت اچھی بات ہے۔

اُمِ رباب
(عالمہ، ایران)

ا: یوں تو پردیس میں رہنے والے ہر پل اپنوں کی یادوں کے سہارے گزارتے ہیں اور پورے سال کی منصوبہ بندی اپنے وطن جانے پر منحصر ہوتی ہے۔ لیکن اس وبا کے بعد پوری دنیا کے جو حالات ہو گئے ہیں اس نے ہم سے خوب صورت امیدوں کو بھی چھین لیا۔ ایک طرف اپنی فیملی کی صحت و سلامتی کی فکر ہے تو دوسری طرف وطن میں موجود خونی رشتوں کی صحت و سلامتی کی فکر اور دعا لب پر رہتی ہے۔ دل میں خدشات ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات سے بڑی خیر اور مصلحت کی امید نے کبھی ناامید نہ ہونے دیا۔ الحمد للہ۔ دعا ہے کہ جلد تمام جہان بالخصوص مسلمان اس مشکل سے نجات حاصل کر پائیں اور زندگی کی طرف لوٹ آئیں۔ آمین

۲: کورونا کے حالات نے ہر ذی شعور کو یہ موقع فراہم کیا کہ ہم ایک لمحے کو رک کر اپنے اور اپنے پیاروں کے بارے میں سوچ سکیں۔ کورونا سے پہلے مشینی زندگی تھی، تیز رفتار گھوڑے کے مانند ہم انسان ایک دوڑ میں شریک تھے۔ ہر ایک دوسرے کو پیچھے چھوڑنے کی فکر میں زیادہ حاصل کرنے کی خواہش میں سب کچھ زیرِ پا کرتا چلا جا رہا تھا لیکن اس وبا نے سب کو زندگی کے fullstop

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

سے آشنا کروادیا اور یہ realize کروایا کہ کہ اس دوڑ کی کوئی منزل نہیں۔ میں یہاں مولائے کائنات حضرت علیؓ کے وہ الفاظ نقل کرونگی ''میں نے اپنے ارادوں کے ٹوٹنے سے اللہ رب العزت کو پہچانا ہے'' میں نے اپنے خونی رشتوں اور سچے دوستوں کو دوبارہ پالیا۔ ان کو وقت دے کر ان کو اہمیت دے کر۔

ڈاکٹر طیبہ صفی
(معلمہ۔ سڈنی۔ آسٹریلیا)

ا: کورونا وبا کی وجہ سے آسٹریلیا میں کم وبیش دو ماہ تک گھر میں رہنا پڑا جس کا سب سے زیادہ فائدہ یہ ہوا کہ کوئی پانچ سال بعد رمضان میں گھر پر وقت گزارہ..... الحمدللہ، زیادہ عبادت کا بھی موقع ملا۔ اور اس بار بیٹے نے گھر پر تراویح بھی پڑھائی۔ تو وہ ٹرپل فائدہ ہوا۔ یہاں پر لاک ڈاؤن کافی سخت رہا تو وبا بھی بہت کم پھیلی۔ لیکن پاکستان میں روزانہ وبا بڑھنے کا تناسب کافی تشویشناک ہے۔ سارے اپنے وہیں ہیں تو دل ہر وقت لگا رہتا ہے۔ ہر وقت ان کے لیے دعا کرتی ہوں کہ سب بہن بھائی اور دوست وعزیز خیریت سے رہیں۔ آمین

۲: میں نے اللہ جل شانہ کی طاقت کو بہت قریب سے دیکھا اور کن فیکون کا مطلب سمجھ میں آیا اور اس وقت اللہ سے اور زیادہ قریب ہونا سیکھا، گناہوں سے معافی مانگنی سیکھی۔

عدنان وکیل
(تاجر ساؤتھ افریقہ)

ا: میں نے اپنی زندگی میں پہلی دفعہ دنیا کو اس طرح رکتے ہوئے دیکھا اور حیرت میں رہ گیا کہ ایک بیماری نے کس طرح پوری دنیا کو خوف وہراس میں ڈال دیا اور

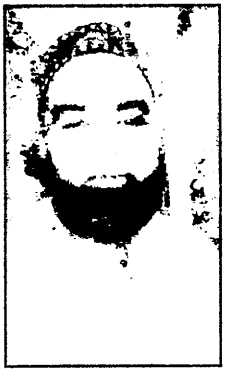

ہم جو دن رات کی مصروفیت میں کسی سے بات کرنے کے لیے مہینوں سوچتے تھے۔ ایک دم رک سے گئے۔ زندگی میں جس وقت کی بہت کمی تھی، اب وہ بہت زیادہ ہے اور یہی وہ وقت ہے جب سوچا کہ زندگی بہت چھوٹی ہے کسی بھی وقت ختم ہوجائے کچھ معلوم ہی نہیں۔ اس وقت اپنی ماں اور خونی رشتے بہت یاد آئے اور سوچا کہ اپنا وطن اور رشتے اپنے ہوتے ہیں۔ اپنوں کے ساتھ مشکلیں اتنی محسوس نہیں ہوتیں، ماں کی گود بھلا دیتی ہے۔ اب احساس ہوتا ہے کہ سب کا ساتھ بہت ضروری ہے۔ وطن کی یاد بھی آتی ہے۔

۲: زندگی میں مثبت تبدیلیاں آئیں۔ الحمدللہ تہجد کی پابندی کے ساتھ، ساتھ پانچوں وقت کی نماز کی پابندی بھی ہوئی بیوی اور دونوں بیٹیوں کے ساتھ صدقہ، توبہ، استغفار زیادہ سے زیادہ کرنے کی کوشش کی۔ بیوی بچوں کو بھی اللہ کی طرف راغب کیا اتنی مصیبتوں کے باوجود اپنے علاوہ کسی کا محتاج نہ ہونے دیا۔ اس پر اللہ کا جتنا بھی شکر ادا کریں وہ کم ہے، گھر پر رہ کر بچوں کے ساتھ بہت انجوائے کیا۔ سبق یہ سیکھا کہ اللہ سے رو، رو کر گڑگڑا کر جب مانگو تو لگتا ہے کہ اللہ تمہاری حفاظت کرے گا اور ان شاء اللہ اس مشکل سے ہمارے ساتھ، ساتھ تمام مسلمانوں اور پوری دنیا کو اللہ نجات دلائے گا، آمین۔

ڈاکٹر بینش حنیف
(لوزیانا اسٹیٹ یو ایس اے)

ا: بلاشبہ اپنوں سے دوری کے ایام بے حد تکلیف دہ ہیں۔ اپنوں سے قربت اور محبت بہت بڑا سرمایہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک کے لیے یہ رشتے اور ان سے جڑی قربت ہمیشہ برقرار رکھے، آمین۔ اس سال کورونا کی وجہ سے میری ان سے بالمشافہ ملاقات نہ ہوسکی مگر

Waqar Azeem Pakistani.com

الحمدللہ آج کل سائنس اور ٹیکنالوجی اس قدر جدید ہوگئی ہے کہ یہ دوری بھی دوری نہیں لگتی۔ ان سے وڈیو کال پر روز ہی بات اور ملاقات ہو جاتی ہے۔ اس وبا کی وجہ سے لاک ڈاؤن ہونے کے کچھ فوائد ہوئے جیسے مجھے اپنے بچوں کے ساتھ وقت گزارنے کا موقع ملا۔ گھر اور گھر کی سجاوٹ اور صفائی ستھرائی کو باریکی سے سنوارنے اور بہتر بنانے کا موقع ملا۔ ہاں البتہ پاکستان جانے کا اس سال ارادہ تھا جو پورا نہ ہوسکا۔ پاکستان گئے آٹھ سال ہوگئے ہیں... یقیناً اللہ تعالیٰ کی اس میں کوئی بہتری ہوگی جو ہم سمجھنے سے قاصر ہیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ اگر زندگی میں آگے ممکن ہوا تو اگلے سال ضرور جائیں گے۔

۲: زندگی اس وبا کے بعد یکسر بدل گئی ہے۔ عجب سا ڈر اور دھڑکا لگا رہتا ہے کہ کہیں ہمیں اور ہم سے جڑے کسی رشتے کو یہ وبا نہ لگ جائے۔ پہلے یہ دعا کرتی تھی کہ جلد از جلد چھٹیاں شروع ہو جائیں اور کچھ آرام نصیب ہو مگر یہ لاک ڈاؤن کی وجہ سے جس انداز سے چھٹیاں ملی ہیں ان سے اللہ کی پناہ۔ جب کبھی واٹس ایپ یا اخبار دیکھو تو ہر لمحہ یہی خبریں ملتی ہیں آج اتنی اموات ہوگئیں، فلاں جگہ اتنے کورونا کے کیسز پوزیٹو آگئے جس سے صحت اور مزاج پر منفی اثرات پڑتے ہیں۔ گھر کا دروازہ کھولنے میں، کسی سے ملنے میں کسی چیز کو چھونے سے اور بچوں کو باہر لے جانے سے جھجک محسوس کر رہی ہوں اور ان دنوں کو یاد کر رہی ہوں جب بلا خوف وخطر یہ سب کام کیا کرتی تھی۔ اللہ سے دعا کرتی ہوں کہ پھر سے وہی زندگی دوبارہ شروع ہو جائے اور حالات پہلے جیسے نارمل ہو جائیں۔ سیکھا یہ کہ اب آنے والا وقت اور زندگی محتاط انداز سے سوچ سمجھ کر بسر کرنی پڑے گی۔ اللہ کی وحدانیت اور طاقت پر یقین اور بڑھ گیا۔ خود کو خدائی طاقت سمجھنے والے لوگ، ممالک، طاقتیں سب اس معمولی سے جرثومے کے آگے بے بس سی نظر آتی ہیں۔ اس لیے ان دنوں میں اللہ کے بہت نزدیک آگئی الحمدللہ ہم پوری زندگی گزارنے کے منصوبے بنائے بیٹھے ہیں۔ دراصل دنیا تو ایک دھوکا ہے جہاں اگلے پل کا بھروسا نہیں جب زندگی کی کچھ سمجھ آنی شروع ہوتی ہے تب اس دنیا سے رخصت ہونے کا وقت آن پہنچتا ہے۔ بس یہی کچھ سیکھا اور سمجھ پا رہی ہوں اور دعا کرتی ہوں کہ یہ باتیں اوروں کو بھی جلد سمجھ میں آجائے کہیں بہت دیر نہ ہو جائے۔

صدف آصف
(قلمکار۔ میلبورن۔ آسٹریلیا)

۱: جب پاکستان کے حوالے سے خبریں سنتی ہوں تو اپنے بوڑھے امی، ابو، بھائی بہنوں اور دیگر پاکستانیوں کا بہت خیال آتا ہے۔

یہ بھی احساس ہوتا ہے کہ یہاں آسٹریلیا میں تو لوگوں کو کافی سپورٹ کیا گیا ہے۔ جبکہ پاکستان میں طبی سہولتیں اتنی نہیں ہیں۔ اپنی مٹی سے جڑے ہوئے ہیں تو ہم وطنوں کی تکلیف بھی زیادہ محسوس ہوتی ہے۔ دل سے دعا نکلتی ہے کہ اللہ تعالیٰ حالات بہتر رکھے۔ سب پر اپنا کرم کرے آمین۔

۲: اس وبا کے آنے کے بعد مجھے دوسروں کا درد زیادہ شدت سے محسوس ہوا۔ احساس ہوا کہ ہمارے گھر میں راشن ہے تو پڑوس میں یہ سہولت موجود ہے کہ نہیں۔ ان سے کہا کہ کسی چیز کی کمی ہے تو بتا دیجیے۔ شاید یہ پہلی دفعہ ہوا کہ ہم نے ایک دوسرے کے لیے اتنا سوچا۔ باہمی محبت کا رشتہ استوار ہوا۔ میں نے یہ سیکھا کہ کس طرح اس وبا کا مقابلہ کرسکتی ہوں۔

Waqar Azeem
pakistanipoint.com

سید شفیق حیدر
(ملازمت پیشہ۔ مسی ساگا۔ کینیڈا)

ا: بہت ہی دردناک احساسات کے ساتھ یہ ایام گزر رہے ہیں۔ ہم لوگ اپنے وطن سے دور کینیڈا میں مقیم ہیں۔ لیکن اپنے تمام خونی رشتوں، عزیز واقارب جو پاکستان اور دیگر ممالک میں رہائش پزیر ہیں کی جانب سے ہر وقت فکرمند رہتے ہیں کہ اللہ ان سب کو اس وبا سے محفوظ رکھے۔ ڈر بھی رہتا ہے کہ خدانخواستہ کوئی ایسا واقعہ یا کوئی ایسی بات نہیں ہو جائے کہ وطن جانا ناگزیر ہو اور وقت پر جانا ناممکن ہو جائے کہ سفری ذرائع بند ہیں۔ اس لیے ہر وقت خدا سے دعا رہتی ہے کہ وہ ان تمام رشتے داروں کو اپنے حفظ وامان میں رکھے، آمین!

۲: اس تبدیلی کے مثبت اور منفی دونوں پہلو ہیں۔ منفی پہلو اس صورتِ حال سے ہونے والے معاشی نقصانات ہمارے قابو سے باہر ہیں۔ اللہ کی طرف سے ایک آزمائش ہے جو بہتر رزق عطا کرتا ہے، یہ سوچ کر پریشانی کم ہونے لگتی ہے۔ اپنے تہواروں اور دوسری مذہبی رسومات کے علاوہ شادی بیاہ، سالگرہ کی تقریبات نہ کر سکتے ہیں نہ ان میں شرکت کر سکتے ہیں۔ اس صورتِ حال میں جہاں گھروں میں بند رہ کر بوریت کا احساس ہوا۔ بچے خاص طور پر پریشان ہیں جیسے گھر میں قید کر دیا گیا ہو اس کے مثبت پہلو یہ ہیں کہ گھر میں رہ کر اپنی فیملی کے ساتھ وقت گزارنے کا موقع ملا جو عام حالات میں ممکن نہیں۔ ان ڈور گیمز کھیلے، اس کے علاوہ گھر میں رہ کر جدید ٹیکنالوجی سے فائدہ حاصل کیا آن لائن کلاسز اور کورسز کر کے اپنی معلومات میں اضافہ کیا۔

ڈاکٹر سیما مہدی خان
(ریڈیالوجسٹ۔ سعودی عرب۔ القسیم۔)

ا: یہ ایام ایک آزمائش سے کم نہیں ہیں۔ پہلے ہر تین چار مہینوں میں ایک دفعہ پاکستان سفر کرتی تھی، امی اور رشتے داروں سے مل لیتی تھی لیکن اب یہ ممکن نظر نہیں آرہا۔ میڈیا کا استعمال زیادہ ہو گیا۔ روزانہ بچوں، امی اور بہن سے بات کرتی ہوں۔ دل چاہتا ہے اڑ کر پہنچ جاؤں اپنے ملک لیکن وہاں کے حالات بھی تسلی بخش نہیں

اللہ تعالیٰ خیریت سے رکھے، آمین۔

۲: تبدیلی یہ آئی کہ اللہ کو اور شدت سے یاد کرنا اور پناہ مانگنا۔ اپنے بچوں، بزرگوں اور رشتے داروں کی اللہ سے حفاظت کی دعا۔ پھر اپنے ملک اور مسلمین کی عافیت کی دعا۔ سیکھا یہی کہ اس صورتِ حال میں اپنوں کے پاس ہونا چاہیے اپنے ملک میں کام کرنا چاہیے نہ کہ زیادہ کی آرزو میں کوفت اٹھائیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو عقل سلیم دے آمین بے شک یہاں بہت اچھا ماحول ہے۔ living Condition اپنے ملک سے دگنی اچھی ہے۔ لیکن کورونا جیسی آزمائش میں اپنوں کے ساتھ وقت گزارہ جاتا تو بہتر تھا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو خیر سے پھر اپنی فیملی سے ملائے، آمین۔

ڈاکٹر بسمہ شریف
(کلینکل ریسرچ کورڈی نیٹر۔ ٹورنٹو۔ کینیڈا)

ا: کورونا کی وجہ سے جو لاک ڈاؤن ہوا ہے تو احساس ہوا کہ ہم نے اپنی زندگی کو بہت سی ایسی چیزوں کا محتاج بنا دیا تھا جن کے نہ ہونے سے زندگی میں کوئی کمی نہیں۔ باہر آؤٹنگ پر نہ جانے سے، ہوٹلنگ نہ کرنے سے۔ شاپنگ پر نہ جانے کا جو افسوس تھا اب اس کی عادت سی ہو گئی ہے اور اس کے نہ ہونے سے زندگی رکتی نہیں۔ صرف اس چیز کا افسوس ہے جو کوئی بھی چیز پورا نہیں کر سکتی وہ ہے اپنے پیاروں سے دوری کورونا کی وجہ سے اپنے بہت سے پیارے رشتے داروں سے نہیں مل پا رہے۔ بچے بیچارے اپنے کزنز سے دور اکیلے میں سب کو بہت زیادہ مس کر رہے ہیں اور ضد کرتے ہیں باہر جانے کے لیے۔ رمضان اور عید پر بھی کسی سے ملاقات نہیں ہوئی۔ ایسا لگا سب سے کٹ کر رہ گئے ہیں۔ میں ہر سال

WaqarAzeem
Pakistanipoint.com

گرمیوں کی چھٹیوں میں پاکستان جاتی ہوں۔ ہم سارا سال اس انتظار میں گزارتے ہیں کہ چھٹیوں میں پاکستان جائیں گے، اب وہ بھی نہیں ہو پائے گا جس کا مجھے شدید غم ہے۔ اس لاک ڈاؤن کی وجہ سے سب سے زیادہ جو چیز اثر انداز ہوئی ہے اپنے رشتے داروں سے دوری ہے جس کا نعم البدل دنیا کی کوئی بھی شاہی نہیں۔

۲: ہماری ساری منصوبہ بندی اور دنیا بھر کی ٹیکنالوجی بھی اللہ کے حکم کے آگے بے بس ہے۔ یہ سوچ کر اپنے مسلمان ہونے پر فخر ہوتا ہے اور اللہ سے تعلق مزید مضبوط ہو گیا۔ لاک ڈاؤن میں رمضان بہت اچھے گزرے، عبادت کے لیے بہت زیادہ وقت ملا گھر والوں کے ساتھ بہت وقت گزرا جو عام حالات میں مشکل ہوتا ہے۔ کورونا نے بہت بڑا سبق دیا ہے کہ یہ دنیا فانی ہے انسان کتنی ہی ترقی کر لے، اللہ کی ذات کے آگے کچھ بھی نہیں۔ ہمیں اپنی آخرت سنوارنے پر زیادہ محنت کرنی چاہیے نہ کہ دنیاوی چیزوں پر۔

سمیرا قدوس
(لیکچرر ارلی چائلڈ ہڈ اسٹڈیز لندن)

ا: یہ سوچ کر دل بہت برا ہو رہا ہے کہ اس سال اپنے خونی رشتے داروں سے مل نہیں سکیں گے۔ لیکن یہاں گھر میں آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ وقت گزارنے کا بہترین موقع ملا ہم اپنے بچوں کو اپنے مذہب، اسلامی روایات اور ثقافت کے بارے میں بہت کچھ بتا رہے ہیں۔ ملکی تہذیب و ثقافت سے روشناس کر رہے ہیں۔ ہم سب مل کر کتابوں کا مطالعہ کرتے ہیں، ہم نے پڑھائی کے علاوہ دوسرے کاموں میں بھی شامل کیا۔ جیسے کہ ہم اردو کے پروگرام دیکھتے ہیں تاکہ بچوں کو اردو سیکھنے کا موقع ملے۔

ساتھ کھیلتے ہیں۔ اپنے بچپن کی دلچسپ باتیں کرتے ہیں، اس طرح ہمارا رشتہ اور بھی مضبوط ہو رہا ہے۔

۲: نمایاں تبدیلی یہ آئی کہ بچے اپنے خیالات اور احساسات ہم سے بانٹ کر اب ہم سے مشورے لینے لگے ہیں۔ اس بیماری نے یہ احساس دلایا ہے کہ یہ وقت کتنا قیمتی ہے۔ اس مختصر سی زندگی میں پیسہ نہیں بلکہ آپس میں گزارنے والا وقت زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔

سہیل شمیم
(سوفٹ ویر انجینئر۔ میلبورن۔ آسٹریلیا)

ا: یہ ایام بہت تکلیف اور تشویش میں گزر رہے ہیں اس کی دو وجوہات ہیں۔ ماں باپ بہن بھائی سب پاکستان میں ہیں اور ظاہر ہے قدرتی بات ہے کہ ان کی طرف دھیان لگا رہتا ہے۔ دوسرے تکلیف اس لیے بھی زیادہ ہے کہ ہم آسٹریلیا میں بہتر حالت میں ہیں اور پاکستان میں حالات بہت سنگین ہیں کیونکہ وہاں پر طبی سہولتوں کا بھی فقدان ہے اور لوگ احتیاط بھی نہیں کر رہے۔

۲: سوچ میں سب سے بڑی تبدیلی یہ آئی کہ ہمارے لیے سب سے اہم ہماری فیملی ہے۔ پھر دوست احباب ہیں جو ہر مشکل وقت میں ہمارے ساتھ ہیں۔ نمایاں تبدیلی یہ محسوس ہوئی کہ کسی بھی قسم کی غیر یقینی صورتِ حال کے لیے انسان کو ذہنی و جسمانی طور پر کیسے تیار رہنا چاہیے۔ اور سیکھا یہ کہ اس طرح کی غیر یقینی صورتِ حال سے کس طرح لڑنا چاہیے۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

جیسے ہم گھر سے کام کر رہے ہیں، میچ کر رہے ہیں، بچوں کو پڑھا رہے ہیں، اسکول نہیں بھیج رہے اور جس طرح اشیائے ضرورت کو احتیاطاً اسٹاک کر رہے ہیں۔ یہ سب رفتہ، رفتہ سیکھا۔

ڈاکٹر سیدہ فاطمہ علی
(شعبہ، میڈیسن، یوکے)

ا: میں چونکہ بنیادی طور پر ایک ڈاکٹر ہوں۔ اس لیے برطانیہ کے ایک سرکاری اسپتال سے وابستہ ہوں۔ میرے لیے یہ ایام بہت زیادہ مصروفیت کے ہیں میری ڈیوٹی کورونا وارڈ میں ہے۔ دن رات مریضوں کو موت کے منہ میں جاتا دیکھتی ہوں تو خونی رشتوں کی قدر و قیمت اور زیادہ ہو جاتی ہے۔ دن رات کام کرنے کی وجہ سے ہم لوگ بہت مصروف ہوتے ہیں۔ یہ ایک تکلیف دہ دور ہے۔ امی ابو، بھائی بہت یاد آتے ہیں۔ اللہ سب کو محفوظ رکھے آمین۔

۲: اس صورتِ حال نے اللہ سے اور زیادہ نزدیک کر دیا اور یہی سیکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے معافی مانگیں وہی بخشنے والا مہربان ہے۔

عمر شریف
(ٹیلی کام انجینئر۔ ہالینڈ)

ا: کورونا کے زیرِ اثر لاک ڈاؤن نے بہت سی ذہنی الجھنوں کو جنم دیا ہی ہے لیکن اپنے ملک اور اپنوں سے دوری نے ان احساسات کو دوگنا کر دیا۔ اس مشکل وقت میں جب ہم چاہ کر بھی اپنے پیاروں کے پاس نہیں پہنچ سکتے تو اپنی بے بسی کا احساس شدت سے ہو رہا ہے۔

۲: ہم اپنے گھر والوں کے ساتھ زیادہ وقت گزارنے کے ساتھ، ساتھ اپنے ان رشتے داروں اور دوستوں جن سے مصروفیت کے باعث رابطہ نہیں کر پاتے تھے ان سے ٹیلیفونک رابطہ کیا۔ اور اچھا معیاری وقت گزارہ جو کہ اس لاک ڈاؤن کا سب سے مثبت پہلو ہے اور سیکھا بھی یہی کہ جیسے ابھی ہم اپنے پیاروں کے ساتھ وقت گزار رہے ہیں عام حالات میں بھی ایسے ہی جاری رکھیں کیونکہ یہ ہمارے ذہنی سکون کے لیے بہت ضروری ہے۔

☆☆☆

عزیز قارئین!

سروے میں شریک دیارِ غیر میں مقیم اپنوں سے بہت دور وبا کی جفا جھیلنے والوں کے جذبات، احساسات اور تجربات میں غریب الوطنی کا دکھ نمایاں ہے۔ یہ بجا کہ ان تکلیف دہ ساعتوں میں اپنوں سے دوری اور وہ بھی میلوں کی مسافت نے اس اذیت میں کئی گنا اضافہ کر دیا ہے لیکن خوشی واطمینان کی بات یہ ہے کہ وبا کے اثرات سب پر ہی مثبت مرتب ہوئے ہیں اور اللہ سے قربت بڑھنے کا اظہار بھی۔ جس کے نتیجے میں زندگی میں در آنے والی تبدیلیاں بھی روشنی کی نوید دیتی نظر آتی ہیں۔ وبا کے اندھیروں سے اجالے سمیٹنے والے محبانِ وطن نہ صرف اپنی زندگی میں خوشگوار تبدیلیاں لائے بلکہ جو بھی سیکھا وہ ان کے لیے بہت سود مند رہا۔ اپنے وقت کو بہترین مصرف میں لائے۔ وبا کی دردناک ساعتوں میں حسینہ معین کا یہ قول صد فی صد درست ثابت ہوا کہ ''مصروفیت بہت اچھی پناہ گاہ ہے'' جہاں کہیں تھوڑی بہت مایوسی محسوس ہوئی ان سے یہی کہنا ہے بقول شاعر.....

دلوں سے مایوسیاں نکالو
ذرا سا آگے شفا کے دن ہیں

☆☆☆

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

گوشۂ ظرافت

ادارہ

مزاح نگاری، کمال کی صنفِ ادب ہے کہ جس میں وہ بات بھی بہ آسانی کہہ دی جاتی ہے کہ جسے سوچنے میں زمانے لگیں..... مگر ایسی شتر زنی بخاطر اصلاح کا فن بھی کسی کسی کو آتا ہے۔ ورنہ مزاح نگاری کو عامیانہ طرزِ تحریر بننے میں دیر نہیں لگتی۔
مشتاق احمد یوسفی ..... اردو مزاح نگاری کا ایک نہایت معتبر و معروف نام ہے۔ اس ماہ اپنے باذوق پڑھنے والوں کے لیے ہم نے انہی نامور مزاح نگار کی تصنیف زرگزشت سے اقتباس منتخب کیا ہے۔ جس سے یقیناً آپ جیسے باذوق قارئین لطف اندوز ہوں گے۔

سیمنٹ کا بم

بارش کے دن تھے۔ جھڑ لگ رہی تھی۔ ایسی بارش اور ایسی چھت کراچی میں پھر کبھی نہیں دیکھی۔ لگتا تھا آسمان کا پیندا چھلنی ہوگیا ہے۔ مکان کی چھت بھی چھلنی ہورہی تھی۔ اور کمرے کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک جانے کے لیے چھتری لگانی پڑتی تھی۔ کوئی جگہ ایسی نہ بچی جہاں آدمی موسمی حالات سے ہر لحظہ باخبر رہے بغیر سوسکے۔ اس کے باوجود ہم نے اس بے چینی اور پھرتی کا مظاہرہ نہیں کیا جس کا نظیرا کبرآبادی مذاق اُڑا گئے ہیں۔

مدت سے ہورہا ہے جن کا مکاں پرانا
اٹھ کے ہے ان کو مینہ میں ہر آن چھت پہ جانا

چھت پر جانے سے ایک تو پڑوسنیں مچھر دانی اوڑھ لیتی تھیں اور ان کے مرد مچھر دانی کے بانس لے کر نکل آتے تھے۔ دوسرے، کوئی زینہ سرے سے بنایا ہی نہیں گیا تھا، اس لیے کہ چھت اپنے ہی بوجھ کی متحمل نہ تھی۔

دوسرے کمرے کی چھلنی کے چھید اتنے بڑے تھے کہ اس کا پرنالہ ہی خشک ہوگیا۔ ایک رات ایسی بھی گزری کہ چھت رات بھر روتی رہی۔ اس کی دیکھا دیکھی بچے بھی۔ اور انہیں دیکھ کر ہماری آنکھ بھی بھر آئی۔ ان سب کو رقت سے باز رکھنے کے لیے دوسرے دن ہم نے لنچ کے وقفے میں آٹھ پونڈ سیمنٹ خریدا اور شام کو سے لفافے میں ڈال کر بوچھار سے بچاتے چھپاتے، بس اسٹینڈ کی طرف روانہ ہوئے۔ اتنے میں ایک بیس گواز لمبی کاروائیں طرف سے ہمارے آدھے جسم اور لفافے پر برساتی پانی اور کیچڑ کا اسپرے پینٹ کرتی زوئیں سے گزر گئی۔ کچھ دیر بعد ایک اور کار آتی ہوئی نظر آئی تو ہم نے دوسرا گال بھی پیش کردیا تاکہ ہمارے کپڑوں کا بایاں حصہ بھی دائیں کا ہم رنگ ہوجائے۔ آخر 19 نمبر کی بس بھی آہی گئی۔ کیچڑ میں لت پت ہونے کا یہ فائدہ ضرور ہوا کہ زندگی میں پہلی بار کشتی لڑے بغیر بس میں چڑھنے میں کامیاب ہوگئے۔ کسی نے فاؤل نہیں مارا، کسی نے کمر میں ہاتھ ڈال کر پیچھے نہیں کھینچا۔ ہم سیٹ پر بیٹھنے ہی والے تھے کہ ایک صاحب جو ہمارے بعد چڑھے تھے اپنے بریف کیس کے بمپر سے ہمیں دھکیل کر ہماری سیٹ پر قابض ہوگئے۔ انہوں نے سفید شارک اسکن کا سوٹ پہن رکھا تھا جو تر بتر تھا مگر بے داغ۔ ہم ان کے پہلو میں چھت کا ڈنڈا پکڑ کر بس کے جھٹکوں کے ساتھ جھولنے لگے۔ ان کی نگاہیں ہمیں جھڑکتی، پرے ہٹنے کی ہدایت کرتی رہیں۔ بس بڑی تیزی سے کیچڑ اچھالتی جارہی تھی اور ہم گیلے لفافے کو سینے سے لگائے جھوم رہے تھے کہ ایک بڑھیا نے اچانک سڑک پار کرنے کی کوشش کی اور بس دو زبردست جھٹکوں کے ساتھ رکی۔ کھڑے ہوئے مسافروں کی لائن میں ہر

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

سر پہلے پیچھے اور پھر آگے والے سر سے ٹکرایا۔ اور مضروبین نے ایک دوسرے کو ''ذرا ہوش کر کے کھڑے ہو'' کی تنبیہہ کی۔ ہم نے لفافے کو گرنے سے روکنے کے لیے اس میں مضبوطی سے انگلیاں گڑ دیں۔ یکا یک بھیگا ہوا لفافہ پھٹا اور سیمنٹ کا پرنالہ شارک اسکن کے سوٹ پر دھواں دھار گرا۔ کچھ دیر تک تو سوائے ہمارے کسی کی سمجھ میں نہ آیا کہ سیمنٹ کا بم کیوں اور کیسے پھٹا۔ لیکن جب ہوا میں اڑتے ہوئے غبار کا آخری ذرہ تک شارک اسکن کے سوٹ پر آ کر جم گیا اور ہمارے ہاتھ میں خالی لفافہ رہ گیا تو دو سال کا بچہ بھی بتا سکتا تھا کہ کیا ہوا۔ دو سال کی قید ہم نے اس لیے لگائی ہے کہ اس سے کم عمر کا بچہ سچویشن کو سمجھ تو سکتا ہے مگر الفاظ میں ادا نہیں کر سکتا۔ بچے بولنے سے پہلے ہنسنا سیکھتے ہیں۔ جیسے ہی ان صاحب پر اس سانحے کی سنگینی اور حدود اربعہ منکشف ہوئے، انہوں نے رومال سے اپنا سوٹ رگڑ رگڑ کر صاف کرنے کی کوشش کی۔ لیکن گیلے سوٹ پر اعلیٰ کوالٹی کا مضبوط اور پائیدار سیمنٹ، بہتان کی طرح ایسا چمٹا کہ

پھیلتا ہے اس قدر جتنا کہ رگڑا جائے ہے

اس نے اس عالم میں بزبانِ اردو و انگریزی جو کچھ کہا، خدا اسے معاف کرے۔ ہم نے تو اسی وقت معاف کر دیا تھا۔ قابلِ اشاعت فقرہ صرف یہی تھا کہ پرسوں ہی درزی کو 75 روپے نقد سلائی دی تھی۔ بس اور ان کی زبان چلتی رہی۔ ذرا دیر بعد آخری سیٹ سے ایک صاحب نے ٹھیٹ کرخنداری لہجے میں ہدایت فرمائی ''بھائی جان! فوراً سے پیشتر نلکے کے نیچوں غسلِ صحت کر لو۔ جھٹ دینی سیمنٹ جم گیا تو پھٹ دینی ملکہ ٹوریہ کا بُت بن جاؤ گے۔ محلے کے لونڈے لُولُو بنا دیں دگے۔ جوزہ صاحب بھی نہیں پچھان پاویں گی۔'' سیمنٹ پوش صاحب نے منہ سے تو کچھ نہیں کہا لیکن دو تین منٹ بعد پہلے ہی پرنالے پر بس سے اتر گئے۔

چار پانچ دن بعد ہم پھر اس بس میں چڑھنے لگے تو ہمارے آگے، آگے چارٹرڈ بینک کے منیجر کی سیکرٹری تھی۔ کنڈیکٹر نے ہمیں آنکھ مار کے ریزگاری کا تھیلا بجاتے ہوئے ہانک لگائی۔ ''بابو جی! ذرا سنبھل کے۔ ہاں جی! میکلوڈ روڈ، یوسف آفس، صدر، گرومندر، جمشید روڈ، بڑا گھر (جیل)، کالونی، مہربان، قدردران! بس میں چھری، چکو، چرس، گانجا اور سیمنٹ لے جانے کی اجازت نہیں ہے۔''

کراچی کی برسات

پانچ چھ سال بعد ایسی بھر کے بارش ہوتی ہے تو کراچی کی تاریخ اور کیچڑ کا حصہ بن جاتی ہے۔ سارا نظامِ زندگی درہم برہم ہو جاتا ہے۔ اسے معمول پر لانے میں پانچ چھ برس لگتے ہیں۔ جھگی نشینوں کے لیے یہ بارانِ زحمت، آفاتِ ارضی و سماوی کا درجہ رکھتا ہے۔ دیکھا جائے تو غالب بھی بارش کے اس لیے دلدادہ نہیں تھے کہ پینے کے لیے آبِ مقطر کی سپلائی بڑھتی ہے۔ کھیتی باڑی کو فائدہ پہنچتا ہے۔ بلکہ

خوشی ہے یہ آنے کی برسات کے
پئیں بادۂ ناب اور آم کھائیں

محکمہ موسمیات بارش کا سالانہ اوسط چار انچ بتاتا ہے۔ ''بقر اشک بلبل'' تو پھر بھی غنیمت ہے۔ کراچی میں تو بارش اس طرح ہوتی ہے جیسے کوئی مگر مچھ آنسو بہا رہا ہو۔ کراچی کے اکثر پرانے مکانوں کی چھتوں میں آپ کو پرنالے اور موریاں نظر نہیں آئیں گی۔ بعض سڑکوں پر تو برساتی پانی بلکہ ٹریفک کے نکاس کا بھی کوئی انتظام نہ ملے گا۔ کراچی کو دنیا کے تمام شہروں کے مقابلے میں یہ امتیاز حاصل ہے کہ یہاں کبھی چھتریاں اور برساتیاں نظر نہیں آتیں۔ یوں تین چار مہینے گھنگور گھٹائیں چھائی رہتی ہیں۔ بھولے سے کسی پروگرام ڈائریکٹر کی کھڑکی کھل جائے تو ریڈیو اسٹیشن ساون کے گیت نشر کرنے شروع کر دیتا ہے۔ کراچی کے مطلع پر ساون بھادوں میں گہرے بادل اور محکمہ موسمیات کی پیشگوئیوں کا دھند چھایا رہتا ہے۔

کشتِ دل آپ نے دیکھے ہیں وہ کالے بادل
جو کہیں اور برسنے کو ادھر سے گزرے

☆☆☆

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

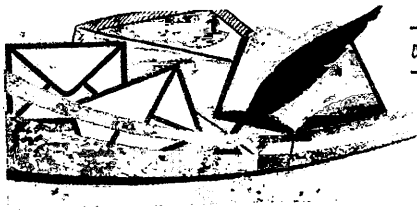

بہنوں کی محفل

مدیرہ

خط کتابت کے لیے پی او بکس 662 جی پی او کراچی 74200 ای میل: jdpgroup@hotmail.com

03316266612,021.35386783.021.35802552.Ext:122.107

پیاری پاکیزہ بہنو! السلام علیکم رحمتہ اللہ وبرکاتہ!

تمام حمد وستائش اس ذات والا صفات کو زیبا جو کل کائنات کا خلق کرنے والا ہے۔ یکتا و وحدہ لاشریک ہے اور کروڑوں درود و سلام حبیبِ خدا رحمتہ اللعالمین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس پر جو وجہ تخلیق کائنات ہیں۔ پروردگار عالم کے حضور دست بستہ دعا گو ہیں کہ اپنے خزانۂ غیب سے وہ سب کچھ عطا کرے جو ہمارے حق میں بہترین ہو۔ نہ صرف ہمارے وطن پاکستان بلکہ پوری دنیا سے اس وبا کا خاتمہ کردے، انسانیت کو امان ہو اور ہم بحیثیت مسلمان اپنے رب کی بارگاہ میں حقیقی معنوں میں بخشش وعنایات پائیں۔ (الٰہی آمین)

کچھ باتیں اپنی بہنوں سے

عزیز بہنو! آپ سب کے لیے صحت وسلامتی کی دعاؤں کے ساتھ اس محفل میں کئی مہینوں بعد حاضر ہوں۔ ماہ مارچ کے ماہنامہ پاکیزہ کے بعد سے عالمی طور پر جو بھی حالات ہوئے اس سب سے آپ آگاہ ہی ہیں..... ظاہر ہے ہمارا ادارہ بھی متاثر ہوا اور پھر کئی مہینوں بعد پچھلا شمارہ یعنی مئی تا جولائی مرتب ہو پایا جو آپ نے یقیناً دیکھا اور پڑھا بھی۔

تمام رائٹرز اور قاری بہنیں اس محفل میں میری آمد کی شدت سے منتظر ہیں اور میری بھی شدید خواہش رہی کہ آپ سے مخاطب ہوں..... اس دوران آپ سب کی دعائیں اور نیک خیالات مجھ تک پہنچتے رہے۔ اس وائرس نے مجھے بھی متاثر کیا اور تقریباً تین ہفتے بستر پر گزارنے پڑے لیکن سب کی دعاؤں، بروقت علاج اور احتیاط سے بحمد اللہ صحت یاب ہو پائی۔ اس دوران کچھ تکلیف دہ خبریں بھی آتی رہیں جو آپ کے علم میں بھی ہوں گی کہ کتنے قابل اور اچھے لوگ اس دنیا سے چلے گئے اور ابھی 14 جولائی کو میری بہت ہی عزیز بچپن کی دوست اور کلاس فیلو شائستہ اعجاز کے شوہر محمد اعجاز احمد آناً فاناً دنیا سے رخصت ہوگئے۔ میرے لیے وہ سگے بھائیوں کی طرح تھے۔ بہت عزت اور خیال کرتے تھے۔ اللہ کریم مرحوم کے درجات بلند فرمائے اور میری دوست کو صبرِ عظیم عطا فرمائے۔ اللہ شائستہ کے بچوں کو صحت وسلامتی سے رکھے۔ اور وہ اپنی ماں کے لیے ہمیشہ خوشیوں کا باعث بنے رہیں، آمین.....!

کہانیوں اور ناولوں پر اصل تبصرے تو آپ بہنوں کے ہوتے ہیں مگر یہاں میں اپنی لکھاری بہنوں کی تعریف ضرور کروں گی کہ تقریباً سب ہی بہت عمدہ اور سبق آموز تحریریں دے رہی ہیں۔ گزشتہ شمارے میں بھی تمام تحریریں بہت ہی اچھی رہیں مگر عائشہ خان کے لیے کہنا چاہوں گی کہ بہت عرصے بعد کوئی تحریر دی جو ہمیشہ کی طرح اصلاحی اور ایک مثبت پیغام دیتی ہوئی کاوش ثابت ہوئی۔ اس میں ماہ رمضان کے حوالے سے بہت اچھی باتیں، بہت اچھے پیغامات اور کچھ دعائیں بھی تھیں جو کچھ تو پچھلے شمارے میں آسکیں اور کچھ نکالنی پڑ گئیں کہ اس وقت ان کی چنداں ضرورت محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ امید ہے آئندہ وہ کسی اور تحریر میں موقع کی مناسبت سے وہ چیزیں آپ تک مؤثر انداز میں پہنچا دیں گی۔ سینئر رائٹرز کی پختہ تحریریں نئی لکھنے والی بچیوں کے لیے ایک گائڈ لائن بھی فراہم کر رہی ہیں جو کہ بہت اچھی بات ہے۔ تمام قاری بہنیں تبصرے بھی خوب اچھے کرتی ہیں اور اپنی صائب رائے دیتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ تمام دنیا خصوصاً ہمارے ملک کے حالات بہتر سے

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

بہتر ہوتے جائیں اور رسالوں کی اشاعت میں اب ایسی کوئی رکاوٹ نہ آئے، آمین۔ ان شاء اللہ اگلے ماہ پھر آپ سے مخاطب ہوں گی اللہ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔

دعا گو عذرا رسول

بہنو! حسبِ روایت نت نئی خبروں اور سرگرمیوں پر ایک نظر ڈالنے سے قبل ایک بار خلوصِ دل سے درود ابراہیمی اور اس کے بعد تین بار آیت کریمہ ضرور پڑھ لیں اور اپنی دعاؤں میں اپنے پیاروں کے ساتھ، ساتھ تمام اہل وطن کو بھی یاد رکھیں۔

مصنفات، شاعرات اور قارئینِ پاکیزہ بہنوں کی تازہ بہ تازہ سرگرمیاں

☆ پاکیزہ کی مستقل تبصرہ نگار عصمت، اوکاڑہ کی پیاری بھانجی ڈاکٹر امبر مقیم روز آئی لینڈ، امریکا کے ہاں بیٹی کی ولادت ہوئی ہے (مبارکاں)

☆ پاکیزہ سے وابستہ ہماری پیاری مصنفہ فوزیہ سرور، لاہور ایک ماہ رشتۂ ازدواج میں منسلک ہوگئیں۔ (بہت بہت مبارک ہو)

☆ پاکیزہ کی بہت پیاری دوست، شاعرہ، مصنفہ، شگفتہ شفیق مسلسل اپنی شاعری سے تمام باذوق قارئین کو محظوظ کر رہی ہیں۔ لاک ڈاؤن کے دوران واٹس ایپ، فیس بک، زوم پر مشاعرے ہو رہے ہیں رونقیں لگی ہوئی ہیں اور ہماری شاعرات مصروفِ عمل ہیں۔ (اللہ تعالیٰ سے دعا ہے شگفتہ کو صحت و سلامتی سے رکھے)

☆ شاعرہ اور کمپیئر ڈاکٹر عنبرین حسیب عنبر نے بھی مشاعروں کی نظامت بھی کی اور بے حد خوب صورت شاعری بھی تخلیق کی اس طرح وہ دنیا بھر سے علم و شعر و ادب سے تعلق رکھنے والے افراد کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرتے ہوئے باذوق ذہنوں کی آبیاری بھی کر رہی ہیں اور علم و ادب کے میدان میں اپنا بھرپور کردار ادا کر رہی ہیں (بہت خوب)۔

☆ رائٹر، مصنفہ، کمپیئر اور ممتاز براڈ کاسٹر سیما رضا اپنے پیشہ ورانہ فرائض کے ساتھ، ساتھ علم و ادب کے محاذ پر بھی سرگرم عمل ہیں۔ اور یوں باہنر و باصلاحیت افراد کو مسلسل اظہار کے مواقع فراہم کرتی رہتی ہیں۔ (جزاک اللہ)

☆ پاکیزہ کی رائٹر، شاعرہ، سماجی کارکن اور ہماری پرخلوص دوست ہما بیگ کے گھر مسلسل ان کے خیر خواہوں کا آنا جانا لگا ہوا ہے صرف ان کی دلجوئی کی خاطر..... اللہ پاک ہما بیگ کو صبر دے۔ ہما تمام دوستوں کے لیے جزائے خیر کے کلمات کہتی ہیں کہ جنہوں نے بذریعہ تحریر یا فون پر ان سے اظہارِ تعزیت کیا۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

دعائے صحت کے لیے التماس ہے

☆ ماہنامہ پاکیزہ کی مستقل قاری، تبصرہ نگار مصنفہ، شاعرہ اور ہماری بہت پیاری دوست دعاؤں میں سب کو یاد رکھنے والی فریدہ جاوید فری یوسف زئی، لاہور اپنی پاکیزہ بہنوں سے دعائے صحت کی ملتمس ہیں۔

☆ پاکیزہ کی مستقل قاری، مصنفہ، نزہت جبیں ضیا کے شوہر کی انجیو پلاسٹی ہوئی ہے الحمدللہ اب وہ روبصحت ہیں۔

☆ مستقل قاری نادیہ، راولپنڈی کے نوعمر بیٹے کی مکمل صحت یابی کے لیے خصوصی دعا کی درخواست ہے۔

☆ مستقل قاری شہناز فضل، کراچی ان دنوں گردوں کے عارضے میں مبتلا ہیں۔

انتقالِ پُرملال

☆ پچھلے دنوں علم و ادب کی دنیا سے تعلق رکھنے والی بہت سی نامور شخصیات نے داعی اجل کو لبیک کہا جس میں معروف کمپیئر طارق عزیز، منظر ایوبی، دوست محمد فیضی و ناصر زیدی شامل ہیں۔

☆ پاکیزہ کی رائٹر رفعت شبانہ کی والدہ محترمہ برضائے ربی انتقال کر گئیں۔

☆ مصنفہ، شاعرہ، کمپیئر اور معروف براڈ کاسٹر سیما رضا کی جواں سال کزن برضائے ربی انتقال کر گئیں۔

☆ ادارے سے وابستہ ہماری ہر دلعزیز مصنفہ اسما قادری کے والد محترم برضائے ربی انتقال کر گئے۔

☆ پاکیزہ کی مستقل رائٹر اور ڈراما نگار غزالہ عزیز کے والد ماجد مختصر علالت کے بعد انتقال کر گئے۔

☆ پاکیزہ کی مستقل قاری شہناز فضل، کراچی کے بہنوئی مختصر علالت کے بعد انتقال کر گئے۔

☆ ادارے سے وابستہ ہمارے دیرینہ کارکن محمد اختر بیگ کی بھائی صاحبہ نسرین بانو برضائے ربی 9 جون کو انتقال کر گئیں۔

☆ پاکیزہ کی مستقل تبصرہ نگار پروین افضل شاہین، بہاول نگر کی ماں جیسی ساس گزشتہ دنوں وفات پا گئیں۔

سب مرحومین کے لیے دعائے مغفرت کی گزارش ہے۔

☆☆☆

اب بہنوں آتے ہیں آپ کے پیارے، پیارے خطوط کی طرف۔

✽ تسنیم کوثر، کراچی سے۔ ''سب سے پہلے تو اس دعا کے ساتھ شروع کرتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو کورونا جیسے عجیب و غریب مہلک وائرس سے محفوظ رکھے۔ دنیا سے اس وبا کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کردے۔ اللہ ہمیں معاف کردے الٰہی آمین..... بہن ہما بیگ کے جوان بیٹے کا سن کر بے حد دکھ ہوا۔ اتنے بڑے غم پر تعزیت کے لیے کوئی الفاظ نہیں ہیں دعا ہے کہ اللہ ماں کو صبر بلکہ صبرِ جمیل عطا فرمائے، آمین..... تقریباً تین ماہ کے بعد پاکیزہ سے مل کر جان میں جان آئی یقین جانیں بالکل ایسا لگ رہا تھا جیسے زندگی میں کسی عزیز رشتے دار کی کمی ہوگئی ہے۔ اللہ تعالیٰ پاکیزہ کو عافیت کے ساتھ قائم و دائم رکھے، آمین۔ (جی بالکل ہمیں بھی اپنی بہنوں کی کمی لگ رہی تھی) ماشاء اللہ میرا سارا رنگ اتار دو تو سپر ہٹ جا رہا ہے، افشاں آفریدی خوش رہیے اور جناب نایاب جیلانی کے میں عشق ہوں کی بھی کیا بات ہے۔ پنس سے بھرا یہ ناول مزہ دے رہا ہے اس کے برعکس سعدیہ رئیس کا میں انمول عمدہ کہانی ہونے کے باوجود بھی اس بار قسط کچھ مشکل بلکہ سمجھ میں نہیں آسکی..... (ارے دو کہانیاں ساتھ چل رہی ہیں آہستہ، آہستہ سمجھ آہی جائے گا) اور عائشہ خان کا ایک سجدہ بھی اچھا لگ رہا ہے اگلی قسط کا انتظار ہے۔ افسانوں میں فرح طاہر کا اپریل فول عجیب لگا بلکہ اچھا نہیں لگا۔ اور جناب سلمہ نگار کی گولے کی چادر بہت، بہت اچھی لگی مختصر سی اسٹوری تو تھی مگر نہایت جاندار شاندار لگی اور اسی طرح طیبہ عنصر مغل کے دلکش میرے ہم سفر افسانے کو نمبر ون افسانہ قرار دیا ہے ویسے ایک بات تو ہے کہ طیبہ ہمیشہ ہی اچھوتے منفرد خوب صورت ٹاپک پر لکھتی ہیں (جی بالکل) شمع ہدایت میں اختر شجاعت کا قناعت رضائے الٰہی پر مبنی مضمون ہمیشہ کی طرح اس بار بھی دل کو لگا..... بہن اختر شجاعت خوش رہیے اور ہمیں بھی دعاؤں میں یاد رکھیے۔ آخر میں دعاؤں کے ساتھ اللہ ہم سب پر اپنا فضل و کرم کرے، آمین۔ عید الضحیٰ آپ سب کو مبارک ہو۔'' (جی آپ کو بھی مبارک ہو، اللہ پاک ہر طرف خوشیاں بکھیرے، تبصرے کا شکریہ)

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

✽ فصیحہ آصف خان، ملتان سے۔ ''ہما بیگ جس دل خراش سانحے سے گزری ہیں ہمیں دلی افسوس ہے۔ موت سے بڑا کوئی دکھ نہیں اور اس دکھ سے بڑا کوئی سچ نہیں۔ اولاد اور پھر اکلوتے بیٹے کی دائمی جدائی کا غم دل خون کے آنسو روتا ہے۔ انسان یہاں بے بس ہے اللہ کی حکمت نہیں سمجھ آتی، دعا ہے کہ ہما بیگ کو ڈھیروں صبر عطا ہو اور وحید کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا ہو، آمین۔ یہ چند الفاظ ہما بیگ کے دکھ کا مداوا تو نہیں کرسکتے مگر ہم ان کے ساتھ ہیں..... یہ بتانا مقصود ہے۔ رب کریم ہم سب کو آسانیاں عطا کرے، الٰہی آمین۔'' (دل سے نکلے پُرخلوص تعزیتی کلمات کے لیے جزاک اللہ۔ بے شک ہماری تسلیاں ہما پیاری کا دکھ تو نہیں کم کرسکتی شاید کچھ دل ہلکا ہوجائے)

✽ سائرہ نثار، بنوں سے۔ ''آنٹی میں پاکیزہ بہت شوق سے پڑھتی ہوں، بدقسمتی سے زیادہ تعلیم حاصل نہیں کرپائی مگر پاکیزہ ضرور پڑھتی ہوں اور بہت کچھ سیکھتی ہوں۔ اردو زیادہ اچھی نہیں لکھ پاتی۔ آپ لوگوں سے بات کرنے کا دل چاہتا ہے رسالے پر رائے دینا چاہتی ہوں بس آپ معاف کیجیے گا اور میری ایسی لکھائی کے لیے معذرت پاکیزہ بہت اچھا رسالہ ہے۔'' (بہت شکریہ، پیاری بیٹی..... آپ نے چند سطریں لکھ دیں اور ہمیں سمجھ آگئی ہیں، لکھائی خراب ہونا کوئی بری بات نہیں ہوتی بس آپ پاکیزہ پڑھتی ہیں اور اس سے بہت کچھ سیکھتی ہیں، یہ اچھی بات ہے۔ ہماری لکھنے والیاں یہی کوشش کرتی ہیں کہ دلچسپ اور پُراثر انداز میں زندگی کی اونچ نیچ سمجھا سکیں۔ آئندہ بھی تبصرہ کرنا..... خوش رہیں اور پاکیزہ پڑھتی رہیں)

✽ پروین افضل شاہین، بہاول نگر سے۔ ''اس بار میں بہت بوجھل دل کے ساتھ تبصرہ ارسال کررہی ہوں کیونکہ گزشتہ دنوں میری ماں جیسی ساس وفات پاگئیں (اوہو، اللہ مغفرت کرے) جس کی وجہ سے میں اور میرے میاں پرنس افضل شاہین بہت ڈپریس رہے اور وہ تو ابھی تک اس شاک سے نہیں نکلے ہیں کیونکہ وہ اپنی ماں کا بہت کہنا مانا کرتے تھے (ہاں بھئی ماننا بھی چاہیے کہ یہ نعمتیں دوبارہ نہیں ملتیں) اور روز پاؤں دبانے ان کے ہاں جاتے تھے۔ آپ سے اور قارئین پاکیزہ سے میں درخواست کرتی ہوں کہ میری ساس کے لیے دعائے مغفرت فرمادیں۔ سرورق ہمیشہ ہی پاکیزہ کا جاذب نظر ہوتا ہے مجھے کچھ کہنا ہے آپ نے کورونا کے بارے میں لکھا۔ اس کورونا کی وجہ سے ہی ہمیں تین ماہ بعد پاکیزہ کا دیدار ہوا۔ دین کی باتیں پڑھ کر ایمان کو تازہ کیا۔ (شکر ہے ہوگیا

بس ان شاء اللہ اشاعت کا یہ سلسلہ خیریت سے چلتا رہے گا۔) نیا سلسلہ اندازِ نو بہت ہی شاندار ہے اس میں ہمیں مختلف شخصیات کے بارے میں جاننے کا موقع ملتا ہے۔ جیسے اس بار مدھر آواز کی مالک دھنک ایف ایم 94 کی آر جے شازیہ کریم کے بارے میں جاننے کا موقع ملا..... آپ سے گزارش ہے کہ دھنک ایف ایم 94 کے پروگرام پاداش بخیر ہی کی ایک اور آر جے شاہینہ رفیع کو بھی اس سلسلے میں لائیں کیونکہ میرے میاں پرنس افضل شاہین ان کا پروگرام شوق سے سنتے ہیں۔'' (جی ضرور کوشش کریں گے)

خواہر بشریٰ احمد، لاہور سے۔ ''ماہنامہ پاکیزہ کے کیا کہنے..... بہت عمدہ تحاریر آپ لوگ انتخاب کرتے ہیں، ہر رائٹر ایک سے بڑھ کر ایک لکھتی ہے کس، کس کا ذکر کروں۔ ناہید سلطانہ اختر، عقیلہ حق، قیصرہ حیات، شیریں حیدر وغیرہ ہر دفعہ ایک نئے انداز سے تحریر پڑھنے کو ملتی ہے۔ دعا ہے کہ سب قلمکاروں کے ہنر میں اضافہ ہو، ہر طرف خیر و عافیت رہے۔ سب ہی گھر والے اس سے کچھ نہ کچھ سیکھتے ہیں۔ آپ سب کی محنتوں کو سلام۔'' (بہت نوازش سراہنے کے لیے، تبصرہ بھی ضرور بھیجیں)

اسما شاہد، لاہور سے۔ ''صد شکر کہ پاکیزہ نے اپنا پاکیزہ جلوہ دکھایا۔ ادارے کی التجا اور دعا دونوں کی تاثیر ہم تک پہنچی اور دل سے آمین کہا (بہت شکریہ)۔ ہما بیگ کے بیٹے کی رحلت کا سن کر بہت افسوس ہوا۔ اللہ تعالیٰ ان کے بیٹے کے درجات بلند کرے اور ہما بیگ اور ان کی فیملی کو صبر جمیل عطا کرے (آمین)۔ انداز نو کا نیا اور جداگانہ انداز پسند آیا۔ گزرتے وقت کے ساتھ سب کچھ مختصر اور ٹو دا پوائنٹ ہوتا جا رہا ہے یہاں تک کہ انٹرویوز بھی (دلچسپ اور نیا انداز ہے) اگرچہ ہمیں شائستہ زریں اپنے سروے میں جگہ نہیں دیتیں پھر بھی بتائے دیتے ہیں کہ جس طرح ہر مشکل ایک نئی سمت کا تعین کرتی ہے بالکل اسی طرح کورونا نے ہمیں یہ بتایا کہ بغیر لان کے جوڑے لیے بھی گزارا ہے۔ اچھا کھانا کھانے کے ہوٹل کا رخ کرنا عاقبت نااندیشی ہے۔ نیٹ سے اچھی اچھی ترکیبیں دیکھیں، نت نئے کھانے بنائے اور تعریفیں پائیں۔ گھر بیٹھے آن لائن پڑھایا اور ایک نیا تجربہ پایا۔ اختر شجاعت کے مضامین کے تو کیا کہنے۔ علم و آگہی کے نئے در وا ہوتے ہیں۔ سبحان اللہ۔ ع عورت کے تمام سلسلے مجھے بہت پسند ہیں۔'' (مختصر خط کا شکریہ، جی آپ اپنا نمبر دے دیجیے گا تو شائستہ سروے میں شامل کرلیں گی)۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

عظمیٰ مشتاق، نارووال سے۔ ''کورونا لاک ڈاؤن کے دوران جتنی کوفت اٹھائی ماہ مئی تا جولائی کا شمارہ پاکر اڑن چھو ہوگئی۔ سرورق پر کیوٹ سی محترمہ کا دلربا انداز بھایا۔ ان افسردہ ساعتوں میں جہاں بہت سے عزیز ہمیشہ کے لیے جدا ہوئے آپ کی باتوں سے ڈھارس بندھی، گزرنے والوں کے دکھ میں تعزیت اور افسوس کے چند کلمات کہنا بہت کم ہے کیونکہ ان کی جدائی کے خلا کو تا زندگی پر نہیں کیا جاسکتا (بے شک)۔ ہما بیگ کے جواں سال بیٹے کی جدائی ان کے لیے غم ہے اور سب قاری بہنیں بھی دکھی ہیں خدا تعالیٰ ان سب کو صبر جمیل عطا کرے جن کے عزیز داغِ مفارقت دے گئے (آمین)۔ بوجھل دل سے پاکیزہ تھاما، دین کی باتوں سے آغاز کیا، ایک، ایک حرف دل میں اتر گیا۔ یہ زنگ نہ جانے کب اترے گا۔ سلمہ نگار کی گولے کی چادر نے دلگیر کیا۔ دل کے اندر کے راستے کی واقعی مصنفہ نے ترجمانی کی۔ اپریل فول پڑھ کر اندازہ ہوا، ہم مغرب کی اندھا دھند تقلید میں اپنے پیاروں کو ان چاہا دکھ دیتے ہیں۔ ڈھابے پر سالگرہ، چھوٹی سی تمنا دل کو اچھی لگی۔ رانگ نمبر ہلکی پھلکی سرزنش تھی۔ تم عشق ہمارا ہو، عورت کہانی خوب تھی باقی تمام سلسلے اچھے لگے۔'' (اللہ پاک جانے والوں کی مغفرت کرے اور لواحقین کے دلوں کو سکون دے، ہم بھی بہت بے چین تھے اپنی بہنوں سے بات کرنے کے لیے اللہ نے چاہا تو ضرور وہی خیر و عافیت کی گھڑیاں لوٹ آئیں گی۔ آپ کو انعامی کتاب روانہ کی جارہی ہے۔)

عصمت، اوکاڑہ سے۔ ''آپ سب کیسے ہیں اللہ پاک اس وبا سے پوری انسانیت کا چھٹکارا دلا دیں، الٰہی آمین۔ میری ڈاکٹر بھانجیاں اور ان کے شوہر بھی امریکا میں اس وبا کے مریضوں کی خدمت کر رہے ہیں۔ دونوں بہت ہونہار ڈاکٹر ہیں۔ نزہت بٹی میں نے بہت عرصہ پہلے کہیں رسالے میں پڑھا تھا کہ آئندہ جنگ جراثیموں کی ہوگی ہتھیاروں کی نہیں اب دیکھ بھی لیا۔ اللہ پاک اپنا رحم کرے۔ پاکیزہ تو ہمیشہ سے میرا ساتھی ہے۔ اختر شجاعت کے مضامین بہت ہی اچھے ہوتے ہیں، میری ایک فرمائش ہے کہ امہات المومنین کے بارے میں بھی ضرور لکھیں۔ (جی عصمت آپا آپ کی فرمائش سر آنکھوں پر۔ ابھی تو اختر اخلاقیات، حسن سلوک اور حقوق العباد پر لکھ رہی ہیں امہات المومنینؓ کے لیے وسیع صفحات چاہئیں مختصر صفحات میں حق تحریر ادا نہیں ہوسکتا ویسے بھی اختر گاہے بہ گاہے امہات المومنین کے ارشادات اور ان سے مروی احادیث ضرور شامل کرتی ہیں اللہ پاک کی مدد سے ہی یہ سب ممکن ہوتا ہے۔ آپ کی پُرخلوص دلچسپی کا بہت شکریہ) اگر آپ شاعر قابل اجمیری کی شخصیت کے متعلق بھی کچھ لکھیں تو اچھا ہوگا (جی ضرور) ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی کو بہت سلام اور دعائیں ان کی صحت و سلامتی کے لیے ہم دعائیں کرتے رہتے ہیں۔'' (جزاک اللہ آپا، اسی طرح رائے دیتی رہا کریں۔)

✍ خولہ سعید جاوید، کراچی سے۔ ''آپ سب کے لیے دعائیں ہیں سب کی خیریت کے لیے دعا گو ہوں۔ پاکیزہ سے پرانا ناتا ہے۔ اس کی غیر حاضری بہت محسوس ہوئی۔ میری کہانی کی اشاعت کے لیے شکریہ۔ (جزاک اللہ)

✉ فرحت جبیں، راول پنڈی۔ مسز منظور حیات، اٹک۔ افزا، سرگودھا۔ زیب النسا، پنجاب۔ خولہ کامران، کراچی۔ اسما طاہر، راول پنڈی۔ سائرہ مثال، کراچی۔ بشریٰ الطاف، اسلام آباد۔ قرۃ العین فرخ، کرچی۔ حمیرا نوشین، منڈی بہاؤالدین۔ منی علی، شاہ پور چاکر و دیگر ہماری بہت پیاری رائٹرز اور ریڈرز سے کہنا ہے کہ آپ کی تحریریں ہی رونق بڑھاتی ہیں آپ کی رائے ہمارے لیے بہت اہمیت رکھتی ہے۔ جن بہنوں کی تحریریں قابل اشاعت ہیں وہ بھی تھوڑا انتظار کریں۔ ان شاء اللہ ضرور لگیں گی۔ ناقابل اشاعت تحریروں کے بارے میں فرداً فرداً بتانا مشکل ہوتا ہے آپ فون کرکے پوچھ لیں تو بتا دیا جائے مجموعی طور پر میرا یہ جواب ہے کہ جس طرح کی کہانیاں رسالے میں آتی ہیں آپ واقف ہیں بس دلچسپ، سبق آموز، اصلاحی کبھی ہلکی پھلکی مزاحیہ یا پھر ٹریجڈی بھی ہو تو کوئی سوچ آپ کو دے کہ آپ لطف بھی لیں اور سیکھیں بھی، انداز بیاں رواں سادہ اور موثر ہو کوئی سخت قوانین ہرگز نہیں ہیں۔ امید ہے نئی رائٹرز بھی سمجھ گئی ہوں گی۔

✍ مہر النسا، کراچی سے۔ ''پاکیزہ کی اوّل دن سے قاری ہوں۔ ابھی لاک ڈاؤن میں رسالہ نہیں ملا تو بہت بوریت ہوئی۔ سب کے لیے فکر بھی ہوئی اب پاکیزہ کی شکل دیکھ کر سکون مل گیا۔ ایک عمر گزر گئی عادت ہوگئی ہے پڑھنے کی۔ نانی دادی بن گئی ہوں (ماشاءاللہ) قسط وار سب سے پہلے دیکھے، شکر ہے وہیں سے پڑھنے کو ملا کچھ چھوٹا نہیں (جی بالکل)۔ عذرا رسول کو بہت سلام وہ بھی مصروف رہتی ہوں گی کبھی بھی بات کرنے کا دل کرتا ہے۔ (جی ضرور کریں سہ پہر 3 بجے کے بعد دفتر کال کرلیں) آپ سب کو مبارک ہو اتنا اچھا رسالہ نکالنے پر بہت کچھ سیکھنے کو ملتا ہے۔'' (جزاک اللہ مہر آپی۔ عذرا صاحبہ بھی سلام دعا کہہ رہی ہیں۔ رسالے کی پسندیدگی کا شکریہ)

✍ سلمیٰ غزل، کراچی سے۔ ''پاکیزہ آگیا تھا مگر پتا نہیں کیوں پڑھنے کی ہمت ہی نہیں ہو رہی تھی۔ مجھے ایسا لگتا ہے کہ یہ سال ہم سب پر بلکہ پوری دنیا پر بھاری ہے (اللہ رحم کرے اور امتحان نہ لے) پہلی جنوری کو میرے میاں چلے گئے اور پھر تو جیسے دکھوں کا تانتا بندھ گیا کورونا وائرس نے پوری دنیا کو لپیٹ میں لے لیا اور پھر رمضان میں PIA کا حادثہ اللہ کی پناہ۔ ہمارے لیے تو تعزیت کے الفاظ ہی نہیں۔ ناہید فاطمہ نے خوب لکھا ہے ہمارے لیے ''صبر'' کا لفظ بہت چھوٹا ہے کیونکہ ان کے دکھ کو صاحب اولاد ہی سمجھ سکتے ہیں اللہ ان پر اپنا کرم کرے اور حوصلہ دے۔ (الٰہی آمین بالکل درست) علم و ادب کے روشن چراغ آپ کا بھی خوب ہے اب باری آتی ہے افسانوں کی طرف آنے کی۔ اختر شجاعت نے قناعت پر چھوٹی، چھوٹی احادیث اور واقعات کے ساتھ خوب لکھا ہے تقریباً تمام بزرگان دین اور اولیاؤں کا حوالہ دیکر مضمون کی افادیت بڑھا دی۔ میرا سارا رنگ اتارو بہت اچھا ہونے کے باوجود کہیں، کہیں طوالت کا شکار ہے۔ (کسی جگہ تفصیلات کی ضرورت پڑ جاتی ہے) میرے ہم سفر طیبہ عنصر نے رومانس سے بھرپور افسانہ لکھا ہے کم از کم آج کل کے زمانے میں زید جیسے شوہر اور سسرال صرف افسانوں میں یا کتابوں میں ملتے ہیں مگر خیر دل کے بہلانے کے لیے اچھا افسانہ ہے۔ فرحی نعیم کی چھوٹی سی تمنا نے لطف دیا۔ معلوم تھا ایسا ہی ہونا ہے مگر میں جب دادی نانی بنی تو بغیر کہے ہی دستبردار ہوگئی تھی کہ ''ماں باپ کی مرضی جو نام چاہیں رکھیں! یہ زیادتی بھی ہے کہ اولاد وہ پیدا کریں اور نام دادی نانی رکھیں۔ (بس ہر کوئی اپنی، اپنی محبت سے نام دیتا ہے مل جل کر فیصلہ ہو جانا چاہیے)۔ کنیز نور علی نے ایک ٹانی سے دل کے اندر رستہ خوب بنایا اچھا لگا۔ فرح طاہر کا اپریل فول بھی سبق آموز ہے۔ ہاجرہ ریحان کا عزت دار بہت اچھا لگا۔ گزرے کیسے پل، بشریٰ ماہا کا لاجواب تھا۔ شازیہ کریم کا انٹرویو ادھورا لگا کیونکہ نہ کوئی فیملی بیک گراؤنڈ نہ حیدر آباد سے کراچی تک کے سفر کی روداد۔ آخر میں

سانحۂ ارتحال

انا للہ وانا الیہ راجعون ..... محترمہ عذرا رسول کی عزیز ترین دوست اور پاکیزہ کی پُرخلوص ساتھی شائستہ اعجاز کے شوہر محمد اعجاز احمد، حرکت قلب بند ہو جانے کے باعث انتقال کر گئے۔ مرحوم صوم وصلوٰۃ کے پابند، نہایت نیک طینت اور ہمدرد انسان تھے۔ اللہ پاک شائستہ صاحبہ اور بچوں کو صبر دے اور مرحوم کو اپنی جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے، الٰہی آمین..... ادارہ ان کے خانوادے کے غم میں برابر کا شریک ہے۔

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

تسنیم کوثر سے کہنا ہے کہ میں ہی وہ سلمٰی ہوں کیونکہ شادی سے پہلے میں نے گورنمنٹ اسکول میں پڑھایا تھا۔ گھر بیٹھے شوقیہ حیدر آباد درخواست بھیج دی اور تیسرے دن اپائنٹمنٹ لیٹر ہاتھ میں تھا۔ نہ کوئی سفارش نہ کوئی رشوت بہت اچھا زمانہ تھا عام طالبات سندھی ہونے کے باوجود اردو بے حد شوق سے پڑھتی تھیں اور میں دسویں جماعت میں تھی، کبھی بیت بازی کا مقابلہ کراتی، مضمون یا تقریر کا تو سرِفہرست سندھی طالبات ہوتی تھیں چند ایک کے نام یاد ہیں جو بے حد ہونہار تھیں ایک تو صادق علی میمن کی بیٹی تھیں جن کے گھر مرحوم بھٹو ٹھہرتے تھے اور چونکہ ایس ایم لا کالج میں وہ میرے بہنوئی کے استاد تھے تو فوراً انہیں بلوا لیتے تھے اور انہی کے اصرار پر بہنوئی نے پارٹی جوائن کی تھی پورا ٹھٹہ ان کے اخلاق اور قابلیت کا گرویدہ تھا۔ دوسری کا بھی نام پروین بھا جو حبیب اللہ لغاری کی بیٹی تھیں۔ دونوں کا نام پروین اور دونوں یدطولیٰ کیا زمانہ تھا نہ کوئی سندھی نہ مہاجر صرف پاکستانی۔ (جی بالکل ان شاء اللہ پاکستان سب پاکستانیوں کے دل کی دھڑکن ہے اور سب مل کر اس کی ترقی میں حصہ ڈال رہے ہیں اور ڈالتے رہیں گے)..... میری ہیڈ مسٹریس کہتی تھیں کہ سلمٰی ہر کلاس چاہتی ہے کہ آپ ہی انہیں اردو اور انگلش پڑھائیں، وہ ہیڈ مسٹریس بھی بہت اچھی تھیں حمیدہ حیدر ان کا نام تھا سوری تسنیم کوثر اتنی ساری شاگردوں میں میرے ذہن سے آپ کا نام نکل گیا اگر آپ چاہیں تو مجھ سے فون پر رابطہ کر سکتی ہیں پرانے لوگوں سے مل کر ہمیشہ خوشی ہوتی ہے۔ میری کوشش ہوتی ہے کہ مختصر لکھوں تاکہ اور بہنوں کو بھی موقع ملے مگر اس مرتبہ کچھ زیادہ ہی ہو گیا آخر چھ مہینے بعد جو لکھا ہے۔'' (ارے کوئی بات نہیں سلمٰی اتنی دلچسپ باتیں بور نہیں کرتیں اور کبھی، کبھی طوالت ہو جاتی ہے..... تبصرے کا شکریہ۔ اللہ آپ کو صبر و سکون دے اور صحت و سلامتی عطا کرے ' آمین)

بھ زرتاشیہ نعمان، ملتان سے۔ ''کافی لمبے عرصے بعد جب پاکیزہ 6 جولائی کو ہاتھ میں آیا تو سب سے پہلے جو سوال دماغ میں ایک کیڑے کی طرح کلبلایا وہ یہ تھا کہ..... اپنے صفحات لیے اس شمارے کو میں کب پڑھ کے مکمل کروں گی اور کب اس پر تبصرہ لکھوں گی خیر اللہ کا نام لے کر سب سے پہلے تو اپنی سہیلیوں عمامہ اور عمائم سے ملاقات کی۔ میں عشق ہوں بہت خوب صورتی سے آگے بڑھ رہا ہے اس کے لیے نایاب جیلانی کو بہت ساری بیسٹ وشز۔ پھر میں نے جلدی سے وقت ضائع کیے بغیر انمول کے گھر میں جھانکا تو وہاں کچھ نئے کرداروں سے ملاقات ہوئی ان سے سلام دعا کے بعد ''گزرے کیسے پل'' ادھوری سی تحریر لگی، ایسا لگا جیسے رائٹر بشریٰ ماہا نے کہانی کا... کچھ پلاٹ یا تو ٹھیک سے بیان نہیں کر پائیں۔ عورت کہانی میں جو تحریر اس بار فرحین اظفر صاحبہ نے لکھی وہ (معذرت کے ساتھ)..... ہمسایہ ملک کی ایک فلم اعتراض کی اسٹوری سے بہت نہیں تو کچھ حد تک مشابہ ضرور لگی۔ (بڑی فلمیں دیکھتی ہو بھئی، ویسے کہانیوں کی مماثلت ہو جاتی ہے)۔ افسانہ تم عشق ہمارا ہو میں ثمر کاظمی نے ایک کردار کا نام سنیل لکھا یہ تو ہندی نام ہے گزارش ہے کہ لکھاری بہنیں ناموں کا چناؤ دھیان سے کیا کریں (صحیح کہا)۔ رانگ نمبر ہلکا پھلکا سا مزاح کا عنصر لیے ہوئے اچھی تحریر تھی۔ ناہید سلطانہ اختر جب بھی لکھتی ہیں دل کے تار چھو لیتی ہیں ان کا افسانہ آبِ نیساں آج کل کے دور کی منہ بولتی تصویر ہے، اب تو سگے خون کے رشتے غیروں سے بھی دو ہاتھ آگے غیریت برتتے ہیں اور حیرت ہوتی ہے، سوچ کے کہ یہ وہی ہیں جن کے ساتھ ایک عمر گزری ہے، اسی افسانے پر اپنے لکھے ہوئے چند اشعار پیش خدمت ہیں۔

''کسی اور سے نہیں
اپنوں سے سیکھا ہے
ملو تو دل میں کدورتیں چھپا کر
ہنسو تو لبوں پر نفرتیں سجا کر
پاس آؤ تو نگاہ میں بیزاری چمکے
پیٹھ پھیرو تو غرور چھلکے
ساتھ بیٹھو تو لگے امرت ہو تم
بچھڑو تو زہر کا پیالہ بن کر''

(بہت خوب)

عزت دار، ٹھنڈی، ٹھنڈی سی تحریر تھی۔ اپریل فول میں ایک اچھا مثبت پیغام تھا۔ مغربی رسومات کی اندھی تقلید انتہائی قابلِ اعتراض چیز ہے۔ اللہ ہم سب کو اپنے دین پر ڈٹے رہنے کی توفیق دے (آمین)۔ دل کے اندر بھی رستہ ہے ایک انوکھی اور اچھوتی

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

سی تحریر لگی، جس کے لیے کنیز نور علی کو مبارک باد۔ فرحی نعیم کی چھوٹی سی تمنا یقین مانیں مجھے بے ساختہ ہنسنے پر مجبور کر گئی، بوجھیں تو کیوں؟ میں بتائے دیتی ہوں کہ مجھے بھی بچوں کا نام رکھنے کا بے حد شوق ہے۔ میرے بڑے بیٹے کا نام میرے والد صاحب نے رکھا اور دونوں بیٹیوں کے نام میں نے اور میرے میاں جی نے اکٹھے سوچ کے رکھے۔ نزہت آپی ایک مزے کی بات بتانا چاہتی ہوں لاک ڈاؤن کے دوران میں نے ایک نیا کام کیا اپنے موبائل پر کہانیاں لکھ کر ''اسٹیٹس'' پر قسط وار لگائیں اور الحمدللہ پڑھنے والوں نے خوب سراہا، موبائل پر تحریر لکھنا ایک انوکھا اور دلچسپ تجربہ رہا۔ شاعری کی طرف بھی شغف رہا میرا، کافی ساری نظمیں، نعت شریف، حمد اور مزاحیہ..... چٹکلے بھی لکھے۔'' (اچھا تو ہمیں بھی یہ تخلیقات بھیجیں قابلِ اشاعت ہوئیں تو ضرور شائع ہوں گی، اچھے سے تبصرے کا شکریہ۔ اسی طرح آتی رہیے گا کہانی پڑھ کر بتائیں گے کیسی ہے۔)

✿ مسرت رانی خلیل، کراچی سے۔ ''بالآخر پاکیزہ ہاتھ میں آ ہی گیا۔ آپ نے بہت اچھی طرح سنبھالا ہے۔ بہت شکریہ کہ اس وبا کے معاملات کے باوجود آپ نے بھرپور رسالہ مرتب کیا۔ ہر چیز اپنی جگہ پرفیکٹ ہے اور بہت شکریہ کہ میری رائے کو بھی شامل کر لیا ہے۔ نزہت یہ آپ کی محنت اور لگن ہے اس کے لیے بہت دعائیں ہیں۔ یہ لاک ڈاؤن کی وجہ سے بہت سے مثبت امور ہوئے کہ گھروں میں ..... ایک دوسرے کی خامیاں دور کرنے کا وقت ملا ہے۔ ایک دوسرے کے قریب آنے کا، ان کو جاننے کا وقت ملا ہے۔ اللہ کے حضور اپنے گناہوں کی معافی کا وقت ہے اللہ پاک کی نعمتوں کو جاننے کا وقت ہے۔ ہم یہ بھی دیکھ رہے ہیں کہ کتنی بری رسموں، باتوں اور فضول قسم کی چیزوں کا بھی خاتمہ ہو رہا ہے۔ لوگوں میں شعور بھی آ رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ اس وبا کا خاتمہ جلد اور بخیر ہو تمام عالم انسانیت، تمام مسلمان اور تمام اہل وطن کے لیے اب اچھی اور خوشی کی خبریں ہوں سب خیر و عافیت سے رہیں اور اپنے دین پر چلتے ہوئے زندگی گزاریں باقی تبصرہ مکمل رسالہ پڑھنے کے بعد کروں گی۔'' (بہت شکریہ میری بہن، آپ کی دعائیں اور پُرخلوص گفتگو یقیناً حوصلہ بڑھاتی ہیں۔ اسی طرح رائے سے نوازتی رہیں)

✿ حمیرا انجم وحید، واہ کینٹ سے۔ ''نیا انداز انٹرویو کا بہت اچھا لگا۔ شازیہ کریم سے آپ نے ملاقات کروائی جو کافی دلچسپ گفتگو رہی پڑھ کر مزہ آ گیا۔ سلسلے وار ناول اچھے جا رہے ہیں۔ آپی طیبہ عنصر کے افسانے اچھے اور معیاری ہوتے ہیں (جی بالکل)۔ میں شوق سے پڑھتی ہوں (اچھی بات ہے) باقی افسانے بھی اچھے تھے۔ (جی سبھی رائٹرز محنت اور لگن سے لکھتی ہیں) میرا پسندیدہ سلسلہ بزم پاکیزہ ہے جو میں شوق سے پڑھتی ہوں۔ عید کے موقع پر پلیز اپنے اردگرد رہنے والے افراد کو بھی اپنی خوشیوں میں شامل رکھیں اگر کوئی ایسی فیملی جو اپنے اور اپنے بچوں کے وسائل کے کمی کے باعث ضروریات زندگی پوری نہیں کر پا رہے تو جہاں اپنے بچوں کے لیے اچھے کپڑے اور جوتے لیں وہاں اپنے اردگرد رہنے والی کسی غریب فیملی کو بھی شامل کر لیں تو یقین جانیے آپ کی اپنی خوشیاں دگنی ہو جائیں گی اور کسی کے بچوں کے چہرے پر رونق بکھر جائے گی (بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں) پاکیزہ کے تمام قاری اور لکھاریوں کو میری جانب سے عیدالاضحیٰ بہت بہت مبارک۔ اللہ پاک ہماری خوشیاں ہمیں واپس لوٹائے اور اس وبا سے ساری دنیا اور ہمارے ملک پاکستان کو اس سے نجات دلائے۔ آمین'' (الٰہی آمین، اللہ پاک ہر طرف امن و سکون رکھے، تبصرے کا شکریہ)

✿ فریدہ فری۔ لاہور سے۔ ''پچھلے دنوں طبیعت کافی خراب تھی۔ لاک ڈاؤن کی وجہ سے مری بھی نہیں جا سکی۔ بس آپ سب مجھے دعاؤں میں یاد رکھیں۔ سب کو سلام۔ اختر شجاعت صاحبہ، عذرا رسول، انجم انصار سب کو سلام۔ ڈاکٹر کہتے ہیں آرام کریں، اچھی آب و ہوا میں وقت گزاریں۔ میں سب کو بہت یاد کرتی ہوں۔'' (اللہ پاک آپ کو صحت دے۔ سب بہنیں آپ کے لیے دعائیں کرتی ہیں۔ آپ اسی طرح اپنی شاعری بھیجتی رہیں۔)

✿ تہمینہ عباسی، بہاول پور سے۔ ''سمجھ نہیں آ رہا بات کی ابتدا کہاں سے اور کیسے کروں؟ دل غم سے بوجھل ہے..... طیارہ حادثے میں شہید ہونے والوں میں ہماری بے حد قابل احترام رائٹر اور شاعرہ ہما بیگ کا اکلوتا بیٹا بھی شامل تھا۔ آنکھیں یہی سوچ کر بار بار نم ہو جاتی ہیں کہ ایک ماں سے اظہار تعزیت کیسے کیا جائے؟۔۔۔ اس ماں کا دکھ کیسے بانٹا جائے جس کا جواں سال اکلوتا بیٹا انہیں ابدی جدائی دے گیا۔ دلاسے کے لیے کہے جانے والا کوئی بھی لفظ ہما بیگ کے غم کا مداوا نہیں کر سکتا۔ ایک ناقابل برداشت صدمہ ہے جو انہیں سہنا پڑا ہے۔ سراپا دعا گو ہوں کہ اللہ پاک ان کو صبر جمیل اور جانے والے کو بہشت کے اعلیٰ مراتب عطا فرمائے۔ آمین۔ اب آتی ہوں باقی شمارے پر تبصرے کی جانب۔ لاک ڈاؤن کے باعث بچوں کی آن لائن اسٹڈیز نے اچھا خاصا مصروف کر رکھا ہے لیکن پاکیزہ ہاتھ میں آتے ہی ہر طرح کی مصروفیت میں سے کچھ نہ کچھ وقت اس کے مطالعے کے لیے نکال ہی

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

لیا۔ کچھ کہنا ہے میں ہماری پیاری مدیرہ نزہت آپی کو پڑھا، ہمیشہ کی طرح ان کا لفظ لفظ بے حد موثر اور فکر انگیز سوچوں پر مبنی تھا۔ دین کی باتیں اور آنحضرت ﷺ کے اسمائے گرامی پڑھنے کے بعد ہر بار بے ساختہ ہی دل سے آپ سب کے لیے اور قیصرہ حیات آپی کے لیے بہترین اجر کی دعا نکلتی ہے۔ (جزاک اللہ) بشریٰ ماہا کا ناولٹ ''گزرے کیسے پل'' عمدہ انداز بیاں کے باعث ایک اچھی تحریر لگی لیکن اختتام میں جانے کیوں کچھ تشنگی سی محسوس ہوئی جس کے بارے میں ایک ناقص سی رائے کی جسارت کر رہی ہوں کہ شاہ زیب کی بے وفائی کے بعد فیضان اور عشیہ کی ایک ملاقات میں عشیہ کا مایوس کن رویہ دکھا دیا جاتا تو اختتام زیادہ جاندار لگتا۔ کنیز نور علی کا افسانہ ''دل کے اندر بھی ہے رستہ'' ایک منفرد موضوع پر لکھی گئی خوبصورت تحریر لگی۔ ''آبِ نیساں'' میں ناہید سلطانہ جی نے اپنے لفظوں سے خوب رنگ جمایا۔ بچپن کی بہت سی یادیں تازہ ہو گئیں۔ عیدوں کی رونقیں، اور وہ رشتے داروں کا پُرخلوص ہو کر ایک دوسرے سے ملنا ملانا اور بہت عمدگی سے اس تلخ حقیقت پر روشنی ڈالی کہ آج کے عجیب نفسا نفسی کے دور میں رشتوں میں اپنائیت و محبت خواب و خیال ہو کر رہ گئی ہے۔ ''رشتے تو آبِ نیساں ہوتے ہیں۔ موسم بہار کی بارش کے وہ قطرے جن سے سیپ میں موتی بنتے ہیں۔'' آخر میں تحریر اس جملے پر بے اختیار ''واہ'' کی صورت میں دادِ نوکِ زباں پر آ پہنچی۔ طیبہ آپی کا افسانہ ''میرے ہمسفر'' پڑھ کر خوب لطف آیا۔ سالگرہ نمبر کی مناسبت سے یہ افسانہ ہلکا پھلکا اور لاجواب تھا۔ فرحین اظفر کی ''عورت کہانی'' میرا پسندیدہ ترین سلسلہ ہے۔ ان کے لکھے ہر جملے اور ہر موضوع میں ہر مرتبہ ہی مقصد و معنی کا ایک جہان ملتا ہے۔ ہر تحریر تراشے ہوئے ہیرے سی خوبصورت ہوتی ہے۔ اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ۔ آمین۔ فرحی نعیم کی تحریر ''چھوٹی سی تمنا'' ہاجرہ ریحان کی کہانی ''عزت دار'' اور شمر کاظمی کی کاوش ''تم عشق ہمارا ہو'' بھی خوب رہیں۔ اب سلسلے وار ناولز کی بات ہو جائے تو ابھی صرف ''میں عشق ہوں'' ہی پڑھ پائی ہوں اور یہ ناول بلاشبہ نایاب جیلانی کی ایک عمدہ ترین تخلیق ہے۔ تفصیلی تبصرہ مکمل ہونے پر لکھوں گی۔ انشاء اللہ۔ ''ایک سجدہ'' اور ''میں انمول'' پر تبصرہ بھی ادھار رہا۔ ''میں اکثر گنگناتی ہوں'' کے تمام اشعار پسند آئے۔ شمع ہدایت ایک انمول اور بے مثال سلسلہ ہے جسے پڑھ کر ایمان کو تازگی ملتی ہے۔ آسیہ عامر جی کو بیٹے کا حفظ قرآن مکمل ہونے پر مبارکباد۔ یہی خوشی مجھے بھی اپریل میں نصیب ہوئی۔ میری بیٹی نے بھی الحمدللہ قرآن پاک حفظ کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ آخر میں دعا ہے کہ اللہ بزرگ و برتر، پاکیزہ اور اس سے وابستہ سب ہی افراد پر اپنی رحمتوں کا نزول جاری و ساری رکھے۔ آمین۔ (بہت شکریہ بھرپور تبصرے کے لیے، بیٹی کے لیے ڈھیروں دعائیں)

✉ وردہ بخاری، اسلام آباد۔ مختصر خط کا شکریہ..... جی آپ کی کہانی کام اور کرونا قابلِ اشاعت ہے جلد لگے گی۔ تبصرہ بھی ضرور بھیجیں۔

✉ عالیہ حرا، کراچی سے۔ ''اللہ آپ سب پر اپنا فضل رکھے۔ ان تمام ریڈر، رائٹر کے دکھ میں برابر کی شریک ہوں جو عذاب الٰہی کرونا سے گزرے..... اٹر کریش میں جن کے پیارے گئے۔ اللہ ان سب بہنوں کو صبر کامل عطا فرمائے، آمین۔ زخم بھر جاتے ہیں گھاؤ نہیں بھرتے۔ بھلے وقت صدیوں ان کی پیوند کاری کرتا رہے۔ تمام بیماروں کو تندرستی عطا فرمائے، آمین..... دیکھتی آنکھوں سنتے کانوں کو رقت آمیز انداز میں طارق عزیز کا پیار بھرا الوداعی سلام قبول ہو۔ طارق عزیز جیسے لوگ صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں اور جاتے ہوئے دلوں میں انمٹ نقش چھوڑ جاتے ہیں۔ (بے شک) دل بہت اداس ہے۔ ملک کی صورتحال دیکھ کر اطراف کے لوگوں کو دیکھ..... ہم گریہ کس سے کریں کہاں شنوائی ہے بس دل کو سنبھالیں۔ میں انمول، سعدیہ رئیس بہت اچھی تحریر جاری رہی ہے۔ ایک سجدہ، میں عشق ہوں۔ عورت کہانی اور باقی سب تحریریں بھی اچھی تھیں۔ شمع ہدایت کو ہمیں اپنی زندگی میں شامل کرنا چاہیے۔ لمحہ فکریہ بنا کر۔'' (بہت شکریہ مختصر خط کا بہت دنوں بعد تمہاری تحریر پڑھنے کو ملی، اب آتی رہنا)

✉ شمیم فضل خالق، پشاور سے۔ ''پاکیزہ ملا، بہت شکریہ..... میرا افسانہ کب لگے گا۔ (جی ان شاء اللہ اگلے ماہ) لاک ڈاؤن کی وجہ سے چیزیں لیٹ ہوگئی ہیں بس کوشش کر رہے ہیں کہ سب کچھ معمول پر آجائے الٰہی آمین۔) ہما بیگ کو میری طرف سے تعزیت کر دیں کہ اس کے غم میں برابر کی شریک ہوں۔ یہ ایسا دکھ ہے کہ جس کا ازالہ ممکن نہیں..... خدا اس کو صبر دے، آمین۔ ان تک میرے دلی جذبات ضرور پہنچا دیں۔'' (جی بالکل آپ کی تعزیت ہما بیگ تک پہنچا دی گئی ہے اور وہ شکریہ بھی ادا کر رہی ہیں۔ جزاک اللہ شمیم آپا)

✉ انجم مشیر، کراچی سے۔ گزشتہ چند ماہ کے حالات جو بھی ہوئے اس میں تو پاکیزہ کی کمی شدت سے محسوس ہوئی۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

سال جولائی میں میری والدہ مجھے داغ مفارقت دے گئیں بس ابھی تک اسی سانحے سے نکل نہیں پائی ہوں۔ ایک لمبے وقفے کے بعد رسالہ دیکھا تو سب کی یاد شدت سے ستانے لگی۔ عذرا صاحبہ کو بھی سلام اور آپ سب کی خیریت کی بھی طلب گار ہوں۔ (شکریہ، الحمدللہ سب خیریت ہے باقی حالات تو آپ کو پرچے سے معلوم ہو گئے ہوں گے۔ اللہ پاک آپ کو صبر دے اور والدہ کی مغفرت ہو)۔ نزہت آپ ہما بیگ سے ان کے بیٹے کی المناک ڈیتھ پر میری طرف سے ضرور تعزیت کر دیجئے گا۔ اللہ پاک انہیں صبر جمیل عطا کرے اور ان کے بیٹے کی آخرت کی منزلیں آسان ہوں۔ الٰہی آمین! دل بہت دکھی ان شاء اللہ اگلے ماہ باقاعدگی سے تبصرہ لکھوں گا۔ (جی ضرور لکھیں..... اللہ پاک ہم سب کو ناگہانی آفات سے بچائے۔ الٰہی آمین)

بھوعا تکہ خضر حیات، تونسہ شریف سے۔ آپی بھاط بہت بہترین تبصرہ تھی، سارا رنگ اتار دو، تو ہے ہی میرا پسندیدہ ناول۔ ماہ مارچ میں سعدیہ حبیب کا انٹرویو پڑھا بہت باہمت لڑکی ہیں۔ اس دفعہ کچھ تشنگی سی تھی انٹرویو میں، محفل میں انجم باجی کا خط پڑھ کر بہت خوشی ہوئی تھی۔ (آپ کی خوشی کے لیے تو انہوں نے لکھا تھا، انٹرویو میں ضروری امور پر گفتگو ہوئی تھی) محترمہ ہما بیگ صاحبہ ان کے شوہر اور بیٹیوں کو تسلی دینے کے لیے الفاظ ساتھ نہیں دے رہے۔ اللہ اس بچے کی مغفرت فرمائے اور والدین اور اہل خانہ کو صبر جمیل عطا کرے۔ آسیہ عامر کو بہت مبارکباد بیٹے جنید کے حافظ بننے پر۔ اللہ قرآن کو سینے سے لگا کر عمل کرنے کی بھی توفیق دے، آمین۔ بہت خوشی ہوئی۔ (مختصر خط کا شکریہ اسی طرح حوصلہ بڑھاتی رہا کرو)

پیاری بہنو! اب محفل کا وقتی اختتام کرتے ہیں۔ جن بہنوں کے خلوص بھرے نامے رہ گئے ہیں ان شاء اللہ اگلے ماہ وہ شامل کرلیں گے۔ پرچے کی اشاعت کی تاریخیں آگے پیچھے ہوئی ہیں تو قارئین سے گزارش ہے کہ رواں پرچے پر ہر ماہ کی 16 سے 18 تاریخ تک لازمی تبصرے بھیج دیا کریں جبکہ دیگر نگارشات کسی بھی وقت بھیجی جاسکتی ہیں۔ لفافہ ایک استعمال کرسکتے ہیں مگر صفحات الگ، الگ رکھا کریں۔ امید ہے بہنیں تعاون کریں گی۔

اے بہترین درگزر کرنے والے اے وسیع مغفرت کرنے والے اے بے حساب عطا کرنے والے، اے ہمارے رازداں، ہمیں استحقاق سے پہلے نعمتیں دینے والے، اے ہمارے رب دنیا و آخرت کی منازل آسان کرنا اپنے حبیب پاکؐ اور ان کی آلؑ پاک کے صدقے میں اس ناگہانی آفت سے ہمیں بچالے۔ الٰہی آمین اے شک توبی دعاؤں کا مستجاب کرنے والا ہے۔

آپ کی خیریت کی طالب..... نزہت اصغر

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

چند گزارشات عرض ہیں

1۔ تمام لکھنے والوں اور تبصرہ کرنے والوں کے لیے لازمی ہے کہ صاف اور واضح لکھائی میں لکھیں۔ 2۔ اپنا نام و پتا رابطہ نمبر ضرور لکھیں۔ 3۔ خط کتابت کے لیے دو پتے دیے جاتے ہیں ایک دفتر کی بلڈنگ کا ایڈریس دوسرا پوسٹ بکس نمبر..... یہ آپ سب کو معلوم ہونا چاہیے کہ پوسٹ بکس نمبر پر رجسٹرڈ پوسٹ نہیں جاتی یہ آپ کے علاقے کے ڈاک خانے کے عملے کو معلوم ہے اور انہیں آپ کو ضرور آگاہ کرنا چاہیے۔ 4۔ کوریئر یا رجسٹری کرنا ہو تو دفتر کا پتا لکھا کریں تاکہ ڈاک بہ آسانی پہنچ جائے ورنہ پوسٹ بکس سے پہنچ تو جاتی ہے مگر بہت دن لگ جاتے ہیں اس لیے خوب دیکھ بھال کر سوچ سمجھ کر ڈاک روانہ کیا کریں۔ عام ڈاک تو پوسٹ بکس پر پہنچ جاتی ہے مگر رجسٹری نہیں رسید کو اپنے پاس سنبھال کر رکھیں تاکہ بوقتِ ضرورت کام آسکے۔ 5۔ اپنی نگارشات بھیجنے کے ہفتہ دس دن بعد درج ذیل نمبروں پر رابطہ کرکے معلوم کیا جاسکتا ہے۔

ڈائریکٹ نمبر 02135386783 صبح 10 بجے سے شام 5 بجے۔ 02135802552 Ext 107-122 صبح 10 سے شام 5 بجے۔ 02135895313 Ext 107-122

موبائل نمبر۔ 03316266612 صبح 11 بجے سے شام 4 بجے فون کریں میسج کسی بھی وقت send کرسکتی ہیں۔

جوابی ٹیکسٹ کا انتظار کریں۔ جواب ضرور دیا جاتا ہے اگرچہ کچھ دیر سے ہی سہی۔ امید ہے ہماری پیاری اور بے حد سمجھدار بہنیں ان وضاحتوں کو خوب اچھی طرح سمجھ گئی ہوں گی۔ اب دفتر کا پتا بھی نوٹ فرمالیں محفل کے آغاز میں پی او باکس اور ای میل ایڈریس واضح لکھ دیا گیا ہے۔

مدیرہ ماہنامہ پاکیزہ۔ 63.c فیز III ایکسٹینشن، ڈیفنس۔ مین کورنگی روڈ۔ کراچی۔ پوسٹ کوڈ 75500

پاکیزہ ڈائری

آمنہ حماد

حمد باری تعالیٰ جلّ جلالہٗ

اس سے پہلے کہ یہ دنیا مجھے رسوا کردے
تو مرے جسم، مری روح کو اچھا کردے
کس قدر ٹوٹ رہی ہے مری وحدت مجھ میں
اے مرے وحدتوں والے مجھے یکجا کردے
یہ جو حالت ہے مری میں نے بنائی ہے مگر
جیسا تو چاہتا ہے اب مجھے ویسا کردے
میرے ہر فیصلے میں تیری رضا شامل ہو
جو ترا حکم ہو وہ میرا ارادہ کردے
میرے لوگوں کو جہالت کے اندھیروں سے نکال
میرے بچوں کو مہ و مہر و ستارا کردے
ضائع ہونے سے بچالے مرے معبود مجھے
یہ نہ ہو وقت مجھے کھیل تماشا کردے
میری آواز تری حمد سے لبریز رہے
بزم کونین میں جاری مرا نغمہ کردے

کلام: سلیم کوثر

پسند: نگینہ ضیا، بنگش، کراچی

نعت رسول مقبول

کب اپنی طلب سے مجھے کم چاہیے مولیٰ
تو علم کا ہے شہر، قلم چاہیے مولیٰ
بوسوں کو عقیدت کے ملے آپ کی دہلیز
سجدوں کے لیے صحنِ حرم چاہیے مولیٰ
عصیاں کی ندامت سے ہوں میں سر بہ گریباں
رخسار کو اب دیدۂ نم چاہیے مولیٰ
نام آپؐ کا کافی ہے مرے کیسۂ دل میں
کب اور مجھے دام و درہم چاہیے مولیٰ
ہم پیرو سلمان و اویس قرنی ہیں
ہم سے بھی کوئی قول و قسم چاہیے مولیٰ
خواہش نہیں نصرت کو کسی جاہ و حشم کی
بس آپ کا الطاف و کرم چاہیے مولیٰ

کلام: نصرت زیدی، راولپنڈی

نذرانۂ عقیدت

بحضور سرور کونین حضرت محمد مصطفیٰ

عشق نبیؐ نہ ہو اگر زندگی زندگی نہیں
زندگی بندگی میں ہے ورنہ تو زندگی نہیں
عشق نبیؐ میں ڈوب کر میں نے تو پالی روشنی
شکر کروں میں رب کا اب کوئی بھی تشنگی نہیں
ایک ہی دعا ہے صبح شام خواب میں ان سے ہو کلام
ایک ہی کام رات دن اس میں کوئی کمی نہیں
خواب میں گر وہ آئیں مرے جھک کر کروں انہیں سلام
پیش کروں درود بھی اس کے سوا تو کچھ نہیں
نور نبیؐ کو دیکھ لوں دل میں انہیں چھپا بھی لوں
ایسا اگر نہ ہوسکے زندگی زندگی نہیں

کلام: ذکیہ بلگرامی

سچی باتیں

☆ لوگوں کو اسی طرف معاف کرو جیسے تم اپنے رب سے امید رکھتے ہو کہ وہ تمہیں معاف کرے گا۔ (قول حضرت علی کرم اللہ وجہہ)

☆ ضمیر ایسا ساتھی ہے جو ہمیشہ حق کی راہ دکھاتا ہے بشرطیکہ ہم نے اسے سُلا نہ دیا ہو۔

از: حرا، میرپورخاص

خلوصِ نیت سے دعا

☆ یا اللہ مشکل کی اس گھڑی میں ہمیں استقامت و حوصلہ عطا فرما اور اس وبا کا خاتمہ پوری دنیا

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

سے کردے، آمین۔

☆ استغفر اللہ سربلندی کا وظیفہ ہے اور الحمدللہ انعام یافتہ بندوں کا ورد..... اللہ کریم ہمیں ہر آن استغفار کی توفیق عطا کر۔

☆ اے اللہ رب العزت ہمیں باعمل بنا، دین حق کی سمجھ بوجھ عطا کر، ہدایت دے دے، ہمیں نفس کی پیروی سے بچا اور ہماری آخرت کی منزلیں آسان فرما، الٰہی آمین۔

از: فصیحہ آصف خان، ملتان

بزرگوں کے فرمان

۱۔ سائل کو ہرگز نہ جھڑکو جو میسر ہو دے دو، نہ ہو تو نرمی سے منع کردو۔ برا بھلا مت کہو۔ (شیخ فریدالدین شکرگنج)

۲۔ دعا مانگتے وقت کسی گناہ یا اطاعت کا خیال دل میں لانے کے بجائے خدا کی رحمت پر نظر رکھنی چاہیے۔ (خواجہ نظام الدین رحمتہ اللہ)

۳۔ معاف کردینا غصہ پی جانے سے بہتر ہے معاف کردو جو غصہ پی جائے معاف نہ کرے ممکن ہے اس کے دل میں کینہ جڑ پکڑے۔ (خواجہ نظام الدین رحمتہ اللہ)

۴۔ ہر کام کا بدلہ ہر حال میں ملتا ہے، اچھے کام کا بدلہ جزا، برے کام کا بدلہ سزا۔ (بندہ نواز گیسو دراز رحمتہ اللہ)

۵۔ بزرگ کہتے ہیں تیرے حال میں تیرا حصہ اتنا ہی ہے جتنا تو نے آخرت کے لیے صدقہ وخیرات کردیا ہے جو تو نے خود پر خرچ کیا وہ ختم ہوگیا جو دنیا میں چھوڑا وہ تیرے وارثوں کا ہے۔

از: زرینہ خانم لغاری، مظفرگڑھ

ماں

لفظ ماں ذہن میں آتے ہی ایک خوب صورت محبت کرنے والی بچوں کے لیے اپنی جان تک لٹانے والی ہستی کا تصور ذہن میں آجاتا ہے۔ دنیا کے مختلف لوگوں نے ماں کو الگ، الگ الفاظ اور الگ، الگ چیزوں سے تشبیہہ دی ہے میرا خیال ہے دنیا میں صرف ماں کی محبت ہی سچی ہے باقی ہر محبت میں انسان کی اپنی غرض شامل ہے۔

آج کے اس مشینی دور میں کسی کے پاس اتنا وقت ہی نہیں ہے جو وہ اپنی سچی محبت کا اظہار کرسکے سوائے ایک ماں کے جو بنا کسی صلے یا بدلے کے اپنے ہر بچے پر اتنی ہی محبت لٹاتی ہے پھر بھی اس کا خزانہ خالی نہیں ہوتا۔ ایک ماں اپنے دس بارہ بچوں کو بھی پال پوس کر دنیا میں جینے لائق بنادیتی ہے اور آخر یہ ہوتا ہے کہ وہ دس بارہ بچے بھی اس ایک ماں کا سہارا نہیں بن پاتے۔

اے ماں تیری عظمت کو لاکھوں سلام۔

از: فریدہ فضل، ڈیلاس یو ایس اے

غزل

یہ عجب دور ہے اپنوں کو وفا یاد نہیں
نغمہ و حسن و محبت کی ادا یاد نہیں
فتنۂ کام و دہن کا ہے وہ جادو ہمدم
کہ محبت بھرے افسوں کا مزہ یاد نہیں
مصنوعی الفت و احساس نمایاں ہر سو
دلِ عُشّاق کو جینے کا مزہ یاد نہیں
نہ کہیں حسن و جمال و رہ کردار نصیب
دل کو اب کوئی بھی الفت کی ادا یاد نہیں
دلِ مخفی سے کوئی آج یہ پوچھے آکر
مُشتِ خاکی ہے یہ احساس ذرا یاد نہیں

کلام: فریدہ ہاشمی مخفی، کراچی

یہ کیسا وقت آگیا ہے

یہ کیسا وقت آگیا ہے
رشتوں کی صداقتیں ختم ہورہی ہیں
نازک اور سچے خیالات کو سمجھنے والا کوئی نہیں ہے
کیا جذبات کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے؟
ہر شخص اپنے نفس کا غلام ہوگیا ہے
خونی رشتے بھی مجبوریوں کے بندھن کو نباہ رہے ہیں
انسانی لہو اتنا ارزاں کیوں ہوگیا ہے
پیار و محبت کے اوصاف ماضی کے دھندلکوں میں کھوگئے ہیں

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

یہاں تو مروت کی قدر بھی آخری سانس لے رہی ہے
رویّوں میں عجب تلخی آ گئی ہے
کیا یہی منصبِ آدمیت ہے؟

از: رخسانہ کوثر، فیصل آباد

سنہری کرنیں

☆ تعجب ہے اپنی جہالت سے کوئی بھی مطمئن نہیں اور اپنی عقل سے ہر کوئی مطمئن ہے۔

☆ کچھ چیزیں قسمت سے نہیں دعاؤں سے ملتی ہیں.....اور دعائیں کمانا پڑتی ہیں۔

☆ دعاؤں کی تلاش میں نکلا جاتا ہے، کسی ایسے کی مدد کرکے کہ جس سے تمہیں صلے کی کوئی تمنا نہ ہو۔

☆ دعاؤں کی تلاش میں نکلا جاتا ہے کسی یتیم و یسیر کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہ جن سے تمہیں بدلے میں کچھ نہ چاہیے ہو۔

☆ دعاؤں کی تلاش میں نکلا جاتا ہے.... کسی سفید پوش کی خبر گیری کرنے کو کہ جو اپنے پروردگار کی جانب سے غیبی امداد کا منتظر ہو۔ خدا ہم سب کو دعائیں سمیٹنے والا بنائے رکھے.....آمین۔

☆ حکم تو نفس مارنے کا تھا افسوس لوگوں نے ضمیر کو مار دیا۔

از: سباس گل، رحیم یار خان

خوب صورت بات

☆ چار خوبیاں انسان کو باکمال بنا دیتی ہیں۔

۱۔ ٹھنڈا دماغ۔
۲۔ میٹھی زبان۔
۳۔ نرم دل۔
۴۔ چہرے پر مسکراہٹ۔

☆ سب سے زیادہ وفادار ہوتی ہیں۔ بھلا کون؟ یادیں اور کتابیں۔

از: حدیث اختر، حاصل پور

غزل

پہلے لگا کہ دل یہاں مرا اداس ہے
پھر یہ کھلا کہ سارا زمانہ اداس ہے
یہ آنکھ تیرے نام تھی یہ شام تیرے نام
اب میں اداس ہوں یا ستارہ اداس ہے
ہر شخص اپنے ساتھ لیے پھرتا ہے جہاں
ہر شخص اپنے آپ میں تنہا اداس ہے
کرنے چلی ہوں تازہ محبت کی رسم کو
کچے گھڑے کو دیکھ کر دریا اداس ہے
پاگل ہوا نے رات چراغوں سے یہ کہا
اس کے بغیر چاند بھی کتنا اداس ہے

کلام: تمثیلہ لطیف، پسرور

اظہار خیال

کچی عمر کے کچے خواب
کرتے ہیں یہ کتنا خراب

☆☆☆

کتنے دلدل کتنے جنگل
میری ذات کے اندر
کتنے صحرا کتنے سمندر
میری ذات کے اندر

شاعرہ: افتخار شوق، میاں چنوں

نظم

آؤ خود کلامی کرتے ہیں
اپنی ذات کے ان پہلوؤں پہ
بات کرتے ہیں
جو مخفی ہیں سبھی سے
اور خود ہم سے
چلو ہم بات کرتے ہیں
دلوں کو جوڑنے
اور توڑتے رویّوں کی
جنہیں ہم لاشعوری کوششوں سے
بھولنے کی بات کرتے ہیں
وہ سب موجود ہوتا ہے
تمہارے اور میرے من کے اندر
کبھی جو زہر بن کر یہ نکلتا ہے
کبھی اک نرم چاہت کی

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

کبھی بوچھاڑ کی صورت
کبھی ٹھلتے گلابوں سا
نرم و نازک یہ احساس ہوتا ہے
کبھی روح پر پڑے
بے ساختہ آبلوں کے مانند
ہماری روح و دل کی یہ سبھی باتیں
نہ کسی سے کہہ پاتے ہیں
اور نہ یہ کہنا چاہتے ہیں
وجہ اس کی بھی اہم ہے
دلوں میں بغض، کینہ
اور یہ نفرت جب کبھی
حد سے سوا ہو تو
تبھی ہم بلبلاتے ہیں
کبھی روتے رُلاتے ہیں
مگر نفرت کی آندھی سے
ہماری ذات خس و خاشاک کے مانند
جب بکھرتی ہے کبھی اندر سے
اک آواز آتی ہے
چلو آؤ خود کلامی ہم بھی کرتے ہیں
کہ شاید اپنی آواز کی بازگشت سے
دلوں پر برف کے مانند جمی
یہ بے حسی پگھلے

شاعرہ: نبیلہ خان، پشاور

اشارۂ محبت

کبھی مصروف لمحوں میں
اچانک دل جو دھڑکے تو
کبھی بے چین سی ہو کر
اگر ہر سانس تڑپے تو
کوئی آتش سی تن من میں
اچانک جل کے بھڑکے تو
سمجھ لینا محبت کا اشارہ ہے
تمہیں ہم نے پکارا ہے

انتخاب: فصیحہ آصف، ملتان

چٹ پٹیاں

ٹوتھ برش کا بہترین استعمال

۱۔ پہلے اس وقت تک اس برش سے دانت صاف کرتے رہیں جب تک کے آپ کے مسوڑھے چھل نہ جائیں۔

۲۔ پھر اسے سر کے بال رنگنے کے لیے استعمال میں لے آئیں۔

۳۔ جب اس کام کا بھی نہ رہے تو پھینکنے کی ضرورت نہیں اس سے ازار بند ڈالنے کا کام لیں۔

۴۔ جب اس کام کا بھی نہ رہے تو گملے کی مٹی کھودنے کے لیے تو کام آ ہی جائے گا۔ یاد رکھیں یہ برش دکاندار نے مفت کا نہیں دے دیا تھا بلکہ پیسے لیے تھے بھائی۔

از: حدیث اختر، حاصل پور

نمکین غزل

یہ تری زلف کا کنڈل تو مجھے مار چلا
جس پہ قانون بھی لاگو ہو وہ ہتھیار چلا
پیٹ ہی پھول گیا اتنے خمیرے کھا کر
تیری حکمت نہ چلی اور ترا بیمار چلا
بیویاں چار ہیں اور پھر بھی حسینوں سے شغف
بھائی تو بیٹھ کے آرام سے گھر بار چلا
اُجرتِ عشق نہیں دیتا نہ دے بھاڑ میں جا
لے ترے دام سے اب تیرا گرفتار چلا
سنسنی خیز اسے اور کوئی شے نہ ملی
میری تصویر سے وہ شام کا اخبار چلا
یہ بھی اچھا ہے کہ صحرا میں بنایا ہے مکاں
اب کرایے پہ یہاں سایۂ دیوار چلا
اک اداکار رکا ہے تو ہُوا اتنا ہجوم
مڑ کے دیکھا نہ کسی نے جو قلمکار چلا
چھیڑ محبوب سے لے ڈوبے گی کشتی جیدی
آنکھ سے دیکھ اسے ہاتھ سے پتوار چلا

شاعر: اطہر شاہ خان جیدی
پسند: جمیلہ بلوچ، لوہی بلوچستان

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

کلیاتِ اقبال

میں اکثر گنگناتی ہوں

صغریٰ زیدی

☆حمنیٰ قندیل.....کمالیہ

غریب ماں اپنے بچوں کو پیار سے یوں مناتی ہے
پھر بنائیں گے نئے کپڑے، یہ عید تو ہر سال آتی ہے

☆رعنا مشتاق.....سرگودھا

عید اتری ہے آج آنگن میں
خوشی بکھری ہے آج ہر من میں
تحفۂ عید تم بانٹنا ایسے
کہ خوشبو پھیلے تمام گلشن میں

☆ساجدہ ظفر.....کمالیہ

انتظار یار بھی ہے خوشیوں کا تہوار بھی ہے
بچھڑنے کا غم بھی ہے، ملنے کی امید بھی ہے
خوابوں کی اے کاش کہ تعبیر مل جائے مجھے
تمہاری دید بھی ہے اور ہماری عید بھی ہے

☆ایمن رانی.....جنڈیوالہ

مکمل چاند ہو بہو تم جیسا تھا محسن
وہی حسن، وہی غرور، وہی دوری

☆فردوس شازیہ.....لاہور

سر چھپانے کی جگہ مانگو تو سر مانگتے ہیں
ربط باہم کے لیے خونِ جگر مانگتے ہیں
ہو سکے تم سے تو اخلاص کی کلیاں دے دو
زرد گوہر نہ کوئی شمس و قمر مانگتے ہیں

☆گل نواز بانو.....شاہدرہ

وہ شخص شہر کے لوگوں میں ڈھلتا جاتا ہے
کہ اس کی بات کا لہجہ بدلتا جاتا ہے

☆رحمت بی بی.....ڈی جی خان

مجھ پر اپنی کملی ڈال دے اے میرے لج پال
تورے دوارے رحمت مانگوں میں ثروت کنگال
جہاں بھی جاؤں آقاؐ تجھ کو اپنے سنگ ہی پاؤں
سورج چاند ستاروں میں بھی تجھ کو دیکھ کے آؤں

☆نادیہ.....راولپنڈی

کیا اطلس کمخواب سہیلی، کیا پہنے گی حریر
مٹی میں مل جائے گا کہ مٹی ہے شریر

☆عروبہ.....کوٹلی

شہرِ وفا میں ہر طرف سود و زیاں کا ہے شمار
لائیں گے اب کہاں سے ہم کوئی مثال شہر میں
خاک نشیں ترے تمام خانہ نشیں ہو گئے
چار طرف ہے اڑ رہی گردِ ملال شہر میں

☆سعیدہ بانو.....لوئر مال، مری

اتار دے جو کنارے پہ ہم کو کشتی و ہم
تو گرد و پیش کو گرداب ہی سمجھتے ہیں
تمہارے رنگ مہکتے ہیں خواب میں جب بھی
تو خواب میں بھی انہیں خواب ہی سمجھتے ہیں

☆مسز اکرم.....شہداد ٹاؤن لاہور

ہمارے شہر کے لوگوں کا اب احوال اتنا ہے
کبھی اخبار پڑھ لینا کبھی اخبار ہو جانا

☆حدیث اختر.....حاصل پور

وہ میرا اِک گمان کہ منزل تھا جس کا نام
ساری متاعِ شوقِ سفر اس میں گم ہوئی
دیوار کے سوا نہ رہا کچھ دلوں کے بیچ
ہر صورتِ کشائش در اس میں گم ہوئی

☆گلشا دنذیر.....اسلام آباد

چھینے گی جانے اور کیا، دکھاوے کی یہ آرزو
اب تلک تو چھن چکی شرم و حیا و سادگی

☆ماہ لقا خلیل.....کراچی

اب کوئی بات دل کو بھاتی نہیں
کتنا بے چین ہے دل یہاں تیرے بنا
تیرے سنگ ہر خوشی، ہر غم اچھا لگے
مری زندگی ہے اک دھواں تیرے بنا

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

☆جبین نیاز.....فیصل آباد

نہیں معلوم ہماری ذات میں کیا، کیا خرابی ہے
عدو کی لن ترانی بھی ہماری داستاں تک ہے
کلیم بے نوا کو کیا خبر افلاک پر کیا ہے
وہیں تک وہ تو دیکھے گا نظر اس کی جہاں تک ہے

☆عرشیہ جنید.....کراچی

اب اس کی فکر نہیں سامنے نہ آئیں وہ
نگاہِ شوق سے تصویر کھینچ لی ہم نے
وہاں کی فکر کریں کیوں گزر رہی جائے گی
یہاں تو خوب گزاری ہے زندگی ہم نے

☆شبانہ نواز.....ٹوبہ ٹیک سنگھ

میں اپنے ہاتھ سے دل کا گلا دبا دوں گی
میرے خلاف یہی سازشوں میں رہتا ہے

☆حمیرا انجم وحید.....واہ کینٹ

اپنی تو محبت کی بس اتنی کہانی ہے
ٹوٹی ہوئی کشتی ہے بپھرا ہوا پانی ہے
ایک پھول کتابوں میں دم توڑ چکا ہے
کچھ یاد نہیں آتا یہ کس کی نشانی ہے

☆فصیحہ آصف خان.....ملتان

فراقِ یار کی بارش ملال کا موسم
ہمارے شہر میں اترا کمال کا موسم

☆ارم کمال.....فیصل آباد

خواہشیں دل کا ساتھ چھوڑ گئیں
یہ اذیت بڑی اذیت ہے

☆زرمینہ خان.....بہارہ کہو

بہارِ حسن کو یوں جذب کرلوں دیدہ و دل میں
محبت میں مرا ذوقِ نظر معیار ہو جائے
مری آنکھوں میں چشمِ مست ساقی کا وہ عالم ہے
نظر بھر کر جسے بھی دیکھ لوں مے خوار ہو جائے

☆عروبہ ناز.....کوٹلی

عجب اصول ہیں اس کاروبارِ دنیا کے
کسی کا قرض کسی اور نے اتارا ہے
نہ جانے کب تک کہاں تھا مگر یہ لگتا ہے
یہ وقت پہلے بھی ہم نے کبھی گزارہ ہے

☆صائمہ سجاد بنگش.....کوہاٹ

یہ دو کنارے تو دریا کے ہو گئے ہم تم
مگر وہ کون ہے جو تیسرا کنارا ہے

☆دل شاد علی.....ڈی آئی خان

جس طرح میں نے تم کو چاہا ہے
کوئی چاہے تو بھول جانا مجھے

☆فضہ بتول.....بہارہ کہو

سائے لرزتے رہتے ہیں شہروں کی گلیوں میں
رہتے تھے انسان جہاں اب دہشت رہتی ہے

☆سنبل ملک.....شاہدرہ، لاہور

دیکھیے خون کی برسات کہاں ہوتی ہے
شہر پر چھائی ہوئی سرخ گھٹا ہے کب سے
کور چشموں کے لیے آئینہ خانہ معلوم
ورنہ ہر ذرہ ترا عکس نما ہے کب سے

☆نگینہ ضیا بنگش.....کراچی

یہ تو اک وہم جہاں ہے جو ادا ہوتی ہے
ورنہ سورج کی کہاں سالگرہ ہوتی ہے

☆انابیہ خان.....جرمنی

ہمارا زندہ رہنا اور مرنا ایک جیسا ہے
ہم اپنے یوم پیدائش کو بھی بری سمجھتے ہیں

☆راحیلہ جواد.....ٹنڈو محمد خان

گھرا ہوا ہوں جنم دن سے اسی تعاقب میں
زمین آگے ہے اور آسماں میرے پیچھے

☆ذیشان سلطان.....اندرون سندھ

برستی آنکھیں اسے جاتا دیکھتی ہی رہیں
وہ چند لمحوں میں سکھلا گیا تھا درسِ حیات

☆شبانہ نواز.....لیہ

دیارِ دل کی رات میں چراغ سا جلا گیا
ملا نہیں تو کیا ہوا وہ شکل تو دکھا گیا
جدائیوں کے زخم دردِ زندگی نے بھر دیے
تجھے بھی نیند آ گئی مجھے بھی صبر آ گیا

☆ناظمہ شاہین اعوان.....واہ کینٹ

اِک کرن تک بھی نہ پہنچی میرے باطن میں ندیم
سر افلاک دمکتے رہے تارے کیا، کیا

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

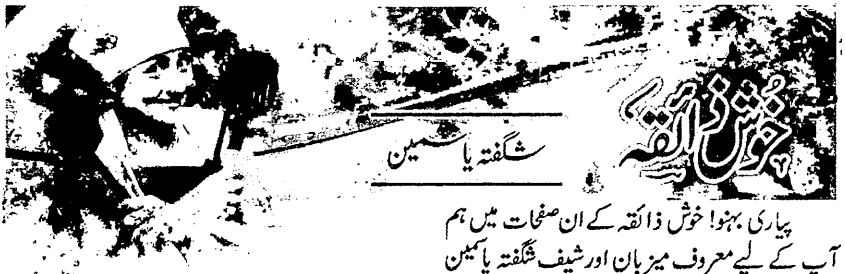

پیاری بہنو! خوش ذائقہ کے ان صفحات میں ہم آپ کے لیے معروف میزبان اور شیف شگفتہ یاسمین کے تیار کردہ کھانوں کی تراکیب بعنوان ''امی کی ریسپی'' لے کر آئے ہیں۔ (مدیرہ)

پتیلی تکہ

اشیا: چکن، مٹن یا بیف..... سرکہ، ایک کپ۔ نمک، حسب ذائقہ۔ زرد رنگ، دو چائے کے چمچ۔ دہی، ایک پاؤ۔ تکہ مسالا بازاری استعمال کرلیں یا گھر کا بنالیں۔ اگر یہ نہ بھی ہو تو محض پسی لال مرچ، کالی مرچ، اجینوموتو، پسا سفید زیرہ ملا کر مسالا بنالیں۔ کوئلہ دم دینے کے لیے۔ ایک کلو والی مرغی کے آٹھ پیس کروالیں۔ بوٹیوں پر چھری سے نشان لگائیں یعنی کٹس..... ایک پیالے میں سرکہ اور زرد رنگ شامل کریں اور چکن پیسز اس میں ڈپ کرکے دو گھنٹے کو رکھ دیں۔ اب ایک برتن میں دہی اور یہ مسالے مکس کرکے آمیزہ بنالیں اور اب سرکے میں سے چکن پیسز نکال کر اس آمیزہ میں اچھی طرح الٹ پلٹ کریں۔ پھر دو گھنٹے کو چھوڑ دیں۔ کھانا سرو کرنے سے آدھا پون گھنٹا پہلے ایک دیگچی میں یہ چکن رکھ کر ہلکی آنچ پر گلنے تک اور مسالا خشک ہونے تک پکائیں۔ اور آخر میں کوئلے کی دھونی دے دیں۔ ایک اور طریقہ یہ ہے کہ اوون ٹرے میں رکھ کر انہیں بیک کرلیں یا پھر ٹن فوائل میں لپیٹ کر پتیلی ہی میں ہلکی آنچ پر رکھ دیں مگر ایک گھنٹا ضرور دیں۔ اوون میں رکھیں تو پیاز، شملہ مرچ، ٹماٹر اور آلو بھی بیک کریں اور اس کے ساتھ سرو کریں۔ (بیف یا مٹن کے لیے وقت تھوڑا زیادہ ہوگا)

چکن ملائی تکہ

اجزا: چکن بون لیس ایک کلو۔ دہی، آدھا کپ۔ فریش کریم، آدھا کپ۔ پنیر (کوئی سا بھی)، دو کھانے کے چمچ۔ ادرک، لہسن، ہری مرچ کا پیسٹ، ایک کھانے کا چمچ۔ پسی ہوئی کالی مرچ، ایک چائے کا چمچ۔ قصوری میتھی، آدھا چائے کا چمچ۔ گرم مسالا ایک چائے کا چمچ۔ نمک، حسب ضرورت۔ لیموں کا رس، ایک چائے کا چمچ۔

ترکیب: چکن میں یہ سارے اجزا ملا کر دو گھنٹے کے لیے رکھ دیں۔ دو گھنٹے بعد چکن میں ایک کھانے کا چمچ کارن فلور اور دو کھانے کے چمچ تیل شامل کرکے اچھی طرح سے مکس کریں۔ وُوڈن اسٹک میں چکن کے ٹکڑے لگالیں۔ اگر اوون میں پکا رہی ہیں تو 180 ڈگری پر پکالیں۔ چولھے پر پکانے کے لیے پین میں بٹر، گھی یا تیل کا استعمال کریں۔ چکن کے ٹکڑے اس میں رکھیں، تیز آنچ پر ایک منٹ ڈھانک کر پکائیں۔ پھر آنچ کو کم کرکے چکن گلنے تک پکائیں۔ وقفے، وقفے سے چکن کو چیک کرکے پلٹتی رہیں۔ (بیف ہو تو گلنے کا وقت دیں)

آخر میں کوئلے کا دھواں دیں۔ مزے دار چکن ملائی تکہ تیار ہے۔

ہمیشہ یاد رکھیں امی کی ریسپی کیونکہ یہی ہے راز ہوم شیف بننے کا۔

گلاب جامن

اشیا: میدہ، 100 گرام۔ کھویا، 500 گرام۔ پانی، حسب ضرورت۔ کاجو، 50 گرام۔ پستہ، 50 گرام۔ زعفران، ایک چٹکی۔ گھی یا مکھن، حسب ضرورت (تلنے کے لیے) بیکنگ پاؤڈر، 1 ٹی اسپون

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

بادام، پستہ، کٹے ہوئے گارنشنگ کے لیے۔

شیرہ بنانے کے اجزا چینی، 1 کلو۔ پانی 2 سو ملی لیٹر، زعفران، 1 چٹکی۔ ہری الائچی، 4 سے 5 عدد۔ (دانے نکال لیں)

ترکیب ﴿ شیرہ تیار کرنے کے لیے ایک پین میں چینی، پانی، زعفران اور الائچی کے دانے ملا کر پانچ سے دس منٹ کے لیے پکائیں یہاں تک کہ چینی اچھی طرح حل ہو جائے۔ اب اسے چولھے سے اتار کر ایک طرف رکھ دیں۔ اب میدے میں کھویا ملائیں اور اس میں حسب ضرورت ٹھنڈا پانی شامل کر کے درمیانہ سخت گوندھ لیں پھر اس میں باریک کٹے ہوئے کاجو، زعفران اور پستے، بادام ملا کر گول پیڑے بنالیں۔ اب ایک کڑاہی میں مکھن یا گھی پگھلا کر اس میں درمیانی آنچ پر گلاب جامن فرائی کرلیں۔ یہاں تک کہ یہ گولڈن براؤن ہو جائیں۔ گلاب جامنوں کو شیرے میں ڈال دیں اور باریک کٹے ہوئے پستہ، بادام سے سجا کر گرم، گرم پیش کریں۔

سیب کی چٹنی

اشیا ﴿ کھٹے سیب، 1 پاؤ۔ کشمش، 50 گرام۔ ادرک پیسٹ، ایک کھانے کا چمچ۔ نمک، حسب ذائقہ۔ چینی، آدھا کلو۔

ترکیب ﴿ سیب کا چھلکا اتار کر کاٹ لیں پھر تھوڑے پانی میں سیب، کشمش اور ادرک ڈال کر ہلکی آنچ پر رکھ دیں دوسری دیگچی میں قوام تیار کرلیں۔ جب سیب گل جائیں تو انہیں پیس لیں اور قوام میں ڈال کر اچھی طرح پکائیں پھر ٹھنڈا کر کے شیشے کی بوتل میں رکھیں۔

از: رابعہ محمد عمر نائچ، شہداد پور

دھلی مٹن پلاؤ

اشیا ﴿ مٹن، آدھا کلو۔ چاول، آدھا کلو (بھگو دیں) پیاز، ایک عدد۔ (موٹی کاٹ لیں) چھوٹی الائچی، پانچ یا چھ عدد۔ ثابت گرم مسالا، ایک کھانے کا چمچ۔ سونف، ایک کھانے کا چمچ۔ دھنیا پاؤڈر، ایک کھانے کا چمچ۔ گرم مسالا پاؤڈر، ایک کھانے کا چمچ۔ نمک، حسب ذائقہ۔ سفید زیرہ، ایک کھانے کا چمچ۔ لہسن، ایک پوتھی (چھیل لیں) ادرک، ایک انچ کا ٹکڑا۔ زرد رنگ، چٹکی بھر۔ پانی، ڈھائی لیٹر۔ آئل، حسب ضرورت۔ دہی، ایک کپ۔ ہرا دھنیا، ہری مرچیں، حسب ذائقہ۔

ترکیب ﴿ مٹن میں پیاز، لہسن، ادرک، ثابت گرم مسالا، سونف، دھنیا پاؤڈر اور پانی ڈال کر ہلکی آنچ پر پکائیں یہاں تک کہ گوشت گل جائے اور یخنی تیار ہو جائے۔ یخنی کو چھان کر بوٹیاں الگ کرلیں۔ دیگچی میں آئل گرم کر کے الائچی کڑکڑائیں پھر بوٹیاں، نمک، دہی اور زیرہ ڈال کر بھونیں۔ اب اس میں یخنی شامل کردیں، ابال آنے پر چاول ڈال دیں۔ پانی خشک ہونے لگے تو گرم مسالا پاؤڈر اور زرد رنگ ڈال کر دم لگادیں۔ تیار ہونے پر ہرا دھنیا، ہری مرچیں کٹے لیموں کی گارنشنگ کر کے سرو کریں۔

از: ماہم شاہد، کراچی

مفید مشورے

☆ گرمیوں میں ٹماٹر گرمی کی وجہ سے خراب ہو جاتے ہیں ان کو زیادہ دیر تک تازہ رکھنے کے لیے ٹھنڈے پانی میں ڈال دیں آدھا گھنٹا رہنے دیں پھر ان کو نکال کر خشک کرلیں۔

☆ گرمیوں میں اکثر دہی کھٹا ہو جاتا ہے اس کھٹے دہی کو کسی ململ کے کپڑے میں ڈال کر پندرہ سے بیس منٹ کیل کے ساتھ لٹکا دیں پھر دودھ یا چینی ملا کر کھایا جاسکتا ہے۔

☆ سوجی کو ہلکا سا بھون کر رکھ دیں تو کیڑا نہیں لگے گا۔

☆ نیم گرم پانی میں لیموں نچوڑ کر کلی کرنے سے دانت سفید، صاف اور چمکدار ہوتے ہیں۔

☆ اگر پینٹ برش سوکھ جائے تو گھنٹا بھر گرم سرکے میں بھگو دیں۔

☆ ریفریجریٹر کے کسی خانے میں بدبو ہو جائے تو سوڈا بائی کارب ڈال کر صاف کریں۔

☆☆☆

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

بزمِ پاکیزہ

پاکیزہ بہنیں

پہلا انعام یافتہ سوال

☆نرگس نسیم.....صابہ موہڑہ

سوال ﴿جسم کے درد کی تو دوا مل جاتی ہے مگر غم کے درد کی کہاں سے ملے گی؟

جواب ﴿وہ بھی اللہ کی عطا سے مل جاتی ہے تلاش کرنے والی آنکھوں سے دیکھو۔

دوسرا انعام یافتہ سوال

☆مسز اکرام.....شہزاد ٹاؤن

سوال ﴿جو بیوی اپنے شوہر سے ڈرتی ہے وہی جنت میں جاتی ہے اور جو نہیں ڈرتی وہ.....؟

جواب ﴿اپنی بنائی جنت میں ہی قیام کرتی ہے۔

☆روحی صبا.....کراچی

سوال ﴿گماں نہ کر کہ مجھے جرأت سوال نہیں
فقط یہ ڈر ہے تجھے لاجواب کر دوں گی.....؟

جواب ﴿اب ہم اس کا جواب کیا دیں روحی۔

سوال ﴿میری سالگرہ والے دن مہمان تو سب آ گئے مگر افسوس کہ.....؟

جواب ﴿تحفہ کوئی نہ لایا۔

☆جینا.....کراچی

سوال ﴿بندر کیا جانے ادرک کا سواد.....اگر کسی سبزی والے نے ادرک کا بھاؤ پوچھنے پر کہہ دیا تو؟

جواب ﴿آئندہ گلی میں داخلہ بند۔

☆فردوس شازیہ.....لاہور

سوال.....کامیاب مرد اپنی بیوی کے خرچ سے زیادہ پیسے کمانے والے کو کہتے ہیں اور کامیاب عورت کسے کہتے ہیں؟

جواب ﴿کامیابی سے گھر اور شوہر کو چلانے والی۔

سوال ﴿میں اپنے سرتاج کی سالگرہ پر انہیں کون سا عجیب و غریب تحفہ دوں کہ وہ حیران رہ جائیں؟

جواب ﴿اب عجیب و غریب سے تو بیچارہ خوفزدہ ہی ہوگا حیران تو نہیں۔

☆زرینہ خانم لغاری.....مظفر گڑھ

سوال ﴿بہو کنواری تو ساس واری.....آ گئی گھر تو پرے مرے ایسا کیوں ہوتا ہے؟

جواب ﴿واہ کیا مصرعہ جمایا ہے.....ہاں بہن ہے تو افسوس کا مقام۔

سوال ﴿ہمیشہ دل ہی کو دل سے راہ کیوں ہوتی ہے؟

جواب ﴿دل ہی تو ہے جو سب کے لیے راہ ہموار رکھتا ہے۔

☆مریم بنت کاشف.....حیدر آباد

سوال ﴿چراغ تلے اندھیرا کیوں ہوتا ہے؟

جواب ﴿اب کے تم چراغ پلٹ کر پتا کر لینا۔

سوال ﴿امید ٹوٹنا کسے کہتے ہیں؟

جواب ﴿جیسے ہمیں تم سے عقل مندی کی امید تھی مگر افسوس.....

سوال ﴿سر پر پیر رکھ کر بھاگنے سے کیا مراد ہے؟

جواب ﴿بچپن میں پڑوسی کے گھر کی گھنٹی بجا کر جیسے بھاگا کرتی تھیں۔

☆نسرین یاسین.....لطیف آباد

سوال ﴿بس میں سفر کرتے ہوئے اکثر یہ لکھا دیکھا ہے جیب کتروں سے ہوشیار رہیں کیوں؟

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

جواب ﴾ آئے ہائے تمہیں یہ جملہ کیوں برا لگا۔

سوال ﴾ گھر کی مرغی دال برابر ہو تو پڑوسی کی مرغی کو کیا کہیں گے؟

جواب ﴾ پلاؤ، زردہ۔

سوال ﴾ ذرا یہ بتائیں شادی شدہ شریف ہوتا ہے یا کنوارہ؟

جواب ﴾ ایک کھلم کھلا شریف..... ایک چھپن چھپائی میں شریف۔

☆ حمیٰ قندیل..... ٹوبہ ٹیک سنگھ

سوال ﴾ گدھے کی عید کس دن ہوتی ہے؟

جواب ﴾ جس دن بھی منالے اسے کون منع کر سکتا ہے، کیا تم کر سکتی ہو۔

سوال ﴾ عید کے دن بیویوں کے چہرے کھلے، کھلے اور شوہروں کے چہرے مرجھائے، مرجھائے سے کیوں ہوتے ہیں؟

جواب ﴾ ایک طرف عیدی کی آمد..... دوسری طرف جیب کا خرچہ.....

☆ ایمن رانی..... کمالیہ

سوال ﴾ بڑے لوگوں کو چھوٹی عید کی مبارک باد کیسے دی جائے؟

جواب ﴾ آداب کہہ کر سر آگے جھکا دو، ہاں خالی بٹوا بھی دکھا دینا۔

سوال ﴾ دل دھک، دھک اور آنکھ چھپک، چھپک کب کرتی ہے؟

جواب ﴾ ارے بہن دل تو ہر وقت دھک، دھک کرتا ہے اور آنکھ بھی جھپکتی ہے، تم کیا چاہ رہی ہو۔

☆ فلک بنت ندیم..... حیدر آباد

سوال ﴾ ذرا جلدی سے باؤلی کھچڑی بنانے کا طریقہ تو بتا دیجیے؟

جواب ﴾ ہم نے آج ہی نام سنا ہے شاید تم نے کھا رکھی ہے۔

سوال ﴾ جہاز اڑانے والے کو ہوا باز کیوں کہا جاتا ہے؟

جواب ﴾ بیچارہ ہوا میں ڈرائیوری کرتا ہے۔

سوال ﴾ نادان کی دوستی جی کا جنجال کب بنتی ہے؟

جواب ﴾ کیا بتاؤں..... برا مت ماننا۔

☆ ساجدہ ظفر..... کمالیہ

سوال ﴾ عید آئی خوشیاں لائی، میاں نے دھوم مچائی۔ بھلا کس چیز کی؟

جواب ﴾ زیادہ عیدی نہیں ملے گی..... شور نہیں مچانا۔

سوال ﴾ کپڑے نئے، جوتے نئے، پرس نیا مگر..... پرانا ہی ہے بھلا کیا؟

جواب ﴾ اور کیا..... خوب صورت چہرہ۔

☆ حمیرا انجم وحید..... واہ کینٹ

سوال ﴾ سب سے بڑی دکھ کی گھڑی آپ نے کب محسوس کی؟

جواب ﴾ جب کسی اپنے ضرورت مند نے دستِ سوال دراز کیا تو اپنی بے خبری پر رونا آ گیا۔

سوال ﴾ کرونا وائرس کی وجہ سے دنیا کیوں پریشان ہے؟

جواب ﴾ کیوں بھئی، تم خوش ہو کیا۔

سوال ﴾ ساری دنیا پریشانی کے عالم میں ہے آپ اس بارے میں کیا کہنا چاہیں گی؟

جواب ﴾ ہمیں اپنے گناہوں کی رب سے سچے دل سے معافی مانگنی چاہیے۔

☆ نائمہ تحریم..... کراچی

سوال ﴾ کان کے کچے کن لوگوں کو کہتے ہیں؟

جواب ﴾ جن کے کان سے رس ٹپکے منہ سے نہیں۔

سوال ﴾ تیس مار خان کون تھے؟

جواب ﴾ بیچارہ جو کوئی بھی تھا..... تمہیں کیا مطلب۔

سوال ﴾ نہانے سے سو بیماریاں بھاگتی ہیں؟ نہ نہانے سے؟

جواب ﴾ یہ تو تمہیں زیادہ معلوم ہوگا۔

☆ نسیم منظر..... کراچی

سوال ﴾ میرے میاں نے مجھ سے پوچھا ہے کہ سورج اور بیوی میں کیا بات قدرے مشترک ہے؟

جواب ﴾ روشنی بکھیرنا اور نرم گرم مشترک خواص ہیں۔

☆☆☆

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

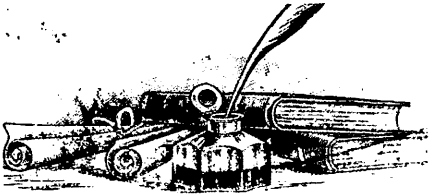

روحانی مشورے

ادارہ

قارئینِ کرام! آپ یقیناً اس سلسلے سے مستفیض ہو رہے ہوں گے۔ دعا کی اہمیت اور افادیت مسلّم ہے۔ دعا کو عبادت کی جان کہا گیا ہے۔ خود اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ ''مجھے پکارو، میں دعاؤں کو قبول کرتا ہوں۔''

اسی طرح دعا کی فضیلت قرآن کریم میں مختلف مقامات پر بیان کی گئی ہے۔

''(اے رسولؐ) جب میرے بندے میرا حال تم سے پوچھیں تو (کہہ دو کہ) میں ان کے پاس ہی ہوں اور جب کوئی مجھ سے دعا مانگتا ہے تو میں دعا کرنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں۔ پس انہیں چاہیے کہ مجھ پر ایمان لائیں۔''

دعا کا مانگنا درحقیقت اللہ کے حضور عاجزی کا اظہار کرتا ہے جو خدا کو بے حد پسند ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

''تم لوگ اپنے رب کو عاجزی سے اور پوشیدہ طور سے پکارو (یعنی اس انداز سے دعا کرو) بے شک وہ پسند نہیں کرتا حد سے تجاوز کرنے والوں کو اور فساد مت مچاؤ زمین میں' اس کی اصلاح (یعنی ایمان لانے) کے بعد اور اس (خدا) کو خوف و امید سے پکارو (یعنی اس حال میں اس سے دعا کرو) بے شک اللہ کی رحمت اہلِ احسان سے قریب تر ہے۔ اے رسولؐ آپ کہہ دیں کہ تم اسے (یعنی خدا کو) اللہ کے نام سے پکارو یا رحمان کہہ کر پکارو غرض جس نام سے پکارو کوئی فرق نہیں، سب اچھے نام اسی کے ہیں اور تم اپنی دعا کو نہ زیادہ بلند کرو اور نہ بالکل آہستہ بلکہ دونوں کی درمیانی راہ اختیار کرو۔''

ایک اور جگہ اسمائے مبارکہ کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

''اچھے نام خدا ہی کے خاص ہیں تو اسے انہی ناموں سے پکارو اور جو لوگ اس کے ناموں میں کفر کرتے ہیں انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو وہ بہت جلد اپنے کرتوت کی سزا پائیں گے۔''

پس! اللہ کے اسمائے مبارکہ کے ساتھ اللہ کو عاجزی سے پکاریے، اپنے دینی اور دنیاوی مسائل کے حل کے لیے بس اسی سے مدد مانگیے۔ اس یقین کے ساتھ کہ وہ دعاؤں کو سننے والا اور انہیں قبول کرنے والا ہے۔ وہی رب العزت ہے۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

رزق میں برکت اور کشادگی کے لیے

☆ فجر اور عشا کی نماز کے بعد اللہ کے اسم مبارکہ ''یارزّاق'' کا اول و آخر گیارہ بار درود شریف کے ساتھ 119 مرتبہ وِرد رزق میں برکت کا باعث ہے۔

☆ ''یاواسعُ'' کے کثرت سے ذکر سے مکان، دکان، باغ میں برکت اور رزق میں وسعت پیدا ہوتی ہے۔

☆ روزانہ ایک ہزار مرتبہ ''یاصمدُ'' کا ورد کرنا بھی رزق میں برکت اور کشادگی کا باعث ہے۔ اس کا ورد کرنے والے کو اللہ بھوک اور پیاس کی شدت سے محفوظ رکھے گا۔

☆ اگر کوئی شخص ہر روز گیارہ سو گیارہ (1111) مرتبہ اس اسم مبارکہ ''یامُغنی'' اور چالیس مرتبہ یا کم از کم گیارہ مرتبہ سورۂ مزمل پڑھے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے کثیر رزق عطا فرمائے گا۔

☆ مختلف روایات اور احادیث سے ثابت ہے کہ استغفار کا کثرت سے وِرد بھی رزق میں برکت اور تنگدستی سے نجات دلاتا ہے۔

☆حدیث شریف سے مروی اور بے حد آزمودہ عمل ہے کہ سورۂ واقعہ اور سورۂ مزمل کی تلاوت کو بعد نمازِ عشا معمول بنایا جائے تو رزق میں برکت ہوتی ہے۔

☆فجر کی نماز میں سنتوں اور فرض کے درمیان سو مرتبہ یہ دعا پڑھنا بھی احسن ہے۔

سُبْحَانَ اللّٰہ و بِحَمدہ سُبحان اللّٰہ العظیم وبحمدہ اَستغفرُ اللّٰہ

☆اگر کوئی شخص قرض کے بوجھ تلے دبا ہو تو ہر روز صبح شام یہ دعا پڑھے۔ بہ طور وظیفہ ستر مرتبہ اس دعا کو پڑھا جائے ہر نماز کے بعد۔

اَللّٰھم اکفِنِی بِحَلاَلِك عن حرامِك و اغنی بِفضلِك عَمّن سواك

☆ادائیگیِ قرض اگر استطاعت سے باہر ہو تو سورۂ تحریم کی بکثرت تلاوت کرنے سے اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس کے قرض کی ادائیگی کی صورت پیدا فرمادے گا۔

☆ادائیگیِ قرض کے لیے بعد نماز جمعہ سات مرتبہ سورۂ کہف کی تلاوت پوری یکسوئی اور توجہ سے دعا کی جائے، ان شاء اللہ غیب سے قرضہ اترنے کے سامان ہوں گے۔

☆اگر کسی پر قرض ہو اور اس کے اترنے کا سامان نہ ہو تو ہر نماز کے بعد سورۂ مزمل ایک مرتبہ پڑھی جائے۔ پہاڑ کے برابر بھی قرض ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی ادائیگی کا سامان فرمادے گا۔

کاروبار کی بحالی کے لیے

☆اگر کسی کا کاروبار بند ہوگیا تو وہ کاروبار کی بحالی کی نیت سے سورۂ جمعہ کو نمازِ تہجد کے بعد تین مرتبہ اکتالیس روز تک پڑھے ان شاء اللہ کاروبار بحال ہوجائے گا۔

کاروبار میں ترقی اور برکت

☆اگر کوئی شخص اپنی دکان میں یا اپنے کاروبار کی جگہ پر سورۂ قریش کو روزانہ کثرت سے پڑھے گا تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس کے کاروبار میں ترقی فرمائے گا۔

☆اگر کوئی شخص اسمِ مبارکہ ''یا قیومُ'' کا بکثرت ورد کرے گا تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس کے کاروبار، مال واموال اور تجارت میں ترقی عطا فرمائے گا۔

کاروبار کی حفاظت

اگر کوئی شخص اسم مبارک ''یا رقیبُ'' کا بکثرت ورد کرے گا تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس کے مال، احوال، کاروبار، اہل وعیال اور روزگار وغیرہ کی حفاظت فرمائے گا اور اسے دشمنوں یا حاسدوں کے ہاتھوں لاحق ہوسکنے والے نقصانات سے محفوظ رکھے گا۔

کاروبار میں رکاوٹ

☆اگر کسی شخص کے کاروبار میں کوئی رکاوٹ ہو تو وہ سورۂ نوح کو اپنے کاروبار کے مقام پر روزانہ گیارہ مرتبہ پڑھے۔ ان شاء اللہ اس کے کاروبار میں حائل ہر رکاوٹ رفع ہوجائے گی اور اسے اپنے کاروبار سے کثیر نفع حاصل ہونے لگے گا۔

کشایش رزق اور چہار قل

سورۂ اخلاص کا پڑھنا باعثِ رحمت ہے۔ رزق میں زیادتی وفراخی کے خواہوں کے لیے سورۂ اخلاص آبِ حیات کی طرح ہے۔ رزقِ حلال میں اضافے کے لیے چاہیے کہ روزانہ نماز فجر کے بعد اکیس مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھ لیا کرے۔ نماز ظہر کے بعد بائیس مرتبہ، نماز عصر کے بعد تیئس مرتبہ اور نماز مغرب کے بعد چوبیس مرتبہ اور نماز عشا کے بعد پچیس مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھ لیا کرے اور کوشش کرے کہ ہر نماز کے بعد جس قدر تعداد میں بھی پڑھے... اسی تعداد میں اول و آخر درود ابراہیمی پڑھے۔ یہ وظیفہ ہمیشہ کرے..... ان شاء اللہ رزق میں زیادتی وفراخی عطا ہوگی۔ بفضل باری تعالیٰ کبھی رزق میں تنگی نہیں ہوگی۔

☆☆☆

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

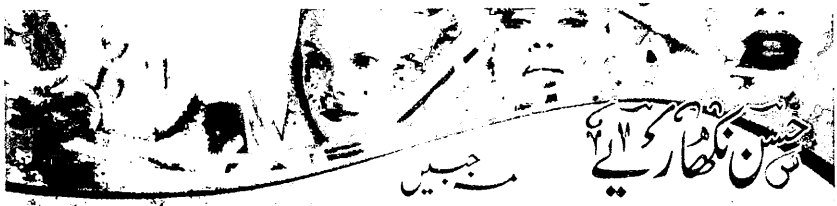

خشک جلد کے لیے

☆ انڈے کی سفیدی ایک چائے کا چمچ شہد اور چند قطرے گلاب کا عرق شامل کر کے خوب پھینٹیں.....شہد کے بجائے دہی بھی ڈالا جاسکتا ہے۔ یہ چہرے پر لگائیں۔

رنگ نکھارنے کے لیے

☆ بالائی یا دودھ میں لیموں کے عرق ڈال کر چہرے پر لگانے سے رنگت سفید ہوتی ہے۔

چہرے اور ہاتھوں پر سیاہی مائل دھبوں کا علاج

☆ کیلے کے چھلکے اندر کی طرف سے رگڑنے کے بعد پانچ منٹ بعد ہاتھ دھولیں۔

بالوں کے لیے آزمودہ نسخہ

☆ سرسوں کا خالص تیل دو لیٹر گیندے کے تازہ پھول ایک پاؤ تیل میں رات کو بھگو کر رکھ دیں۔ صبح پھولوں کو اچھی طرح مسل کر تیل چھان لیں۔ سر دھونے سے ایک گھنٹا پہلے اس کو اچھی طرح سر پر لگالیں۔ بال سلکی اور خوب لمبے ہوجائیں گے

☆ سرسوں کا تیل ہم وزن چنبیلی کا تیل ملا کر لگانے سے بال لمبے ہوتے ہیں اور خشکی ختم ہوجاتی ہے۔ ☆ مہندی میں شہد اور زیتون کا تیل ملا کر بالوں میں لگانے سے بال گھنے اور چمکدار ہوجاتے ہیں۔

☆ کچے ریٹھے لے کر اسے رات کے وقت پانی میں بھگو کر رکھ دیں اور صبح اٹھ کر اس پانی سے سر دھوئیں اس سے بال اچھے اور کالے ہوتے ہیں۔

☆ سکا کائی، ماش کی دال اور میتھی دانہ سل پر باریک پیس کر اس سے سر دھوئیں۔ بال گرنا بند ہوجائیں گے۔

☆ اگر بالوں کی نوکیں پھٹی ہوئی ہیں اور بال چھوٹے ہوگئے ہوں تو اس کے لیے آدھی پیالی خالص مہندی لے کر پانی میں گھول کر آدھا گھنٹا رکھ دیں پھر ایک انڈا اچھی طرح پھینٹ کر اس میں ملالیں اور بالوں میں لگائیں ایک گھنٹے بعد کسی اچھے سے شیمپو سے سر دھوئیں۔ ہفتے میں کم از کم دو بار ایسا کریں۔

☆ آملہ خشک ہڑ خورد، ریٹھے اور بیری کے پتے ہم وزن لے کر تھوڑے سے پانی میں ابال لیں پھر اسے ٹھنڈا کریں اور اس سے ہر تیسرے روز بال دھوئیں۔ (بال لمبے کرنے سے بال ٹھیک ہوجائیں گے)

☆ بال دھونے کے بعد لیموں کا عرق ملا پانی بالوں میں ڈالیں تولیے سے بال نہ رگڑیں۔ انہیں اپنی انگلیوں سے دھیرے، دھیرے سلجھائیں اور خوب موٹے بڑے دندانوں والے کنگھے سے ہلکے، ہلکے بال سلجھائیں۔

☆ ہفتے میں ایک مرتبہ دہی اور کیلے کو خوب پھینٹ کر بالوں میں ماسک کی صورت لگائیں جڑوں تک اور ایک گھنٹے بعد دھولیں۔

☆☆☆

☆ چنبیلی کا تیل اور کچھ قطرے لیموں کے ملا کر بدن میں لگانے سے خارش ختم ہوجاتی ہے۔

☆ آنکھوں کی تھکن دور کرنے کے لیے گلاب کے عرق میں روئی بھگو کر آنکھوں پر رکھ دیں۔

☆☆☆

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

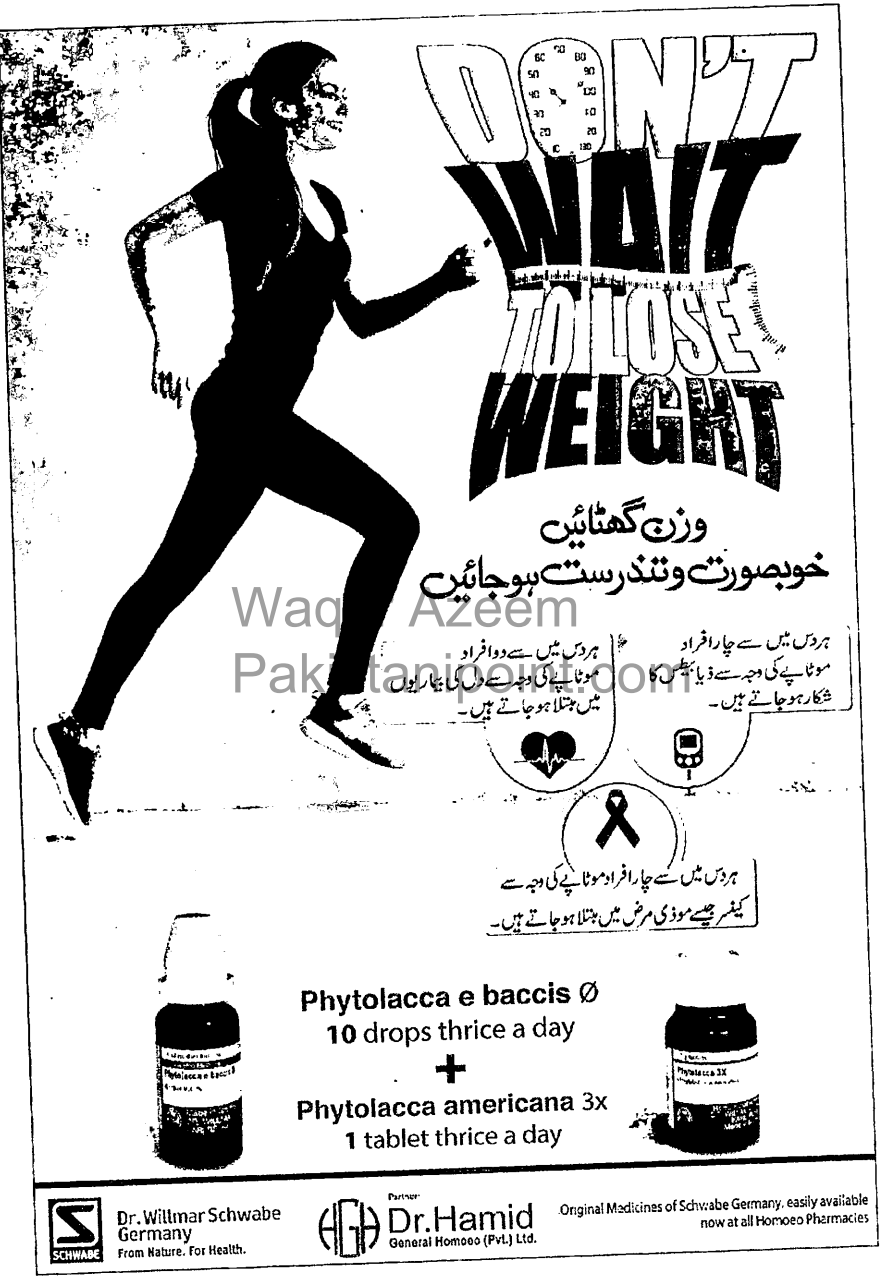

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

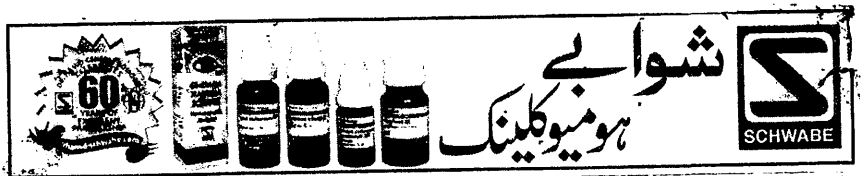

اس بات کی ضرورت کافی عرصے سے محسوس کرائی جارہی تھی کہ کسی مستند ادارے کے تحت ماہر تجربہ کار ہومیو پیتھک ڈاکٹروں کا بورڈ ہو جو لوگوں کی صحت کے مسائل کو اپنی ماہرانہ رائے اور تجربے کی روشنی میں نہ صرف حل کرے بلکہ ان کی رہنمائی بھی کرے۔ لہٰذا اس سلسلے کے تحت ہماری کوشش ہوگی کہ ہم آپ کو مختلف امراض کے متعلق آگاہی بھی فراہم کریں اور آپ کے جو صحت کے مسائل ہوں اس کو بورڈ کے ماہر و تجربہ کار ڈاکٹرز کے ذریعے حل کرائیں تاکہ آپ کا معیارِ صحت بلند ہو لہٰذا آپ کے جو بھی صحت کے مسائل ہیں انہیں ہمیں اس پتے پر لکھ بھیجیں، ڈاکٹر حامد جنرل ہومیو پرائیویٹ لمیٹڈ آرام باغ روڈ کراچی 74200۔ ہم ماہنامہ پاکیزہ کے ذریعے آپ کی بیماری کے متعلق آپ کی رہنمائی کریں گے لیکن اس کے لیے اپنا مکمل نام، عمر، پتا اور جو کام کرتے ہیں اس کے متعلق، ازدواجی حیثیت، بیماری کے متعلق، کب سے ہوئی، کیا علاج کیا؟ کسی قسم کی کوئی رپورٹس ہوں تو اس کی فوٹو کاپی جو پڑھنے کے قابل ہوں ساتھ بھیجیں تاکہ صحیح تشخیص کی جاسکے اور دوا بھی صحیح تجویز ہو۔ (اپنے علاقے میں دوا نہ ملنے کی صورت میں ہم سے رجوع کریں)

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

پیٹ کا بڑھنا اور سانولا رنگ

مینا..... لاہور

میرا مسئلہ یہ ہے کہ بیٹے کی پیدائش کے بعد سے میرا پیٹ بہت بڑھ گیا ہے۔ بیٹا نارمل ہوا تھا۔ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ میرا رنگ بہت سانولا ہو گیا ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ پہلے جیسا صاف اور گورا ہو جائے اس کے لیے بھی کوئی دوا بتائیں اور استعمال کا طریقہ بھی بتایئے گا۔

جواب: لیڈی ڈاکٹر نے آپ کو جو ورزشیں بتائی ہیں وہ کریں اگر بچے کو دودھ نہیں پلا رہی ہیں۔ مندرجہ ذیل ادویات ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی استعمال کریں۔ Sarsaprilla 3x, Calc.Carb30 Podophylum30 کے 5،5 قطرے آدھے گلاس پانی دن میں 3 مرتبہ کھانے سے 1/2 گھنٹے پہلے لیں۔ وزن بھی نوٹ کریں پیٹ کا سائز بھی نوٹ کریں۔ 3 ماہ بعد کیفیت سے مطلع کریں۔

ماہواری کی زیادتی

نرمل..... شیخوپورہ

میرا مسئلہ یہ ہے کہ جب میں تیرہ سال کی تھی تو پیریڈز

ٹوکن

برائے شوابے ہومیو کلینک

ستمبر 2020ء

اپنا مسئلہ اس ٹوکن کے ساتھ روانہ کریں۔ ٹوکن کے بغیر آئے ہوئے مسئلوں پر توجہ نہیں دی جائے گی۔ اپنا مسئلہ جس مہینے بھیجیں اسی مہینے کا ٹوکن استعمال کریں۔

نام: _____

پتا: _____

_____

.... باقاعدہ نہیں آتے تھے۔ مختلف ڈاکٹرز سے مشورہ کیا تو انہوں نے کہا کہ وقت گزرنے کے ساتھ ٹھیک ہوجائے گا لیکن پھر پندرھویں سال کے آخر تک شروع ہوگئے تھے جو کہ رکنے کا نام ہی نہیں لیتے پورا ماہ ہی تقریباً ایسی حالت میں ... گزرتا ہے، پھر کچھ دن ٹھیک ہونے کے بعد دوبارہ وہی کیفیت مسلسل رہتی ہے۔ گائنی ڈاکٹرز اور دیگر ڈاکٹرز کو چیک کروایا دوا بھی لی۔ ہومیو، حکمت وغیرہ کی دوائی کھانے سے بھی کوئی خاطر خواہ افاقہ نہیں ہوا۔

جواب: مینسز شروع ہوں تو آرام کیا کریں (بیڈ ریسٹ) 3 ماہ تک ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Sabina 6, Ferr.Phos 30, AletrisQ کے 5، 5 قطرے دن میں 3 مرتبہ تھوڑے پانی میں دیں۔

خشکی و چہرے پر دانے

نورین.....راولپنڈی

میری عمر 24 سال ہے۔ میرے چہرے پر دانے نکل آتے ہیں۔ شادی سے پہلے زیادہ ہوتے تھے۔ اب بھی وقتاً فوقتاً ہوتے رہتے ہیں۔ میری شادی کو دو سال ہوگئے ہیں میرا ایک بچہ ہے۔ مجھے ایسی کوئی دوا دیں کہ میرے دانے صحیح ہوجائیں۔ میں نے کئی دفعہ صافی بھی پی ہے لیکن وقتی فائدہ ہوتا ہے۔ میری جلد چکنی ہے۔ قبض کی شکایت کبھی ہوتی ہے کبھی نہیں۔ میرا دوسرا مسئلہ سر میں خشکی اور بالوں کے سفید ہونے کا ہے، اسے روکنے کے لیے بھی کوئی دوا تجویز کردیں۔

جواب: یہ بالکل غلط مفروضہ ہے کہ خون خراب ہوتا ہے تو چہرے پر دانے نکلتے ہیں، جلد کی صفائی نہ ہونا شوگر، ڈپریشن، ہارمونز کی خرابی، ہاضمہ کے نظام کا صحیح نہ ہونے وغیرہ ..... سے بھی دانے نکلتے ہیں۔ لہٰذا اشتہاری دواؤں سے اجتناب کریں۔ ماہر تجربہ کار مستند کوالیفائیڈ ہومیو پیتھک معالج سے علاج کرائیں۔ آپ نے یہ نہیں لکھا کہ دانے کا ماہواری سے کوئی تعلق ہے؟ سر میں خشکی کس رنگ کی ہے، کب سے ہے، بال کب سے سفید ہو رہے ہیں؟ ذہنی دباؤ سے بھی بالوں اور سر کی جلد پر اثر پڑتا ہے۔ ایک ماہ تک ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویات استعمال کریں پھر دوبارہ حال بتائیں۔ Natr.mur 30, Asterias Rubens 30 کے 5، 5 قطرے Jaborandi Q کے 15 قطرے 1/2 گلاس پانی میں دن میں 3 مرتبہ پئیں۔ Velaxan کی ایک گولی دن میں 3 مرتبہ تھوڑے پانی کے ساتھ لیں۔

بھوک کی کمی اور قبض

منصور.....حیدرآباد

میری بیٹی 4 سال کی ہے، اسے اکثر قبض رہتا ہے۔ ویسے اس کی صحت ٹھیک ہے۔ ہر دو دن بعد مشکل سے اور سخت ہوتی ہے۔ کھاتی پیتی بھی کم ہے۔ کوئی اچھی دوا تجویز کریں۔

جواب: پانی کتنا پیتی ہے؟ یہ نہیں بتایا، کھانے میں غذا کیا ہے؟ کتنا کھاتی ہے؟ یہ بھی نہیں لکھا ہے۔ تھائرائڈ کا ٹیسٹ کرائیں۔ کھانے میں سبزی فروٹ دیں، دال، دلیا بھی استعمال کرائیں، روٹی چپاتی استعمال کرائیں۔ جنک فوڈز نوڈلز کا استعمال نہ کرائیں۔ کھیل کود کرائیں۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویات استعمال کرائیں، Belladona 30 , Bryonia 30 دونوں کے 5، 5 قطرے 1/2 گلاس پانی میں دن میں 3 مرتبہ استعمال کرائیں۔

کیا قد بڑھ سکتا ہے؟

دلاور.....ایبٹ آباد

میری بہن کی عمر 15 سال ہے۔ اور قد 4 فٹ 9 انچ ہے اس کا قد چھوٹا ہے خاندان میں بھی زیادہ تر قد چھوٹے ہیں جس کی وجہ سے بہت زیادہ پریشان ہوں۔ مہربانی فرما کر اس کی پریشانی دور کریں۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint

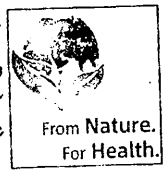

جواب: ماں، باپ اور ان کے والدین کے قد کے حساب سے بچوں کا قد دیکھا جاتا ہے جو کہ آپ نے نہیں لکھا۔

ذہنی دباؤ بھی قد پر اثر ڈالتا ہے، ہارمونز بھی اثر انداز ہوتے ہیں بعد میں یہ دیگر مسائل پیدا ہوتے ہیں۔

اچھا ماحول بنائیں خوشگوار دوستوں جیسا، متوازن غذا لیں، تازہ پھل، سبزیاں، گوشت، دودھ، دالیں وغیرہ۔ جنک فوڈز اور کولڈ ڈرنکس، مصنوعی شربت سے بچائیں، لسی، ستو اور تازہ پھلوں کا جوس مفید ہے اور اگر پورا پھل کھائیں تو زیادہ مفید ہے۔ لٹکنے والی ورزش کریں اوچھل کود والے کھیل کھیلیں۔ 6 سے 8 گھنٹے کی نیند لیں۔ سوتے وقت سر کے نیچے تکیہ نہ لیں اور ٹانگیں سیدھی کر کے لیٹیں۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویات استعمال کرائیں۔

Alfalfa Q کے 7 قطرے دن میں 3 مرتبہ 1/2 کپ پانی میں اور Calc Phos 30 کے 5، 5 قطرے 1/2 کپ پانی میں دن میں 3 مرتبہ استعمال کرائیں۔ Calc Fluor 30 3 ماہ بعد حال بتائیں۔

پلیٹی لیٹس

مصطفیٰ.....فیصل آباد

مجھے تین سال پہلے یرقان ہوا تھا۔ مسلسل کئی ماہ کی دوائیوں کے علاج سے ٹھیک ہو گیا۔ مگر اب ایک تو میری تلی کا سائز بڑھ گیا ہے۔ اس کی وجہ سے میرے Platelets کم ہونا شروع ہو گئے ہیں۔ مجھے ہومیو علاج پر بہت اعتماد اور یقین ہے۔ میں آپ کو اپنی میڈیکل رپورٹ / ٹیسٹ اور الٹرا ساؤنڈ وغیرہ بھیج رہا ہوں۔ برائے مہربانی ایسی دوائیں تجویز کریں جن سے میری تلی کا سائز اور پلیٹی لیٹس صحیح ہو جائیں۔

جواب: لوگوں کے مشورے سے کوئی بھی دوا استعمال نہ کیا کریں۔ مستند ماہر معالج سے رابطہ کر کے علاج کرائیں جو ہومیو پیتھک ادویات آپ نے استعمال کی ہیں وہ غلط ہیں۔ تلی بڑھنے، پلیٹی لیٹس کے کم ہونے، اے ایل ٹی، اے ایس ٹی کے بارے میں تو لکھ دیا۔ لیکن اپنی ذہنی و جسمانی حالت نہیں لکھی۔ ان کے بڑھنے سے آپ کو کیا محسوس ہو رہا ہے (درد، بھوک، پیاس، نیند وغیرہ) ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Ceanothus Q کے 10 قطرے 1/2 گلاس پانی میں ڈال کر دن میں 3 مرتبہ استعمال کریں اور Eupatorium Perf 30 کے 5، 5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں 3 مرتبہ استعمال کریں۔ تازہ صاف پانی و غذا استعمال کریں، چہل قدمی کیا کریں۔ اور اللہ سے دعا کریں ہم آپ کے لیے دعا گو ہیں۔ ایک ماہ بعد رپورٹ و حالات سے آگاہ کریں۔

احتلام و جریان

راحیل.....نور آباد

میری عمر 20 سال ہے۔ غیر شادی شدہ ہوں۔ مجھے 6 سال سے احتلام اور جریان کا مسئلہ ہے۔ قبض بھی بہت ہے۔ برائے مہربانی کوئی اچھی سی دوا تجویز کریں تاکہ میری پریشانی دور ہو۔

جواب: کرتے کیا ہیں یہ نہیں لکھا۔ 10 گلاس پانی روزانہ پئیں۔ سبزیوں اور پھلوں کا استعمال زیادہ کیا کریں۔ صبح سویرے ورزش کریں۔ رات کھانے کے بعد 15 منٹ واک کریں۔ سونے سے پہلے کوئی بھی چیز نہ کھائیں اور نہ پانی پئیں۔ پیشاب کر کے دائیں کروٹ سے سویا کریں۔ اچھے لوگوں کی صحبت اختیار کریں۔ نماز کی پابندی کریں، قرآن و احادیث کو ترجمہ کے ساتھ پڑھیں۔

ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی دوا Selenium 30 کے 5، 5 قطرے 1/2 گلاس پانی میں دن میں 3 مرتبہ لیں۔ ایک ماہ بعد کیفیت سے مطلع کریں۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

کمر کی ہڈی

انیسہ.....مانسہرہ

ڈاکٹر صاحب میں نے آپ کی بہت تعریف سنی ہے کہ آپ کی دوا سے مریض جلد صحت یاب ہوجاتے ہیں۔ میری عمر 20 سال ہونے والی ہے۔ میری ریڑھ کی ہڈی ٹیڑھی ہے۔ جس کی وجہ سے میرا ایک کندھا دوسرے سے نیچے ہے اور کمر میں بھی کبھی کبھی درد ہوتا ہے۔ نسوانی حسن کی بھی بہت زیادہ کمی ہے۔ پلیز اس کے لیے کوئی دوا بتائیں۔

جواب: یہ صرف اللہ وحدہ لاشریک کی ذات ہے جو کسی کو ٹھیک کرسکتی ہے۔ 20 سال کی عمر میں قد نہیں بڑھتا۔ کمر کے مسئلے کے لیے کیا کسی سے کوئی علاج کرایا ہے؟ ٹین ایج اور اس سے پہلے جسمانی نشوونما ہوتی ہے، قد بھی بڑھتا ہے۔ چھاتیوں کی نشوونما بھی ہوتی ہے اگر اس وقت توجہ دی جائے تو صحت کے چانس زیادہ ہوتے ہیں۔ بہرحال متوازن خوراک جس میں پروٹین زیادہ ہو اور لنگڑے، اچھل کود والی ورزش کریں۔ 6 سے 8 گھنٹے کی نیند لیں۔ سوتے وقت سر کے نیچے تکیہ نہ لیں اور ٹانگیں سیدھی کرکے لیٹیں اور ساتھ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویات استعمال کریں 3 ماہ بعد کیفیت سے مطلع کریں۔

Calc.Carb 30, Theridion 30 کے 5، 5 قطرے 1/2 گلاس پانی میں دن میں 3 مرتبہ لیں۔

دمہ

ارسل مومن آباد

میں دمہ کا مریض ہوں۔ سانس کی نالیوں میں ریشہ پیدا ہوتا ہے جب تک نالیوں میں ریشہ پیدا ہوتا رہے گا میں ٹھیک نہیں ہوسکتا۔

جواب: سانس کی نالیوں میں تنگی بلغم کی وجہ سے ہوتی ہے۔ ٹھنڈی، کھٹی، مصالحے والی اشیا استعمال نہ کریں اور نہ ہی بہت زیادہ میٹھی اشیا اور میدے سے بنی ہوئی چیزوں کا استعمال کریں۔ ایک ماہ تک ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویات کا استعمال کریں Arsenic Alb 30 اور Antimonium Tart 30 کے 5,5 قطرے 1/2 گلاس پانی میں دن میں 4 مرتبہ استعمال کریں۔

آنکھوں کے آگے کالے دھبے

رانا ظفر.....ڈیرہ اسماعیل خان

میری عمر 55 سال ہے۔ مجھ کو شوگر کی بیماری تو نہیں ہے ہاں ہائی بلڈ پریشر کی شکایت ہے۔ میں نے دور اور نزدیک کی عینک لگوائی ہے۔ عینک سے صاف نظر آتا ہے لیکن کبھی، کبھی سیاہ رنگ کے چھوٹے، چھوٹے گول نشان نظر آتے ہیں۔ میرے لیے جرمنی کی ادویات تجویز فرمادیں جس سے میں ٹھیک ہوجاؤں اور موتیا سے بھی ہمیشہ کے لیے محفوظ ہوجاؤں۔

جواب: ایسا اعصابی کمزوری کی وجہ سے بھی ہوسکتا ہے اس لیے پہلے Alfalfa کے 11 قطرے 1/2 کپ پانی میں دن میں 3 مرتبہ کھانے کے ایک گھنٹے بعد لیں۔ calc Phos 30 صبح وشام 5 قطرے 1/2 کپ پانی میں لیں..... Physostigma30 کے 5 قطرے دن میں 3 مرتبہ 1/2 کپ پانی ملا کر پیس آنکھوں میں ڈالنے کے لیے بھی ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Cineraria Maritima کا ایک ایک قطرہ دونوں آنکھوں میں صبح دوپہر اور رات ڈالیں۔ Cratex کی ایک گولی دن میں 3 مرتبہ تھوڑے پانی کے ساتھ لیں۔ 2 ماہ بعد کیفیت سے مطلع کریں۔

رنگ گورا کرنا ہے

شفق.....لاہور

میں جیسے، جیسے... بڑی ہورہی ہوں میرا رنگ

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

سانولا ہوتا جارہا ہے۔ پلیز کوئی اچھی سی دوا تجویز کریں۔

جواب: متوازن غذا استعمال کریں، 8 گلاس پانی روزیا کریں۔ نمازوں کی پابندی کریں، سورج نکلتے وقت تازہ ہوا میں سانس لیں اور جاگنگ کریں۔ پُرسکون رہا کریں۔ پوری نیند لیا کریں۔ باربی کیو، جنک فوڈز اور مرغن غذاؤں سے پرہیز کریں۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویات استعمال کریں Sarsaparilla 30, Calc. Phos 30 کے 7,7 قطرے آدھا گلاس پانی دن میں 3 مرتبہ لیں۔ ایک ماہ بعد حال بتائیں۔

ایک بیٹا اور ہو جائے

ندیم..... بھاولپور

میری شادی کو دس سال ہو گئے ہیں۔ میری دلی خواہش ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے ایک اور بیٹا عطا فرمادے۔

جواب: اللہ کا شکر ادا کریں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دونوں نعمتوں سے نوازا ہے۔ ان دونوں بچوں کی تعلیم اور تربیت پر توجہ دیں۔ عمر آپ کی اب ایسی نہیں ہے کہ بچے پیدا ہوں کیونکہ اس عمر میں ماں کے لیے جان کا ہائی رسک ہوتا ہے۔

کورونا وائرس کیا ہے؟

بچنے کی تدابیر اور ہومیو پیتھک علاج!

جس طرح عموماً سردیوں میں نزلہ، زکام اور بخار ہوتا ہے جسے فلو یا انفلوئنزا کہا جاتا ہے۔ بالکل اسی طرح کی علامات یہ کورونا وائرس بھی پیدا کر رہا ہے۔ اس میں خوف زدہ ہونے اور گھبرانے کی قطعاً ضرورت نہیں۔ کیوں؟ اس لیے کہ: ۱۔ نام اس کا نیا ہے لیکن بیماری وہی پرانی ہے۔ ۲۔ پھیلتی ضرور تیزی کے ساتھ ہے، لیکن مہلک نہیں یعنی اموات کا تناسب بہت ہی کم ہے۔ وہ بھی بڑی عمر کے لوگوں میں جن کو پہلے سے کوئی شدید بیماری ہو۔ ۳۔ صحت پانے والوں کا تناسب 97 فیصد ہے۔ ۴۔ ہومیو پیتھی میں اس کا مکمل اور شافی علاج بالکل اس طرح موجود ہے کہ جس طرح ڈینگیو فیور کا ہے۔ علامات میں: (۱) گلا خراب ہونا، تکلیف اور نگلنے میں دقت (۲) چھینکیں (۳) ناک بہتی ہے یا بند (۴) جسم کا درد (پٹھوں یا ہڈیوں میں) یا تھکن کا احساس (۵) سر میں درد (۶) کھانسی (۷) بخار۔ علاج نہ کیا جائے اور احتیاط نہ کی جائے یا اینٹی الرجی یا اینٹی بائیوٹک استعمال کی جائے تو علامات شدت اختیار کر کے نمونیہ کی شکل اختیار کر لیتی ہیں۔

کورونا سے بچنے کی حفاظتی تدابیر

مندرجہ ذیل اقدامات سے آپ کی قوتِ مدافعت بہتر ہوگی اور آپ اکثر بیماریوں سے محفوظ رہیں گے۔ انشاء اللہ!

(۱) ٹھنڈے کے بعد گرم اور گرم کے بعد ٹھنڈا نہ کریں (۲) ناخن بالکل چھوٹے رکھیں (۳) باوضو رہیں (۴) کپڑے موسم کی مناسبت سے پورے پہنیں (۵) سادہ متوازن غذا لیں (۶) غیر ضروری طور پر نہ تھکیں (۷) جلدی سوئیں، صبح سویرے کی دھوپ اور تازہ ہوا لیں۔ (۸) شربت، کولڈ ڈرنکس و آئس کریم نہ لیں (۹) بازار سے آنے کے بعد لازمی صابن اور نیم گرم پانی سے ہاتھ دھو کر ناک بھی صاف کریں اور غرارے بھی کریں کھانے سے پہلے ہاتھ ضرور دھوئیں۔ (۱۰) اینٹی الرجی و اینٹی بائیوٹک ادویات سے حتی الامکان بچیں۔

(۱۱) ہومیو پیتھک علاج جسم کی قوتِ مدافعت (Immunity) کو بڑھاتا ہے۔ اس طرح نہ صرف جسم بیماری سے نجات پاتا ہے بلکہ آنے والی بیماریوں سے محفوظ بھی رہتا ہے۔

☆☆

Dr.Willmar Schwabe Germany
SCHWABE
Available at All Medical & Homoeopathic Stores
شوابے سنگل ریمیڈیز گھر بھر کی صحت کے لیے کلاسیکل ہومیو پیتھی